امداد الفتاویٰ جدید

فتاویٰ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان

خلیفہ اجل حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

جدید مطول حاشیہ

شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء والحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مراداباد، الهند

......

بقية الصلوٰة، من باب التجويد إلى

الباب السابع عشر، الجمعة والعيدين

ناشر:

زکریا بک ڈپو انڈیا الهند

امداد الفتاویٰ جدید

فتاویٰ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان

خلیفۂ اجل حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

جدید مطول حاشیہ: ـــــ مفتی شبیر احمد قاسمی

محشی: ـــ شبیر احمد القاسمی 9412552294

مالک: ـــــ مکتبۂ زکریا ـ 01336-223223

ZAKARIA BOOK DEPOT DEOBAND

فون دکان: ۰۱۳۳۶-۲۲۳۲۲۳ مکان: ۰۱۳۳۶-۲۲۵۲۲۳ فیکس: ۰۱۳۳۶-۲۲۵۲۲۳
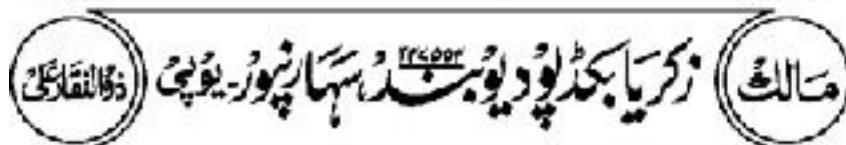
ZAKARIA BOOK DEPOT
DEOBAND SAHARANPUR (U.P.)
Ph. (01336) 223223(O) 225223 ®
Fax : (01336) 225223
Mob.: 09897353223, 09319861123

****

اجمالی فہرست ایک نظر میں

فہرست مضامین

مسئلہ نمبر **صفحہ نمبر**

فصل: في التجوید

۵ / بابُ الإمامة و الجماعة

۲/ بَقِیَّۃُ کِتَابُ الصَّلٰوۃِ

٦ / باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا

مسئلہ نمبر: .... صفحہ نمبر

۷/ باب صلوٰۃ الوتر

۸/ باب النوافل

۹/ باب التراویح

۱۰ / باب إدراک الفریضۃ و قضاء الفوائت

۱۱/ باب أحکام اللاحق و المسبوق

۱۲/ باب السھو في الصلوٰۃ و أحکامہ

۱۳/باب صلوٰۃ المریض

۱۴/ باب سجدۃ التّلاوۃ

۱۵/ باب صلوٰۃ المسافر

رسالہ نافع الإشارة إلىٰ منافع الاستخارة

(یعنی ایک شخص کے علی الترتیب چند خطوط کے جوابات)

۱۷ / باب صلوۃ الجمعۃ والعیدین

فصل: (*) في التجويد

تحقیق ''ضاد وظاء'' (**)

سوال (۲۳۲): قدیم ۱/۲۶۲ - قرآن مجید میں ضاد پڑھنے پر لوگوں نے مختلف ڈھنگ اختیار کئے ہیں، بہت لوگ دواد پڑھتے ہیں، بہت لوگ صاف دال پڑھتے ہیں، بہت لوگ ظا یا زا پڑھتے ہیں، بہت لوگ عجب خلط کرتے ہیں کہ کہیں تو دواد پڑھتے ہیں اور کہیں صاف دال پڑھ دیتے ہیں، اور ان خلط کرنے والوں کی تعداد دنیا میں بہت معلوم ہوتی ہے۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے پڑھنے کو حنفیوں کے طریقے کے موافق سمجھتے ہیں، باقی پڑھنے والوں کو اپنے زعم میں غیر مقلد جانتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ضاد کو دواد یا دال یا ظاء یا زا یا ذال پڑھنا سب ہی غلط ہیں، مگر جو شخص جس طرح پڑھتا ہے اسی کو موافق قواعد تجوید

(*) تجوید سے متعلق دو جواب پہلے نمبر: ۲۱۹-۲۲۰ پر گذرے ہیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) ضاد کے متعلق دس فتوے ہیں (از نمبر: ۲۳۲-۲۴۱، اور نمبر: ۲۱۹ مع اس کے تتمہ نمبر: ۲۲۰ کے) جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

''ضاد'' کا مخرج:- ''ض'' کا مخرج اور اس کی آواز ظاء اور دال کے مخرج اور ان کی آوازوں سے ممتاز ہے، مگر اس کی آواز اقرب الی الظاء ہے، یعنی دونوں کی آوازوں میں تشابہ تام تو نہیں ہے؛ بلکہ من وجہ دون وجہ ہے؛ لیکن غالب مشابہت ظاء کی آواز کی ہے (اس پر مفصل بحث نمبر: ۲۳۴ کے جواب میں ہے) لہٰذا ضاد کو صحیح مخرج اور صحیح آواز سے ادا کرنا اور اس کی مشق کرنا ضروری ہے اور عوام جو ضاد کو دال کے مخرج سے پڑھتے ہیں یا غیر مقلدین جو ظاء کے مخرج سے پڑھتے وہ محض غلط ہے۔

عاجز کا حکم:- جو شخص باوجود کوشش کے بھی ضاد کو صحیح ادا نہ کرسکتا ہو وہ عاجز ہے، وہ ضاد کو دا مفخم یعنی دواد پڑھے ظاء نہ پڑھے، اس کا مفصل بیان نمبر: ۲۳۲ کے جواب پر حاشیہ میں ہے۔

نماز کا حکم:- غیر مشاق کی نماز تو ہر طرح ہو جاتی ہے اور مشاق کی زبان سے بھی اگر بلا قصد غلط نکل گیا تو اس کی نماز بھی ہو جاتی ہے؛ البتہ اگر مشاق ہو کر اسی قصد سے پڑھے کہ میں ظاء پڑھتا ہوں یا دال پڑھتا ہوں تو اس کی نماز بلاشبہ فاسد ہوگی (یہ بحث نمبر: ۲۳۴ کے جواب کے آخیر میں ہے) ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

جانتا ہے اور دوسرے طریقے سے پڑھنے والوں کو غلطی پر بتاتا ہے اور اس کی نماز کو فاسد خیال کرتا ہے، عوام کی تو کچھ شکایت نہیں ان بیچاروں کا تو شین قاف تک درست نہیں ہوتا، یہ بلا آج کل کے حفاظ اور حضرات علماء میں دیکھتا ہوں۔ اعراب کہیں معروف پڑھتے ہیں، کہیں مجہول۔ وقف کرتے ہیں اور سانس نہیں توڑتے اظہار اور اخفاء بالکل نہیں کرتے۔ ترقیق و تفخیم کے نام سے بھی اچھی طرح واقف نہیں۔ حروف قلقلہ و استعلاء وغیرہ کسی سے آگاہ نہیں۔ اس پر یہ حال کہ ایک فریق دوسرے فریق کی نماز کو باطل بتا رہا ہے اور سارا جھگڑا ہیر پھیر کر صرف ضاد ہی پر آرہا ہے، جس طرح ضاد کو ضاد پڑھنا قواعد تجوید کے موافق ہے، اسی طرح اور باتیں بھی ہیں، مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اور باتوں میں جھگڑا کیوں نہیں کیا جاتا؟

بعض حضرات علماء یہ فرما دیتے ہیں کہ حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنا چاہئے، وبس یہ بات بھی جی کو نہیں لگتی؛ کیونکہ جس طرح حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنا مأمور بہ ہے، اسی طرح تجوید کی اور باتیں بھی مأمور بہ ہیں۔ پھر صرف ایک قاعدہ پر عمل کرنے اور باقی کو ترک کرنے سے نماز کیوں کر صحیح یا کامل ہو جائے گی؟ شاید دونوں کے مأمور بہ ہونے میں کچھ فرق ہو، جس کو میں نہیں جانتا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ضاد کو دواد پڑھنے پر اجماع منعقد ہو گیا ہے۔ یہ بات میرے جی کو نہیں لگتی؛ کیونکہ بعض ماہرین فن کو سنا ہے وہ تو دواد نہیں پڑھتے۔ بعض حضرات ”و رتل القرآن ترتیلا“ کی رو سے فن تجوید سیکھنے کو واجب فرماتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو بڑی مشکل ہے، لاکھوں نمازیں برباد ہوئیں اور ہوتی ہیں اور ہوں گی؛ کیونکہ یہ فن سخت مشکل ہے۔ حضرات علماء میں ہزاروں میں کہیں دو چار مجود نکلیں گے، مگر جو لوگ واجب فرماتے ہیں یہ نہیں بتاتے کہ کس قدر مقدار واجب ہے؟ بعض زور میں آکے یہ کہہ دیتے ہیں کہ حروف کے مخارج کا ادا کرنا اتنی مقدار واجب ہے؛ لیکن ان سے اس بات پر اگر کوئی دلیل نقلی طلب کرے تو فضول باتیں بنانے لگتے ہیں، اپنی ذاتی رائے کے سوا کچھ جواب نہیں بن آتا۔

امید کرتا ہوں کہ ضاد کے متعلق جو عرض کیا گیا ہے غور سے ملاحظہ فرما کر کافی شافی جواب مرحمت ہو، تا کہ قلب کو تسکین ہو اور اس کے مطابق اعتقاد و عمل رکھا جائے۔

الجواب (*): في فتاویٰ قاضي خان: (وان ذکر حرفا مکان حرف وغیر المعنی

(*) اس مقام پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ضاد کو دواد اور ظاء دونوں طرح پڑھنا ←

فإن أمكن الفصل بين الحرف من غير مشقة كالطاء مع الصاد، فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلوته عند الكل، وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد، والصاد مع السين، والطاء مع التاء اختلف المشائخ فيه، قال أكثرهم: لا تفسد صلوته اه. وفيها أيضا: ولو قرأ والعاديات ظبحا بالظاء تفسد صلوته اه. وفيها: وكذا لو قرأ غير المغضوب عليهم بالظاء وبالذال تفسد صلوته، ولو قرأ الظالين بالظاء أو بالذال لا تفسد صلاته، ولو قرأ الدالين بالدال لا تفسد صلوته اھ. ولو قرأ ونخل طلعها هضيم قرء بالظاء وبالذال تفسد صلوته اھ. وفيها أيضا: ولسوف يعطيک ربک فترضىٰ قرأ فترظٰى بالظاء تفسد صلوته اه. وفيها: كيدهم في تضليل قرأ بالظاء قال بعضهم: لاتصح اه. وفيها: ومن يضلل الله قرأ بالظاء لا تفسد صلوته اھ. وفيها: الذى فرض عليک القرآن قرء بالظاء تفسد صلوته اھ. وفيها: أء ذا ضللنا قرء بالظاء ظللنا لا تفسد صلوته، وهو قراء ة فمن فرض فيهن الحج قرأ بالظاء فرظ وبالذال تفسد صلوته. اھ(۱)۔

ان روایات میں تدبر کرنے سے چند امور معلوم ہوتے ہیں: ایک یہ کہ فساد صلوۃ اس وقت ہے جب بلا مشقت دو حرفوں میں تمیز کر سکے اور ضالین کو دال سے پڑھنا مفسد صلوۃ اسی بناء پر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس طرح سے ضالین کو اکثر لوگ پڑھتے ہیں وہ دال نہیں ہے، جس سے بلا مشقت امتیاز ممکن ہے؛ البتہ

← غلط ہے؛ لیکن ظاء پڑھنے میں علاوہ مفسدہ غلطی کے ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ اس میں تشبہ بفرق ضالہ مثل روافض وغیر مقلدین اوران کے ہوا کا اتباع ہے، برخلاف دواد کے اس میں صرف مفسدہ غلطی ہے؛ اس لئے عاجز کے لئے بحکم ''إذا ابتليت ببليتين فاختر أهونهما'' دواد پڑھنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ اور ظاء پڑھنے سے روکا جائے گا، اسی سے اس کا راز بھی معلوم ہو گیا کہ لوگ ضاد کو ظاء پڑھنے والے پر کیوں زیادہ ملامت کرتے ہیں اور ایسا کرنے پر کیوں شور وشغب کرتے ہیں۔۱۲ واللہ اعلم (تصحیح الاغلاط ص:۱۸)

(۱) فتاوى قاضي خان على هامش الهندية، الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة، فصل في القراء ة خطأ وفي الأحكام المتعلقة بالقراء ة، قديم زكريا ۱/ ۱۴۱- ۱۵۰، جديد زكريا ۱/ ۸۸، ۹۴۔

اگر کوئی شخص خالص دال پڑھے گا تو اس کی نماز کو فاسد کہا جاوے گا۔ اور جس طرح سے اکثر پڑھنا اس کا متعارف ہے گو بوجہ مشق نہ کرنے کے وہ صحیح نہیں ہے، مگر صحیح حرف کو سننے والا اس امر کو پہچان سکتا ہے کہ یہ طریق متعارف اس کے مشابہ ہے، اس طرح کہ تمیز دونوں میں شاق ہے، حتیٰ کہ جس شخص کو ضاد کے مخرج صحیح سے مشق کرائی جاتی ہے اور اس کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے، وہ ادا کرنے کے وقت کبھی کبھی اس متعارف طریق کو ادا کر بیٹھتا ہے اور دونوں میں اس کو تمیز دشوار ہوتی ہے؛ اس لئے اس طریق متعارف کو داخل دال کر کے مفسد صلوۃ کہنا بعید ہے۔

دوسرا امر یہ معلوم ہوا کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو مفسد صلوۃ عندالاکثر نہ کہنا علی الاطلاق نہیں ہے؛ بلکہ اس وقت ہے جبکہ بلا عمد ہو ورنہ وہ بھی مفسد صلوۃ ہے، ورنہ ''**والعادیات ضبحا**'' اور ''**مغضوب علیھم**'' اور ''**ھضیم**'' اور ''**فترضی**'' اور ''**فرض**'' میں ظاء پڑھنے کو مفسد صلوۃ نہ کہا جاتا، چنانچہ مدار عدم فساد کا عدم امکان الفصل الا بمشقۃ کو ٹھیرانا اس کی دلیل ہے؛ کیونکہ عمداً وہی پڑھے گا جو فصل بلا مشقت کر سکتا تھا، پس حاصل اس کا یہ ہوگا کہ جس شخص سے بلا مشقت فصل ممکن نہ ہوا اور وہ ضاد پڑھنے کا قصد کرتا ہے، مگر ظا نکل گیا اس کی نماز صحیح ہو جاوے گی اور اس کے تعمد کی اجازت کو جزئیات مذکورہ فساد صلوۃ کی رد کرتی ہیں۔ فافہم۔

تیسرا امر یہ معلوم ہوا کہ ولا الضالین میں ظاء کا پڑھنا جو مفسد نہیں ہے، اس کی بناء یہ نہیں ہے کہ ضاد کی جگہ عمداً ظاء کا پڑھنا جائز ہے، ورنہ ''**مغضوب علیھم**'' اور ''**ضالین**'' میں کیا فرق تھا کہ ''**مغضوب علیھم**'' میں تو ظاء کو مفسد بتا رہے ہیں اور ضالین میں غیر مفسد؛ بلکہ مبنیٰ اس کا یہ ہے کہ ضالین میں فساد معنی نہیں ہوتا، جیسا قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظل بالظاء کے معنی لیل اور جنح اللیل اور سواد السحاب کے بھی ہیں، پس ظالین کے معنی مثلاً داخل فی الظلمات ہوں گے جو حاصل ہے ضلال بالضاد کا یا یہ افعال ناقصہ ظل یظل سے ہوگا بمعنی الکائنین اور خبر مقدر ہو گی فی ضلال یا فی غضب بقرینۂ مغضوب علیھم کے، جیسا ''**أء ذا ظللنا**'' بالظاء کی قرأت میں بھی یہ توجیہ ہو گی جیسا آگے مذکور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی خان نے ''**والعادیات ضبحا**'' وغیرہ میں تو ظاء کو مفسد کہا۔ اور جہاں جہاں مادہ ضلال کا آیا ہے جیسے ''**و من یضلل اللہ**'' اور ''**أء ذا ظللنا**'' اس میں غیر مفسد کہا، ورنہ اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ہر جگہ عدم فساد اسی مادہ

....

....

کے ساتھ خاص کیا گیا، چنانچہ ”أء ذا ظللنا“ میں خود ”ظللنا“ بالظاء کا ایک قراءت ہونا بھی نقل کیا ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس قراءت کی رعایت سے ہر جگہ اس مادہ میں تاویل صحت معنی کی گئی ہے، اس وجہ سے مفسد نہیں کہا۔ اور ہر چند کہ تضلیل میں جو اسی مادہ سے ہے، بعض کا قول ”لا تصح“ نقل کیا ہے، مگر اس قول کو اپنی طرف منسوب نہ کرنا بعض مجہول کی طرف نسبت کرنا خود قرینہ ہے کہ یہ ان کا مختار نہیں ہے، پس بناء مذکور پر ارجح یہاں بھی عدم فساد ہوگا، فتدبر و تشکر اور تجوید کی مقدار واجب صرف تصحیح حروف اور رعایت وقوف ہے اس طرح کہ تغیر مراد نہ ہو جاوے باقی مستحسن۔

في فتاویٰ قاضي خان: وإن تغير المعنى تغيرا فاحشا نحو أن يقرء: لا الٰه، ويقف ثم يبتدء بقوله: إلا هو –إلى قوله– قال عامة العلماء: لا تفسد صلوته؛ لما قلنا، وقال بعضهم: تفسد صلوته اھ(۱)۔ قلت: الاختلاف في الفساد يوجب الوجوب.

اس بناء پر اکثر لوگوں نے اس واجب کو حاصل کر رکھا ہے اور بہت سے تارک بھی ہیں مگر نماز ان کی بھی اکثر علماء کے قول پر ہو جاتی ہے البتہ ایسوں کو امامت سے احتراز واجب ہے۔

في فتاویٰ قاضي خان. فإن كان لا ينطق لسانه في بعض الحروف –إلى قوله– لا يؤم غيره، كذا الرجل إذا كان لا يقف في مواضع الوقف اھ(۲) واللہ اعلم۔

۱۸/ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد صفحہ ۱۰۸ ج ۱)

سوال (۲۳۳): قدیم ۱/ ۲۶۷- ضاد کو کس طرح پڑھنا چاہئے اور اکثر فقہاء کا قول کیا ہے اور اکثر کتب دینیات میں اس ذکر میں کیا لکھتے ہیں؟

....

(۱) فتاوی قاضي خان على الهندية، الصلاة، فصل: في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قديم زكريا ۱/ ۱۵۵، جديد زكريا ۱/ ۹۸۔

(۲) فتاوی قاضي خان على الهندية، الصلاة، فصل: في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قديم زكريا ۱/ ۱۵۵، جديد زكريا ۱/ ۹۸۔

الجواب : **في الجزرية (*): والضاد من حافته اذ ولى الاضراس من أيسر أويمناها (١)۔**

جب مخرج معلوم ہوگیا تو ضاد کے ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے مخرج سے نکالا جاوے۔ اس نکالنے سے بوجہ عدم مہارت خواہ کچھ ہی نکلے عفو ہے اور اگر قصداً دال یا ظاء پڑھے وہ جائز نہیں، جیسا کہ بعض نے دال پڑھنے کی عادت کرلی ہے۔ اور بعض نے فقہاء کے کلام میں یہ دیکھ کر کہ ضاد مشابہ ظاء ہے ظاء پڑھنا شروع کردیا؛ حالانکہ مشابہت کی حقیقت صرف مشارکت فی بعض الصفات ہے اور مشارکت فی بعض الصفات سے اتحاد ذات لازم نہیں آتا۔ رہا قاضی خان کے اس جزئیہ سے کہ **لو قرء ولا الظالين لا تفسد صلوته** (٢)۔ ظاء پڑھنے کی اجازت سمجھ لینا اس کو دوسرے جزئیات قاضی خان کے رد کرتے ہیں۔

وهي هذه: ولو قرء والعاديات ظبحا بالظاء تفسد صلوته اھ(٣)۔ **وكذ لو قرء غير المغظوب عليهم بالظاء أو بالذال تفسد صلوته** (٤) **وأمثال ذلک من الفروع المتعددة.** واللہ اعلم۔

١٠/ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۱۳۶ ج ۱)

(*) شعر کا حاصل یہ ہے کہ ضاد حافۂ لسان (زبان کی کروٹ) اور (اوپر کی) ڈاڑھوں کی جڑ سے نکلتا ہے اور اس میں تعمیم ہے کہ بائیں طرف سے نکالو یا داہنی طرف سے؟ ١٢ سعید احمد پالن پوری۔

---

(١) المقدمة الجزرية مع المنح الفكرية، بيان أن الأسنان على أربعة أقسام، مکتبہ ارگ بازار قندھار افغانستان، ص: ١٢۔

(٢) فتاوى قاضي خان على الهندية، الصلاة، فصل: في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قديم زكريا ١/ ١٤٣، جديد زكريا ١/ ٩٠۔

(٣) فتاوى قاضي خان على الهندية، الصلاة، فصل: في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قديم زكريا ١/ ١٤٢، جديد زكريا ١/ ٨٩۔

(٤) فتاوى قاضي خان على الهندية، الصلاة، فصل: في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قديم زكريا ١/ ١٤٣، جديد زكريا ١/ ٩٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (*) (۲۳۴): قدیم ۱/ ۲۶۸- بخدمت مخدومی مکرمی جناب مولانا دام مجدہم۔
بعد سلام مسنون التماس ہے: کمترین بفضلہٖ تعالیٰ بخیریت ہے اور آپ کے مزاج کی خیریت مطلوب ہے، یہاں ضاد اور ظاء کا بہت جھگڑا ہے۔ ایک فریق ضاد پڑھتا ہے اور دوسرا ظاء اور اس میں اس قدر غلو ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا، ضاد والے بہت سی فقہ کی روایتوں کے موافق ظاء پڑھنے سے نماز فاسد کہتے ہیں۔ ظاء والے ضاد کو محض غلط حرف اور تراشیدہ عوام سمجھ کر اس کے پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے عرب میں آپ نے بھی دیکھا ہے کہ سب ضاد پڑھتے ہیں اور ظاء کو کوئی جانتا بھی نہیں۔ پھر یہ بات بھی نہیں کہ عوام اور ناواقف پڑھتے ہوں؛ بلکہ واقفین فن بھی ضاد ہی پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اکثر قراء عرب اور مصر وغیرہ کو اسی طرح پڑھتے سنا۔

استاذ قاری عبداللہ صاحب جو اس فن سے اچھی طرح واقف ہیں، ان کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا اور کچھ مشغلہ تجوید کا بھی رہا۔ وہ بھی ضاد ہی پڑھتے ہیں، کوئی جھگڑا اس معاملہ میں عرب میں نہیں پایا یہاں آکر یہ جھگڑا دیکھا، تو بعض قرأت اور صرف وغیرہ کی کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا جس سے ایک خلجان طبیعت میں ہے؛ اس لئے کہ اکثر کتب فقہیہ اور قرأت سے معلوم ہوا کہ ضاد کی صورت ظ اور ز وغیرہ سے مشابہ ہے اور جس طرح پر کہ ہم لوگ اور عرب وغیرہ پڑھتے ہیں، اس کا کوئی ثبوت ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ اکثر کتب فقہیہ قاضی خان وغیرہ میں لکھا ہے کہ جن دو حرفوں میں تمیز مشکل ہو جیسا کہ ضاد اور ظ ان میں سے اگر ایک کو دوسرے کی جگہ پڑھے تو نماز درست ہوتی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ض صوت میں ظ کے مشابہ ہے اور اس کا صحیح تلفظ ظاد ہے۔ پھر انھیں کتب فقہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ بہت

(*) **خلاصہ سوال:-** سائل ''ضاد'' کو ''ظاء'' کے ساتھ متحد الصوت ہونا ثابت کرنا چاہتا ہے، اس دلیل سے کہ ''ضاد'' اور ''ظاء'' میں تمام صفتیں مشترک ہیں، بجز صفت استطالت کے کہ وہ ضاد میں ہے۔ اور ''ظاء'' میں نہیں ہے اور ضاد کا دال سے مشابہ ہونا باطل ہے؛ کیوں کہ دونوں میں اکثر صفتوں میں اختلاف ہے۔ سائل نے اپنے مذکورہ دعویٰ کے اثبات میں کتب تجوید سے کثیر نصوص پیش کی ہیں؛ لیکن سائل کے دعویٰ پر قوی اشکال شافیہ اور جاربردی کی تحقیق سے ہوگا؛ کیوں کہ ان کی تحقیق میں ضاد کو ظاء کے مشابہ یا بین بین پڑھنا مستہجن (قبیح) اور غیر صحیح ہے؛ لیکن سائل ان کی تحقیق کو یہ کہہ کر ٹال جائے گا کہ دلائل قاطعہ کے مقابل صاحب شافیہ و جاربردی کا قول قابل سماعت نہیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

جگہ ض کی جگہ ظ یا ظ کی جگہ ض پڑھے گا تو نماز درست نہ ہوگی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بالکل مغائر ہیں، یہ بظاہر تعارض کی صورت معلوم ہوتی ہے، مگر اس کا جواب تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عدم جواز صلوۃ اس جگہ ہے جہاں پر معنوں میں تغیر فاحش ہوتا ہوا اور جہاں پر تغیر نہ ہوتا ہو وہاں نماز درست ہے، پھر قرأت کی کتابوں کو دیکھا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ظ میں بہت سی صفتیں مشترک ہیں، حرف ض میں استطالت ہے، ظ میں نہیں باقی مطبقہ اور مصمتہ اور مستعلیہ رخوہ مجہورہ ہونے میں دونوں مشترک ہیں، بخلاف دال کے جس کے مشابہ ض پڑھا جاتا ہے کہ ض اور د میں اکثر صفتیں مخالف ہیں، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ظ قریب المخرج اور متحد الصوت ہیں، اگر چہ قریب المخرج ہونے سے اتحاد صوت لازم نہیں آتا، مگر ائمہ قرأت کی تصریحات سے متحد الصوت ہونا معلوم ہوتا ہے، مثلاً ’رعایہ‘ میں جو امام ابو محمد مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے مذکور ہے:

الضاد حرف يشبه لفظه في السمع بلفظ الظاء الخ (۱)۔

پھر ضاد کا جو مخرج لکھا ہے کہ حافۂ لسان اضراس کو لگا کر نکالا جاوے اس سے بھی ظا دنکلتا ہے، ض اگر نکالا جاتا ہے، تو اطراف لسان ثنایا علیا کو لگ جاتی ہے، جو لام کا مخرج ہے، ٹھیک طور پر مخرج سے نکالا جاتا ہے تو ظا دنکلتا ہے، پھر ض کی صفات میں سے ایک رخوت بھی ہے؛ حالانکہ ضاد نکالا جاتا ہے تو رخوت یعنی جریان صوت اس میں پیدا نہیں ہوتا، جیسا کہ اور حروف رخوہ مثلاً س ز ظا وغیرہ میں بلکہ ض کے ادا کرنے میں صوت بند ہو جاتی ہے اور بطور شدیدہ کے ادا ہوتا ہے، بخلاف اس کے جس وقت ظا د ادا کیا جاتا ہے، یعنی ہمزہ مفتوح اس کے اول میں لگا کر جو مخرج کے دریافت کرنے کا طریقہ ہے صوت نکالی جاتی ہے، تو اس میں رخوت یعنی جریان صوت برابر ہوتا ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ ضاد صوت میں مشابہ ظ کے ہے پھر ’’رعایہ‘‘ میں لکھا ہے:

فليحفظ بترقيق الذال في اللفظ، فإن دخلها تفخيم، فيؤدي إلى الاطباق فيصير عندها ظاء أو ضادا؛ لأنها أخت الظاء في المخرج، وقريبة من الظاء. (۲)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ذ اور ظاء صوت میں مشابہ ہیں۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے:

....

---

(۱) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

إلا أنه حصل في الضاد انبساط لأجل رخاوتها، و بهذه السبب يقرب مخرجه من مخرج الظاء. (۱)

شاہ صاحب تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں: ''بدانکہ فرق میان مخرج ضاد وظا بسیار مشکل است'' (۲)۔ شرح قصیدہ نونیہ میں ہے:

لأن الظاء تشارک الضاد في الأوصاف المذكورة غير الاستطالة، فلذلک اشتد شبهة به، وعسر التمييز واحتاج القاري في ذلک إلى الرياضة لاتصال بين مخرجيهما (۳)۔

پھر تمہید میں لکھا ہے: **لو لا الا ستطالة واختلاف المخرجين لكانت ظاء.**

دوسری جگہ کہتے ہیں: **فمثال الذي يجعل الضاد ظاء كالذى يبدل الصاد سينا.**

ایسے ہی امام محمد مرعشی کے رسالہ جہد المقل وغیرہ میں لکھا ہے کہ اگر ضاد کو صحیح طور پر ادا کیا جاوے گا تو اس کی آواز ظا کے مشابہ ہوگی، پھر جہد المقل اور رعایہ میں صاف تصریح ہے کہ:

الضاد والظاء والذال والزاء المعجمات الكل متشاركة فى الجهر والرخاوة متشاركة فى السمع.

شعلہ شرح شاطبی میں لکھا ہے: **أن هذه الثلاثة أى الضاد والظاء والذال متشابهة في السمع، والضاد لاتفترق عن الظاء إلا باختلاف المخرج وزيادة الا ستطالة في الضاد ولو لاهما لكانت إحداهما عين الاخرىٰ. (۴)**

ان سب سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ض کی آواز ظ کے مشابہ ہے جس طرح پر ہم پڑھتے ہیں جس کو دال مطبقہ کہنا چاہئے اس کا کسی کتاب میں ذکر نہیں ہے طوالت کے خوف سے بہت سے دلائل چھوڑ دیئے ورنہ بہت صاف طور پر سب کتابوں سے واضح ہوتا ہے کہ ض کی صوت ظ کے مشابہ ہے۔

....

(۱) التفسير الكبير للإمام الفخر الرازي، الباب الأول: في المسائل الفقهية المستنبطة من قولنا: (أعوذ بالله من الشيطان الرجيم) مكتبه دارالكتب العلمية طهران ۱/ ۶۳ ـ

(۲) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۳) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۴) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

شاہ صاحب تفسیر عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں: ''بدانکہ فرق مخرج ضاد وظاء بسیار مشکل است''(۱)۔
یہ اشکال اسی وقت ہوتا ہے جبکہ ض کو مشابہ ظاء پڑھا جاوے اور جس طرح پر اس کا پڑھنا متعارف ہے اس طرح پر اگر پڑھا جاوے تو فرق کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ شیخ جمال مکیؒ اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں کہ ضاد کو ظاء پڑھنا لغت اکثر اہل عرب کا ہے امام رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

فثبت بما ذكرنا أن المشابهة بين الضاد والظاء شديدة، وان التميز عسر، وإذا ثبت هذا فنقول: لو كان هذا الفرق معتبرًا لوقع السؤال عنه في زمان رسول الله صلى الله عليه وسلم أو في أزمنة الصحابة رضي الله عنهم لاسيما عند دخول العجم في الإسلام، فلما لم ينقل وقوع السؤال عن هذه المسئلة علمنا أن التميز بين هذين الحرفين ليس في محل التكليف انتهىٰ مختصرا.(۲)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ظ اور ض میں فرق کرنے کی کچھ ضرورت ہی نہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ''احیاء العلوم'' میں فرماتے ہیں:

وفرقة اخرىٰ تغلب عليهم الوسوسة في إخراج حروف الفاتحة، وسائر الأذكار من مخارجها فلا يزال يحتاط في التشديد، والفرق بين الضاد والظاء وتصحيح مخارج الحروف في جميع صلوته لايهمه غيره، ولايتفكرفيما سواه ذاهلا عن معنى القرآن الخ.(۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کوئی جدید نہیں؛ بلکہ علماء ہمیشہ سے ضاد کو مشابہ ظاء کے پڑھتے ہیں اور ان میں فرق کرنے کو فضول سمجھتے ہیں یہ ضاد مروج کوئی جدید ایجاد ہے، پچھلی کتابوں میں اس کا کہیں پتہ نہیں آخر یہ کہاں سے آیا اور پھر تمام امت اس غلطی میں کیسے مبتلا ہوئی۔ عامیانہ جواب تو یہ ہوسکتا ہے کہ تمام عرب اور مکہ اور مدینہ والے سب اس طرح پڑھتے ہیں، مگر ایک محقق آدمی اس قدر تصریحات کتب جدیدہ وقدیمہ کے سامنے اس امر کو کیسے تسلیم کرسکتا ہے، خصوصاً اس وقت کہ عربوں کی زبان نہایت خراب ہوگئی ہے اور بجائے ق کے گ اور اسی طرح بہت سے غلط الفاظ بولتے ہیں اگرچہ قرآن شریف میں عرب لوگ غلطی

....

(۱) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۲) التفسير الكبير للإمام الفخر الرازي، الباب الأول: في المسائل الفقهية المستنبطة من قولنا: (أعوذ بالله من الشيطان الرجيم) مكتبه دارالكتب العلمية طهران ۱/ ۶۳ ـ

(۳) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

نہیں کرتے، مگر ترکوں کو خود سنا ہے کہ قرآن شریف میں بھی ک کی جگہ چ بولتے ہیں، اگر ضاد مروجہ صحیح ہوتو پھر اس کے کیا معنی؟ صاحب نشر لکھتے ہیں:

ليس في الحروف مايعسر على اللسان مثله فإن ألسنة الناس فيه مختلفة وقل من يحسنه فمنهم من يخرجه ظاء ومنهم من يمزجه بالذال الخ. (۱)

یہ دشواری اسی وقت ہوسکتی ہے جس وقت کہ ض کو مشابہ ظاء پڑھا جاوے ورنہ ضاد پڑھنے میں کچھ بھی دشواری نہیں۔ صاحب ''جهد المقل'' کہتے ہیں:

منهم: من يجعلها أي الضاد ظاء الخ، هذا ليس بعجيب لثبوت التشابه، وعسر التمييز بينهما، فإنه يشارك الظاء في صفاتها كلها، ويزيد عليها بالاستطالة فلولا اختلاف المخرجين والاستطالة في الضاد لكانت ظاء. (۲)

ملا علی قاری علیہ الرحمہ ''شرح جزریہ'' کے اس شعر کے تحت میں **والضاد باستطالة ومخرج☆ ميز عن الظاء وكلها تجئى** تحریر فرماتے ہیں: **لما كان تمييزه عن الظاء مشكلة بالنسبة إلى غيره أمر الناظم بتمييزه نطقا. ۱۲(۳)**

شرح ''کیمیائے سعادت'' میں امام غزالی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ: فرق درمیان ضاد وظاء بجا آورد واگر نتواند رواباشد (۴)۔

غرض ان تصریحات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ظ میں صرف استطالت کا فرق ہے اور مخرج کا، ورنہ دونوں متحد الصوت ہیں۔ اور دوسرے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظ اور ض میں ایسا فرق ہے

....

(۱) النشر في القراءات العشر، مواضع تفخيم كل حرف وترقيقه، مكتبه مصطفى محمد بمصر ۱/ ۲۱۹۔

(۲) جهد المقل، مطبوعة أحمديه، ص: ۹۸، مكتبة الصديق ڈابھیل ص: ۱۱۰۔

(۳) المنح الفكرية شرح متن الجزرية، باب اللامات، مطبوعه مصر ص: ۳۸۔

(۴) إمداد المرتاد للرد على من قرأ الدال مكان الضاد مع البيان الجزيل في الترتيل، مطبع علوى محمد علي بخش، ص: ۵۔

جیسا کہ س اور ص میں اور ت اور ط میں، پھر کیا وجہ ہے جو بلوائے عام کے طور پر کوئی بھی اس طرح نہیں پڑھتا؛ بلکہ ومطبقہ پڑھتے ہیں، جس کا کہیں پتہ نہیں معلوم ہوتا، غیر مقلدین اس طرح پر پڑھتے ہیں اور یہ دلائل ان ہی لوگوں کے ہیں اور بظاہر قوی معلوم ہوتے ہیں، میں یہ نہیں عرض کرسکتا کہ واقع میں یہ دلائل قوی ہیں یا ضعیف ہیں؟ میں اپنی محدود واقفیت کی بناء پر عرض کرتا ہوں، آپ کو فقط اسی غرض سے لکھتا ہوں کہ آپ اس فن سے بھی واقف ہیں اور کتب فقہ سے خوب واقف ہیں۔ چونکہ ان لوگوں کے یہ دلائل ہیں اور بظاہر قوی معلوم ہوتے ہیں اور ض جس طرح پر کہ ہم اور آپ پڑھتے ہیں اس کا کہیں پتہ نہیں معلوم ہوتا۔ یہ حوالے اکثر کتب قراءت کے تھے، اب فقہ کی کتابوں کی طرف خیال فرماویں۔ صاحب در مختار لکھتے ہیں:

ولو زاد كلمة أو نقص كلمة أو حرفا أو قدمه أو بدله باٰخر إلى ان قال: إلا ما يشق تمييزه كالضاد والظاء، فاكثرهم لم يفسدها. (۱)

فتاویٰ عالمگیریہ اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

فإن ذكر حرفا مكان حرف وغير المعنى، فإن كان الفصل بين الحرفين بلا مشقة كالطاء مع الصاد، فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلوته عند الكل، وإن كان لايمكن الفصل إلا بمشقة كالضاد مع الظاء، والصاد مع السين، والطاء مع التاء اختلف المشائخ فيه، قال أكثرهم: لاتفسد. (۲)

علیٰ ہذا اکثر کتب فقہ سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ جن دو حرفوں میں فرق کرنا آسان ہے، ان کے آپس میں بدل جانے سے اگر معنی بگڑ جاویں گے تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہو جاوے گی۔ اور جن میں فرق کرنا مشکل ہے، ان کے آپس میں بدل جانے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ اس بناء پر اگر ضاد کی جگہ دال

....

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۹۵-۳۹۶، كراچی ۱/ ۶۳۲ ۔

(۲) فتاوى قاضي خان على الهندية، الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ، وفى الأحكام المتعلقة بالقراءة، قديم زكريا ۱/ ۱۴۰، جديد زكريا ۱/ ۸۸، فتاوى هندية، الصلاة، الباب الرابع: في صفة الصلاة، الفصل الخامس: في زلة القاري، قديم زكريا ۱/ ۷۹، جديد زكريا ۱/ ۱۳۶ ۔

پڑھی جاوے جیسا کہ اکثر لوگ پڑھتے ہیں نماز فاسد ہو جانی چاہئے ، پھر علمائے حرمین شریفین کے بعض فتویٰ بھی اسی مضمون کے دیکھے گئے۔ چنانچہ شیخ احمد وحلان مرحوم شیخ العلماء مکہ معظّمہ تحریر فرماتے ہیں :

ولو أبدل الضاد بغير ظاء لم تصح قراء ته قطعا.

اسی فتویٰ میں شیخ جمال حنفی تحریر فرماتے ہیں کہ: **محمد بن سلمة قال: لاتفسد؛ لأنه قل من يفرق بينهما.**

مفتی عنایت احمد صاحب نے ''البیان الجزیل فی الترتیل'' (۱) میں لکھا ہے کہ: ایک بلائے عام اس زمانہ میں یہ ہوگئی ہے کہ ضاد کو بصوت دال پڑھتے ہیں، مشتبہ الصوت دال کا اس کو کر دیا ہے کہ دال پُر نہیں وہ پُر ہے۔ سو یہ بات جملہ کتب قراءت اور تفسیر کے خلاف ہے، سب کتابوں میں ض کا مشتبہ الصوت ہونا ظاء سے ثابت ہے نہ دال سے۔ مفتی صدر الدین صاحب مرحوم کا ایک فتویٰ ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں :

از مدتے درمیان مسلمانان ایں شہر ومضافات آں نزاعی درضاد معجمہ افتادہ است بعضے ضاد معجمہ را مشابہ دال مفخمہ می خوانند بعضے مشابہ ظاء معجمہ بلکہ اکثر عوام ہند ضاد معجمہ را در قرآن بہ نہجے ادامی کنند کہ مشابہ حرف بلکہ عین دال میشود وفرق از دال ایں قدرمی کنند کہ ضاد را بصوت دال مفخمہ وآواز پرمی برارند وایں خود خطاء وغلطی فاحش است بچند وجوہ۔ اس کے بعد چند وجوہ اس کی غلطی کے لکھ کر فرماتے ہیں:

پس ازیں صاف وہویدگردید کہ ضاد معجمہ ہمان ست کہ باظاء معجمہ مشابہت دارد نہ آنکہ مخرج آں قریب مخرج دال ست چنانچہ عوام مردم ہندوستان بلکہ بعضے از خواص ہم می خوانند چہ دال با ضاد تخالف وتبائن تمام وارد ودرصفات وفرق درمیان ایں بروسہل است مشکل ودشوار نیست بخلاف ظاء معجمہ الخ۔

اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ ض کو مشابہ ظ کے پڑھنا چاہئے۔ ایک دوسرا فتویٰ اور ہے، جس پر نواب قطب الدین خان صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب کے دستخط ہیں۔ اس میں بھی یہی لکھا ہے۔ چنانچہ مفتی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔ وساکنان ایں دیار در دال وضاد فرق نمی کنند وجاہل اندوبے تمیز۔ پھر ایک فتویٰ عذر سے پہلے کا ہے، جس پر مولوی نوازش علی صاحب اور میر محبوب علی صاحب اور خواجہ ضیاء الدین

....

(۱) البيان الجزيل في الترتيل، مطبع علوي محمد علي بخش خاں، ص: ۴۔

صاحب اور مولوی عبدالرب صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب کی مہریں ہیں، اس میں بھی یہی ہے کہ ض بہت مشابہ ظ سے اور دال کے نہیں۔ ایک فتویٰ مولوی عبدالحی صاحب کا بھی میں نے دیکھا ہے جس میں لکھا ہے کہ ض کو مشابہ د پڑھنے سے نماز میں خلل ہوتا ہے اور اس کو مشابہ ظاء پڑھنا صحیح ہے، میں نے بہت وقت آپ کا ضائع کیا آپ معاف فرمائیں؛ چونکہ یہاں پر اس کا بہت زیادہ چرچا ہے اور صرف اسی کی وجہ سے عداوت دشمنی اور پارٹی قائم ہوگئی اور ہر ایک نے دوسرے کے پیچھے نماز ترک کردی، اسی وجہ سے محض اپنے اطمینان کے واسطے آپ کو تحریر کیا گیا۔ آپ کو تکلیف تو بیشک ہوگی، مگر بہت لوگوں کا نفع ہوگا، آپ بہت مفصل اور مدلل جواب اس کا تحریر فرماویں۔ اگر کوئی رسالہ اس کا مرتب ہوجائے تو غالباً بہت لوگوں کو فائدہ ہوگا، کچھ زیادہ جلدی نہیں بآسانی جب آپ تحریر فرماسکیں مگر بہت محقق اور مدلل بات ہونی چاہئے، جس کو مخالف بھی تسلیم کرے، میں تو بیشک جو کچھ آپ تحریر فرمائیں گے اس کو تسلیم کروں گا، مجھے اب تک اپنے مفید مطلب صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ شافیہ جاربردی وغیرہ میں ایسے ض کو جو مشابہ ظاء یا بین بین پڑھا جاوے مستہجن اور غیر مصحح لکھا ہے یہ بات بیشک ایسی تھی کہ دل کو لگتی، مگر اس قدر تصریحات اور دلائل قاطعہ کے سامنے یہ بات کیسے پیش کی جاسکتی ہے؟ پھر وہ لوگ کہتے ہیں کہ مستہجن اس وقت ہوسکتا ہے جس وقت اس کے مخرج اور صفات کا پورے طور پر لحاظ نہ کیا جاوے، اگر اس کے مخرج اور صفات سے ادا کیا جاوے تو مستہجن نہیں ہوگا اور علی سبیل التسلیم ض مستہجنہ بھی ضاد ہے، بخلاف اس کے کہ مشابہ دال پڑھا جاوے؛ اس لئے کہ وہ ضاد ہی نہیں بہر نہج ض مستہجنہ دال اور مشابہ دال سے بہتر ہوگا، اگر آپ کے نزدیک بھی مشابہ دال پڑھنا غلط ہے تو جواز صلوۃ اس سے بلوائے عام کی بنا پر ہوگا یا کیسے؟ اگر بلوائے عام اس میں ہے تو عوام کے سوا جو لوگ اس کو صحیح پڑھ سکتے ہیں، وہ اس کو کس طرح پڑھیں؟ حرمین اور عرب کا اتباع کرکے ضاد پڑھیں یا دلائل قویہ کو دیکھ کر ظاد پڑھیں؟ اگرچہ اس دفتر بے معنی کے پڑھنے میں آپ کا بہت سا وقت خرچ ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی کام کے واسطے بنایا ہے کہ آپ خلق اللہ کو ہدایت کریں اس ض اور ظ کی دلدل میں بہت مخلوق پھنسی ہوئی ہے، آپ ضرور سہارا لگاویں اور مظلوموں کی مدد کریں، بہت سی باتیں میں نے بخوف طوالت چھوڑ دیں جو خود آپ کو ادنیٰ توجہ سے معلوم ہوجائیں گی، میں نے اس خلجان کو رفع کرنے کے واسطے اپنے دل سے بہت مشورہ لیا، مگر آپ کے سوا دوسری طرف طبیعت رجوع نہیں ہوئی؛ اس لئے حتی الوسع آپ میرے خلجان کے رفع کرنے میں دریغ نہ فرماویں گے۔ فقط والسلام

....

....

الجواب (*): ضاد کے باب میں عوام کو چھوڑ کر خواص واہل علم کی حالت تتبع کرنے سے بحصر استقرائی چھ صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اول ض وظ میں مخرج ہی میں تمییز نہ ہو، یعنی ضاد کو صاف مخرج ظاء سے نکالا جاوے۔ دوم مخرج میں تمییز ہو؛ لیکن صوت میں بالکل تمییز نہ ہو، یعنی نکالا تو جاوے اپنے مخرج صحیح سے؛ لیکن دونوں کی صوت میں تشابہ تام ہو، جس کو اتحاد صوت کہا جاتا ہے۔ سوم مخرج وصوت دونوں میں تمییز ہو، مگر اقرب الی الظاء ہو، یعنی نکالا بھی جاوے مخرج صحیح سے اور دونوں کی صوت میں تشابہ تام نہ ہو؛ بلکہ من وجہ دون وجہ ہو؛ لیکن غالب مشابہت صوت ظاء کی ہو اور یہ تینوں صورتیں تشبیہ بالظاء کی ہیں۔ چہارم ضاد و دال میں مخرج ہی میں تمییز نہ ہو گو تفخیم کا فرق کرلیا جاوے یعنی ضاد کو صاف مخرج دال سے نکالا جاوے۔ پنجم مخرج میں تمییز ہو؛ لیکن صوت میں تمییز نہ ہو، یعنی نکالا تو جاوے اپنے مخرج صحیح سے لیکن دونوں کی صوت میں تشابہ تام ہو۔ ششم مخرج وصوت دونوں میں تمییز ہو، مگر اقرب الی الدال ہو، یعنی نکالا بھی جاوے مخرج صحیح سے اور دونوں کی صوت میں تشابہ تام بھی نہ ہو؛ بلکہ من وجہ دون وجہ ہو؛ لیکن غالب مشابہت صوت دال کی ہو اور یہ تینوں صورتیں تشبیہ بالدال کی ہیں۔

اب اختلاف کرنے والوں میں سے اکثر نے تو صورت اول وچہارم کو لے کر اختلاف کر رکھا ہے اور ان دونوں صورتوں کا باطل ہونا ایسا بدیہی ہے کہ محتاج بیان نہیں؛ کیونکہ ظاہر ہے کہ ایک حرف کا دوسرے

(*) **خلاصۂ جواب:-** حضرت مجیب قدس سرہ نے استقراء سے چھ صورتیں نکال کر ترجیح تیسری صورت کو دی ہے، یعنی مخرج وصوت دونوں میں تمییز ہو، مگر اقرب الی الظاء ہو، یعنی ضاد کو نکالا بھی جاوے اس کے صحیح مخرج سے۔ اور ضاد اور ظاء کی آوازوں میں تشابہ تام بھی نہ ہو؛ بلکہ من وجہ دون وجہ ہو؛ لیکن غالب مشابہت ظاء کی آواز کی ہو۔

اس کے بعد سائل نے جو عبارتیں ضاد اور ظاء کے متحد الصوت ہونے پر پیش کی ہیں، ان پر بحث فرمائی ہے اور ان کا اپنے مخالف نہ ہونا بیان کیا ہے؛ لیکن شافیہ اور جاربردی والا اشکال ہنوز باقی ہے۔ حضرت مجیب قدس سرہ نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ بین بین ہونا وہ ہے جو مخرج کے اعتبار سے ہو وہ قبیح اور نادرست ہے؛ لیکن ہماری مرجح صورت میں ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے ادا کیا جاتا ہے؛ البتہ صفات میں اشتراک کی وجہ سے غالب مشابہت ظاء کی پیدا ہو جاتی ہے؛ لہٰذا یہ شافیہ اور جاربردی کے ''بین بین'' یا ''مشابہ ظاء'' میں محسوب نہ ہوگا (یہ بحث آگے سوال نمبر: ۲۳۷ کے جواب میں آرہی ہے) ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

حرف کے مخرج سے نکلنا عادۃ محال ہے۔ اور بعض نے اختلاف میں صورت دوم اور پنجم کو لے رکھا ہے اور یہ لوگ اہل اختلاف میں محقق شمار کئے جاتے ہیں اور تأمل کرنے سے یہ دونوں صورتیں بھی صحیح نہیں معلوم ہوتیں؛ کیونکہ ان پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی۔ اور مطلق تشابہ تشابہ تام میں منحصر نہیں؛ بلکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم ہے، چنانچہ خود سوال ہی میں جہد المقل سے نقل کیا ہے:

لثبوت التشابه، وعسر التمييز بينهما. (۱)

اور عسر تمییز خود بتلا رہا ہے کہ تمییز تو ہے، مگر عسیر ہے، ورنہ عسر تمییز نہ رہے گا؛ بلکہ عدم التمیز ہو جاوے گا۔

ہف اور جب ظاء سے متمیز ہے باوجود یکہ دونوں صفات کثیرہ وقرب مخرج میں متشارک ہیں تو دسے بدرجہ اولیٰ متمیز ہوگا کیونکہ عسر تمیز کو جہد المقل میں معلل اس علت کے ساتھ کیا ہے۔

فإنه يشارك الظاء في صفاتها كلها.

اور ارتفاع علت علت ہے ارتفاع معلول کی، پس عدم مشارکت دال کی صفات میں دلیل ہوگی عدم عسر تمیز کی، پس تشابہ تام منفی ہوگیا، وہذا ہو المطلوب۔ اب صورت سوم وششم باقی رہ گئی، جن میں تردد ہو سکتا ہے: لیکن سوم حق معلوم ہوتا ہے کہ صوت میں تمیز ہے، مگر بہ نسبت دال وغیرہ کے اشبہ بالظاء ہے، تمیز کے لئے جہد المقل کا عسر تمیز کا حکم کرنا اور اشبہیۃ کے لئے اس کو متشارک الصفات کہنا دلیل کافی ہے، جیسا ابھی دونوں کی تقریر گزر چکی ہے۔ جب ان سب صورتوں میں سے صورت سوم کا حق ہونا متعین ہوگیا، تو اب سوال میں جس قدر شبہات لکھے ہیں، ان میں سے کوئی اس صورت کو مضر نہیں۔ چنانچہ قاضی خان میں عسر تمیز کو لکھا ہے، سو اس میں خود تمیز کا اثبات ہے اور عسر کا سبب اشبہیۃ ہے، آگے کتب قراءت سے اشتراک فی الصفات ثابت کیا ہے، اس سے بھی اشبہیۃ ثابت ہوتی ہے نہ کہ اتحاد۔ آگے رعایہ کی عبارت لکھی ہے: **يشبه لفظه فی السمع الخ** سو اس کا تحقق مطلق اشبہیۃ سے بھی ہو سکتا ہے، تشابہ تام واتحاد لازم نہیں، آگے مخرج سے نکالنے پر دعویٰ ظاد نکلنے کا کیا ہے یہ مسلم نہیں؛ البتہ اشبہ بالظاء نکلتا ہے آگے رخوت سے استدلال ہے یہ بصوت دال نکالنے کو مضر ہے نہ مطلق تمیز عن الظاء کو آگے رعایہ کی عبارت نقل کی ہی **فليحفظ الخ.** اس سے بھی مطلق تشابہ ثابت ہوتا ہے، نہ اتحاد فی الصوت اور اگر شاید اس تردید سے شبہ ہو

....

(۱) جهد المقل، مطبوعة أحمديه، ص: ۹۸، مكتبة الصديق ڈابھيل ص: ۱۱۰۔

"فیصیر عندها ظاء أو ضادا". سواس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تفخیم ذال میں مخرج کی پوری حفاظت کی تب تو ظاء بن جاوے گی اور اگر مخرج بھی محفوظ نہ رہا بجائے طرف لسان کے حافۂ لسان ہو گیا تو ضاد بن گیا، چنانچہ اس تردید کے بعد اس کا یہ کہنا: لأنها أخت الظاء في المخرج الخ" مؤید اس کا ہے۔آگے تفسیر کبیر کی عبارت ہے:"إلا أنه حصل الخ" اس میں بھی اتحاد پر کوئی دلالت نہیں اور مشابہت کا انکار نہیں۔آگے شاہ صاحب کا قول ہے۔سو عسر تمیز خود مسلم ہے، مگر اتحاد کو غیر مستلزم۔آگے شرح قصیدہ نونیہ کی عبارت ہے، اس میں بھی عسر تمیز واشتداد شبہ مذکور ہے جو مضر نہیں۔آگے تمہید کی عبارت ہے اس میں صرف استطالت واختلاف مخرجین فارق ہونا بیان کیا ہے سو یہی مبنی ہے تمیز بینہما کا اس سے تمیز فی الصوت کی نفی کہاں ہوئی اسیطرح دوسری عبارت میں مشابہت کا اثبات ہے تمیز کی نفی نہیں۔آگے مرعشی کا مضمون ہے اس میں بھی مطلق مشابہت کا حکم ہے۔آگے جہد المقل اور رعایہ سے جو نقل کیا ہے اسمیں بھی مطلق تشابہ فی السمع مستلزم نفی تمیز کو نہیں۔آگے شرح شاطبی کی عبارت ہے اس میں مطلق تشابہ فی السمع افتراق فی المخرج والا استطالت کا اثبات ہے اس سے بھی اتحاد صوت لازم نہیں آتا اور اگر نفی واستثناء دال علی الحصر سے شبہ ہو کہ اسمیں افتراق فی الصوت کی بھی نفی ہوگئی ورنہ حصر نہ رہیگا۔سو جبکہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ (الشیٔ إذا ثبت ثبت بلوازمه) سو جو شخص افتراق فی المخرج کو ملزوم افتراق فی الصوت کا مانے گا وہ کہہ دے گا کہ اس حصر میں مجموعہ ملزوم ولازم کے غیر کی نفی ہے نہ کہ لازم کہ شاہ صاحبؒ کا قول سوال میں مکرر ہو گیا ہے اس کا جواب اوپر گزر چکا۔آگے شیخ جمال وامام غزالیؒ کے اقوال سے اسپر استدلال کیا ہے کہ ضاد وظاء میں فرق کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔اول تو یہ تصریحات کتب فن کے خلاف ہیں چنانچہ خود سوال ہی میں جزریہ کا شعر والضاد الخ منقول ہے جس میں تمیز کا امر کیا ہے ودر منہاج التجوید از رعایہ آوردہ:

ولا بد للقاري من التحفظ بلفظ الضادحيث وقعت إلى أن قال: ومتى فرط في ذلک أتى بلفظ الظاء او الذال اه. وازنشر گفته فليحذرمن قلبه إلى الظاء، وازاحياء العلوم درربع اول آورده ويجتهد في الفرق بين الضاد والظاء، وازشرح مقدمه جزرى أن الضادا عسر الحروف على اللسان، فليحسن برعايتها أى لاتكون مشابهة بالظاء والذال والزاء اه (۱)۔

....

(۱) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

وملاعلی قاری درشرح مقدمہ جزری گفتہ لیس فی الحروف مایعسرعلی اللسان مثلہ وألسنة الناس فیہ مختلفة، فمنھم من یخرجہ ظاء، ومنھم من یخرجہ دالا مھملة اومعجمة، ومنھم من یخرجہ طاء، ومنھم من یخرجہ مھملة، ومنھم من یشبھہ دالا، ومنھم من یشبھہ بالظاء المعجمة لکن لماکان تمییزہ من الظاء مشکلا بالنسبة إلی غیرہ امرالناظم بتمییزہ لفظا اھ (۱)۔

ان تصریحات کے مقابلہ میں ان حضرات کا قول کہ خود متابعین اہل فن سے ہیں ائمہ فن سے نہیں ہیں حجت نہ ہوگا۔

علاوہ ازیں امام غزالی علیہ الرحمہ کا مقصود یہ نہیں ہے کہ ضاد اور ظاء میں تمییز نہ کی جاوے اور اسکی ضرورت نہیں؛ بلکہ ان کا مقصود ان لوگوں پر انکار ہے جنھوں نے تصحیح حروف ہی کو مقصود نماز بنالیا ہے اور تدبر وتفکر فی المعانی وغیرہ کو جو کہ مغز صلوۃ ہیں، بالکل چھوڑ دیا ہے اور دلیل اسکی علاوہ ان کے دیگر عبارتوں کے خود یہی عبارت ہے؛ کیونکہ انھوں نے جس طرح فرق بین الضاد والظاء کو قابل اعتراض بتایا ہے، یوں ہی تصحیح مخارج حروف کو محل اعتراض ٹھہرایا ہے۔ پس اگر اعتراض اول کا مقصود یہ ہوگا کہ ضاد اور ظاء میں فرق ضروری نہیں تو اعتراض ثانی کا مقصود یہ ہونا چاہئے کہ جیم اور خاء دال اور سین میں بھی امتیاز ضروری نہیں **ولایقول بہ أحد فثبت ما ذکرنا.**

دوسرے آگے سوال میں خود غزالی علیہ الرحمہ کا قول نقل کیا ہے، فرق درمیان ضاد وظاء بجا آرد یہ قول سابق کے معارض ہے، تیسرے محمول ہوسکتا ہے معذور پر چنانچہ رازی نے اول لکھا ہے:

أن المشابھة شدیدة وأن التمییز عسیر پھر ''**إذا ثبت**'' (۲) کہہ کر اس کو متفرع کیا ہے اور کیمیائے سعادت میں عبارت بالا کے بعد کہا ہے۔ واگر نتو اند روا باشد۔ آگے نشر اور جہد المقل وغیرہما کی

....

(۱) المنح الفکریة علی المقدمة الجزریة، باب اللامات، مطلب: إدغام المتجانسین، مکتبہ ارگ بازار قندھار افغانستان، ص: ۳۸۔

(۲) التفسیر الکبیر للإمام الفخر الرازي، الباب الأول: في المسائل الفقھیة المستنبطة من قولنا: (أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) مکتبہ دارالکتب العلمیة طھران ۱/ ۶۳۔

عبارت ہے ان سے یہی عسر تمیز معلوم ہوتا ہے نہ کہ عدم تمیز بلکہ جزریہ میں تو امر بالتمیز کی تصریح ہے آگے دال پڑھنے کی وجہ پوچھی ہے سو ہم خود اس صورت کو صحیح نہیں کہتے ہیں؛ اس لئے ہم کو مضر نہیں آگے غیر مقلدین کے پڑھنے کی نسبت لکھا ہے اگر مقصود ان کے پڑھنے کی تصحیح ہے تب تو جہاں تک دیکھا سنا ہے یہ لوگ اول صورت پڑھتے ہیں یعنی ظاء خالص کے مخرج سے پڑھتے ہیں جس کا غلط ہونا اوپر گزر چکا ہے اور نیز اس کا غلط ہونا قاضی خان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں غیر المغضوب میں ظاء پڑھنے کو مفسد صلوۃ لکھا ہے اور نیز رسالہ محو الفساد، ص:۴۴ میں امام ابوعمرو دانی سے نقل کیا ہے:

وقد كان بعض الفقهاء من أصحابنا لايقرء الصلوة خلف من لم يميز الضاد من الظاء وذلك كذلك لانقلاب المعنى وفساد المراد. (۱)

بلکہ اکثر بجائے مخرج ظاء کے مخرج زا سے پڑھتے ہیں؛ بلکہ خود ظاء کو بھی مخرج زاء سے پڑھتے ہیں، جس کا غلط ہونا اور زیادہ ظاہر ہے۔ اور اگر مقصود ترجیح دینا ہے سو صورت چہارم پر ترجیح مسلّم ہے اور پنجم و ششم پر غیر مسلّم؛ کیونکہ ان دونوں میں مخرج تو صحیح ہے اور ظاء خالصہ میں تو مخرج ہی باقی نہیں رہا۔ اور ظاہر ہے کہ حقیقت حرف میں مخرج کو بہت زیادہ دخل ہے۔ آگے درمختار و عالمگیری و قاضی خان کی عبارتیں ہیں، ان میں دو حکم ہیں: اول عسر تمیز سو یہ مسلّم ہے مگر نفی تمیز کو مستلزم نہیں، دوسرا حکم فرق درمیان حروف عسیر التمیز و حروف یسیر التمیز کے صحت و عدم صحت صلوۃ میں، سو اول تو بعض جزئیات اس کے معارض ہیں۔ چنانچہ **"مغضوب علیھم"** میں ظاء کا مفسد صلوۃ ہونا قاضی خان سے گزر چکا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف عسیر التمیز میں بھی تبدیل مفسد ہے اور نیز قاضی خان میں ہے:

ولو قرء يعوذون برجال يعدون بالدال لاتفسد صلوته. (۲) اور تھوڑی دور بعد ہے:

ولو قرء وماهو على الغيب بذنين بالذال لاتفسد صلوته. (۳)

....

(۱) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

(۲) فتاوی قاضي خان على الهندية، الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقرآن، قديم زكريا ۱/ ۱۴۲، جديد زكريا ۱/ ۸۹۔

(۲) فتاوی قاضي خان على الهندية، الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقرآن، قديم زكريا ۱/ ۱۴۳، جديد زكريا ۱/ ۹۰۔

جب ض اور ذ بضنین میں عدم فساد میں مساوی ہوئے اور دال اور ذال یعوذون میں عدم فساد میں مساوی ہوئے اور مساوی کا مساوی مساوی ہے، پس د اور ضاد مساوی ہو گئے، پس یہاں حروف یسیر التمیز میں بھی تبدیل مفسد نہ ہوئی اور قطع نظر قیاس مساوات سے بلا واسطہ بھی یعوذون میں دال اور ذال کی تبدیل کو مفسد نہ کہنا مستلزم ہے، اس حکم کو کہ حرف یسیر التمیز کی تبدیل بھی مفسد نہیں ہوتی؛ کیونکہ د اور ذ میں تمیز بہت آسان ہے، پس یہ جزئیات اس قاعدہ کے سراسر خلاف ہوئیں۔ دوسرے بعض فقہاء نے حروف یسیر التمیز میں بلویٰ عامہ کی وجہ سے فتویٰ جواز کا دیا ہے، چنانچہ شامی نے زلۃ القاری میں تصریح کی ہے، پس تبدیل ض بالدال میں بھی حکم فساد کا متیقن نہیں ہوسکتا، اس کے بعد شیخ احمد وحلان کا قول ہے: "لم تصح الخ" یہ بناء علی بعض الاقوال ہے، جس کا التزام لازم نہیں۔ آگے محمد بن سلمہ کا قول ہے، اس کا مضر نہ ہونا ظاہر ہے۔ آگے علمائے دہلی ولکھنو کے اقوال ہیں، سو صورت سوم کو کچھ مضر نہیں جس کی صحت کا التزام کیا گیا ہے۔ رہا قصہ استہجان کا اس پر یہ شبہ تو نہایت ضعیف ہے کہ تصریحات کے سامنے پیش کرنے کے قابل نہیں، اگر اس کی دلالت مقصود پر تسلیم کر لی جاوے تو اس شبہ کا جواب بہت صاف ظاہر ہے کہ یہ احکام ماخوذ ہیں ائمہ عربیت سے اور قراء ان احکام میں خود ان ائمہ کے تابع ہیں اور شافیہ وجاربردی وغیرہما میں اقوال ائمہ عربیت کے جمع کئے گئے ہیں؛ اس لئے اس کو سب پر ترجیح ہوگی اور دوسروں کے اقوال کو اس کی طرف راجع کریں گے۔ اسی طرح یہ عذر کہ جب مخرج وصفات کا لحاظ نہ ہو تب مستہجن ہے یہ بھی نہایت بارد ہے؛ کیونکہ اس وقت تو یہ ماہیت ض ہی سے خارج ہو جاوے گا نہ کہ ض مستہجن رہے؛ کیونکہ منجملہ مسلمات ہے: "ثبوت الشيء للشيء فرع ثبوت المثبت له" اور جب مثبت لہ یعنی ض ہی باقی نہ رہا تو اس کے لئے استہجان کیسے ثابت ہوگا اور آخر کا عذر مبنی ہے عذر اول پر، چنانچہ تصریحاً کہا گیا ہے کہ ض مستہجنہ بھی ض ہے الخ۔ سو مبنی کا انہدام ابھی ہو چکا ہے۔ اور اگر تقریر کو اس طرح بدلا جاوے جس طرح بعضوں نے کہا ہے کہ ظاء کو اس لئے ترجیح ہے کہ وہ کوئی حرف تو ہے اور دال مفخم تو کوئی حرف ہی نہیں یہ البتہ کسی قدر معقول امر ہے؛ لیکن اس کا معارضہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ د مفخمہ گو کوئی حرف نہیں، مگر دوسرے حروف ظاء وغیرہ سے ممتاز تو ہے اور اس لازم میں ض کا شریک ہے اور ظاء وغیرہ میں تو امتیاز بھی نہیں اور امتیاز خود فی نفسہ مطلوب ہے: اس لئے اس کو ظاء پر ترجیح ہوگی تو اس معاوضہ کا جواب مرجح اول کے ذمہ رہیگا اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ ہم

....

....

اس کی ترجیح کے قائل ہیں، صرف دلیل کا حال دکھلا نا مقصود ہے ورنہ ہمارا مسلک تو صورت سوم ہے جیسا اوپر بیان ہوا، پس دلیل استہجان پر ان شبہات میں سے کوئی شبہ واقع نہ ہوسکا؛ البتہ خود مجھ کو یہ شبہ ہے کہ شاید بین بین باعتبار مخرج کے ہو، یعنی اگر حافۂ لسان واضراس سے استطالت کے ساتھ ادا ہو تو ض فصیح ہے اور اگر طرف لسان وثنایا سے ادا ہو تو ظاد ہے۔ اور اگر حافہ واضراس سے بلا استطالت ادا ہو تو ضاد مستہجن ہے؛ کیونکہ اس صورت میں یہ مخرج بین مخرج الضاد الفصیحۃ وبین مخرج الظاء ہوگا تو یہ بین بین مخرج میں ہوا نہ صوت میں اس لئے مدعاء پر دال نہیں اس شبہ کا جواب میں نے بہت سوچا، مگر نہ کوئی کتاب پاس ہے نہ کوئی ماہر فن قریب ہے اور میں خود ماہر نہیں اس لئے اس شبہ کو ماہرین کے حوالہ کرتا ہوں۔ بہر حال اب تک جس قدر نظر وفکر نے کام دیا اس سے صورت ثالثہ کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ اور عوام کو د کے مخرج سے پڑھنا اور غیر مقلدین وغیرہم کا ظاء کے مخرج سے پڑھنا محض غلط ثابت ہوتا ہے۔ رہا معاملہ جواز وفساد صلوۃ کا سو ہر چند کہ اسمیں روایات فقہیہ سخت متخالف ومتعارض ہیں، مگر ظاہراً ان سب کی نماز ہوجاتی ہے؛ کیونکہ قصد سب کا ضٓ ہی ادا کرنے کا ہے، صرف غلطی طریق ادا کے سمجھنے میں ہے، متأخرین فقہاء کے قول سے اسی طرح کی وسعت معلوم ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اپنی قدرت کے موافق مشق تو کرے تیسری صورت کی، باقی نماز غیر مشاق کی تو ہر طرح ہوجاتی ہے اور مشاق کی زبان سے بھی اگر بلا قصد غلط نکل گیا اس کی بھی نماز ہوجاتی ہے؛ البتہ اگر مشاق ہوکر اس قصد سے پڑھے کہ میں ظاء پڑھتا ہوں یا دال پڑھتا ہوں اس کی نماز بلا شبہ فاسد ہے۔

في الشامية عن الخزانة الأكمل قال القاضيخان أبوعاصم: إن تعمد ذلک تفسد، وإن جرى على لسانه أو لايعرف التمييز لاتفسد، وهو المختار حلية، وفي البزازية وهو أعدل الأقاويل وهو المختار اھ. (۱) واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۱۴؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۱۲۶ جلد ۱)

....

(۱) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۹۶، كراچى ۱/ ۶۳۳۔

وقال القاضي خان أبوعاصم: إن تعمد ذلک تفسد، وإن جرى على لسانه أو كان لايعرف التمييز لا يفسد، وهو أعدل الأقاويل وهو المختار. (بزازية على الهندية، الصلاة، الفصل الثاني عشر: في زلة القاري، قديم ۴/ ۴۲، جديد زكريا ۱/ ۳۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الفتویٰ المتعلقة بالضاد فيه كلام في مواضع

وضاحتی مسئلہ: (۲۳۵): قدیم ۱/۲۸۵- الاول قولہ فی الجواب عن السوال الأول ضاد معجمہ را با متیاز مخرج خود مائل بصوت ظاء معجمہ تلفظ باید کرد قلت اگر مراد این ست کہ امتیاز درمیان ایں ہر دو محض باعتبار مخرج است ودر صوت اصلا تمائز نیست۔

....

وضاحتی مسئلہ کا ترجمہ: الاول قولہ فی الجواب عن السوال الاول: ضاد معجمہ کو خود اپنے مخرج سے امتیاز کرنے کے ساتھ ظاء معجمہ کے ساتھ آواز مائل کرنا چاہئے، میں کہتا ہوں: اگر ان دونوں کے درمیان امتیاز صرف مخرج کے اعتبار سے ہے اور آواز میں اصل کے اعتبار سے تمیز نہیں ہے (فلا دلیل الخ) اور اگر مراد یہ ہے کہ آواز میں بھی امتیاز ہوتا ہے تو یہ عبارت اس مقصود کے لئے کافی نہیں ہے، خاص طور پر بعض عوام کے اعتبار سے کہ وہ خالص ظاء کے پڑھنے کو چاہتے ہیں، یہاں اس عبارت کو اپنی خواہش کے مطابق رکھا ہے۔ الثانی: قولہ الخ ضاد اور دال کے درمیان امتیاز کرنا دشوار نہ ہونے کے باعث بالاتفاق نماز فاسد ہونا چاہئے۔ قول فی رد المحتار رما نصہ فی التاتر خانیہ الخ: لہٰذا حکایت میں اتفاقی کلام ہے اور شک نہیں ہے اس میں کہ بعضے عوام ضاد معجمہ کو خالص ظاء کے ساتھ بدلنے میں مبتلا ہیں، اسی طرح بعضے عوام بلکہ بہت سارے ضاد کو دال کے ساتھ بدلنے میں مبتلا ہیں، پس عموم بلوی دونوں جگہ مشترک ہے اور رد المحتار کی روایت کے مطابق دونوں فاسد نہ ہونے میں برابر ہیں۔ اور قاضی خاں میں جو فساد نقل کیا گیا ہے وہ دال کے ساتھ بدلنے کی صورت میں ہے، خود قاضی خاں نے ''مغضوب علیہم'' اور ''والعادیات ضبحا'' میں ضاد کو ظاء کے ساتھ بدلنے کو مفسد کہا ہے؛ لہٰذا دونوں برابر ہو گئے۔ الثالث الخ: بغیر ارادہ اور بغیر اختیار کے عین ظاء زبان پر جاری ہوتا ہے یا فرق نہیں ہوتا ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح ہے؛ لیکن عوام کا ایک ہی وجہ پر اکتفاء کرنا نقصان دہ ہے کہ اہل ظاء قصداً اور اختیاراً ظاء پڑھتے ہیں، یہاں ارادہ اور اختیار نہ ہونے کی قید سے قطع نظر کرتے ہوئے خالص ظاء پر پڑھتے ہوئے ٹھہرنا اگر دوسری شق (وجہ) بھی صراحت کے ساتھ ذکر ہوتی جو کہ ارادہ کے حال میں زمانہ کے عوام اس کو کرتے ہیں جائز نہیں؛ لہٰذا ضاد میں ظاء اور دال کے درمیان اشتراک کے فرق نہ پہچاننے کی وجہ سے اس نقصان کا احتمال باقی نہیں رہا؛ لہٰذا تلفظ کے اشتراک کے ساتھ نماز صحیح ہو جائے گی اور ممکن ہے کہ میرے عدم مہارت کی وجہ سے ان تمام باتوں کا منشا تجوید کے اندر ہو اور ممکن ہے کہ اس سارے کلام کا منشا احقر کو تجوید میں مہارت نہ ہونے پر ہے؛ لیکن دستخط نہ کرنے کے لئے میرا یہی عذر کافی ہے۔

فلا دليل عليه والحكم بالتشابه في كتب القراءة لايستلزم الحكم بالتشابه التام بل يمكن تحققه في ضمن التشابه الغير التام.

واگر مراد اینست کہ درصوت ہم امتیازمی آید کرد پس عبارت برائے ایں مقصود کافی نیست (*) بالخصوص باعتبار بعضے عوام کہ شیفتۂ ظاء خالصہ خواندن ہستند ایشاں ایں عبارت را بر موافق ہوائے خود محمول خواہند داشت الثانی قولہ فی الجواب عن السوال الثانی باعث عدم تعسر امتیاز درمیان ہردو یعنی ضاد ودال بالاتفاق مفسد صلوۃ خواہد شد الخ۔

قول في رد المحتارمانصه، وفي التاترخانية عن الحاوي حكى عن الصفار: أنه كان يقول الخطاء إذا دخل في الحروف لايفسد؛ لأن فيه بلوى عامة الناس لأنهم لايقيمون الحروف إلا بمشقة اه. وفيها إذا لم يكن بين الحرفين اتحاد المخرج، ولا قربه إلا أن فيه بلوى العامة كالذال مكان الضاد أوالزاى المحض مكان الذال والظاء مكان الضاد لاتفسد عند بعض المشائخ اه. قلت: فينبغي على هذاعدم الفساد في ابدال الثاء سينا والقاف همزة كما هو لغة عوام زماننا، فإنهم لايميزون بينهما، ويصعب عليهم جدا كالذال مع الزاء، ولاسيما على قول القاضى أبى عاصم، وقول الصفار (١)۔

پس درحکایت اتفاق کلام است وشک نیست کہ بعضے عوام چنانکہ درابدال ضاد معجمہ بظاء خالصہ مبتلا ہستند ہم چنیں بعضے بلکہ اکثر درابدالش بدال گرفتار اند پس عموم بلوی درہردو جا مشترک است وحسب روایت ردالمحتار ہردو درعدم فساد متساوی اند وازانچہ ازقاضی خان وغیرہ فساد درابدال بدال نقل کردہ شدہ

(*) فی نفسہ عبارت کافی است زیراکہ مفتی مائل بصوت ظاء گفتہ نہ کہ (متحد) بصوت ظاء نعم مظنہ غلط فہمی عوام است کہ ایں چنیں باری کہارانمی فہمند یابراہ تعصب ازاں غض بصرمی نمایند بنابریں تنصیص ایں ضروری می بود کہ بصوت ظاء تلفظ نمی باید کرد ۔۱۲ (تصحیح الاغلاط ص:۲۱)

(١) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مسائل زلة القاري، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٩٦-٣٩٧، كراچى ١/ ٦٣٣ ۔

است خود قاضی خان در ''مغضوب علیھم، والعادیات ضبحا'' ابدال ضاد بظا را مفسد گفتہ (۱) فکان الا بدالان متساویین، الثالث قولہ فی الجواب عن السوال الثالث بلا قصد واختیار عین ظاء برزبان جاری شود یا فرق نمی شناسد الخ۔ اقول ایں صحیح است لیکن اکتفاء برذکر شق واحد عوام را بایں وجہ مضر است کہ اہل ظاء قصدا واختیارا ظاء میخوانند ایشاں از قید عدم قصد واختیار قطع نظر کردہ برظاء خالصہ خواندن تمسک خواہند کرد آری اگر شق ثانی ہم تصریحا مذکور بودے کہ در حالت قصد چنانکہ عوام زمان می کنند جائز نیست پس احتمال ایں اضرار نماندی باز فرق نشناختن مشترک است میان دال وظاء از ضاد پس صحت صلوۃ حکم مشترک می باید بود وممکن است کہ منشاء ایں ہمہ کلام عدم مہارت احقر در تجوید باشد لیکن برائے دستخط نہ کردن عذری کافی ست۔

قال اللہ تعالیٰ: ولاتقف مالیس لک بہ علم (۲)۔ وقال ﷺ: لا تشھد حتیٰ تری مثل الشمس. (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

۷؍رجب ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۱۲۹ ج ۱)

....

(۱) خانية على الهندية، الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۱۴۲، جديد زكريا ۱/ ۸۹ ۔

(۲) سورة بني إسرائيل، آيت: ۳۶ ۔

(۳) تفصیلی حدیث ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عباس –رضي الله عنهما– قال: ذكر عند رسول الله صلى الله عليه وسلم الرجل يشهد بشهادة، قال: لي يا ابن عباس! لا تشهد إلا على ما يضئ لك كضياء هذا الشمس، وأومأ رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده إلى الشمس. الحديث
(المستدرك على الصحيحين، كتاب الأحكام، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة ۷/ ۲۵۱۹، رقم: ۷۰۴۵، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الشهادات، باب التحفظ في الشهادة والعلم بها، مكتبه دارالفكر بيروت ۱۵/ ۱۸۰، شعب الإيمان، باب في الجود والسخاء، دارالكتب العلمية بيروت ۷/ ۴۵۵، رقم: ۱۰۹۷۴)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۲۳۶): قدیم ۱/ ۲۸۷- چہ می فرمایند علمائے دین وشرع متین دریں مسئلہ بروز عیدالفطر نماز بوجہ نزاع لفظ ض بمشابہ دُوَادْ وض بمشابہ ظ در دو مقام علیحدہ علیحدہ نماز شدہ اعنی دو جماعت اول ض بمشابہ دُوَادْ علیحدہ جماعت دوم ض بمشابہ ظ علیحدہ مابین فریقین نقیض است کہ نماز شما درست نشدہ یکے با دیگرے متنازع اند(۱)۔ اجیبوا وبینوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: **قاضي خان: وإن كان لايمكن الفصل بين الحرفين الابمشقة كالظاء مع الضاد الخ وفيه لوقرء غير المغظوب بالظاء اوبالذال تفسدصلوته ولوقرء الظالين بالظاء او بالذال لا تفسدصلوته ولوقرء الدالين بالدال تفسدصلوته.** (۲)

از روایت اولی معلوم شد کہ ضاد اشبہ است بظاء از دال۔ واز روایت ثانیہ مفہوم گشت کہ قصداً ظاء خواندن وہم چناں دال خواندن جائز نیست۔ پس واجب است کہ قصد تصحیحش کردہ شود وباوجود قصد صحیح خواندن غلطی عفوست لعموم البلوی۔ پس مفسدہ نزاع ازیں مفسدہ اقبح واشنع است چنیں امور را موجب تفریق بین المسلمین نمودن وبال عظیم است۔ (*) اما امام را باید کہ از خواندن ظاء احتراز نماید کہ درآں

(*) یہاں پر عبارت میں تصحیح الاغلاط ص:۲۱ر سے ترمیم کی گئی ہے۔۱۲ منہ۔

---

(۱) ترجمہ سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عیدالفطر کے دن نماز لفظ ضاد سے متعلق جھگڑے کی وجہ سے جو کہ دُوَادْ کے مشابہ ہے اور ظآء کے مشابہ دو جگہ الگ الگ ہوئی، اس سے میری مراد دو جماعتیں ہوئیں، پہلی جماعت ضاد دال کے مشابہ الگ اور دوسری جماعت ضآد، ظآء کے مشابہ، دونوں فریقین کے درمیان جھگڑا یہ ہے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، ایک دوسرے سے لڑرہے ہیں، جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) فتاوی قاضي خان على الهندية، الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قديم زكريا ۱/ ۱۴۱، جديد زكريا ۱/ ۸۸، وكذا في الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۹۶، كراچی ۱/ ۶۳۳، وكذا في خلاصة الفتاوى، الصلاة، الفصل الثاني عشر: في زلة القاري، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۰۶، وكذا في البزازية على الهندية، الصلاة، الفصل الثاني عشر في زلة القاري، قديم زكريا ۴/ ۴۲، جديد زكريا ۱/ ۳۰۔

علاوہ غلطی کہ مشترک است میاں دال خواندن ہر دو تشبہ باہل اہواء مثل روافض خذلھم اللہ وغیر مقلدین واتباع ہوائے ایشاں وترویج بدعت ایشان ست واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (۱)۔

۹؍ شوال ۱۳۲۳ھ (امداد صفحہ ۱۴۰ ج ۱)

سوال (۲۳۷): قدیم ۱/ ۲۸۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جو شخص حرف ض معجمہ کو اس کے مخرج سے ادا کرنے پر قادر نہ ہو وہ شخص حرف مذکور کو بصورت ظائے منقوطہ کہ دونوں حرف مفخم اور مشتبہ الصوت ہیں جیسا کہ کتب قراءت وتفسیر وفقہ مثل جزری وفتح العزیز واتقان وفتاوی قاضی خان وفتح القدیر وغیرہ میں مصرح ہے اور صفات میں بھی مانند رخوہ واستعلاء واطباق وغیر آں متحد کما بحث عنہ فی موضعہ پڑھے یا بصورت دال مہملہ کو جو مرقق وغیر مشتبہ الصوت وبعض صفات متضادہ ضاد معجمہ مثل شدت وانخفاض وانفتاح کے ساتھ متصف ادا کرے جیسا کہ فی زماننا اکثر اشخاص پڑھتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: یہ تو ظاہر ہے کہ تغایر مخارج تغایر حروف خارجہ پر دلالت کرتا ہے اور تغایر مخارج ضاد ودال وذال وظا مجمع علیہ اور مصرح بہ ہے کما لا یخفی۔ پس یہ دلیل ہے اس پر کہ ذات ضاد اور ہے اور ذات ظا ودال اور۔ جب تغائر ذاتی ثابت ہو گیا تو اب ضاد کو ظاء یا دال پڑھنا ایسا ہے جیسا با کو تا، ثا کو جیم، حا کو خا وہذا باطل بالاجماع فلذا اذلک اور اتحاد صفات سے اتحاد موصوف لازم نہیں جیسا جیم اور دال کو صفات جہر وشدت وانفتاح وانخفاض واصمات وقلقلہ میں متحد ہیں باوجود اتحاد اوصاف مذکورہ کے پھر ان دونوں

....

---

(۱) **الجواب**: **”قاضي خان: وإن كان لا يمكن الفصل الخ“** پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ ضاؔ ظاؔء کے زیادہ مشابہ ہے داؔل کے مقابلہ میں۔ اور دوسری روایت سے یہ سمجھ میں آیا کہ جان بوجھ کر ظاؔ پڑھنا اور اسی طرح داؔل پڑھنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا اس کی تصحیح کا ارادہ ضروری ہے اور صحیح پڑھنے کے ارادہ سے غلطی معاف ہے عموم بلویٰ کی وجہ سے، لہٰذا اس جھگڑے کا فساد اس مفسدہ سے زیادہ برا ہے، ایسے کاموں کو مسلمانوں کے درمیان تفریق کا موجب بنانا بڑا خسارہ ہے، بہر حال امام کو چاہئے کہ ظاؔء کے پڑھنے سے احتراز کرے کہ اس میں غلطی کے علاوہ جو مشترک ہے دال پڑھنے کے درمیان دونوں میں باطل فرقوں سے مشابہت ہے، جیسا کہ روافض- اللہ ان کو ذلیل ورسوا کردے- اور غیر مقلدین اور ان کے باطل عقیدہ کا اتباع کرنا اور ان کی بدعت کو بڑھاوا دینا ہے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

میں زمین آسمان کا تفاوت ہے، وعلی ہذا القیاس۔ اور علاوہ ازیں یہ کہ جیسا ضاد وظاء میں تشابہ تام ہے اور صرف تغائر فی المخرج واستطالت فارق ہے۔ اسی طرح ضاد ودال میں تقارب بلیغ ہے کہ محض (*) تغایر فی المخرج واطباق فاصل ہے۔

کما صرح به في المفتاح الرحماني في علم القراءة: لو لا الاطباق فيها لكان الصاد سينا، والطاء تاء، والظاء ذالا، والضاد دالا. انتهىٰ (۱)۔

اس سے ثابت ہوا کہ ظا کو ذال کے ساتھ اور ضاد کو دال کے ساتھ قرب تام ہے کہ فقط اطباق ممیّز ہے بلکہ باعتبار مخرج کے ضاد کو دال کے ساتھ زیادہ قرب ہے بہ نسبت ظاء کے جیسا شافیہ میں ہے

والضاد المعجمة أول حافة اللسان وما يليهامن الاضراس، واللام مادون طرف اللسان إلى منتهاه وما فوقه، والراء منهما ما يليها، والنون منهما ما يليها، والطاء والدال المهملتين، والتاء المثناة طرف اللسان، وأصول الثنايا العليا، والصاد والزاء والسين طرف اللسان والثنايا السفلى، والظاء والذال والثاء طرف اللسان وطرف الثنايا العليا إلى أن قال كل مخرج قدم ذكره فهو أقرب إلى الصدر مما بعده، وكذا كل حرف سبق ذكره فهو أقرب إليه مما بعده. انتهىٰ (۲)۔

پس جس وقت ضاد کے بعد دال کا ذکر کیا اور دونوں کے درمیان چار حرف یعنی لام، راء، نون، طاء مذکور ہیں۔ اور ظاء کا سب کے بعد ذکر کیا اور درمیان اس کے اور ضاد کے نو حرف یعنی لام، را، نون، طاء، دال، تا، صاد، زا، سین مذکور ہیں۔ معلوم ہوا کہ ضاد (**) ودال میں زیادہ قرب ہے بہ نسبت ضاد وظاء کے، پس متحقق ہوا کہ جیسا ضاد کو ظاء کے ساتھ تشابہ ہے ویسا ہی یا زیادہ دال کے ساتھ ہے اور جیسا دال کے ساتھ تغایر ذاتی ہے ویسا ہی ظاء کے ساتھ، پس ضاد کو ظا ودال دونوں کے ساتھ اقل درجہ برابر نسبت ہوئی اور دونوں جواز وعدم جواز میں (***) متساوی الاقدام ہیں، اگر ضاد کو ظاء پڑھنا جائز تو دال بھی پڑھنا

(*) حصر اضافی ہے، اس سے نفی استطالت کی نہ سمجھی جاوے۔ ۱۲ منہ۔

(**) یعنی باعتبار اداتعمداً کے۔ ۱۲ منہ۔

(***) یعنی باعتبار قربیت مخرج کے نہ کہ صفات وصورت کے۔ ۱۲ منہ۔

(۱) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

جائز اور اگر دال پڑھنا جائز نہیں تو ظا پڑھنا بھی جائز نہیں۔ اور اول یعنی ضاد کو بصوت دال وظا پڑھنا بالاجماع باطل ہے، پس ثانی متعین ہوگیا کہ کسی کی صوت میں پڑھنا جائز نہیں ونیز بتصریح ائمہ قراءت یہ ضاد محض مشابہت (*) ظاء سے حروف مستہجنہ میں سے ہو جاتا ہے۔

في الشافية: والضاد الضعيفة فمستهجنة انتهىٰ. وفي النظامية شرح الشافية: والضاد الضعيفة، أى التي تكون بين الضاد والظاء، وقال في الكفاية شرح الشافية: والضاد الضعيفة بين الضاد والظاء انتهىٰ (۱)

اورحروف مستہجنہ کاقرآن شریف میں پڑھنا جائز نہیں: **كما في رسالة تبعيد الضاد عن صوت الظاء: كانت تلك الضاد ضعيفة مستهجنة محرمة في القراء ة والتلاوة انتهىٰ (۲)۔**

پس ہرگاہ بوجہ استہجان کے مشابہ ظا کے پڑھنا جائز نہیں توبعینہ ظاء پڑھنا کیونکر جائز ہوگا بلکہ اگر عمداً پڑھے گا تو اسکی نماز کی صحت وفساد میں اختلاف ہے اور مفتیٰ بہ فساد صلوۃ ہے۔

قال في الخانية والخلاصة: الأصل فيما إذا ذكر حرفا مكان حرف، وغير المعنى إن أمكن الفصل بينهما بلا مشقة تفسد ولا يمكن إلا بمشقة كالظاء مع الضاد المعجمتين، والضادمع السين المهملتين، والطاء مع التاء، قال أكثرهم: لاتفسد، وفي خزانة الاكمل قال القاضي أبوعاصم: إن تعمد ذلک تفسد، وإن جرى على لسانه أو لايعرف التمييز لا تفسد، وهو المختار حلية، وفي البزازية: وهو أعدل الأقاويل، وهو المختار انتهىٰ (۳)۔

(*) یعنی مشابہت مع تبدیل مخرج سے ورنہ مخرج سے ادا ہونے سے مشابہت صوت لازم ہے ۱۲ منہ۔

---

(۱) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۹۶، كراچى ۱/ ۶۳۳، وكذا فى خانية على الهندية، الصلاة، فصل في قراء ة القرآن خطأً، وفي الأحكام المتعلقة بالقراء ة، قديم زكريا ۱/ ۱۴۱، وكذا في خلاصة الفتاوى، الصلاة، الفصل الثاني عشر: في زلة القاري، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۰۶، جديد زكريا ۱/ ۸۸، وكذا في البزازية على الهندية، الصلاة، الفصل الثاني عشر: في زلة القاري، قديم زكريا ۴/ ۴۲، جديد زكريا ۱/ ۳۰۔

پس تحقیق مذکور سے واضح ہوگیا کہ ضاد کو دال یا ظا پڑھنا ناجائز وتحریف صریح ہے۔

وقد ورد فيه ما ورد قال اللّٰه تعالىٰ: يحرفون الكلم عن مواضعه الآية.

بلکہ حتی الوسع اس کے مخرج سے نکالنے کا قصد کرے خواہ نکلے یا نہ نکلے صحیح نکلے یا غلط ظاء نکلے یا دال مہملہ یا غیر، ان دونوں کا شرعاوہ معذور اور مصیب ہوگا لقولہ تعالی: **لایکلف اللّٰہ نفسا الا وسعها. الاية** (۱)۔ بلکہ باوجود تکلف اور مشقت کے اگر ادانہ ہوگا تب بھی دو اجر ملیں گے اجر مشقت و اجر قرأت۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول اللّٰه ﷺ الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة، والذي يقرأ القرآن ويتتعتع فيه، وهو عليه شاق له أجران. متفق عليه (۲)

لیکن اس کے سیکھنے میں کوشش کرنا ہمیشہ واجب ہے۔ لقولہ تعالی: **"ورتل القراٰن ترتيلا"** اور تفسیر حسینی تحت ایں آیت آوردہ واز مرتضی علی رضی اللہ عنہ نقل کردہ اند کہ مراد بترتیل حفظ وقوف ست وادائے حروف انتھیٰ۔ اور رتل وجوب کے لئے ہے اس کی تعمیل میں سعی کرنا واجب ہے اور اگر جہد وطلب میں کوتاہی کریگا گنہ گار رہوگا۔

لما مر من الأمر المذكور، ولما في الدرالمختار في بحث عدم جواز اقتداء غير الألثغ بالألثغ هكذا، وحرر الحلبي وابن الشحنة: أنه بعد بذل جهده دائما حتما كالأمي، وفي الشامي قوله: دائما أى في آناء الليل وأطراف النهار، فما دام في التصحيح والتعلم، ولم يقدر عليه فصلوته جائزة، وإن ترك جهده فصلوته فاسدة، كما في المحيط وغيره، قوله: حتما، أى بذلا حتما فهو مفروض عليه. انتهىٰ (۳)۔

....

---

(۱) سورة البقرة: ۲۸۶۔

(۲) بخاري شريف، كتاب التوحيد، باب قول النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: الماهر بالقرآن مع الكرام البررة، النسخة الهندية، ۲/ ۱۱۲۶، رقم: ۷۲۴۳، ف: ۷۵۴٤، مسلم شريف، كتاب فضائل القرآن وما يتعلق به، باب فضل الماهر في القرآن والذي يتتعتع فيه، النسخة الهندية ۱/ ۲۶۹، بيت الأفكار، رقم: ۷۹۸۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الإمامة، مطلب: في الألثغ، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۲۸، كراچی ۱/ ۵۸۲۔

یہ حکم تھا الثغ کا جو قادر نہ ہو تکلم سین وراء پر اور یہی حکم ہے اس شخص کا جو کسی خاص حرف مثل ضاد وغیرہ کے تلفظ پر قادر نہ ہو۔

لما في الدر المختار: وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من ا لحروف اه (۱).

وفي الكلام سعة لا يتحمله المقام، والله الهادي إلى الصواب، وهو المنعام. فقط

۲۶؍رجب روز یکشنبہ ۱۳۰۳ھ (امداد صفحہ ۱۴۲ ج ۱)

سوال (۲۳۸): قدیم ۱/۲۹۱- تجوید کی رو سے حرف ضاد کا مخرج حافتی اللسان اور دونوں ڈاڑھوں میں سے ہے، اگر ضاد اصل مخرج سے نکالا جاتا ہے، تو ضاد بصوت ظاء ادا کیا جاتا ہے اور مخرج مروجہ سے یعنی اگلے دانتوں کے مسوڑھے سے یعنی دال کے مخرج سے حسب معمول نکالا جاتا ہے تو ضاد بصوت دال مفخمہ ادا ہوتا ہے۔ کتب فقہاء سلف سے تو ضاد بصوت ظاء ثابت ہوتا ہے اور رواج بصوت دال ہے؛ چونکہ اس کا مخرج درحقیقت دشوار ہے اور تجوید کی رو سے ضاد اور ظاء معجمہ صفات میں یکساں ہیں، صرف طول اور قصر کا فرق ہے۔ اور دال سے بہت تفاوت ہے۔ لہٰذا اب التجایہ ہے کہ ہم ناواقفوں کو کیا کرنا چاہئے؟ ضاد بصوت ظا جائز ہوگا یا ضاد بصوت دال مفخمہ جائز ہوگا؛ چونکہ اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے علماء موجود ہیں، پھر ہم کو پریشانی اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے، جہاں تک کتابوں سے تحقیق کیا ہے وہاں تک ضاد بصوت ظا معلوم ہوا ہے۔ اب آنجناب اسکی تحقیق سے مطلع فرما کر معزز فرماویں۔

الجواب: اس میں جو دو عادتیں ہوگئی ہیں ایک مخرج دال سے نکالنا دوسرے مخرج ظاء سے نکالنا، دونوں غلط ہیں، مخرج صحیح سے نکالنا چاہئے۔ اس سے صوت مشابہ ظ کی پیدا ہوگی نہ عین ظ کی (۲)۔ مشاق کے ادا کرنے میں ذ اور ض اور ظ میں فرق متمیز ہوتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

۲۵؍جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ) تتمہ اولیٰ ص ۴۴)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الإمامة، مطلب: في الألثغ، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۲۹، کراچی ۱/ ۵۸۲۔

(۲) **شعر: والضاد باستطالة ومخرج ☆ ميّز من الظاء وكلها تجي. (مقدمة) وفي شرحها: وليس في الحروف ما يعسر على اللسان مثله، وألسنة الناس فهي مختلفة، فمنهم من يخرجه ظاء، ومنهم من يخرجه دالا مهملة أو معجمة، ومنهم من يخرجه طاء مهملة** ←

سوال (۲۳۹): قدیم ۱/۲۹۲- حرف ضاد معجمہ کوزید مشابہ دال یا ظاء کے پڑھتا ہے اور اگر سیکھے تو صحیح سیکھ سکتا ہے، مگر سیکھتا نہیں جیسے غیر مقلد ظاء پڑھتے ہیں اور پنجابی دیہاتی دال موٹا کر کے پڑھتے ہیں اور اگر سیکھیں تو صحیح سیکھ سکتے ہیں۔ جو ضاد کو ادا کر سکتا ہے، وہ یوں نہیں کہتا ہے کہ ان کی نماز نہیں ہوتی اور نہ ان کے پیچھے پڑھنی درست ہے۔

الجواب: اس حرف کو جو غلط بظن صواب وبقصد صواب پڑھیں، جیسا ابتلاء عام ہے؛ چونکہ عموم بلوی موجبات تیسیر وتخفیف سے ہے؛ اس لئے میرے نزدیک سب کی نماز درست ہوجاتی ہے (۱)۔

....

← **كالمصريين، ومنهم من يشمه ذالا، ومنهم من يشير بها بالظاء المعجمة، لكن لما كان تمييزه عن الظاء مشكلا بالنسبة إلى غيره أمر الناظم بتمييزه عنه نطقا.** (المنح الفكرية على المقدمة الجزرية، باب اللامات، مطلب إدغام المتجانسين، مكتبه ارگ بازار قندهار افغانستان، ص: ۳۸)

ومنهم من يجعل الضاد المعجمة ظاء معجمة مطلقا؛ لأنه يشارك الظاء في صفاتها كلها، ويزيد عليها بالاستطالة فلو لا الاستطالة، واختلاف المخرجين لكانت ظاء وهم أكثر الشامين، وبعض أهل الشرق، فهذا ليس بعجب لثبوت التشابه، وعسر التمييز بينهما. (جهد المقل، بيان الفرق بين حروف الصغير، مكتبه الصديق ڈابھیل، ص: ۱۱۰)

فثبت بما ذكرنا أن المشابهة بين الضاد والظاء شديدة، وأن التمييز عسر. (التفسير الكبير للإمام فخر الدين الرازي، الباب الأول في المسائل الفقهية، ترتيل القرآن، دارالكتب العلمية طهران ۱/ ۶۳، وكذا في الاتفاق في علوم القرآن، فصل مهمات تجويد القرآن، دارالفكر بيروت ۱/ ۱۴۳)

(۱) **وفي التاتارخانية عن الحاوي: حكي عن الصفار: أنه كان يقول: الخطاء إذا دخل في الحروف لايفسد؛ لأن فيه بلوى عامة الناس؛ لأنهم لايقيمون الحروف إلا بمشقة، وفيها: إذا لم يكن بين الحرفين اتحاد المخرج، ولا قربه إلا أن فيه بلوى العامة كالذال مكان الصاد أوالزاى المحض مكان الذال، والظاء مكان الضاد لاتفسد عند بعض المشائخ. قلت: فينبغي على هذاعدم الفساد في إبدال الثاء سينا، والقاف همزة كما هو لغة عوام زماننا، فإنهم لايميزون بينهما، ويصعب عليهم جدا كالذال مع الزاء، ولاسيما على قول القاضي أبي عاصم، وقول الصفار، وهذا كله قول المتأخرين، وقد علمت أنه أوسع،** ←

یہ دوسری بات ہے کہ صحیح سیکھنے کی کوشش نہ کرنے سے گناہ ہوتا ہے(۱)۔ واللہ اعلم۔

۶/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۴۴)

سوال (۲۴۰): قدیم ۱/ ۲۹۳- ایک سوال آیا تھا، جس کا حاصل یہ تھا کہ دالین پڑھنا یا ظالین ہر ایک کو ایک ایک فرقہ مفسد صلوۃ کہتا ہے۔ یہاں سے یہ جواب دیا گیا۔

الجواب: ضاد کی جگہ دال پڑھنا بھی غلط۔ ظا پڑھنا بھی غلط(۲)۔ قصداً غلط پڑھنا گناہ ہے گو بوجہ

....

← **وأن قول المتقدمين أحوط.** (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۹۶-۳۹۷، كراچی ۱/ ۶۳۳، التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثاني، مسائل زلة القاري، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۹۴، رقم: ۱۸۳۷، الخانية على الهندية، الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قديم زكريا ۱/ ۱۴۱، جديد زكريا ۱/ ۸۸، خلاصة الفتاوى، الصلاة، الفصل الثاني عشر: في زلة القاري، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۰۶، بزازية على الهندية، الصلاة، الفصل الثاني عشر: في زلة القاري ۴/ ۴۲، جديد زكريا ۱/ ۳۰)

(۱) **والأخذ بالتجويد حتم لازم ☆ من لم يجود القرآن آثم.** (المقدمة الجزرية مع المنح الفكرية، مطلب بيان تحتم الأخذ بالتجويد، مكتبه ارگ بازار قندهار افغانستان، ص: ۱۹)

(۲) **ومنهم من يجعل الضاد المعجمة ظاء معجمة مطلقا؛ لأنه يشارك الظاء في صفاتها كلها، ويزيد عليها بالاستطالة فلو لا الاستطالة، واختلاف المخرجين لكانت ظاء وهم أهل الشامين، وبعض أهل الشرق، فهذا ليس بعجب لثبوت التشابه، وعسر التمييز بينهما.** (جهد المقل، بيان الفرق بين حروف الصغير، مكتبه الصديق ڈابهيل، ص: ۱۱۰)

والضاد باستطالة ومخرج ☆ ميز من الظاء وكلها تجي. (مقدمة) وفي شرحها: وليس في الحروف ما يعسر على اللسان مثله، وألسنة الناس فهى مختلفة، فمنهم من يخرجه ظاء، ومنهم من يخرجه دالا مهملة أو معجمة، ومنهم من يخرجه طاء مهملة كالمصريين، ومنهم من يشمه ذالا، ومنهم من يشير بها بالظاء المعجمة، لكن لما كان تمييزه عن الظاء مشكلا بالنسبة إلى غيره أمر الناظم بتمييزه عنه نطقا. (المنح الفكرية على المقدمة الجزرية، باب اللامات، مطلب إدغام المتجانسين، مكتبه ارگ بازار قندهار افغانستان، ص: ۳۸)

عموم بلویٰ کے نماز دونوں کی فاسد نہیں ہوتی (۱) کسی ماہر تجوید سے مشق کر کے صحیح پڑھنے کی کوشش کرے اس پر بھی اگر غلط نکل جاوے تو معذوری ہے (۲)۔

۱۰ رصفر ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۷۵)

سوال (۲۴۱): قدیم ۱/ ۲۹۳- **بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم الحمد لله الذي خلق صوت كل حرف من الحروف متخالفا ومتغايرا، وإن كان اشتراك بعضها مع البعض في الصفات ظاهرا، والصلوة والسلام على من لاينطق عن الهوى، إن هو إلا وحي يوحىٰ، وعلى صحبه الذين من تابعهم فقد اهتدى، ومن خالفهم فضلّ وغوى. أما بعد فأقول أولا:**

آنکہ باوجود اختلاف مخارج حروف مع اشتراک بعضے از صفات اتحاد صوت یا تشابہ آں بیک دیگر لازم آید یانہ چنانچہ مخرج دال وجیم کہ مختلف است وبچند صفات مثلا درجہر وشدۃ وانفتاح وانخفاض واصمات وجرس وقلقلہ مشترک اند۔ وہم چنیں کاف وتائے فوقانیہ مع تخالف مخارج درصفت ہمس وشدت وانفتاح وانخفاض واصمات وجرس وسکونت مشترک الصفات۔ پس آیا صوت دال وجیم وہکذا صوت کاف وتائے فوقانیہ متحدو یکساں است یا مختلف ودگرگوں۔

ثانیا: آنکہ آنچہ اہل تجوید وارباب قراءت فیما بین مخرج ضاد وظاء تخالف وتفارق بیان فرمودہ اند صحیح ودرست است یانہ۔

....

(۱) **وإن لم يمكن إلا بمشقة كالظاء مع الضاد، والصاد مع السين، فأكثرهم على عدم الفساد لعموم البلوى.** (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الإمامة، مطلب: مسائل زلة القاري، مكتبه زكريا ۲/ ۳۹۴، كراچى ۱/ ۶۳۱، وكذا في الخانية على الهندية، الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قديم زكريا ۱/ ۱۴۱، جديد زكريا ۱/ ۸۸، وكذا في البزازية على الهندية، الصلاة، الفصل الثاني عشر: في زلة القاري، قديم زكريا ۴/ ۴۲، جديد زكريا ۱/ ۳۰)

(۲) **لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا.** (سورة البقرة: ۲۸۶) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

ثالثا: آنکہ حروف مفردہ تہجی کہ کلام عرب از انہا ترکیب یافتہ است بحسب انحصار قراء عرب در بست ونہ حروف منحصراند یانہ۔

رابعا: آنکہ حرفے از انحصار قراء عرب زائد است چہ نام دارد ومخرجش کدام است۔

خامسا: آنکہ باوجود تخالف مخارج وتغائر اصوات حروف اگر کسے عمداً درنماز یک حرف را بصوت دیگر حرف ادامی کند مثلاً ''ولاالضالین'' را ''ولا الظالین'' بظاء معجمہ میخواند پس آیا نمازش صحیح ودرست است یانہ واگر نمازش صحیح است پس آنچہ مولنا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ در رسالہ الدلیل المحکم درصفحہ۲۱ ارقام فرمودہ است کہ جناب من جیسے کہ بے کی جگہ تے اور دال کہ جگہ ذال اور حاکے بدلے خا اور شین کے عوض سین اور عین کے مقام غین اور لام کے مکان میم نہ کوئی پڑھتا ہے اور نہ کوئی جائز سمجھتا ہے۔ ایسے ہی ضاد کو چھوڑ کر ظاء پڑھنا بھی خلاف عقل ونقل ہے یہ بات عقل ونقل کی رو سے منجملہ تحریف ہے جس کی برائی خود کلام اللہ میں موجود ہے پھر معلوم نہیں آجکل کے عالم کس وجہ سے ایسی نامعقول بات تسلیم کر لیتے ہیں مگر شاید عوام فتوؤں کی مہروں کو دیکھ کر بچل جاتے ہیں اور یہ کون جانے کہ کتابوں کا سمجھنا ہر کسی کو نہیں آتا انتھیٰ چہ معنی دارد وقاری ظاء بجائے ضاد عمداً مرتکب کبیرہ است یانہ۔ وایں چنیں تعلیم او کہ بشا گردان خود مید ہد از روئے شریعت غراء باعث ثواب است یا عقاب(۱)۔ بینوا توجروا۔

....

---

(۱) **ترجمہ سوال:** بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للّٰہ الذي خلق صوت کل حرف من الحروف الخ. حمد وصلاۃ کے بعد میں پہلے یہ کہتا ہوں کہ حروف کے مخارج کے اختلاف کے باوجود بعض صفات کے اشتراک کے ساتھ آواز کا ایک جیسا ہونا یا ایک دوسرے کے مشابہ ہونا لازم آتا ہے یانہیں؟ چنانچہ دال اور جیم کا مخرج الگ الگ ہے اور چند صفات مثلاً جہر اور شدت اور انفتاح اور انخفاض اور اصمات اور جرس اور قلقلہ میں مشترک ہیں۔ اور اسی طرح کاف اور تائے فوقانیہ اپنے مخرج میں الگ ہونے کے ساتھ ساتھ صفت ہمس اور شدت اور انفتاح اور انخفاض اور اصمات اور جرس اور سکونت میں مشترک الصفات ہیں؛ لہٰذا دال اور جیم کی آواز اور اسی طرح کاف اور تائے فوقانیہ کی آواز متحد اور ایک جیسی ہیں یا اس سے مختلف۔ دوسری بات یہ ہے کہ اہل تجوید اور ارباب قراءت ضاد اور ظاء کے مخرج کے درمیان اختلاف اور فرق بیان فرماتے ہیں یہ صحیح اور درست ہے یانہیں؟ تیسری بات یہ ہے کہ حروف مفردہ تہجی جن کی کلام عرب میں ترکیب بنی ہوئی ہے ←

الجواب: الكلي الإجمالي. **أمّا عن الأول**: اتحاد باطل است اجماعاً وتشابہ نہ لازم است نہ ممتنع بلکہ تابع دلیل است ودلیل تشابہ در ضاد یا ظاء از ماہرین فن منقول است نہ در ضاد یا دال۔

وعن الثاني: در صحت آں چہ شبہ است۔

وعن الثالث والرابع: بدرجہ احتمال ہم باطل است لیکن غرض ایں سوال بذہن نیامدہ تاہم ایں محذور در خواندن ضاد بصورت دال مفخم الزم است نہ در خواندنش بصورت ظاء اگر چہ محذور دیگر مثلاً تحریف لازم باشد كما سيأتي۔

وعن الخامس: صحت وفساد صلوۃ تابع صحت وفساد معنی است لیکن معصیت در ہر صورت مشترک وایں حکم مخصوص نیست بتغییر ضاد وبظاء معجمہ بلکہ عام است۔ تغیر ضاد بدال را ہم وکلام مولانا محمول است بر معصیت چنانچہ آں را تحریف نامیدند وتعرض بفساد صلوۃ نہ فرمودند و ہر تحریف ناشی از شبہ مستلزم فساد صلوۃ نیست چنانچہ اگر کسے بجائے **ذلك الكتب لاريب فيه** بسبب شبہ **هذا الكتب لاريب** خواند نماز فاسد نشود وایں تغیر ضاد ناشی ست از شبہ باقی تشخیص کبیرہ یا صغیرہ بودن وظیفہ مجتہد ست وظاہر ست کہ تعلیم معصیت نیز معصیت است لیکن ہم چنیں بلا دلیل معصیت را بر کسے چسپانیدن وفاعل تشابہ را فعل اتحاد قرار دادن ہم معصیت است بہر حال ضاد حرف مستقل است نہ عین ظاء است نہ عین دال گو مشابہ الصوت است بظاء۔ لیکن مفہوم مشابہت خود مستلزم است امتیاز را زیرا کہ مشابہ بودن چیزے بذات خود معنی

....

← عرب کے قاریوں کے انحصار کرنے کے مطابق ۲۹ر حروف میں منحصر ہیں یا نہیں؟ چوتھی بات یہ ہے کہ جو حروف عرب کے قاریوں کے انحصار کرنے سے زائد ہیں، ان کا نام کیا ہے؟ ان کا مخرج کہاں ہے؟ پانچویں بات یہ ہے کہ مخارج میں اختلاف اور حروف کی آواز میں تغائر ہونے کے باوجود اگر کسی نے جان بوجھ کر نماز میں ایک حرف کو دوسرے حرف کی آواز میں پڑھا، مثلاً ''**ولا الضالين**'' کو ''**ولا الظالين**'' ظاء معجمہ کے ساتھ پڑھا، آیا اس کی نماز صحیح اور درست ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کی نماز صحیح ہے، تو اس کے متعلق مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے رسالہ ''**الدليل المحكم**'' میں ص:۲۱ر پر جو تحریر فرمایا ہے: کہ جناب! جیسے کہ بے کی جگہ تے اور دال کی جگہ ذال الخ، اس کے کیا معنی ہیں؟ اور جان بوجھ کر ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے والا کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے یا نہیں؟ اور اس طرح کی تعلیم اپنے شاگردوں کو دینا روشن شریعت کی رو سے ثواب کا باعث ہے یا سزا کا؟

ندارد۔ مشابہت در متغائرین می باشد۔ پس امتیاز صوت را علماً یا عملاً رفع کردن غلو بین است۔ اما ایں امتیاز صوت از کتب مدرک نمی شود تعلق بسماع از ماہر دارد۔ من از قراء پانی پت کہ دریں فن از دیگراں امتیاز خاص دارند ایں حرف شنیدہ ام در ادائے شاں صریح امتیاز محسوس میشود ہم از ظاء وہم از دال ہذا و جواب خامس تتمہ ہم دارد و آں اینکہ حکم بفساد صلوۃ برفتویٰ متأخرین عام نیست بلکہ مخصوص است بہ قادر برادائے صحیح اما غیر قادر پس نمازش وہم چنیں امامتش صحیح خواں را وغلط خواں را در ہر دو صورت صحیح است خواہ بصوت دال خواند خواہ بصوت ظاء۔ کہ آں لغت اوگشتہ باز در صورت غلط ادانمودن آیا ترجیح دال مفخم راست کہ اگرچہ غلط است لاکن ممتاز است بخلاف ظاء کہ ممتاز ہم نیست یا ظاء معجمہ راست کہ اگرچہ ممتاز نیست لیکن حرف قرآن ست بخلاف دال ایں کلام دیگر است ودر ہر دو جانب جماعتے است از اہل علم (۱)۔ ولکل وجھۃ ھو مولیھا.

۱۳/ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ (النور صفحہ ۹ جمادی الاولی ۱۳۵۳ھ)

....

(۱) **الجواب**: (کلی اور اجمالی جواب) پہلی شق کا جواب: اتحاد باطل ہے بالاجماع اور تشابہ نہ تو لازم ہے اور نہ منع ہے؛ بلکہ دلیل کے تابع ہے اور تشابہ کی دلیل ضاد یا ظاء میں ماہرین فن سے منقول ہے نہ کہ ضاد یا دال میں۔ دوسری شق کا جواب: اس کی صحت میں کیا شبہ ہے۔ اور تیسری اور چوتھی شق کا جواب: احتمال کے درجہ میں بھی باطل ہے؛ لیکن اس سوال کی غرض ذہن میں نہیں آئی ہے، تاہم یہ ممانعت ضاد کو دال مفخم کی صورت میں پڑھنے میں زیادہ لازم ہے نہ کہ اس کے ظاء کی صورت میں پڑھنے میں اگرچہ دوسری ممانعت مثلاً تحریف لازم ہوگی، جیسا کہ اس کا بیان آرہا ہے۔ اور پانچویں شق کا جواب: نماز کا صحیح اور فاسد ہونا معنی کے صحیح اور فاسد ہونے کے تابع ہے؛ لیکن معصیت ہر صورت میں مشترک ہے اور یہ حکم ضاد اور ظاء معجمہ کے بدلنے کے ساتھ خاص نہیں ہے: بلکہ عام ہے ضاد کو دال سے بدلنے کے ساتھ بھی۔ اور مولانا کا کلام معصیت پر مبنی ہے، چنانچہ اس کو تحریف کہیں گے اور نماز کے فاسد ہونے کا اعتراض نہ کریں گے اور ہر تحریف جو شبہ سے پیدا ہونے والی ہے نماز کے فاسد ہونے کو مستلزم نہیں ہے، چنانچہ اگر کسی نے "ذلک الکتاب لاریب فیه" کی جگہ "ھذا الکتاب لاریب فیه" پڑھ دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور یہ ضاد کا تغیر شبہ سے پیدا ہونے والا ہے باقی صغیرہ یا کبیرہ کے ساتھ خاص ہونا مجتہد کا کام ہے۔ اور ظاہر ہے کہ معصیت کی تعلیم بھی معصیت ہے؛ لیکن اس طرح بغیر دلیل کے معصیت کو کسی کے اوپر چسپاں کرنا اور متشابہ فاعل کو اتحاد کا فعل قرار دینا بھی معصیت ہے، بہر حال ضاد ایک مستقل حرف ہے نہ تو پورا ظاء ہے اور نہ تو دال ہے، ہاں آواز میں ظاء کے مشابہ ہے؛ لیکن امتیاز کے لئے مشابہت کا مفہوم خود مستلزم ہے؛ ←

عوام کے فتنہ میں مبتلا ہونے کے خطرہ کے وقت قراءت سبعہ میں غلو کی ممانعت

سوال (۲۴۲): قدیم ۱/۲۹۵- بعض مقامات میں سبعہ قراءت کا چرچا حد سے تجاوز کر چکا ہے، بعض حفاظ لڑکوں اور جاہلوں کو مختلف روایتیں یاد کرا کے پڑھاتے اور پڑھواتے ہیں اور اس کو صریحاً بغرض ریا پڑھتے پڑھاتے ہیں، تراویح میں بھی ایسا ہوتا ہے، جس سے سوا نمود کے کوئی نفع نہیں۔ کیا اس طرح پڑھنے پڑھانے میں اس زمانہ پر آشوب میں یہ خوف نہیں ہے کہ جہال ومخالفین اسلام ان اختلافات کو سنکر مشوش ہوں گے اور خوف فتنہ نہیں ہے؟ چنانچہ بعض حفاظ نے تو یہ کہا ہے کہ ایک رکعت میں روایت حفص پڑھی، دوسری رکعت میں روایت قالون۔ کسی نے ٹوکا تو کہہ دیا کہ تم نہیں جانتے ایسی صورتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں، کیا یہ فعل قابل روکنے کے نہیں ہے؟ براہ نوازش اگر قابل ممانعت ہے تو اس کا جواب ذرا تفصیل سے ''الامداد'' میں طبع ہو جاوے تو بہتر ہے۔ میرا یہ خیال ہرگز نہیں کہ اس کی تعلیم بند ہو بلکہ زور دیا جاوے کہ تجوید کا نام قراءت ہے اور عوام کو اسی کی ضرورت ہے، اگر کوئی لکھا پڑھا آدمی حرف بھی اس کا اچھا ہو تو اس کو سبع پڑھائی جاوے۔ سفہاء اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید پڑھائی جاوے اور قراءت جاننے والوں کو چاہئے کہ ہر کس وناکس کو سوائے روایت حفص اور تجوید کے کچھ نہ پڑھایا کریں۔

....

← کیوں کہ کسی چیز کا مشابہ ہونا بذات خود کوئی معنی نہیں رکھتا، مشابہت تو متغائرین میں ہوتی ہے، پس آواز کے امتیاز کو علماً یا عملاً ختم کرنا واضح غلو ہے، بہر حال یہ آواز کا امتیاز کتابوں سے حاصل نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کا حصول ماہرین سے سماع پر موقوف ہے۔ میں نے پانی پت کے قراء حضرات جو کہ اس فن میں خاص امتیاز رکھتے ہیں، خود یہ حرف سنا ہے، ان کی ادائیگی میں صریح امتیاز محسوس ہوتا ہے، ظاء سے بھی اور دال سے بھی۔ اور پانچویں شق کا جواب جو دیگر جوابوں کا تتمہ بھی ہے: وہ یہ ہے کہ متأخرین کے فتوی کے مطابق فساد صلاۃ کا حکم عام نہیں ہے؛ بلکہ اس شخص کے ساتھ خاص ہے، جو صحیح ادائیگی پر قادر ہو اور رہا وہ شخص جو صحیح ادائیگی پر قادر نہ ہو تو اس کی نماز اور اسی طرح اس کا صحیح خواں اور غلط خواں کی امامت کرنا بھی درست ہے، خواہ دال کی آواز سے پڑھے یا ظاء کی آواز سے کہ وہ اس کی زبان بن چکی ہے، پھر غلط ادا کرنے کی صورت میں آیا ترجیح دال مفخم کو ہوگی جو کہ اگر چہ غلط ہے؛ لیکن ممتاز ہے بخلاف ظاء کے جو کہ ممتاز بھی نہیں یا (ترجیح) ظائے معجمہ کو ہوگی، جو کہ اگر چہ ممتاز نہیں ہے؛ لیکن قرآن کا حرف ہے، یہ گفتگو علیحدہ ہے اور دونوں جانب اہل علم کی ایک جماعت ہے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : قال الله تعالیٰ: ولاتسبواالذین یدعون من دون الله فیسبواالله عدوابغیرعلم(۱)۔ في تفسیر بیان القرآن.

اس سے قاعدہ شرعیہ ثابت ہوا کہ مباح (بلکہ مستحب بھی ۱۲ منہ) جب حرام کا سبب بن جائے وہ حرام ہوجاتا ہے الخ۔ (وهذاالمبحث كله صالح لأن يلاحظ فيه ۱۲)

وروی البخاری عن علیؓ قال: حدثوا الناس بمايعرفون أتحبون أن يكذب الله ورسوله (۲)۔ فی حقیقةالطریقة.

بعضے بیباک عوام کے سامنے بے تکلف دقائق بیان کر بیٹھتے ہیں، بعضے عوام ان کی تکذیب کرتے ہیں اور بعضے قواعد مشہورہ شرعیہ کے منکر ہوجاتے ہیں، سو ہر حال میں اللہ ورسول کی تکذیب کا تحقق ہوا۔ والثاني أشد من الأول. اس حدیث میں اس عادت کی ممانعت ہے۔

وروی مسلم عن ابن مسعودؓ أنه قال: ما أنت بمحدث قوما حديثا لايبلغه عقولهم إلا كان لبعضهم فتنة (۳)۔ فی حقیقة الطریقة.

اس حدیث سے بھی وہی مضمون ثابت ہوتا ہے جو اس کے قبل کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

ص: ۸۲ وفي ردالمحتار تحت مسئلة كراهة تعيين السورة في الصلوة من الدرالمختار: ما نصه حاصل كلام هذين الشيخين بيان وجه الكراهة في المداومة، وهو أنه إن رأى ذلك حتما يكره من حيث تغيير المشروع، وإلا يكره من حيث إيهام الجاهل. ج: ۱، ص: ۵٦۸ (۴)۔

....

(۱) سورة الأنعام، آیت: ۱۰۸ ۔

(۲) بخاري شريف، كتاب العلم، باب من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية أن لا يفهموا، النسخة الهندية ۱/ ۲٤، رقم: ۱۷۳، ف: ۱۷۳ ۔

(۳) مسلم شريف، مقدمة، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع، النسخة الهندية ۱/ ۹۔

(۴) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲٦٦، کراچی ۱/ ٥٤٤ ۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

آیت اور حدیث اور فقہ سب سے یہ قاعدہ ثابت ہوا کہ جس عمل سے عوام و جہلاء میں مفسدہ وفتنہ اعتقادیہ یا عملیہ قالیہ یا حالیہ پیدا ہو اس کا ترک خواص پر واجب ہے، باقی فتنہ کا حدوث یا عدم حدوث یہ مشاہدہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ سوال میں بعض حالات میں جو فتنہ سبعہ پر مرتب ہوتا ہوا مذکور ہے وہ مشاہدہ ہے، پس فتویٰ شرعی ہوگا۔ کہ خاص ان احوال میں سبعہ کا استعمال ممنوع ہوگا۔ اور اگر اس کے ساتھ قاری کی نیت بھی اظہار علم ودعوائے کمال وریاء وتصنع وتفاخر ہو تو یہ فتنہ اس کے لئے مزید برآں ہے؛ لہٰذا اس باب میں جو مشورہ سوال میں مذکور ہے۔ واجب الاتباع ہے۔

۱۴/ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۴۱)

بیان القرآن کی عبارت پر شبہ کا جواب اور ابن مسعودؓ کی قراءت کو دوبارہ نقل کرنا

سوال (۲۴۳): قدیم ۱/ ۲۹۷- بیان القرآن کے منہیہ میں ابن مسعودؓ کی قرأۃ وعلی الوارث ذی الرحم بلاسند ذکر کیا ہے؟

الجواب: میں نے تفسیر مظہری (۱) سے لیا ہے۔ جس کو نقل کر کے مفسر لکھتے ہیں: کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اصل قاعدہ پر عمل کیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت سے کتاب کی تخصیص اور اس پر کچھ زیادتی جائز ہے۔ اور ''ہدایہ'' میں بھی اس قراءت کو نقل کیا ہے۔ پس اگر شبہ احقر کی کتاب پر ہے، تو اس کا جواب اس قدر کافی ہے کہ اس کا ماخذ فلاں کتاب ہے۔ اور اگر شبہ ان کتابوں پر ہے، تو اس کی تصریح ہونا چاہئے، تاکہ دوسرا جواب دیا جائے۔

۹/ جمادی الاخریٰ ۴۳ھ (ترجیح خامس ص ۱۴۹)

....

---

(۱) قال أبو حنيفة: وهو الظاهر المتبادر من الآية لا غبار عليه، غير أن أبا حنيفة قيد الوارث بذي رحم محرم، فخرج بهذا القيد العتق وابن العم ونحو ذلك، ووجه التقييد قراءة ابن مسعود، وعلى الوارث ذي الرحم المحرم مثل ذلك فقد ذهب أبو حنيفة على أصله أن قراءة ابن مسعود يجوز به تخصيص الكتاب والزيادة عليه الخ. (تفسير مظهري، سورة البقرة، النسخة الهندية، قديم ۱/ ۳۲۵، جديد ۱/ ۳۵۹)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

''ذاقا''، ''قالا الحمد'' وغیرہ تثنیہ میں الف کے پڑھنے اور نہ پڑھنے کی تحقیق

سوال (۲۴۴): قدیم ۱/ ۲۹۸- (الف) تثنیہ کا جیسے:''الف''''ذاقا الشجرة، وقالا الحمد لله الذی'' کا۔اور''واؤ'' جمع کا جیسے:''وقالوا الحمدلله وفعلوا الخير'' کے درج کلام میں ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اسکو پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اس باب میں کوئی معتبر سند (*) میری نظر سے نہیں گزری؛ البتہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ نے اپنے بعض رسائل میں موقع التباس میں الف تثنیہ کے کسی قدر اظہار کو لکھا ہے۔مگر ''واؤ'' جمع میں نہیں لکھا، مگر چونکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی؛ لہٰذا اس پر میرا معمول نہیں۔ اور التباس تو بعض جگہ واو جمع میں بھی ہے جیسے: ''قل ادعوا الله أو ادعوا الرحمن'' (۱) حالانکہ وہاں کوئی قائل نہیں۔اور رفع التباس کیلئے قرینہ سیاقیہ کافی ہے۔ واللہ اعلم

۲۵ رجب ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۱۲ ج ۱)

سوال (۲۴۵): قدیم ۱/ ۲۹۸- پارہ انیس میں جو رکوع ہے: ''ولقد اٰتينا داؤدو سليمان علما وقالا الحمدلله الذی'' عرض یہ ہے کہ لفظ ''قالا الحمد'' میں ''الف'' کھینچا جاویگا

(*) ''خلاصۃ البیان'' ص: ۲۴ رمیں ہے:

وأما إشباع الحركة بعد حذف المدة في نحو: واستبقا الباب، وقالا الحمد، فليس بثابت عندنا مع مخالفة العربية، واحد أركان القرآن موافقة العربية. اھ

یعنی ''استبقا الباب'' اور ''قالا الحمد'' میں حرف مدہ (الف) حذف کرنے کے بعد الف سے پہلے حرف کے زبر کو تھوڑا سا بڑھا کر پڑھنا ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے، نیز ایسا کرنا قوانین عربیہ کے بھی خلاف ہے اور قوانین عربیت کی موافقت ہی پر قرآن کی بنیاد ہے۔اھ

مزید تفصیل کے لئے رسالہ ''تعلیم القرآن'' ص: ۳۳، مصنفہ قاری محمد اکرم الٰہی علی گڑھی ملاحظہ فرمایا جائے۔۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

---

(۱) سورة بني إسرائيل، آيت: ۱۱۰۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

یا نہیں؟ ''قالال'' ہے یا ''قالل'' ہے؟ تو صیغہ تثنیہ کا نہ رہے گا؟ اور اگر ''قالال'' ہے تو اجتماع ساکنین ہو گیا یہاں حافظوں سے معلوم کیا تو اختلاف ہے، کوئی ''قالال'' کہتا ہے۔ اور اکثر ''قالل'' کہتے ہیں تو حضور اس کی تصحیح فرماویں۔

الجواب: میں ''الف'' نہیں پڑھتا ہوں اور نہ آج تک الف پڑھنے کی کوئی دلیل ملی اور یہ شبہ عجیب ہے کہ تثنیہ نہ رہے گا، کیا تثنیہ کا ''الف'' کسی عارض سے لفظاً ساقط نہیں ہوسکتا ورنہ لازم آتا ہے کہ سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں ''قل ادعوا الله'' میں بھی ''واؤ'' ظاہر کر کے پڑھا کریں، ورنہ جمع نہ رہے گا؛ حالانکہ وہاں واؤ پڑھنے کا کوئی بھی قائل نہیں، اگر کسی کو شبہ التباس کا ہو تو خصوصیت مقام اس کا دافع ہے، ورنہ ''قل ادعوا اللّٰه'' میں بھی التباس بمفرد کا اعتبار کرنا چاہئے، اگر سماع عن القراء سے استدلال کیا جاوے تو اس کے خلاف بھی مسموع عن القراء ہے۔

۲۴/ جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۳۸ ج ۱)

تحقیق اخفاء (*)

سوال (۲۴۶): قدیم ۱/ ۲۹۹- کیا یہ صحیح ہے کہ اخفاء میں نون ساکن یا تنوین کو اس طرح ادا کرے کہ کچھ نون ساکن یا تنوین نکلے اور کچھ وہ حرف نکلے جو نون ساکن یا تنوین کے بعد ہے۔ مثلاً رنگوں اور رنگت وغیرہ؟

الجواب: صحیح ہے؛ کیونکہ حقیقت اخفاء کی بین الاظہار والادغام (۱) ہے۔ اور اظہار میں نون خالص ہوتا ہے (۲) اور ادغام میں بالکل نہیں رہتا گو غنہ ہو سو یہ بین بین ہوگا۔ فقط

۲۵/ رجب ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۱۲ ج ۱)

(*) اخفاء کے طریق اداء سے متعلق مفصل بحث نمبر: ۲۶۴ بر رسالہ ''التدقیق الجلی'' میں آرہی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) **ثم اعلم أن الإخفاء حال بين الإظهار والإدغام الخ.** (المنح الفكرية شرح المقدمة الجزرية، مطلب بيان أن الإخفاء حال بين الإظهار والإدغام، مكتبه ارگ بازار قندهار افغانستان ص: ٤٤)

(۲) **يطلق علماء التجويد كلمة إظهار ويريدون بها إخراج الحرف من مخرجه بغير غنة ولا إدغام.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ١٧٤) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

”إذ ظلموا“ کے ظاء میں ادغام کی تحقیق

سوال (۲۴۷): قدیم ۱/ ۲۹۹- ”ولو انهم اذ ظلموا“ میں کیا ادغام ذال کا ظاء سے ہوگا؟ بعض قرآن میں ظاء پر تشدید ہے؟

الجواب: ”اذظلموا“ میں بالاتفاق ادغام ہے۔ ”کما في غيث النفع المدغم اذظلموا للجميع“ (۱)۔ اور چونکہ پہلا حرف ساکن ہے، یہ اصطلاح میں ادغام صغیر کہلاتا ہے۔ یہ بھی ”غیث النفع“ کے مقدمہ میں ہے اور عبارت سابقہ کے بعد جو (ک) لکھا ہے جو رمز ہے ادغام کبیر کا۔ یعنی جہاں حرف اول متحرک ہو یہ مابعد کے مواقع کیلئے ہے۔ یہ تعریف اور اصطلاح بھی مقدمہ میں ہے (۲)۔

(النور صفحہ ۸ محرم ۱۳۵۸ھ)

بعض اوقاف پر شبہ کا جواب

سوال (۲۴۸): قدیم ۱/ ۳۰۰- ”اذ يعدون فى السبت“ اذ ظرف ہے القریہ کا، یعنی ”واسئلهم عن القرية التي كانت حاضرة البحر“ میں جو قریہ ہے اس میں مضاف محذوف ہے ”اذيعدون“ ظرف ہے اس مضاف کا تو ”اذ“ کو قریہ سے فصل کرنا جائز ہوا، یعنی بحر کو ’اذ‘ سے ملا کر پڑھنا چاہئے۔ پھر بحر پر وقف کیا علماء نے بے تحقیق لکھدیا ہے یا کوئی وجہ ہے، تو بیان کریں۔ یہ تو سورہ اعراف میں ہوا۔ اسی طرح سورہ مؤمنون میں ’’اعناب‘‘ پر وقف لازم کہتے ہیں؛ حالانکہ یہ وقف بھی قبیح ہے؛ کیونکہ

....

(۱) غيث النفع في القراء ات السبع، سورة آل عمران، مكتبه دارالعلوم فلاح دارين گجرات، ص: ۸۳ ۔

(۲) **وإذا فرغت من الإمامة أقول: المدغم وأذكر الإدغام الصغير أولا، ثم أرسم (ک) إشارة إلى الإدغام الكبير، وأذكره بعد ذلک، والصغير ما كان أول الحرفين ساكنا، والكبير ما كان متحركا.** (غيث النفع في القراء ات السبع، مصطلح الكتاب، مكتبه دارالعلوم فلاح دارين گجرات: ص: ۱۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

''جنات'' مفعول ہے ''انشانا'' کا یقیناً اور ''وشجرۃ تخرج''، معطوف ہے جنات پر معطوف اور معطوف علیہ میں فصل کرنا خصوصاً جب مفردات ہوں جملے نہ ہوں ناجائز ہے، تو ''انشانا'' سے ''لَّآ کلین'' تک وقف کرنا ناجائز ہوا تو ''اعناب'' پر بھی وقف ناجائز ہوا، ناجائز کو لازم کہنا معاذ اللہ سخت گناہ؛ بلکہ اگر دیدہ و دانستہ کہے تو کافر ہوجاوے۔ مثلاً لمس اجنبیہ ناجائز ہے۔ اور اگر کوئی اس کو واجب کہے تو کافر ہوجائیگا باتفاق مسلمین۔

الجواب: اول چند مقدمات سمجھ لینے چاہئیں۔

مقدمہ اول: رؤس آیات کے علاوہ کہ وہ مثل قراءت سبعہ کے توقیفی ہیں اور اس میں جو اختلاف ہے وہ بناء علی اختلاف الروایات ہے اور باقی جتنے اوقاف ہیں، سب امور اجتہادیہ وذوقیہ ہیں اور ذوق لسانی سے ہر لغت میں یہ فصل ووصل مواقع مختلفہ میں استعمال کیا جاتا ہے اور ان میں اختلاف بناء علی اختلاف التفسیر والتأویل والاعراب ہے، مثل اختلاف مسائل قیاسیہ حنفیہ وشافعیہ کے اسی بناء پر اوقاف کے باب میں ائمہ قراءت کی اصطلاح جدا جدا ہیں۔ چنانچہ بعض کے نزدیک یہ انواع ہیں۔ تام۔ اتم۔ کافی۔ اکفی۔ حسن۔ احسن۔ صالح۔ اصلح۔ قبیح۔ اقبح۔ اور امام سجاوندیؒ کی یہ اصطلاحیں ہیں۔ مطلق۔ جائز۔ مجوز۔ مرخص۔ اور اس مطلق کی ایک قسم لازم ہے۔ اور بعض کی یہ اصطلاحیں ہیں تام شبیہہ بتام۔ ناقص۔ شبیہہ بناقص حسن۔ شبیہہ بحسن قبیح۔ شبیہہ بقبیح، چنانچہ یہ اصطلاحیں منار الھدی میں موجود ہیں، جن کے عنوانات ومعنونات ومواضع تعیین سب مختلف ہیں۔

مقدمہ دوم: وقف لازم میں لزوم بمعنی وجوب یا فرضیت نہیں ہے؛ بلکہ بمعنی استحسان مؤکد ہے اور مدار اس لزوم کا ایہام پر ہے، اگر وصل موہم ارادہ غیر مراد ہو وہاں وقف لازم سمجھا جاتا ہے۔

مقدمہ سوم: اسی طرح وقف قبیح میں قبح بمعنی لزوم کفر یا معصیت نہیں؛ بلکہ بمعنی عدم استحسان ہے اور مدار اس لزوم کا بھی ایہام پر ہے جہاں فصل موہم ارادہ غیر مراد ہوتا ہے وہاں وقف قبیح سمجھا جاتا ہے، چنانچہ ہر دو مقدمہ کی دلیل منار الہدی میں ہے:

إذا علمت هذا عرفت بطلان قول من قال: لايحل لمن يؤمن بالله واليوم الآخر أن يقف علی سبعة عشر موضعا، فإن وقف عليها وابتدأ مابعدها، فإنه يكفر، ولم يفصل والمعتمد ما قاله العلامة النكزاوي: أنه لا كراهة إن جمع بين القول والمقول؛ لأنه تمام

....

....

قول اليهود والنصارىٰ، والواقف على ذلك كله غير معتقد لمعناه إنما هو حكاية قول قائلها حكاها الله عنهم، ووعيد الحقه الله بالكفار، والمدار في ذلك على القصد وعدمه، وما نسب لابن الجزري من تكفيرمن وقف على تلك الوقوف، ولم يفصل ففي ذلك نظرنعم إن صح عنه ذلك حمل على ما إذا وقف عليها معتقدا معناه؛ فإنه يكفر سواء وقف أم لا إلى اٰخر ماقال وأطال، وفيه أيضا القبيح وهو ما اشتد تعلقه بما قبله لفظا ومعنى، ويكون بعضه أقبح من بعض نحو إن اللّٰه لايستحى فويل للمصلين فإنه يوهم غير ما أراده اللّٰه تعالىٰ، فإنه يوهم وصفا لايليق بالباري سبحانه وتعالى، ويوهم أن الوعيد بالويل للفريقين وهو لطائفة مذكورين بعده إلىٰ اٰخر ما قال: وأطال (۱)

وفي الجزرية: وليس في القرآن من وقف واجب، ولا حرام غيرماله سبب، وقال الملا على قاري في شرح البيت: وحاصل معنى البيت بكماله أنه ليس في القرآن وقف واجب يأثم القاري بتركه، ولا وقف حرام يأثم بوقفه؛ لأنهما لايدلان على معنى فيختل بذهابهما إلا أن يكون لذلك سبب يستدعى تحريمه، وموجب يقتضى تحريمه، وكان يقصد على مامن اله وإنى كفرت ونحوهما كما سبق من غير ضرورة إذ لا يقصد ذلك مسلم واقف على معناه، وإذا لم يقصد لايحرم عليه لاالوصل ولا الوقف في مبناه (۲)۔ اور بناءً على المقدمۃ الاولی ممکن ہے کہ اس ایہام میں آراء قراء مختلف ہوں۔

مقدمہ چھارم :اموراجتہادیہ میں اختلاف کرنے سے تضلیل یا تفسیق نہیں ہوسکتی ،ورنہ تمام مجتہدین پرعافیت تنگ ہوجاوے گی۔

مقدمہ پنجم :في منار الهدىٰ يظلمون كاف شُرّعاً جائز (۳)۔ وفيه أيضا :

....

(۱) منار الهدىٰ فى الوقف و الابتداء، مطلب: مراتب الوقف، ص: ۹-۱۰۔

(۲) المنح الفكرية على المقدمة الجزرية، مطلب: بيان أن الوقف على رؤوس الآمي سنة، مكتبه ارگ بازار قندهار ص: ٦٢۔

(۳) منار الهدىٰ فى الوقف والابتداء، سورة الأعراف، ص: ۱۲۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

واعناب جائز، ومثله كثيرة ومنها: تأكلون كاف على أن قوله: وشجرة منصوب بفعل مضمر تقديره، وأنشانا شجرة وانبتنا شجرة، وليس بوقف إن عطفت شجرة على جنات، وحينئذ لا يوقف على وأعناب ولاعلى كثيرة ولا على تأكلون.

مقدمہ ششم (*): ''اذيعدون في السبت'' میں یہ بھی احتمال ہے کہ ''اذ'' ظرف ہو عامل مقدر کا اور یہ کلام مستأنف ہو، یعنی جبکہ یہ کہا گیا: ''واسئلهم عن القرية التي كانت حاضرة البحر''. ماكان حالهم۔ تو اس پر قدرۃً یہ سوال پیدا ہوا کہ ''متی'' اس کا جواب دیا گیا ''اذ يعدون في السبت''. أي كانت تلك الحال ''اذ يعدون في السبت'' اور یہی احتمال سجاوندی کے ذہن میں راجح ہے۔

مقدمہ ہفتم: ''لكم فيها فواكه'' میں بھی استیناف کا احتمال قوی ہے؛ کیونکہ جب بطور انعام کے یہ کہا گیا: ''فانشأنا لكم به جنّٰتٍ من نخيل واعناب'' تو یہاں سوال پیدا ہوا: أی نعمة كان لنا في انشائها اس کا جواب دیا گیا ''لكم فيها فواكه كثيرة ومنها تأكلون''. سجاوندیؒ نے اسی احتمال کو اختیار کیا ہے۔

مقدمہ ہشتم: چونکہ علم وقوف نہایت دقیق علم ہے، جس میں بہت سے علوم کی ضرورت ہے؛ اس لئے بدوں جمیع ان آلات وعلوم کے محض تھوڑی سی مناسبت درسی علوم کے سبب اس میں کلام جائز نہیں جیسا جمیع اجتہادیات کا حال ہے، بعد تمہید ان مقدمات کے جواب سمجھنا چاہئے کہ سوال کے دونوں

(*) اصل کتاب مطبوعہ مجتبائی دہلی میں اس جگہ دس مقدمات تحریر ہیں؛ لیکن اسی کے ساتھ ضمیمہ بنام ''تصحیح الاغلاط'' ص: ۱۸/ میں اس مقام سے مقدمہ ہشتم نہم کو حذف کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور باقی مقدمات میں اور پھر اصل جواب میں جا بجا ترمیم واصلاح فرمائی گئی ہے۔ احقر نے ''تصحیح الاغلاط'' کی ہدایات کے موافق دونوں مقدموں کو حذف کر کے آٹھ باقی رکھے اور دوسرے مقامات پر بھی قابل ترمیم عبارات میں حضرت کی تحریر کردہ ترمیم درج کردی، صرف تین مقامات ایسے تھے کہ ان میں ضرورتِ ترمیم کا تو حضرت نے اظہار فرمایا مگر بعد ترمیم جو عبارت رکھی جائے وہ تحریر نہیں فرمائی؛ اس لئے ان مقامات کو بعینہٖ قائم رکھ کر حضرت کی تحریر کو ان مقامات کو بطور حاشیہ لکھ دیا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ۔

موقعوں میں جو وقف لازم ہے وہ سجاوندیؒ کے قول پر ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ وصل میں ایہام ''اذ'' کے ''واسئل'' کے متعلقات میں سے ہونے کا اور وہ سجاوندی کے ذہن میں خلاف مراد قرآنی ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک یہ جملہ مستأنفہ ہے جیسا کہ مقدمہ ششم میں ظاہر کیا گیا؛ اس لئے انھوں نے بحر پر وقف کیا اور ایہام اعناب کے موصوف اور جملہ ''لکم فیها فواکه کثیرة'' کی صفت ہونے کا الخ۔ یہ ایہام وقف سے مرتفع نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ وقف کسی طرح اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ اعناب کی صفت نہیں ہے؛ بلکہ نخیل واعناب مجموعہ کی یا جنات کی صفت ہے؛ لہٰذا استدلال یوں کرنا چاہئے کہ سجاوندی کے نزدیک یہ کلام مستأنف ہے جیسا کہ مقدمہ ہفتم میں ظاہر کیا گیا ہے اور وصل میں شبہ تھا جنات یا نخیل واعناب کی صفت ہونے کا جو کہ ان کے نزدیک خلاف مراد قرآنی تھا؛ اس لئے انھوں نے وقف کیا۔ رہا شبہ وقف کے قبیح ہونے کا سو وہ بیان بالا سے مندفع ہوگیا؛ کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عدم وقف میں سجاوندی کے نزدیک ایہام خلاف مراد ہے؛ اس لئے وقف ضروری ہوا نہ کہ قبیح۔ اور اگر محض فصل کو موجب قبح کہا جاوے سو اول تو یہ تفسیر قبیح کی کسی نے کی نہیں۔ اور اگر اس جدید اصطلاح کو تسلیم بھی کرلیا جاوے تو وقف کرنے ہی پر کیا موقوف (*) ہے خود موضع ثانی میں فاصل ہونا اتنے بڑے کلام کا ''لکم فیها فواکه کثیرة ومنها تأکلون'' لزوم قبح کے لئے کافی ہونا چاہئے (بحکم مقدمہ ہشتم) بلکہ ایسا قبح تو قرآن مجید میں صدہا (**) جگہ لازم آئے گا، مثلاً آیت مذکورہ وقیلہ میں کہ بنا بر قراءت نصب کے جو کہ قراءت متواترہ ہے حسب

(*) یہ اعتراض سائل پر وارد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ وہ ''لکم فیہا'' کو ''جنات'' وغیرہ کی صفت کہتا ہے، پس یہ فصل بالا جنبی نہیں ہے؛ لہٰذا اس اعتراض کو ساقط ہونا چاہئے۔ ۱۲ منہ

تصحیح الاغلاط میں اس جگہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کو ساقط لکھا ہے، مگر عبارت کتاب کی تغییر کی صورت نہیں لکھی؛ اس لئے احقر نے عبارت کو بعینہٖ قائم رکھ کر تصحیح کی عبارت کو حاشیہ بنا دیا، اسی طرح اس صفحہ کے دوسرے حواشی کا حال ہے۔ ۱۲ شفیع عفی عنہ۔

(**) یہ اعتراض بھی سائل پر وارد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ جملہ معترضہ کا فصل فصل نہیں سمجھا جاتا، برخلاف لازم کے اس کی توضیح اس سے ہوسکتی ہے ''قتلت الیهود لعنهم الله تعالیٰ واذاقهم عذاب الحریق الانبیاء'' بالاتفاق جائز ہے۔ اور ''قتلت الیهود والانبیاء'' میں یہود پر وقف لازم صحیح نہیں؛ لہٰذا اس اعتراض کو ساقط ہونا چاہئے۔ ۱۲ (تصحیح الاغلاط ۱/ ۱۹)

....

اختیار اخفش جونحو میں امام جلیل ہے قبیلہ کا عطف ''سرھم ونجواھم'' پر تجویز کیا گیا ہے کہ جس میں عامل ومعمول میں سات آیات تو قیفیہ اجماعیہ فاصل ہیں اور حسب قول زجاج ساعۃ پر عطف تجویز کیا گیا ہے کہ جس میں دو آیات کا فصل ہے (بحکم مقدمہ نہم) پس اگر فصل مطلقاً موجب قبح ہوتو ان ائمہ اجلہ نے اتنی قبائح کا لزوم قرآن میں کیسے گوارا کیا۔ علاوہ (*) اس کے جو بناء شبہات کی ہے کہ ''اذیعدون'' میں ''اذ'' ظرف ہے، اس مضاف کا الخ یا شجرۃ مفعول ہے انشأنا کا الخ اس میں خود کلام ہوسکتا ہے؛ اس لئے کہ یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ عامل ''اذ'' کا محذوف ہو، مثلاً ''کانت حاضرۃ'' یا ''وقعت القصہ'' یا مثل اس کے جیسا قرآن میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں۔ پس بہر حال لزوم قبح کا کوئی مبنی نہیں پایا جاتا اور بعد اللّتیا واللّتي اگر خواہ مخواہ کوئی قبح کا قائل ہی ہو اور کسی کو اس میں شرح صدر ہی ہوتو اس کی یہ تحقیق اپنے نفس پر حجت ہوسکتی ہے۔ قائلین باللزوم پر جن کا مستند دلیل صحیح ہے حجت نہیں (بحکم مقدمہ اول) پھر لمس اجنبیہ پر جو کہ حرام قطعی اجماعی ہے قیاس کرنا امر اختلافی اجتہادی کا اول تو غفلت ہے معنی لازم وقبیح سے، پھر بوجہ فارق قطعیت واجتہادیت کے کس طرح صحیح ہوگا (بحکم مقدمہ چہارم) چنانچہ صاحب منار نے کانت حاضرۃ البحر پر وقف ہی قرار نہیں دیا اور اعناب پر وقف جائز مانا (بحکم مقدمہ پنجم) لیکن اس قسم کا اختلاف جیسا صاحب منار نے امام سجاوندیؒ کے ساتھ کیا ہے ہم جیسوں کو کہ نہ اس قدر علم ہے اور نہ وہ ذکاء نہ وہ سلامت نظر جائز نہیں۔ (بحکم مقدمہ دہم)۔ فقط واللہ اعلم۔

یکم شعبان ۱۳۲۱ھ۔) امداد ص ۱۱۳ ج ۱)

علم تجوید وقراءت کے وجوب کی تحقیق

سوال (۲۴۹): قدیم ۱/۳۰۵- مدرسۂ قراءت کی خدمت کیا کیا فضیلتیں رکھتی ہیں اور یہ علم آیا واجب ہے یا مستحب؟

(*) یہ صحیح ہے مگر اس میں اتنا اضافہ اور ہونا چاہئے کہ سجاوندی نے اسی ترکیب کو اختیار کیا ہے اور اسی بنا پر وقف لازم کیا ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ ۱۲ منہ (تصحیح الاغلاط ۱/۲۰)

الجواب : قال الله تعالیٰ: ''وتعاونوا علی البر و التقویٰ'' (۱)۔ اس سے ہر امر خیر کی اعانت کا امر اور فضل ثابت ہے؛ البتہ احیانا خیر میں شر منضم ہو جاتا ہے، اس کی اصلاح واجب ہے اور اس علم کے تین شعبے ہیں، تصحیح حروف بقدر امکان ورعایت وقوف بایں معنی کہ جہاں وقف کرنے سے معنی میں فساد واختلال ہو وہاں وقف نہ کرے اور اضطرار میں عفو ہے؛ لیکن ایک دو کلمہ کا اعادہ کر لینا احوط ہے یہ دونوں امر تو واجب ہیں علی العین اور جس کو سعی کرنے پر بھی حصول سے یاس ہو جاوے وہ معذور ہے۔ اور ایک شعبہ اختلاف قراءت ہے یہ مجموع امت پر واجب علی الکفایہ ہے، اگر بعضے جاننے والے موجود ہوں یا بعض ایک قراءت کے حافظ ہوں، بعض دوسری قراءت کے تو یہ واجب سب کے ذمہ سے ادا ہو جاتا ہے۔ ایک شعبہ ادغام وتفخیم واظہار واخفاوغیرہا کی رعایت ہے یہ مستحب ہے (۲)۔

یظهر هذا كله من المراجعة إلى كتب الفقه و القرأة. فقط واللہ اعلم

۱۲/ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد صفحہ ۱۴۰ ج ۱)

---

(۱) سورة المائدة، آيت: ۲ ۔

(۲) **لا خلاف في أن الاشتغال بعلم التجويد فرض كفاية، أما العمل به فقد ذهب المتقدمون من علماء القراءات والتجويد إلى أن الأخذ بجميع أصول التجويد واجب يأثم تاركه، سواء أكان متعلقا بحفظ الحروف مما يغير مبناها أو يفسد معناها أم تعلق بغير ذلك مما أورده العلماء في كتب التجويد كالإدغام ونحوه، قال محمد بن الجزري في النشر نقلا عن الإمام نصر الشيرازي: حسن الأداء فرض في القراءة، ويجب على القاري أن يتلو القرآن حق تلاوته، وذهب المتأخرون إلى التفصيل بين ما هو واجب شرعي من مسائل التجويد، وهو ما يؤدي تركه إلى تغيير المبنى أو فساد المعنى، وبين ما هو واجب صناعي أي أوجبه أهل ذلك العلم لتمام اتفاق القراءة وهو ما ذكره العلماء في كتب التجويد من مسائل ليست كذلك الإدغام والإخفاء الخ، فهو النوع لا يأثم تاركه عندهم، قال الشيخ علي القارى بعد بيانه: أن مخارج الحروف وصفاتها ومتعلقاتها معتبرة في لغة العرب، فينبغي أن تراعى جميع قواعدهم وجوبا فيما يتغير به المبنى، ويفسد المعنى واستحبابا فيما يحسن به اللفظ، ويستحسن به النطق حال الأداء الخ.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ←

کلام مجید کے اوقاف کا ثبوت

سوال (۲۵۰): قدیم ۱/۳۰۶- یہ جو رموز اوقاف قرآن شریف میں موجود ہیں اور معمول بہا قراء کے ہیں، ان کا کہیں سے ثبوت مثل آیت وسنت واجماع وقیاس ہے یا نہیں؟ اور جو شخص ان پر قصداً عمل نہ کرے اس کے حق میں کیا حکم ہے؟

الجواب: آیات (*) واوقاف کلام مجید کے کتاب وسنت واجماع وقیاس سے ثابت ہیں۔

أما الکتاب فقال اللّٰہ تعالیٰ: ورتل القرآن ترتیلا (۱)۔

فرمایا حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے کہ معنی ترتیل کے یہ ہیں کہ تجوید حروف کی اور پہچاننا وقفوں کا (از مختصر التجوید مصنفہ قاری قادر بخش مرحوم) فی الصراح ترتیل ہموار خواندن وآرمیدہ و پیدا خواندن۔

وقال اللہ تعالی: ولقد اتیناک (**) سبع آیات. وھي الفاتحة. (بیضاوی ۱۲)

أما السنة فعن أم سلمةؓ قالت: کان رسول اللہ ﷺ یقطع قراء ته یقرأ. الحمدللّٰہ رب العلمین، ثم یقف، الرحمٰن الرحیم. ثم یقف. (ترمذی، ج: ۲، ص:۱۳) **(۲)**۔

وعن أبی ھریرةؓ عن النبي ﷺ أن سورة من القرآن ثلاثون آیة شفعت لرجل حتیٰ

(*) اس مبحث میں احقر کی ایک تحریر مبسوط ہے جو رسالہ ''اثبات وقف لازم'' کے اخیر میں چھپی ہے۔۱۲ منہ۔

(**) آیت بھی وقف بالمعنی الاعم میں داخل ہے۔۱۲ منہ۔

← ۱۰/ ۱۷۸-۱۷۹، وکذا في المنح الفکریة علی المقدمة الجزریة، مطلب بیان تحتم الأخذ بالتجوید، مکتبہ ارگ بازار قندھار افغانستان، ص: ۱۹-۲۰، وکذا في نھایة القول المقید في علم التجوید، الفصل الأول في بیان حکم التجوید وحقیقته وموضوعه، مطبع المکتبة العلمیة لاھور، ص: ۷-۸، وکذا في النشر في القراءات العشر، التجوید، مطبوعه مصطفی محمد مصر ۱/ ۲۱۱)

(۱) سورة المزمل، آیت: ۴۔

(۲) ترمذي شریف، أبواب القراءة عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم، النسخة الھندیة ۲/ ۱۲۰-۱۲۱، دارالسلام، رقم: ۲۹۲۷۔

غفر له، وهي تبارک الذي بيده الملک. (ترمذی، جلد: ۲، ص: ۱۲۶)(۱)۔

وفي الحديث (*): من ضمن أن يقف على عشر مواضع في القرآن ضمنت له بالجنة كذا في الدرة .

از''نہایات البیان'' مصنفہ قاری سید محمدی دہلوی مرحوم۔ اور اجماع اس لئے کہ آج تک سلف وخلف میں سے کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا؛ بلکہ ہمیشہ اس فن مین تصنیفات فرماتے رہے۔ **کما يعلم من مطالعة رسائل القراءة.** اور قیاس یہ کہ کلام میں مواضع ومواقع وصل وفصل ہوا کرتے ہیں، تو منجملہ رعایات حسن کلام کے اس کی بھی رعایت ہے، مگر اتنا فرق ہے کہ اہل زبان کو اس میں کچھ تکلف اور مشقت نہیں ہوتی اور غیر زبان والے کو دشواری پڑتی ہے؛ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاجت اس کی تعلیم وتعلم کی نہ تھی جب قرآن شریف تمام ملکوں میں پھیلا اور ان کی زبان عربی نہ تھی؛ اس لئے خلط ملط کرنے لگے اور بے موقع اور غلط پڑھنے لگے، ان کے لئے علماء سلف نے اعراب قرآن ورموز اوقاف تجویز فرمائے اور ضبط کئے، تاکہ ان کو سہولت ہو، پس ثبوت اس کا ادلہ اربعہ شرعیہ سے ہے اور حتی الوسع اس کی رعایت ضروری ہے کہ بعض جا خلاف کرنے سے معنی بگڑ جاتے ہیں، چنانچہ سورہ براءت میں آیت: **''والله لايهدى القوم الظالمين''** (۲)۔ پر ٹھہرنا لازم ہے۔ اور اگر یہاں نہ ٹھہریں اور **''الذين اٰمنوا وهاجروا''** کے ساتھ ملاویں تو بالکل معنے فاسد ہوجاویں گے۔

''كما لا يخفى وكفىٰ قدوة بما قال النبي ﷺ. ما رأه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن'' (۳)۔ اور جو قصداً اس کے خلاف کرے وہ مخالف جماعت ہے۔ واللہ اعلم۔

محرم ۱۳۰۱ھ (امداد ص ۱۴۱ ج ۱)

(*) یہ حدیث کتب حدیث میں نظر سے نہیں گذری۔ ۱۲ منہ۔

(۱) ترمذي شريف، أبواب فضائل القرآن عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ماجاء في سورة الملك، النسخة الهندية ۲/ ۱۱۷، دارالسلام، رقم: ۲۸۹۱ ۔

(۲) سورة التوبة، آيت: ۱۰۹ ۔

(۳) المعجم الأوسط، دارالفكر بيروت ۲/ ۳۸٤، رقم: ۳٦۰۲، مسند أحمد بن حنبل بيروت ۱/ ۳۷۹، رقم: ۳٦۰۰ ۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۲۵۱): قدیم ۱/۳۰۷- صرف یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں یہ (ۙ) علامت ہو، اس جگہ وقف کرنا یا نہ کرنا؟ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم وقف فرماتے تھے، یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہے (۱) لیکن علماء وحفاظ گجرات وقف سے یہاں منع کرتے ہیں؛ لہٰذا حضور سے دریافت کیا گیا۔

الجواب: نہ کرنا اولیٰ ہے مگر جہاں منقول ہو وہاں کرنا اولیٰ ہے۔

۹/ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۷)

موضع وقف میں وقف نہ کرنا

سوال (۲۵۲): قدیم ۱/۳۰۷- وقف قراءت قرآن مجید مواضع اوقاف میں بجز داسکان حروف موقوف علیہا بلاقطع انفاس گزر جانا جیسے کہ عادت اکثر حفاظ کی ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شرعاً جائز ہے، یعنی گناہ نہیں لیکن عربیت وفن قراءت کے خلاف ہے (۲)۔ فقط۔

۹/ محرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۴۲)

....

---

(۱) عن أم سلمة رضی الله عنها قالت: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقطع قراء ته یقرأ: الحمدلله رب العلمین، ثم یقف: الرحمٰن الرحیم. ثم یقف، وکان یقرأها ملک یوم الدین. (ترمذي شریف، أبواب القراءة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، النسخة الهندیة ۲/ ۱۲۰، دارالسلام، رقم: ۲۹۲۷)

(۲) اللزوم والوجوب في محل الوقف عرفي کوجوب سائر أصول العربیة الواجبة، فإن الوصل وکذا ضده الفصل أي الوقف من أحکام اللسان العربیة، ومن ثم لا یجب ولا یحرم وقف ولا وصل شرعا. (خلاصة البیان، الوقف، مطبوعه إمدادیه دیوبند ص: ۲۸)

فالوقف علی آیة آیة في الآیات الطوال أحسن وأفضل، والله أعلم، ولا دلالة في الحدیث علی وقفه صلی الله علیه وسلم کذلک فیما سوی الفاتحة مطلقا، ولا علی أنه کان لا یقف في أوساط الآیات أبدا، وإن سلمنا أنه صلی الله علیه وسلم کان یقف علی آیة آیة فوجهه الدلالة علی مقاطع الآیات دون لزومه، وأنه أفضل من الوصل مطلقا. ←

حرف مشدد پر وقف کرنے کا طریقہ

سوال (۲۵۳): قدیم ۱/ ۳۰۷- حروف مشدد پر وقف سکون کے ساتھ کیا جائے یا با شارہ تشدید اور اس حکم میں (را) و(نون) اور باقی حروف میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: قدرے تشدید کا اثر ظاہر ہونا چاہئے خواہ کوئی حرف ہو۔ فقط۔

۹ رمحرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۴۲)

سورۂ انعام کی دو آیتوں کے وقف پر شبہ کا جواب (*)

سوال (۲۵۴): قدیم ۱/ ۳۰۸- اوقاف سجاوندی میں اکثر خلجان ہوتا ہے، پہلے بھی عرض کیا ہے، اس وقت دو جگہ خلجان ہے، اگر خیال مبارک میں کوئی توجیہ آوے یا کسی کتاب میں نظر پڑے تو اعلام فرماویں۔

(*) اصل کتاب میں یہ عنوان لکھا ہوا ہے: (الأسئلة الموصولة من بعض الأخلاء الأجلة مد فيوضهم).

← (إعلاء السنن، أبواب، باب ماجاء في وجوب تجويد القرآن ومعرفة أوقافه وما يناسبه، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٥٧)

وأما قول علماء القراءة: الوقف على هذا واجب أو لازم أو حرام أو لا يحل أو نحو ذلک من الألفاظ الدالة على الوجوب أو التحريم، فلا يراد منه ما هو مقرر عند الفقهاء مما يثاب على فعله، ويعاقب على تركه أو عكسه، بل المراد أنه ينبغي للقاري أن يقف عليه لمعنى يستفاد من الوقف عليه، أو لئلا يتوهم من الوصل تغيير المعنى المقصود أو لا ينبغي الوقف عليه، ولا الابتداء بما بعده لما يتوهم من تغير المعنى أو رداءة التلفظ ونحو ذلک، وقولهم لا يوقف على كذا، معناه أنه لا يحسن الوقف عليه ضاعة، وليس معناه أن الوقف عليه حرام أو مكروه، بل خلاف الأولى، إلا أن تعمد قاصدا المعنى الموهم. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٠/ ١٨٠)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) وَاَقْسَمُوا بِاللّٰہِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لئن جائتهم آیة لیؤمنن بها قُلْ اِنَّمَا الآیَاتُ عِنْدَ اللّٰہِ وَمَا یشعرکُمْ انّهَا اِذا جَاءَ تْ لا یُؤْمِنُون (۱)۔

جملہ ’’ومایشعرکم‘‘ تا’’لایؤمنون‘‘ برقراءت اَنَّ مفتوحہ ماقبل سے منقطع ہے داخل مقولہ قول نہیں معلوم ہوتا۔ اور درصورت عدم وقف شبہ ہوسکتا ہے کہ داخل مقولہ ہو؛ لہٰذا بظاہر عند اللہ پر وقف لازم ہو، مگر کسی قرآن یا کتاب میں وقف نہیں لکھا۔ حضرت نے اپنی تفسیر شریف میں اس آیت کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی تحریر فرماویں تو بہت ہی اچھا ہو۔

(۲) الاانهم من افکهم لیقولون ولد اللّٰہ وانهم لکاذبون (۲)۔

چونکہ بظاہر جملہ ’’وانهم لکاذبون‘‘ ماقبل سے بالکل منقطع ہے اور داخل قول نہیں؛ لہٰذا وقف لازم ہے؛ حالانکہ سجاوندی میں ’’لا‘‘ لکھا ہے تعجب ہے۔ ہاں اگر قول کے نیچے داخل کریں اور خلاف سیاق ضمیر ’’وانهم مرسلین‘‘ کی طرف پھیریں تو مضائقہ نہیں، مگر نہایت بعید معلوم ہوتا ہے اور ’’منار الهدیٰ‘‘ میں اس جگہ جائز لکھا ہے۔

الجواب: اول مکررہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عامر اور حمزہ نے قراء سبعہ میں سے انها بفتح اَنَّ اور لاتؤمنون بصیغہ خطاب پڑھا ہے، تو اس صورت میں جملہ ’’ومایشعرکم‘‘ داخل مقولہ ہوسکتا ہے۔

ویکون المعنی ما یشعرکم أی لاتعلمون بل یعلم اللّٰہ تعالیٰ أنها إذا جاءت لاتؤمنون.

پس ممکن ہے کہ سجاوندی کی یہی قراءت ہو اور بقیہ قراءت پر بھی ایک توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ قل کا مقولہ کفار نہ ہوں؛ بلکہ کفار کی قسم سن کر جن مسلمانوں کو ان کے ایمان کی طمع اور اس طمع سے تمنا ظہور آیات کی پیدا ہوگئی تھی، ان کو دونوں جملوں سے یعنی ’’انما الآیات‘‘ سے بھی اور ’’ومایشعرکم‘‘ سے بھی فہمایش کی گئی ہو اور کفار کو بوجہ ان کے معاند ہونے کے قابل خطاب نہ قرار دیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

دوم: اس وقت اور بھی چند مواقع یاد آئے کہ جہاں کفار کا قول نقل کر کے اس کو رد کیا ہے اور دونوں کے درمیان وقف لازم نہیں ہے سو اس میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اصل سے عدول کسی نکتہ خاصہ کی وجہ سے ہو تو مضائقہ نہیں اور یہاں اصل وقف ہی تھا مگر نکتہ کی وجہ سے عدول کیا گیا اور وہ نکتہ وہی ہو جو شاید جناب

....

(۱) سورۃ الأنعام، آیت: ۱۰۹۔

(۲) سورۃ الصافات، آیت: ۱۵۱-۱۵۲۔

نے ایک بار فرمایا تھا کہ تعجیل تنزیہ حق وتعجیل ابطال باطل مقصود ہے۔ واللہ اعلم۔ علاوہ اس کے یہ اوقاف اجتہادی ہیں۔ والاجتهاد یحتمل الخطاء والصواب.

اور یہ (*) بھی کہا جاسکتا ہے کہ وقف لازم وہاں ہوگا جہاں وقف نہ کرنا موہم خلاف مقصود ہو اور یہاں قرینہ عقلیہ اس ایہام کا قاطع ہے؛ کیونکہ عقل اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک ہی شخص ایک امر کا دعویٰ کرے اور خود ہی ساتھ ساتھ تصریحاً والتزاماً اس کا ابطال کرے یہ عادۃً ممتنع ہے۔ پس یہاں ''وانهم لکاذبون'' میں ضمیر تو یقیناً ان ہی قائلین کی طرف ہے۔ پس بناء مذکور پر یہ ممتنع ہے کہ وہ لوگ ولد اللہ بھی کہیں اور اپنے کو اس میں کاذب بھی کہیں۔ علیٰ ہذا آیت ''وقالوا اتخذ الله ولدا سبحٰنه'' (۱) میں بناء مذکور پر یہ ممتنع ہے کہ وہ لوگ ''اتخذ الله ولدا'' بھی کہیں اور تنزیہ بھی کریں۔ پس چونکہ ایہام خلاف مقصود کا نہ تھا؛ لہٰذا ان مواقع پر وقف لازم نہ ہوا۔ واللہ اعلم

۴ رشوال ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۴۲)

قراءت سبعہ کی ضرورت کے سلسلہ میں رسالہ ''الامداد'' کی عبارت پر شبہ کا جواب

سوال (۲۵۵): قدیم ۱/۳۱۰- رسالہ ''الامداد'' ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ کے ص: ۱۷ کے مضمون کو جو آنحضور نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے پیش کر کے ایک صاحب بہت معترض ہوئے کہ لو تم کہتے ہو کہ فن سبعہ قراءت کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور سب لوگوں کو کم وبیش ضرور سیکھنا چاہئے تاکہ اس علم دین کے فقدان وانعدام کا گناہ سب پر نہ ہو، میں نے ان کو جواب دیئے مگر ان کے نزدیک جواب اس درجہ کا نہیں ہے کہ قابل اطمینان سمجھا جاوے، احقر کو بھی اس مضمون کے دیکھنے سے ایک درجے میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب یہ علم دین ہی خاص کر قرآن پاک کا علم ہے، جب عوام کی تشویش کے خیال سے اس کو ترک کیا جاوے گا تو پھر یہ کیوں کر قائم ورائج ہوسکتا ہے یہاں مجمع کثیر اہل علم کا ہے، مگر بوجہ ناواقفی ہی استعجاب تو درکنار اکثر استہزاء وانکار ہی کیا جاتا ہے، تو پھر کیوں کر اسکی بقاء واجراء کا طریقہ اختیار کیا جائے

(*) اور نیز غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف لازم میں ایہام کفر سے بچنے کا اعتبار کیا گیا ہے، سو اگر کفار کوئی بات ایمان کی کہیں تو یہ کفر نہیں؛ اس لئے ایسے مقام پر وقف لازم کا التزام نہیں کیا گیا۔ ۱۲ منہ۔

(۱) سورة البقرة، آیت: ۱۱۶۔

مثلاً بعض مقام پر تشہد میں اشارہ سبابہ کو بہت برا سمجھتے ہیں، تو ان کی اصلاح کی جاتی ہے اور اس کو مسنون ہی ظاہر کیا جاتا ہے۔ رہا اس جواب کے سوال میں جو خرابیاں ظاہر کی گئی ہیں، بیشک وہ ضرور واجب الاصلاح ہیں، نہ یہ کہ اس کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ ہی محذور قرار دیا جائے۔ قریب قریب ان معترض کے اعتراضوں کا یہی ماحصل ہے، احقر اپنے کمال اطمینان قلبی کے لئے یہ عریضہ ارسال کر رہا ہے۔

الجواب :سائل کے کلام میں صریح مشورہ ہے۔ اور جواب میں اس کی تقریر بھی کی گئی ہے کہ اگر کوئی لکھا پڑھا آدمی حرف بھی اس کا اچھا ہو تو اس کو سبعہ پڑھائی جاوے، سفہاء اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید پڑھائی جاوے الخ۔ اور یہی حال اکثر فروض کفایہ کا ہے، مثلاً تبحر فی العلوم الشرعیہ کہ فرض کفایہ ہے؛ لیکن اس کے ساتھ یہ حدیث بھی ہے کہ:

واضع العلم في غير أهله كمقلد الخنازير اللؤلؤ والجواهر أو كما قال (۱)۔

اور مشاہدہ بھی ہے کہ بعض لوگ جو بدطینت ہیں اور وہ تحصیل علوم کر کے مقتدا بن گئے، ان سے کیا کیا مفاسد پیدا ہو گئے ہیں اور ان مفاسد کا انسداد بجز اس کے کیا ہے کہ نااہلوں کو اس رتبہ پر نہ پہنچایا جاوے یا منصب قضا کہ احادیث میں اس پر کس قدر وعیدیں آئی ہیں، باوجودیکہ فرض کفایہ ہے۔

وفي حديث أبي داؤد مرفوعا: العرافة حق (أى واجب ولوعلى الكفاية) ولكن العرفاء في النار (۲) (إذا كانوا غير أهل لها).

....

---

(۱) عن أنس بن مالک –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلب العلم فريضة على كل مسلم، وواضع العلم عند غير أهله كمقلد الخنازير الجواهر، واللؤلؤ، والذهب. الحديث (ابن ماجة شريف، كتاب السنة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، النسخة الهندية، ص: ۲۰، دارالسلام، رقم: ۲۲٤)

(۲) عن غالب القطان عن رجل عن أبيه عن جده أنهم كانوا على منهل من المناهل –إلى قوله– وقال: إن أبي شيخ كبير، وهو عريف الماء، وإنه يسألک أن تعجل لي العرافة بعده، فقال: إن العرافة حق ولا بد للناس من العرفاء، ولكن العرفاء في النار. الحديث (أبو داؤد شريف، كتاب الخراج والفيء والإمارة، باب في العرافة، النسخة الهندية ۲/ ٤۰۷، دارالسلام، رقم: ۲۹۳٤) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

اور جو لوگ اس فن کے آج کل مخالف ہیں وہ تو نفس فن ہی کو فضول بتلاتے ہیں، ہر ایک کیلئے حتیٰ کہ اہل فہم کے لئے بھی اور ہر شعبہ کو حتی کہ تجوید کو بھی فشتّان بینہما غرض منکرین مدعی دو کلیہ کے ہیں اور اس جواب میں التزام کیا گیا ہے دو جزئیہ کا اور ظاہر ہے کہ جزئیہ مستلزم کلیہ کو نہیں ہوتا اور سبعہ کی فرضیت عامہ کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے، جبکہ خود ایک قراءت سے بھی اتمام قرآن کا فرض عین نہیں اور یہ ظاہر ہے۔

شوال ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۶۷)

قرآن میں لفظ ابراہیم میں (یا) نہ لکھنے کی وجہ

سوال (۲۵۶): قدیم ۱/ ۳۱۱- قرآن شریف فرقان حمید میں سورۂ بقرہ میں جتنی جگہ لفظ ''ابراہیم'' آیا ہے، اس میں (ی) نہیں لکھا ہوا ہے، صرف کھڑا زیر (ابراھم) دیا ہوا ہے اور علاوہ سورۂ بقر کے اور جس قدر تمام قرآن میں لفظ ''ابراہیم'' آیا ہے اس میں (ی) لکھا ہوا ہے، عجب مخمصے میں ہوں آیا معنی میں کچھ تفاوت ہے یا قراءت کا باعث ہے۔ امید کہ اس خادم الناس کو جواب سے سرفراز فرما کر ان کے بھید سے آگاہ فرمائیے۔

الجواب: مخمصہ کی کوئی بات نہیں بعض مواقع میں ہشام کی قراءت ابراہام ہے (۱) سو بعض جگہ اس کی رعایت سے (ی) نہیں لکھی کہ دونوں قراءت کی رعایت ہو جائے۔ رہا یہ کہ سب مواقع میں یہ رعایت کیوں نہیں؟ سو نکتہ کا اطراد ضروری نہیں۔ فقط۔

۱۹ر رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۴۴)

---

(۱) ہشام علیہ الرحمہ کی قراءت کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وَاِذ ابْتَلٰى اِبْرَاهِيمَ رَبُّهٗ بِكَلِمَاتٍ: قرأ هشام إبراهٰم في جميع هذه السورة، وهي خمسة عشر، في النساء، ثلاثة وهي الأخيرة، وفي الأنعام الحرف الأخير، وفي التوبة الحرفان الأخيران، وفي إبراهيم حرف، وفي النحل الحرفان، وفي مريم ثلاثة أحرف، وفي العنكبوت الحرف الأخير، وفي الشوریٰ حرف، وفي الذاريات حرف، وفي النجم حرف، وفي الحديد حرف، وفي الممتحنة الحرف الأول، فذلك ثلاثة وثلاثون حرفا، وجملته تسع وتسعون، وقرأ ابن ذكوان في البقرة خاصة بالوجهين، والباقون إبراهيم بالياء في الجميع. (تفسير مظهري، سورة البقرة، آيت: ۱۲٤، قديم زكريا ۱/ ۱۲۲، جديد زكريا ۱/ ۱۳۷-۱۳۸)

سوال (۲۵۷): قدیم ۱/ ۳۱۱- بندہ کو اکثر کلام مجید کی تلاوت کرتے خیال ہوا اور ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم مبارک تمام کلام مجید میں ۷۷ ا/ جگہ پر آیا ہے، منجملہ ۷۷ ا/ کے ۷/ مقام پر زیر کے ساتھ مرقوم ہے اور ۷۰ ا/ جگہ یا کے ساتھ، ابتدا میں خیال ہوا کہ کاتب نے اسی طرح لکھا، دس پانچ کلام مجید اور بھی دیکھے سب میں اسی طرح پایا۔ اب حیران ہوں کہ ضرور اس کی وجہ خاص ہوگی؟

الجواب: رسم خط سلف سے یوں ہی چلی آئی ہے جہاں (یا) نہیں ہے، بعض کی قراءت ابراہام ہے عجب نہیں کہ اس کی رعایت سے ابراھم لکھا ہو، تاکہ دونوں طرح پڑھ سکیں ابراہیم اور ابراھم (۱)۔ واللہ اعلم

۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ ہجری (تتمہ ثانیہ ص ۲۷)

سورۂ نور میں: ”رجال لاتلهيهم“ کے رجال پر وقف کی تحقیق

سوال (۲۵۸): قدیم ۱/ ۳۱۲- سورۂ نور، رکوع پنجم: ”يسبح له فيها بالغدو والآصال تا ذكر الله“ (۲)۔ ایک شخص نے لکھا ہے کہ ”رجال“ کے بعد سجاوندیؒ نے وقف ط لکھا ہے۔ اور اکثر قرآن شریف مطبوعہ میں (لا) بنا ہے، یہ غلط ہے، ابوبکر وغیرہ جو لوگ یسبح بصیغہ مجھول پڑھتے ہیں، ان کے نزدیک ”الآصال“ پر ط ہونا چاہئے اور ”رجال“ پر ”لا“ اور جو معروف پڑھتے ہیں ان کے نزدیک ”رجال“ پر ”ط“ ہونا چاہئے اور ”الآصال“ پر ”لا“۔ حفص کی قراءت میں رجال پر ”لا“ لکھنا غلط اور سہو کاتب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اکثر قرآن شریف میں رجال پر ”لا“ لکھا ہے اور بعض میں کچھ نہیں جو قریب المعنی ہے ”لا“ کے اور متبادر معنی بھی مشعر ہے کہ رجال پر حفص کے لئے بھی وقف قبیح ہو جس کی علامت ”لا“ ہے؛ اسلئے کہ جملہ ”لاتلهيهم“ صفت ہے؛ لہٰذا رجال پر وقف کرنے سے فصل بین الموصوف والصفت ہوگا جو قبیح

---

(۱) تفسیر ”روح المعانی“ میں امام ابن عامر علیہ الرحمہ اور ابن الزبیر علیہ الرحمہ کی قراءت ابراہام کے الفاظ کے ساتھ نقل کی گئی ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وقرأ ابن عامر وابن الزبير وغيرهما إبراهام، وأبوبكرة إبراهم بكسر الهاء وحذف الياء. (تفسير روح المعاني، تفسير سورة البقرة، آيت: ۱۲۴، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۹۰)

(۲) سورة النور، آيت: ۳۶-۳۷۔

ہے اور آیت بھی نہیں ہے، بس رجال پر ''ط'' بنانا مناسب ہے یا ''لا'' بہر حال تمام قرآن شریف مطبوعہ کا اتفاق موافق قیاس کے معتبر ہوگا۔ اور رسالہ سجاوندی میں رجال پر وقف مطلق سہو کاتب یا اختلاف نسخہ وغیرہ کا محمول ہوگا یا رسالہ سجاوندی معتبر ہوگا۔

الجواب: میرے نزدیک دونوں توجیہ صحیح ہو سکتی ہیں، مشہور مصاحف کی تقدیر پر تو ظاہر ہے اور سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ کی تقدیر پر۔ اس طرح کہ ''رجال'' کو موصوف نہ کہا جاوے؛ بلکہ بمعنی بعض کے لے کر کلام کو ختم کر دیا جائے۔ آگے جملہ استینافیہ بطور سوال کے کہا جاوے کہ وہ رجال کیسے ہیں؟ ایسے ایسے ہیں۔ **فارتفع الإشکال.**

۱۲/ ذی حجہ ۱۳۲۹ھ۔ یوم دوشنبہ (تتمہ اولیٰ ص ۴۵)

سورہ یٰسین شریف میں ''من مرقدنا'' پر وقف لازم صحیح ہے یا سکتہ

سوال (۲۵۹): قدیم ۱/ ۳۱۳- سورۂ یٰسین میں ''من مرقدنا'' پر اکثر قرآن شریف میں وقف لازم وغیرہ لکھا ہے۔ اور حفصؒ سے سکتہ منقول ہے، تو سکتہ لکھنا صحیح ہے یا وقف لازم ہے بصورت اختلاف رسالہ سجاوندی اور ''منار الہدیٰ'' کون زیادہ قابل اعتبار ہے؟

الجواب: میرے نزدیک دونوں میں تعارض نہیں؛ کیونکہ وقف لازم کا حاصل یہ ہے کہ وہاں فصل ہونا چاہئے بوجہ اس کے کہ وصل سے ایہام فساد معنی ہوتا ہے (۱) اور یہ غرض سکتہ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے، پس وقف باعتبار قطع نفس کے ضروری نہ ہوگا، اس طور پر تعارض نہ رہا۔

۱۳/ ذی حجہ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۴۵)

....

---

(۱) **لأن الوقف والوصل لا يدلان على معنى حتى يختل بذهابهما، والحاصل منهما إيهام خلاف المراد في المواضع التي نهي عن الوقف عليها أو أمر به إنما هو لتوهم السامع استقلال ما بعدها أو اتصاله مع كونه خلاف الواقع، فليس التوهم من ذات الوقف والوصل الخ.** (الفوائد التجويدية على شرح المقدمة الجزرية، باب الوقف والابتداء، مكتبه مطابع الرشيد مدينة منورة، ص: ١٦٦)

وأما قول علماء القراء ة: الوقف على هذا واجب أو لازم أو حرام أو لا يحل أو ←

”فکانت سرابا“ میں ادغام کی تحقیق

سوال (۲۶۰): قدیم ۱/۳۱۳- ”فکانت سرابا“. اس آیت شریفہ کی قراءت کس طرح پر ہے؟ یعنی فکانت کی ت ساکن رہتی ہے یا نہیں یا سین مشدد ہوتی ہے اور ت موقوف ہو جاتی ہے؟

الجواب: ابوعمرو حمزہ وکسائی کے نزدیک ت کانت کی س سرابا میں مدغم کر کے پڑھی جاتی ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک جن میں امام عاصمؒ بھی ہیں، جن کی قراءت ہندوستان میں پڑھی جاتی ہے بلا ادغام پڑھی جاتی ہے۔ کذا في المکررہ (۱)۔

۲۴/ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ۴۶)

جس حرف لین کا ماقبل مفتوح ہو اس میں مد کے سلسلہ میں ”تنشیط الطبع و وجوہ المثانی“ کی عبارت پر شبہ کا جواب

سوال (۲۶۱): قدیم ۱/۳۱۳- رسالہ ”تنشیط الطبع و وجوہ المثانی“ کے متعلق ایک طالب علم کی یہ تحریر آئی ”تنشیط الطبع“ اور ”وجوہ المثانی“ میں مجھے کچھ شبہ ہے، وہ یہ کہ ”تنشیط الطبع“ ص: ۷ پائی

....

← **نحو ذلک من الألفاظ الدالة على الوجوب أو التحريم، فلا يراد منه ما هو مقرر عند الفقهاء مما يثاب على فعله، ويعاقب على تركه أو عكسه، بل المراد أنه ينبغي للقاري أن يقف عليه لمعنى يستفاد من الوقف عليه، أو لئلا يتوهم من الوصل تغيير المعنى المقصود أو لا ينبغي الوقف عليه، ولا الابتداء بما بعده لما يتوهم من تغير المعنى أو رداءة التلفظ ونحو ذلک، وقولهم لا يوقف على كذا، معناه أنه لا يحسن الوقف عليه ضاعة، وليس معناه أن الوقف عليه حرام أو مكروه، بل خلاف الأولى، إلا أن تعمد قاصدا المعنى الموهم.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۰/ ۱۸۰، وكذا في التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثاني: مسائل زلة القاري، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۰۵، رقم: ۱۸۶۹)

(۱) **قوله تعالىٰ: ”فكانت سرابا“ قرأ أبو عمرو وحمزة والكسائي بإدغام تاء التأنيث في السين، والباقون بالألف.** (المكررة فيما تواتر من القراءات السبع، سورة النبأ، مكتبه دارالكتب العربية مصر، ص: ۱۳۹)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مقدم اور لین مؤخر کے بیان میں یہ لکھا ہے کہ یائی میں فتحہ ہو تو لین میں طول ہوگا؛ حالانکہ ''غیث النفع'' ص: ۵۱/ پر ''وَعسیٰ أن تکرھوا شیئا'' کے تحت میں یوں لکھا ہے:

یأتي علی الفتح في عسی التوسط والطویل في شيء ویأتیان أیضا علی التقلیل (۱)۔

اور ''وجوہ المثانی'' ص: ۱۶۸/ ''**باب الھمزتین من کلمة**'' میں یہ لکھا ہے: ہمزہ اول مفتوح ہو اور ثانی مکسور ہو، تو قالونؒ و بصریؒ کے لئے ادخال الف ہوگا؛ حالانکہ شاطبیؒ نے ہشام کے لئے بھی خلف کے ساتھ لکھا ہے جیسے کہ ''**ومدک قبل الفتح والکسر حجة. بھا لذ وقبل الکسر خلف له ولا**'' (۲)۔ فرمایا ہے۔ شرح ابن القاصح ص: ۶۱۔ فقط

الجواب: جواب یہ دیا گیا۔ کتاب مقدم ہے یا دیا سرسری مطالعہ پر دونوں مقام کی اصلاح مسلم ہے اگر کوئی صاحب ان رسالوں کو پھر چھاپیں وہاں حاشیہ پر متنبہ کردیں اور مطلب غیث النفع کا تو ظاہر ہے اور شاطبیہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہمزہ ثانیہ مفتوحہ یا مکسورہ ہو تو بصریؒ و قالونؒ و ہشامؒ جن کے ناموں کی طرف حا و با و لام سے اشارہ کیا گیا ہے اس کے اور ہمزہ اولیٰ کے درمیان میں بقدر ایک الف کے مد کرتے ہیں مگر ہشام سے خاص ہمزہ ثانیہ مکسورہ کی صورت میں ترک مد بھی مروی ہے۔

۲/ رجب یوم جمعہ ۱۳۳۴ھ (ترجیح رابع ص ۷۷)

بعض قراءت پر نقص حسنات کے شبہ کا جواب

سوال (۲۶۲): قدیم ۱/۳۱۴- فلاں مولوی صاحب نے اپنی کتاب میں بھی لکھا ہے اور وعظ میں بھی فرمایا ہے کہ ابوعبداللہ محمد ابن شجاع ثلجی سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ میری عادت الحمد شریف پڑھنے میں ''**مالک یوم الدین**'' والی قراءت پڑھنے کی تھی، ایک دن میں نے ایک بڑے

....

(۱) غیث النفع في القراءات السبع، سورة البقرة، مکتبہ دارالعلوم فلاح دارین گجرات، ص: ۵۶۔

(۲) الشاطبة المسمی بحرز الأماني ووجه التھاني في القراءات السبع، باب الھمزتین من کلمة، مکتبہ صوت القرآن، دیوبند ص: ۲۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عربی داں ادیب فاضل عالم سے سنا کہ وہ ''ملک یوم الدین'' بے الف والی قراءت پڑھتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ یہ بے الف والی قراءت نہایت فصیح بلیغ قراءت ہے، اس دن سے میں بھی ''ملک یوم الدین'' پڑھنے لگا وہ قراءت جس میں ایک الف زیادہ تھا موقوف کر دی، ایک رات خواب میں دیکھا کہ ہاتف غیب مجھے پکارتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے بندے! تو نے ایک حرف قرآن شریف کا کیوں چھوڑا؟ دس نیکیاں تیری کم ہوگئیں، کیا تو نے فرمان عالی شان جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں سنا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والے کو ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیاں ملتی ہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ وہ قراءت جس میں ''ملک یوم الدین'' ہے نہیں پڑھنی چاہئے؛ کیوں اپنی دس نیکیاں کم کرے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے۔ اگر واقعی کم ہوں تو اس کو پڑھنا چاہئے یا نہیں۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ ''قل ھو اللہ احد'' کو ''اللہ الصمد'' سے ملا کر اگر پڑھے یا ''نستعین'' کو ''اھدنا الصراط'' سے ملا کر پڑھے یعنی وصل کر کے پڑھے، تو نیکیاں کم ہوں گی بوجہ ہمزہ گرنے کے دونوں جگہ سے یا نہیں؟

الجواب: قرائتیں ساتوں متواتر اور منقول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (۱) منقول کے اتباع میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا۔ حدیث میں اَحرُف قرآنیہ کے باب میں ہے: ''**کلھاشاف کاف**'' (۲)۔

. . . .

---

(۱) عن ابن عباسؓ حدثه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أقرأني جبرئيل على حرف فراجعته فلم أزل استزيده حتى انتهى إلى سبعة أحرف. (بخاري شريف، كتاب فضائل القرآن، باب أنزل القرآن على سبعة أحرف، النسخة الهندية ۲/ ۷٤٦، رقم: ٤٨٠٠، ف: ٤٩٩١)

فأصحاب القراء ات المتفق على تواترها سبعة، نافع المدني، أبو عمرو البصري، ابن عامر الشامي، عاصم الكوفي، حمزة الكوفي، الكسائي الكوفي، ابن كثير. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۳/ ٤٤)

(۲) عن أبي سعيد الخدري –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن القرآن أنزل على سبعة أحرف، كلها كاف شاف. (المعجم الأوسط، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٩٦، وكذا في مجمع الزوائد، باب القراء ات، وكم أنزل القرآن على حرف، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٥٢)

رہا شبہ نقص ثواب بنقص بناء علی الحدیث (۱) سو نقص فی الکم سے نقص فی الکیف لازم نہیں آتا، کیا معلوم نہیں کہ ایک دونی باوجود دوا کنی سے ناقص فی العدد ہونے کے کیف وکمیت میں برابر ہیں۔ رہا خواب۔ سواول تو وہ حجت نہیں (۲)۔

دوسرے ان کو یہ تنبیہ اس لئے کی گئی کہ ایک قراءت کو مفضول سمجھ کر انھوں نے چھوڑا تھا، سوایک اعتبار سے اس کا فاضل ہونا بتلادیا۔ رہا وصل میں ہمزہ وصل کا کم ہوجانا سواول تو اس کا وہی جواب ہے جو ابھی لکھا گیا۔ دوسرے ممکن ہے کہ وہ حکماً ملفوظ ہونے کے سبب مکتوب الاجر ہو۔ واللہ اعلم۔ اشرف علی

۴ ؍شوال ۳۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۴)

رسالہ ”ضیاء الشمس في أداء الھمس“ (*)

از قاری محمد یامین صاحب مدرس تجوید مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

(*) **تلخیص وتسہیل:-** اس رسالہ میں تاء اور کاف میں صفت ہمس ادا کرنے کا صحیح طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ جواب کے شروع میں ایک شبہ اور اس کا جواب ہے، شبہ یہ ہے کہ کافؔ اور تاؔء کا ذکر مہموسہ اور شدیدہ دونوں میں آیا ہے؛ حالانکہ ہمس میں آواز کمزوری سے ٹھہرتی ہے اور شدت میں قوت سے، پس بظاہر ان دونوں میں ضدین کا اجتماع ہورہا ہے جو محال ہے۔ اس شبہ کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ہمسؔ کا تعلق سانس سے ہے، یعنی اس میں سانس جاری رہتا ہے اور شدت کا تعلق آواز سے ہے کہ وہ آواز کو بند کردیتی ہے، پس جب بند ہونے اور جاری رہنے کا تعلق ایک ہی شئ سے نہیں ہے تو ضدین کے جمع ہونے کا خیال بھی صحیح نہیں ہے۔ ←

---

(۱) **عبدالله بن مسعود يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قرأ حرفا من كتاب الله فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: ألم حرف، ولكن ألف حرف، ولام حرف، وميم حرف.** (ترمذي شريف، أبواب فضائل القرآن، باب ماجاء في من قرأ حرفا من القرآن ماله من أجر، النسخة الهندية ۲/ ۱۱۹، دارالسلام، رقم: ۲۹۱۰)

(۲) **قال ابن العربي رؤيا الأنبياء حق، ومرادها حق من جملة شرائع الدين، ورؤيا غيرهم في الدين ليس بشيء.** (أوجز المسالك، باب بدء الأذان، قديم ۱/ ۱۷۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

’’کاف‘‘، ’’تا‘‘ میں اداء ہمس کی کیفیت کا بیان

سوال (۲۶۳): قدیم ۱/۳۱۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین وقراء قرآن مبین اس

← دوسرا جواب یہ ہے کہ شدت کے قوی ہونے کے سبب آواز بند ہوجاتی ہے، پھر ہمس کے ضعیف ہونے کے سبب سانس کسی قدر جاری ہوجاتا ہے، پس جب بند ہونا اور جاری ہونا بیک وقت نہیں ہے تو تضاد نہ رہا؛ کیوں کہ تضاد کے تحقق کے لئے وحدت زمان شرط ہے (یہ دونوں جوابات عنایات رحمانی شرح شاطبیہ ۳/ ۵۴۵، میں ہیں) تیسرا جواب یہ ہے کہ کمزوری اور قوت اضافی اور اعتباری ہے، یعنی کاف وتاء میں کمزوری صفت جہر کی بنسبت ہے اور قوت صفت رخوہ کی نسبت ہے؛ لہٰذا نسبتوں کے بدل جانے سے تضاد ختم ہوگیا؛ کیوں کہ شرائط تضاد میں سے اتحاد نسبت بھی ہے۔

خلاصہ یہ کہ کاف وتاء میں صفت ہمس تو حقیقی ہے، یعنی ان کے ادا کرتے وقت آواز ان کے مخرج میں ایسی کمزوری کے ساتھ ٹھہرے گی کہ سانس جاری رہ سکے اور آواز میں پستی ہوجائے؛ لیکن سانس کا جاری ہونا بخوبی نہیں ہوتا؛ بلکہ بہت ہی کم ہوتا ہے، حتی کہ بعض مجودین نے تو ان کو مجہورہ کہا ہے۔

اور سانس کے ضعف کے ساتھ جاری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سانس کا جاری ہونا اور بند ہونا صفات عرضیہ میں سے ہے؛ لہٰذا ان کا ظہور حالت سکون ہی میں ہوگا اور جب حروف متحرک ہوں گے تو یہ سانس کا جاری ہونا اور بند ہونا غایت درجہ خفاء میں ہوگا کہ خود قاری کو بھی اس کا احساس نہ ہوگا؛ بلکہ معدوم کہنا چاہئے، ہاں جب کاف اور تاء ساکن ہوں گے تو اس میں سانس کا جاری ہونا نہایت ضعف کے ساتھ ضرور ہوگا؛ کیوں کہ ان میں صفت شدت بھی ہے؛ لہٰذا جب آواز ٹھہرے گی تو سانس بھی ضرور ٹھہر جائے گا اور جب آواز اور سانس دونوں بند ہوگئے تو مخرج کو جنبش ہوئے بغیر وہ حروف سنے نہیں جاسکتے؛ اس لئے قطب جد میں جو کہ مجہورہ میں جنبش قوت کے ساتھ رکھی گئی ہے؛ لیکن کاف اور تاء میں چونکہ صفت ہمس ہے؛ اس لئے نہایت ضعف ونرمی کے ساتھ رکھی گئی ہے، تاکہ آواز میں ضعف وخفاء قائم رہے۔

لیکن اس میں پوری احتیاط سے کام لینا چاہئے اور خیال رکھنا چاہئے کہ جنبش ضعیف سے جو سانس جاری ہو اس کے ساتھ آواز جاری نہ ہوجائے؛ کیوں کہ ایسا ہونے سے کاف کے بجائے ’’کھ‘‘ اور تاء کے بجائے ’’تھ‘‘ ادا ہوگا، پس جو حضرات "إیاکھ" اور "أنعمته" پڑھتے ہیں اور دعوی یہ کرتے ہیں کہ ہم اس طرح کر کے کاف اور تاء کی صفت ہمس کو ادا کرتے ہیں وہ حضرات بالکل غلطی پر ہیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

مسئلہ میں کہ حرف کاف وتا جو حروف مہموسہ سے ہیں، ان کی صفت ہمس کے کیا معنی ہیں اور کس طرح ادا کی جاتی ہے؟ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ کاف وتا کی صفت ہمس کسی کو ادا کرنی نہیں آتی اور وہ خود اس طرح ادا کرتے ہیں کہ کاف وتاء ساکن ومتحرک میں ہاء ہوز کی آواز سنائی دیتی ہے، آیا یہ آواز صحیح ہے یا نہیں؟ نیز وہ صاحب اپنی کیفیت اداء کی تائید میں کتاب ''جہد المقل'' کی عبارت ذیل پیش کرتے ہیں۔

وأما الشديد المهموس فهي حرفان الكاف والتاء المثناة الفوقية فلشدتهما يحتبس صوتهما بالكلية بل نفسهما أيضاحين احتباس صوتهما؛ لأن احتباس الصوت بالكلية لايكون إلاباحتباس النفس بالكلية؛ لأن حقيقة الصوت هي النفس، ثم ينفتح مخرجاهما، ويجري فيهما نفس كثيرمع صوت ضعيف ليحصل الهمس اھ(۱)۔

آیا اس عبارت سے ان صاحب کی اداء کی تائید ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے تو یہ قول قابل عمل ہے یا نہیں؟ **بينوا توجروا**۔

الجواب: ہمس مقابل ہے جہر کا، جہر لغت میں آواز قوی و بلند کو کہتے ہیں۔ اور ہمس آواز ضعیف وخفی کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح قراء میں یہ دس حروف جن کا مجموعہ فحثہ شخص، سکت ہے۔ حروف ہمس اور مہموسہ کہلاتے ہیں؛ کیونکہ ان حروف کے اداء کرتے وقت آواز ان کے مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرتی ہے کہ سانس جاری رہتا ہے اور آواز ضعیف وخفی ہوتی ہے، اسی سے جہر کی تعریف اور حروف بھی مقابلۃً معلوم ہوگئے۔

كما قال العلامة علي القاري: الهمس في اللغة الخفاء، وسميت حروفه مهموسة لجريان النفس معها لضعفها، ولضعف الاعتماد عليها عند خروجها وضدها المجهورة. اھ(۲)۔(منح الفكرية على متن الجزرية، مطبوعه مصر، ص: ۲۰)

اور حروف مہموسہ میں سے دو حروف کاف وتاء شدیدہ ہیں اور باقی رخوہ ہیں، شدت کے معنی لغۃً قوت

....

(۱) جهد المقل مع بيان جهد المقل، صفات الحروف، مكتبة الصديق ڈابھیل ص: ۷۵۔

(۲) المنح الفكرية شرح المقدمة الجزرية، مطلب بيان أن الحروف المهموسة مجمعة في كلمات مركبة منها: فحثه شخص سكت، مکتبہ ارگ بازار قندھار افغانستان، ص: ۱۶۔

وسختی کے ہیں اور اصطلاحاً یہ آٹھ حروف جن کا مجموعہ ''اجــدک قـطبــت'' ہے، حروف شدت اور شدیدہ کہلاتے ہیں؛ کیونکہ ان کی اداء کے وقت آواز ان کے مخرج پر ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرتی ہے کہ بند ہو جاتی ہے اور آواز میں قوت وسختی پیدا ہوتی ہے اور چونکہ شدت مقابل ہے رخوت کے؛ لہٰذا شدت کے معنی لغوی وعرفی سے مقابلۃ رخوۃ کے معنی بھی معلوم ہو گئے اور علاوہ حروف شدیدہ مذکورہ اور پانچ حروف متوسطہ ''لــن عـــمــــر'' کے باقی سولہ حروف رخوہ کہلاتے ہیں، پس تمہید مذکور سے معلوم ہوا کہ کاف وتاء مہموسہ بھی ہیں اور شدیدہ بھی ہیں؛ لیکن بناء بر تعریف مذکور ہمس وشدت کے اجتماع میں بظاہر اشکال وارد ہوتا ہے، وہ یہ کہ ہمس کی تعریف میں ضعف اعتماد وصوت وجریان نفس مذکور ہے اور شدت کی تعریف میں قوت اعتماد وصوت اور احتباس صوت ماخوذ ہے؛ حالانکہ یہ امور ایک دوسرے کے مخالف وضد ہیں؛ لیکن در حقیقت کچھ اشکال نہیں اس لئے کہ ہمس وجہر شدت ورخوت کی تعریف میں جو قوت وضعف اعتماد وصوت اور جریان واحتباس نفس وصوت کہا جاتا ہے یہ امور اضافی واعتباری ہیں، یعنی ہر ایک صفت میں اس کے مقابل صفت کی نسبت سے قوت وضعف وجریان واحتباس پایا جاتا ہے، پس کاف وتاء میں من حیث الہمس جو ضعف اعتماد وصوت اور جریان نفس ہے وہ باعتبار حروف مجہورہ کے ہے اور من حیث الشدت جو قوت اعتماد وصوت اور احتباس صوت ہے وہ حروف رخوہ کی نسبت سے ہے۔ **فارتفع الاشکال۔**

نیز ہر ایک صفت کے حروف میں باہم بھی قوت وضعف وجریان واحتباس نفس وصوت کا تفاوت پایا جاتا ہے بوجہ دیگر صفات قویہ یا ضعیفہ کی آمیزش کے۔ پس کاف وتاء بہ نسبت صاد ضعیف ہیں؛ کیونکہ صاد میں تین تین صفت قوی اطباق واستعلاء وصفیر موجود ہیں اور بہ نسبت تاء وحاء وخاء وسین وشین وفاء وہاء قوی ہیں اور بہ نسبت دیگر حروف شدیدہ ضعیف وخفی الصوت ہیں، مگر صفت شدت کی وجہ سے ان میں جریان نفس کمتر ہے بہ نسبت دیگر حروف مہموسہ کے۔

لأنـه فـي الشدة يوجد احتباس الصوت، واحتباس الصوت يستلزم احتباس النفس كما في جهد المقل. (۱)

....

(۱) جهد المقل مع بيان جهد المقل، البحث الثاني: في صفات الحروف، مكتبة الصديق ڈابھیل، ص: ۷۰ ۔

پس تقریر مذکور سے ثابت ہو گیا کہ کاف وتاء میں ہمس حقیقی یعنی ضعف وخفاء صوت تو بہرحیثیت پایا جاتا ہے، مگر جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا اور چونکہ بہ نسبت دیگرحروف مہموسہ ان میں جریان نفس بہت کم ہوتا ہے، اسی وجہ سے بعض علماء نے ان کے مہموسہ ہونے میں خلاف کیا ہے اوران کومجہورہ کہا ہے؛ کیونکہ ایسے جریان نفس قلیل سے تو حروف مجہورہ بھی خالی نہیں، چنانچہ ملاعلی قاری علیہ الرحمہ نے اس خلاف کو ''منح الفکریہ شرح جزریہ'' میں شافیہ ابن حاجب سے نقل کیا ہے، نیز دیگر محققین فن تجوید وقراءت کے اقوال سے بھی یہ امرظاہرہوتا ہے کہ کاف وتاء میں جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا یا کم ہوتا ہے دیگرحروف مہموسہ سے، چنانچہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی تحریرفرماتے ہیں: لیکن جریان نفس درکاف وتاءخوب معلوم نمی شود گوضعف صوت ہست؛ لہٰذا بعض علماء درمہموسہ بودن اینہا خلاف کردہ اندآہ (تحفہ نذریہ مطبوعہ بلالی پریس ساڈھورہ ص۱۹)۔(۱)

حضرت قاری محمدعلی خان صاحب جلال آبادی تحریرفرماتے ہیں: اما جریان نفس درکاف وتاء کمتراست ودربواقی اکمل آہ (حجۃ القاری مطبوعہ محمودالمطابع کانپورص۱۶)۔(۲)

نیزیہ بھی واضح ہوکہ قوت اعتماد یاضعف اعتماد اور جہرالصوت یاخفی الصوت ہونا تو حروف میں ہرحال میں پایا جائے گا،خواہ متحرک ہوں یاساکن؛ کیونکہ یہ امورصفات حروف کی تعریف میں منجملہ ذاتیات کے ہیں؛لیکن جریان یااحتباس نفس یاجریان یااحتباس صوت یہ امورمنجملہ عرضیات کے ہیں کہ حالات سکون میں ان کاظہورہوتا ہےاور جب حروف متحرک ہوں تو جریان واحتباس نفس وصوت غایت درجہ خفامیں ہوتا ہے۔

كما قال صاحب الرعاية: إن جري النفس في الهمس وحبس النفس في الجهر في الساكن زايد من المتحرك، وفي الوقف أزيد من الساكن اه. هكذا قال الجاربردي: وذكر الجاربردي: أن جريان الصوت وعدم جريه عند إسكان الحرف أبين منهما عند تحريكه الخ. (۳)

....

(۱) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۳) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

پس کاف وتاء اگر متحرک ہوں گے تو چونکہ حرف کی ادائیگی انفتاح مخرج کے ساتھ ہوتی ہے؛ لہٰذا انفتاح کی وجہ سے فی الجملہ صوت کا جریان ضرور ہوگا، جب جریان صوت ہوگا تو اس کے ساتھ جریان نفس بھی ضرور ہوگا، بموجب قاعدہ مسلمہ: **جریان الصوت یستلزم جریان النفس کذافی الجهد.** (۱)

مگر یہ جریان نفس اول تو بوجہ تحریک حرف کے دوسرے بوجہ صفت شدت قوی کے غایت درجہ خفاء میں ہوتا ہے کہ خود قاری کو بھی اس کا پتہ نہیں لگتا؛ بلکہ معدوم کہنا چاہئے جیسا کہ بقول بعض حروف قلقلہ سے بحالت حرکت بھی صفت قلقلہ منفک نہیں ہوتی اور نون ومیم متحرک بھی صفت غنہ سے خالی نہیں، مگر بوجہ عدم ظہور وغیر محسوس ہونے کے قلقلہ وغنہ کالعدم ہوتے ہیں، اسی طرح کاف وتاء متحرک میں بھی گو جریان نفس ہوتا ہے، مگر بوجہ عدم ظہور وغیر محسوس ہونے کے ''**لایعبأ به**'' ہے۔ یہ تفصیل تو کاف وتاء متحرک کے متعلق تھی۔ اور اگر کاف وتاء ساکن ہوں تو چونکہ حرف ساکن کی ادائیگی استقراء صوت والتصاق مخرج کے ساتھ ہوتی ہے بالخصوص حروف شدیدہ میں کہ ان میں تصادم جس میں بالقوہ ہوتا ہے؛ لہٰذا شدت اتصال جسمین کی وجہ سے جب صوت محتبس ہوگی تو نفس بھی ضرور محتبس ہوگا ''**کماذکرہ صاحب الجهد**'' پس جب صوت ونفس دونوں بند ہوگئے تو جب تک مخرج کو جنبش نہ ہو تب تک کوئی حرف سنائی نہیں دے سکتا، اسی لئے حرف شدیدہ میں سے حروف ''**قطب جدٍ**'' میں بوجہ صفت جہر قوی کے بحالت سکون صفت قلقلہ یعنی مخرج میں جنبش قوت کے ساتھ رکھی گئی، تاکہ آواز میں قوت جہر پیدا ہو اس قدر کہ سامع قریب بھی محسوس کرسکے ''**لأن أدنی الجهر إسماع الغیر**'' (مگر ہمزہ کو اکثر نے قلقلہ سے خارج کیا ہے ''**وتوجیهه مذکور في المطولات**'' اور دو حرف کاف وتاء ساکن میں بوجہ صفت ہمس ضعیف کے جنبش نہایت ضعف ونرمی کے ساتھ رکھی گئی، تاکہ آواز میں ضعف وخفاء قائم رہے اس قدر کہ خود قاری اس کو محسوس کرسکے ''**لأن أدنی المخافتة إسماع نفسه**'' مگر اس جنبش ضعیف سے (کہ صفت ہمس کے اداء کی غرض سے کی جاتی ہے) جو نفس جاری ہوتا ہے اس کے ساتھ کسی قسم کی صوت جاری نہ ہونی چاہئے؛ کیونکہ ہمس کی تعریف میں جریان نفس ماخوذ ہے نہ کہ جریان صوت اور نفس اور صوت میں یہی فرق ہے کہ ہوا خارج از داخل انسان اگر مسموع ہو تو صوت ہے اور اگر غیر مسموع ہو تو نفس ہے۔

....

(۱) جهد المقل مع بیان جهد المقل، البحث الثاني: في صفات الحروف، مکتبة الصدیق ڈابھیل، ص: ۷۰۔

کما قال صاحب الجهد المقل: علم أن النفس الذي هو الهواء الخارج من داخل الإنسان إن كان مسموعا فهو صوت، وإلا فلا. انتهى ص:۲۷ (۱)

وقال مؤلف حقيقة التجويد في رسالته المذكورة: فالتنفس يوجد في كل صوت ولايوجد صوت في كل تنفس بل بعضه مع الإرادة، وإذا خرج الحرف من فم الإنسان بغير إرادته، فلايطلق عليه الحرف، ولا يراد منه المعنى، فالصوت علىٰ قسمين جهري وخفي، والجهري: مايسمعه الغير، والخفي: ما يسمعه النفس، كما قال الفقهاء: وأدنى الجهر مايسمعه الغيرُ، وأدنى المخافتة مايسمعه النفس في القراء ة، والطلاق، والعتاق والبيع، والاستثناء، والتسمية على الذبح، ووجوب السجدة بتلاوة آية السجدة وغيرها، والمراد من الأدنى حد الجهر والخفي. اھ ص:۱۲ (۲)

پس خلاصہ تقریر مذکور کا یہ ہوا کہ اول تو کاف وتآء میں مطلقاً خواہ متحرک ہوں خواہ ساکن جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا۔ اور دیگر حروف مہموسہ سے بہت کم ہوتا ہے اور بالخصوص متحرک میں ساکن سے بھی کم ہوتا ہے جیسا کہ دلائل وشواہد اقوال محققین سے ثابت کیا گیا۔ دوسرے صفت ہمس کے اداء کی غرض سے کاف وتآء متحرک میں انفتاح مخرج کے ساتھ اور ساکن میں جنبش ضعیف وخفی کے ساتھ جو کچھ نفس کا جریان ہوتا بھی ہے اس کے صوت کا جاری ہونا ضروری بھی نہیں کیونکہ نفس عام ہے اور صوتِ خاص اور عام کے تحقق کے ساتھ خاص کا تحقق لازم نہیں۔

نیز صوت کا جاری کرنا درست بھی نہیں نہ عقلاً نہ نقلاً، عقلاً اس وجہ سے کہ اگر صوت جاری کی جاوے گی تو کاف وتا شدیدہ نہ رہیں گے؛ بلکہ رخوہ ہوجائیں گے؛ کیونکہ جریان صوت رخوہ میں ہوتا ہے نہ کہ شدیدہ میں۔ اور یہ بات ادنی تامل سے ظاہر ہوتی ہے کہ جو شدت باری اور جاری کے بآ اور جیم میں ہے وہ بھاری اور جھاری کے با اور جیم میں نہیں ہوسکتی۔ اسی قیاس پر جو شدت کانا اور تانا کے کاف وتا میں ہے وہ

....

---

(۱) جهد المقل، تتمة تتعلق بالمخرج والاعتماد، مكتبة الصديق ڈابھیل، ص: ۳۸۔
(۲) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

کھانا اور تھانا کے کاف وتاء میں نہیں پائی جاتی۔ تو ایک صفت ہمس جومختلف فیہ ہے اُس کے ادا کرنے کی وجہ سے صفت شدت جوکہ متفق علیہ ہے مفقود ہوجاوے گی اور یہ جائز نہیں اور نقلاً اس وجہ سے کہ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ سے ''کتاب النشر في القراء ات العشر'' میں اور ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے ''منح الفكرية على متن الجزرية'' میں اس کا عدم جواز وغلط ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ ''كتاب النشر في القراء ات العشر'' میں ہے:

والتاء يتحفظ بما فيها من الشدة والهمس لئلا تصير رخوة كما ينطق بعض الناس، والكاف فليعن بما فيها من الشدة، والهمس لئلا يذهب إلى الكاف الصماء الثابتة في بعض لغات العجم، فإن ذلک غير جائز في لغات العرب وليحذر من إجراء الصوت معها كما يفعله بعض الأعاجم. (۱)

اس سے صاف طور پر ثابت ہوگیا کہ اجراء صوت اُداءً اعاجم ہے جوکہ ممنوع وقابل احتراز ہے۔ نیز ملا علی قاری ''منح الفکریہ علی متن الجزریہ'' میں فرماتے ہیں:

ثم أن النفس الخارج الذي هو صفة حرف أن تكيف كله بكيفية الصوت حتى يحصل صوت قوي كان الحرف مجهور أو إن بقي بعضه بلا صوت يجرى مع الحرف كان ذلک الحرف مهموسا وأيضا، وإذا انحصر الصوت في مخرجه انحصارًا تامًا فلا يجري جريانًا سهلا يسمى شديدا، وأما إذا جرى جريانا تاما، ولا ينحصر أصلا يسمى رخوة. (۲)

اِس عبارت سے بھی ثابت ہوگیا کہ مہموس من حیث ہو مہموس میں نفس بلاصوت یعنی غیرمسموع کا جریان ہوتا ہے۔ اور ''فلا يجري جريا ناسهلا'' سے شدیدہ میں جریان صوت ضعیف کی بھی نفی ہوگئی،

....

(۲) النشر في القراء ات العشر، مواضع تفخيم كل حرف وترقيقه، مطبوعه مصر ۱/ ۲۱۷-۲۲۱۔

(۲) المنح الفكرية شرح المقدمة الجزرية، مطلب: بيان أن الحروف المهموسة مجتمعة فی كلمات مركبة منها، مکتبه ارگ بازار قندهار افغانستان ص: ۱۶۔

پس چونکہ ''جہد المقل'' کی عبارت مذکورہ فی السوال کا مفہوم بظاہر معارض ہے ''**کتاب النشر في القراءات العشر**'' اور ''**منح الفكرية**'' کی عبارات مذکورہ کے؛ لہٰذا امام جزریؒ اور ملا علی قاریؒ کے مقابل صاحب ''جہد المقل'' کے قول کا اعتبار نہ کیا جاوے گا۔ علاوہ ازیں ''جہد المقل'' کی عبارت میں کاف وتا متحرک مراد ہے، ساکن یا طا متحرک تو مراد ہو ہی نہیں سکتا؛ کیونکہ اوّل تو خود ''جہد المقل'' کی عبارت ص: ۶۰ / میں ''**حاصله أنهما ناقصان عند تحريك الحرف**'' (۱) اس کے معارض ہے۔

دوسرے یہ کہ حرکت خود انفتاح مخرج سے پیدا ہوتی ہے۔ پھر ''**ثم ينفتح**'' کے کوئی معنی نہیں بنتے۔ اوراسی سے مطلق کی بھی نفی ہوگئی؛ کیونکہ متحرک کو بھی شامل ہے، پس لامحالہ مراد ''جہد المقل'' کی عبارت مذکورہ سے کاف وتاء ساکن ہے۔ پس اگر ''جہد المقل'' کی عبارت کے موافق تلفظ کیا جاوے تو کاف وتاء ساکن کے بعد صوت جاری رکھنا چاہئے؛ کیونکہ حرف ''**ثم**'' ''**تعقيب وتراخي**'' کے لئے ہے۔ اب اگر یہ صوت کسی حرف کی ہے تو زیادتی فی القرآن لازم آئے گی۔ اوراگر صوتِ مسموع غیر حرفی ہے تو اس کا عدم جواز اداءِ اعاجم ہونا نشر ومنح سے ثابت ہوگیا۔ پس حکم یہ ہے کہ اگر صَوتِ حرفی پیدا ہو تو لحن جلی ہوگا۔ اوراگر غیر حرفی ہو تو لحن خفی ہوگا۔ اوراگر جری صوت کا وہم وشبہ ہو تو یہ ادا مطابق اداء محققین کے ہے اور یہی ہونا چاہیے۔ اور غالباً مراد ''جہد المقل'' کی یہی ہے؛ لہٰذا اکثر جگہ اُن کے کلام کی تاویل کرنا پڑے گی۔ اور یا یہ کہا جاوے کہ اُن پر عجمیت غالب تھی۔ اوراس مقام پر اور نیز دیگر مقامات پر جہاں کہیں جَریانِ نفس کثیر و صوت ضعیف کہا ہے یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ مُراد ''جہد المقل'' کی جریان نفس کثیر سے کثیر بہ نسبت حروف مجہورہ کے ہے۔ گو دیگر حروف مہموسہ کے اعتبار سے قلیل ہو اور مُراد صوت ضعیف سے صوت خفی غیر مسموع ہے۔ ''**لأن أدنى المخافته هو إسماع نفسه**'' تو اس توجیہ پر ''جہد المقل'' کی عبارت سے یہ صوت مخصوص یعنی کاف وتاء مخلوط بہاء ہوّز بھی ثابت نہ ہوئی، پس کاف وتاء کے جریان نفس میں اس قدر مبالغہ کرنا جس سے ہاء، ہوّز کی یا کسی اور حرف کی آواز پیدا ہو (جیسا کہ بعض سین مہملہ کی اور بعض تاء مثلثہ کی آواز نکالتے ہیں) اور حروف عربی مخلوط التلفظ حروف عجمی ہوجاویں کا نا کو کھانا اور ابتر کو ابتھر پڑھنا ''**تُقُلَت**'' کو

....

---

(۱) جهد المقل مع بيان جهد المقل، البحث الثاني: في صفات الحروف، مكتبة الصديق ڈابھیل ص: ۷۲۔

''ثُقُلَتھ'' اور ''ذِکرک'' کو ''ذکرکھ'' پڑھنا. اس طرح کی صفت ہمس ادا کرنا بالکل غلط و بے اصل ہے، نہ کسی ماہر و محقق قاری سے سُنا، نہ محققین کی کتب معتبرہ میں اس کا ذکر ہے۔ البتہ بعض اعاجم مثل اہل خراسان وترکستان وایران یا بعض اعراب عرب مثل اہل نجد ویمن وغیرہ سے اس قسم کی ادا سنی ہے۔ اور کتب ائمہ فن مثل شیخ جزریؒ وملا علی قاریؒ سے اس قسم کی اداء کی تغلیط ثابت ہوتی ہے۔ کما ذکر۔ اس قسم کی ادا مخترع و بے اصل سے تو اُن بعض علماء کے قول پر عمل کرنا بہتر ہو جو کہ کاف وتاء کو مجہورہ کہتے ہیں۔ نیز دیگر محققین قراء کے اقوال سے بھی اس قسم کی ادا کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی ''تحفہ نذریہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

وپیدا باد کہ در مقامۂ صفات حروف چناں فساد بر پا کردہ کہ اگر بطور قواعد مخترعہ او کلام اللہ خواندہ شود ضرور است کہ کلام اللہ محرّف گردد چہ می گوید کہ در وقف مہموسہ بعد سکون تاء وکاف آواز دیگر پیدا شود چوں معنے ایں قول از تلامذہ او پرسیدند گفتند کہ در لفظ ''خُلِقَت خُلِقَتس' باید گفت یعنی بعد سکون تاء آواز سین ساکن باید برآورد گواجتماع ساکنین شود بدون آں صفت ہمس حاصل نمی شود ہم چنیں در کاف ساکن در وقف بعد سکون کاف یک سین ساکن باآواز خفیف باید گفت وہم چنیں در حروف قلقلہ ودیگر صفات فساد ہا اختراع کردہ تعلیم مردم ساختہ ''سُبحان اللّٰہ'' در عبارات کتب قراءت چہ غلط فہمی کردو کدام علم شریف بجہل مرکب خود فاسد ساختہ انتہیٰ بقدر الحاجۃ۔ (ص ۸ تحفہ نذریہ مطبوعہ بلالی پریس ساڈھورہ (۱)۔

نیز رسالہ مذکورہ میں دوسرے مقام پر صفحہ: ۳۲ میں فرماتے ہیں: کاف را احتیاط کند تا کاف فارسی کہ آں را کاف صماء گویند نگردد خصوصًا وقتے کہ مکرر باشد مانند ''**بشر ککم وما قبل مهموسه آید مانند تستکثروا بسیار**'' احتیاط کند کہ صوت دراں جاری نہ شود، چنانچہ لغت بعضے عجمیا نست آھ (۲)

حضرت قاری محمد علی صاحبؒ جلال آبادی حجۃ القاری مطبوعہ محمود المطابع کانپور، ص: ۵۳ میں فرماتے ہیں: کاف با کاف فارسی نیا میزد ہائے ہوز ہم درو پیدا نشود خاصۃً وقتے کہ پیش از حرف مہموسہ درآید

....

(۱) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

''تستکثروا'' ہم چنیں اگر مکرر باشد ''نحوبشرککم آہ'' (۱)۔ **وقال العلامة الجزري في مقدمته (۲):**

وراء شدة بكاف وبتاء ☆ كشرككم وتتوفى فتنتا

فقط والله أعلم وعلمه أتم وأحكم.

کتبہ العبد المسکین محمد یامین عفی عنہ رب العلمین معلم التجوید فی مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

اوائل صفر ۱۳۳۸ھ

جواب نہایت صحیح ومدلل اور متقدمین ومتاخرین کی کتب واداء کے مطابق ہے۔

عبدالرحمٰن المکی ثم الہ آبادی عفی عنہ۔

حضرت مولانا ومرشدنا تھانوی افاض اللہ تعالیٰ علی برکاتہم نے احقر کو یہ فتویٰ دکھلایا۔ احقر حرف بحرف اس جواب سے متفق ہے۔ احقر سے اکثر لوگوں نے اس قسم کے سوالات کئے تھے، جن کے مختلف طور سے جوابات دیئے گئے، جو بفضلہٖ تعالیٰ اس جواب میں مع شے زائد سے مضامین موجود ہیں، احقر بوجہ عدم فرصتی دبے سامانی اس حد تک نہیں کر سکا۔ اس تکمیل سے نہایت مسرت ہے۔

کمترین خلائق عبدالوحید الٰہ آبادی عفا اللہ عنہ۔

خادم درجہ قراءت مدرسہ عالیہ دیوبند ضلع سہارن پُور۔

میں مدت سے ایسی تحقیق کا شائق تھا اس رسالہ کو دیکھ کر جوش مسرت میں یہ شعر بے ساختہ قلب میں آیا

للہ الحمد ہر آن چیز کہ خاطر میخواست ☆ آخر آمد زپس پردہ تقدیر پدید

جزی الله تعالیٰ مولفها خیر الجزاء.

اشرف علی ۷ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ (تمتہ خامسہ ص: ۱۰۷)

....

(۱) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۲) المقدمة الجزرية مع المنح الفكرية، باب اللامات، مكتبه ارگ بازار قندهار افغانستان، ص: ۳۵۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ضمیمہ جمال القرآن نوشتہ قاری محمد یامین صاحب

’’جمال القرآن‘‘ کی عبارات پر سوال کا جواب

سوال (۲۶۴): قدیم ۱/۳۲۶- ’’جمال القرآن‘‘ میں ایک مقام سمجھ میں نہیں آتا۔ معلوم نہیں مطبع کی غلطی ہے یا سمجھ ناقص خویدم کی ص: ۴۳ و ۴۴ قاعدہ: ۷/ ’’لئن بسطت‘‘ اور ’’احطت‘‘ اور ’’فرطتم الم نخلقکم‘‘ میں الخ ص: ۴۷ تصحیح اول کے چار لفظوں میں ادغام ناتمام متعین اور پانچویں الخ اس میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ صفحہ ۴۳ و ۴۴ پر کل صرف ۴/ ہی لفظ ہیں۔ پس چار اور پانچویں کا جو تصحیح میں ہے کیا مطلب ہوگا۔

سوال ۲: مخرج ض میں حافۂ لسان کو مجموعہ بیسوں اضراس سے ملانا چاہئے یا ضواحک وطواحن ونواجذ میں کسی ایک کے ساتھ تماس حافۂ لسان کافی ہے۔

الجواب: **جواب شبہ اول**: صفحہ: ۴۳ و ۴۴ قاعدہ: ۷ میں غالبًا مطبع کی غلطی سے ’’ما فرطتم‘‘ کے بعد (اور ما فرطت) رہ گیا ہے، پس لفظ مذکور ملا کر چار لفظ ہوگئے کہ ان میں ادغام ناتمام متعین ہے۔ اور ’’الم نخلقکم‘‘۔ پانچواں لفظ ہے کہ اس میں ادغام تام بہتر ہے۔

جواب شبہ دوم: ضاد کے مخرج میں حافۂ لسان کو اوپر کی پانچوں داڑھوں (ضاحک اور ہر سہ طواحن اور نواجذ داہنی یا بائیں طرف) کی جڑوں سے ملانا چاہئے۔ صرف ایک دو کے ساتھ ملانا کافی نہیں اور نیچے کے اضراس سے ملانا غلط ہے۔

۲۷/شعبان ۱۳۳۹ھ (تتمۂ خامسہ ص ۱۹۵)

سورۂ روم میں واقع ’’ضعف‘‘ کو بالضم پڑھنے سے متعلق سوال کا جواب (*)

از مولانا قاری عبدالسلام صاحب پانی پتی عباسی۔

(*) فائدہ متعلقہ بجواب ہذا سورۂ روم میں جو تین جگہ لفظ ’’ضعف‘‘ واقع ہے، اس کے ضاد کا حفص ←

سوال (۲۶۵): قدیم ۱/۳۲۷- امابعد ''سورۃ الروم'' کے اخیر کے رکوع میں ''من ضُعفٍ'' کے ضاد کو ضمہ حفص کی روایت میں لکھا ہے، امام عاصم اس ضاد کو فتح پڑھتے ہیں، جبکہ حفص ان کے راوی ضمہ پڑھیں گے، تو ہر دو روایت کا خلط ملط ہو جاوے گا۔ اور خلط ملط ایک روایت کا دوسری روایت میں ناجائز ہے، اگر ناجائز نہیں ہے تو مطلع فرمادیں؟

الجواب: امام حفص کی روایت اپنے استاد امام عاصم سے فتح ہے اور دوسری روایت امام عاصم کے علاوہ سے ضمہ ہے تو گویا حفص سے ہر دو روایت ہے۔ اور یہ پڑھنا درست ہے۔ اس سے خلط روایت نہیں ہوتا۔

فإن قلت هل يقرء لحفص بهذا الا ختيار؛ لأنه وإن لم يروه عن عاصم فقد رواه عن غيره، وثبتت قراءته به أو لا يقرأ به؛ لأنه خالف شيخه، وخرج عن طريقه وروايته قلت المشهور المعروف جواز القراءة بذلک، قال الداني واختيارى في رواية حفص من طريق عمر وعبيد الأخذ بالوجهين بالفتح والضم فاتابع بذلک عاصما على قراءته أو وافق به حفصا على الاختيار، قال المحقق وبالوجهين قراءاة له وبهما. اٰخذ غيث النفع (۱) سورة روم (محمد عبدالسلام عباسی) تتمہ ۵ص ۳۶۷)

← نے ضم اختیار کیا ہے؛ حالانکہ عاصم کی قراءت فتح ہے، اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جب دونوں قراءت متواتر ہیں تو ایک کو ترجیح کی کیا وجہ ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ضمہ کو لغت قریش ہونے کی وجہ سے ترجیح ہو سکتی ہے۔

وفي المصباح: الضعف بفتح الضاد في لغة تميم وبضمها في لغة قريش خلاف القوة والصحة. (جمل سورۂ روم)

کتبہ: احقر عبدالکریم عفی عنہ ۲۳/ شعبان ۴۴ھ

---

(۱) غيث النفع في القراءات السبع، سورة الروم، مكتبه دارالعلوم فلاح دارين گجرات، ص: ۲۲۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رسالہ ’’التدقيق (*) الجلي في تحقيق النون الخفي‘‘

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سوال (۲۶۶): قدیم ۱/۳۲۸-(الف) الحمدلله الذي هو نعم الوكيل، والصّلوٰةُ والسّلام علىٰ رسوله النبي الجليل، وآله وصحبه الذين هم أولو البر والصبر الجميل. امابعد!

نون مخفی کی ادا میں کتابوں سے جہاں تک پتہ چلتا ہے تقریباً نصف صدی سے اب تک قراء اس طرح سے ادا کرتے ہیں اور لکھتے چلے آرہے ہیں: کہ نون کا مخرج بالکل ادا نہ ہو صرف غنہ مابعد کے حرف سے

(*) تلخیص وتسہیل:- نون مخفی ادا کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ نون مخفی کو علاوہ خیشوم کے اپنے مخرج (کنارۂ زبان اور تالو) سے کچھ ضعیف سا بھی تعلق ہوتا ہے؛ کیوں کہ اگر کنارۂ زبان کو تالو سے بالکل علیحدہ رکھ کر ادا کیا جائے گا تو جوف اور خلال کی وجہ سے حرف مد پیدا ہو جائے گا، جس کی ممانعت کتب تجوید میں موجود ہے۔ ’’مرعشی‘‘ میں ہے:

يجب على القاري أن يحترز في حالة إخفاء النون من أن يشبع الضمة قبلها أو الفتحة أو الكسرة لئلا يتولد من الضمة واوٌ في مثل كنتم، ومن الفتحة ألف في مثل عنكم.

اور اگر مابعد والے حرف کے مخرج پر زبان کو اعتماد ہوگا تو ادغام کی صورت ہو جائے گی اور اخفاء الحروف فی غیرہ صادق آئے گا جو ادغام کی تعریف ہے؛ حالانکہ اخفاء کی تعریف اخفاء الحروف فی نفسہ لکھی ہے۔ رہی یہ بات کہ کتابوں میں نون مخفی کے متعلق لکھا ہے کہ: ’’لا عمل للسان‘‘ تو اس سے مطلقاً عمل لسان کی نفی مراد نہیں ہے؛ بلکہ خاص اس عمل کی نفی مراد ہے جو اظہار کی حالت میں ہوتی ہے، یعنی زبان کو جو تالو کے ساتھ پورا اور قوی اعتماد ہوتا ہے اس کی نفی کی گئی ہے۔ الحاصل مذکور الصدر طریق اداء پر اخفاء کی تعریف ’’حالة بين الاظهار والإدغام‘‘ ٹھیک ٹھیک صادق آتی ہے کہ مثل ادغام کے نہ مابعد والے حروف کے مخرج سے نکلا، نہ مثل اظہار کے پورا اور قوی اعتماد نون کے اصلی مخرج پر ہوا؛ بلکہ نہایت ضعیف اعتماد زبان کو تالو سے رہا اور پورا مخرج غنہ کا خیشوم رہا (تلخیص وتسہیل میں جناب قاری حفظ الرحمٰن صاحب کے حاشیہ تسہیل الفرقان بر جمال القرآن ص: ۲۳ سے مدد لی گئی ہے۔ ۱۲

سعید احمد پالن پوری

ممزوج ہوکر نکلے۔ جیسے اُردو میں پنکھا جنگ وسنگ اور یہ ادا اتنی شائع ذائع ہوئی کہ عرب وعجم مہرہ وغیر مہرہ سب اس میں مبتلا ہوگئے؛ حالانکہ اس ادائیگی میں اور ادغام ناقص کی اداء میں مثل من یقول من والٍ کے کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ مجھے اس اداء اخفاء میں تحصیل تجوید کے ایام ہی سے برابر اشکال رہا؛ لیکن اللہ کریم کا صدلاکھ شکر کہ امام العصر، وحید الدہر، رئیس القراء، استاذ الاساتذہ، الحضرۃ شیخی وسیدی مولنا الحاج الحافظ المقری عبدالرحمان المکی الہٰ آبادی مدظلہم العالی کو نہ معلوم کیسے توجہ ہوئی کہ یکا یک ایک مضمون ارقام فرمایا۔ کہ جس میں یہ ثابت کیا گیا کہ اداء اخفاء مروجہ (جو اس طرح ہوتی ہے کہ زبان کو ذرہ بھر دخل نہیں ہوتا۔ صرف صوت خیشومی مابعد کے حرف سے مل کر ادا ہوتی ہے) صحیح نہیں؛ بلکہ اس طرح ہونی چاہئے کہ نوک زبان نون ہی کے مخرج میں نہایت ضعف کے ساتھ لگے، یعنی اتصال جس میں نہایت ہی ضعیف ہو۔ چنانچہ اس کا اثبات مع دلائل وعلل فرما کر اس مضمون عالی کو اپنے اس ناچیز خادم کے پاس بھی ارسال فرمایا۔ وہ مضمون عالی بتمامہ نہایت ہی معمولی توضیح وتشریح اور مختصر تغیر لفظی کے ساتھ اور وہ بھی ملتقطاً حسب ذیل ہے۔

لا يقال لابد من عمل اللسان في النون والشفتين في الميم مطلقًا حتىٰ في حالة الإخفاء والإدغام بغنة، وكذ اللخيشوم عمل حتىٰ في حالة التحريک والإظهار فلم هٰذا التخصيص؛ لأنهم نظروا للأغلب، وحكموا له بأنه المخرج، فلما كان الأغلب في حالة إخفائهما أو إدغامهما بغنّة عمل الخيشوم جعلوا مخرجهما، وإن عمل اللسان والشفتان أيضا، ولما كان الأغلب في حالة التحريک والإظهار عمل اللسان والشفتان جعلواهما المخرج، وإن عمل الخيشوم حينئذ أيضا كما أفاده البعض عن العلامة الشبراملسي.

اوران کے ارشد تلامذہ علامہ احمد دمیاطی اپنی کتاب ''اتحاف فی القراءات الاربعۃ عشر'' میں لکھتے ہیں:

يجب على القاري أن يحترز من المد عند إخفاء النون في نحو إن كنتم، وعند الاتيان بالغنة في النون، والميم في نحو: ان الذين، وإما فداء، وكثيرا ما يتساهل في ذلک من يبالغ في إظهار الغنة فيتولد منها واوٌ وياء فيصر اللفظ كونتم، أين، أيما، وهو خطاء قبيح وتحريف، وليتحرز أيضا من إلصاق اللسان فوق الثنايا العليا عند

....

....

إخفاء النون فهو خطا أيضا، وطريق الخلاص منه ان تجا فی اللسان قليلا عن ذلک الخ مع الاختصار (۱)۔

اور ’’نهاية القول المفيد‘‘ میں ہے:

قال في المرعشي: يجب على أن يحترز في حالة إخفاء النون من أن يشبع الضمة قبلها أو الفتحة أو الكسرة، وليحترز أيضا من المد عند الإتيان بالغنة في النون والميم في نحو: إن، وأما فإن ذلک خطأ صريح، و زيادة في كلام الله تعالیٰ، وليحترز أيضاً من إلصاق اللسان فوق الثنايا العليا عند إخفاء النون فهو خطأ أيضًا، وطريق الخلاص منه أن يجا في اللسان قليلا من ذلک. انتهى مع الاختصار (۲)۔

اور امام جزری ’’النشر في القراء ات العشر‘‘ میں لکھتے ہیں:

المخرج السابع عشر: وهو الغنة، وهي تكون في النون والميم الساكنين حالة الإخفاء، أو مافي حكمه من الإدغام بالغنة، فإن مخرج هذين الحرفين يتحول في هذه الحالة عن مخرجها الأصلي على القول الصحيح، كما يتحول مخرج حروف المد من مخرجها إلى الجوف على الصواب (۳)۔

پھر آگے ’’أحكام النون الساكنة والتنوين‘‘ کی تنبیہات میں لکھتے ہیں:

الأول مخرج النون والتنوين مع حروف الإخفاء الخمسة عشر من الخيشوم فقط، ولا حظ لهما معهن في الفم؛ لأنه لا عمل للسان فيهما كعمله فيهما مع ما يظهران أو مايد غمان فيه بغنة. (۴)

....

(۱) اتحاف فضلا البشر في القراء ات الأربع عشر، الفصل السادس: في أحكام النون الساكنة والتنوين، مطبوعة مصر، ص: ۳۳۔

(۲) نهاية القول المفيد في علم التجويد، قبيل الفصل الخامس: في الكلام على الميم الساكنة، مطبوعه لاهور، ص: ۱۶۰-۱۶۱۔

(۳) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۴) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

اور ملا علی قاری علیہ الرحمہ "منح الفكرية" میں لکھتے ہیں:

وأن النون المخفاة مركبة من مخرج الذات، ومن تحقق الصفة. (۱)

اور امام مکی علیہ الرحمہ "کتاب الرعایہ" میں لکھتے ہیں:

الإخفاء إنما هو أن تخفى الحروف في نفسه لا في غيره، والإدغام إنما هو أن تدغم السين وأخفيت النون عند السين، ولا تقول خفيت في السين، ولا أخفيتها في السين، وتقول: أدغمت النون في الواو، ولا تقول: أدغمتها عند الواو. (۲)

امام شبراملسی احمد دمیاطی مرعشی، امام جزری، ملا علی قاری، امام محمد مکی ان سب ائمہ کے اقوال سے ثابت ہوگیا کہ نون مخفی میں اصلی مخرج کو دخل ہے۔ لیکن ضعیف اعتماد کے ساتھ جس کو کہ ہر ایک نے مختلف عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً شبراملسی نے مقلوب سے، دمیاطی اور مرعشی نے تجافی قلیل سے اور جزری نے کعملہ کی قید سے اور پہلے قول میں یتحول کے لفظ سے اور محمد مکی نے **في نفسه لا في غيره** سے اور ملا علی قاری نے مرکبۃ من مخرج الذات سے۔ اب جبکہ کلام ائمہ کے سیاق وسباق سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ صوت خیشومی بدون اعتماد محقق بایں قدر کہ پیدا نہیں ہوسکتی اور پہلے یہ لوگ یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ نون مخفی اپنے اصلی مخرج سے خیشوم کی طرف متحول ہو جاتا ہے۔ اور ذات نون باطل ہو جاتی ہے۔ اور الصاق لسان سے بھی احتراز کا حکم ہے۔ تو لا محالہ اس سے تولید حرف مد لازم آوے گی۔ کیونکہ جب نہ تو ذات نون باقی اور نہ زبان کا کسی مقام پر الصاق تو صوت خیشومی محض جوف سے ادا ہوئی اور یہی تولید مدّہ ہے۔ جو کہ محذور اور ممنوع ہے۔ اور زیادۃ فی کلام اللہ ہے۔۔۔۔ تو پھر اس سے خلاص کا طریقہ اور چھٹکارا کہ نون خفی بھی ادا ہو جاوے اور تولید حرف مدّہ بھی نہ ہو اور الصاق لسان بھی نہ ہو یہی ہے۔ کہ اعتماد اپنے مخرج اصلی پر ضعیف ہو جس کو کہ ہر ایک نے مختلف عنوان سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ اوپر گزرا۔ اب تعارض بین الاقوال بھی نہ رہا۔ اور اختلاف حقیقی کی صورت بھی رفع ہوئی۔ صرف نزاع لفظی کی صورت ہوگئی۔ اب جبکہ یہ امر ثابت ہوگیا کہ نون مخفی میں مخرج

....

(۱) المنح الفكرية شرح المقدمة الجزرية، مطلب بيان أن الأسنان على أربعة أقسام، مکتبہ ارگ بازار قندھار افغانستان، ص: ۱۵۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

اصلی کو دخل ہے۔اوراس پر اعتماد ضعیف ہوتا ہےتو نون خفی کے ادا کرتے وقت مابعد کے حرف کےمخرج پر اعتماد کرنا مثل سنگ وجنگ وغیرہ کے بالکل باطل ہوگیا۔ اوراس کی کوئی اصل نہیں۔ حالانکہ ہم لوگ عمومًا وخصوصًا اس میں مبتلا ہیں۔ ثانیًا یہ کہ اگر اعتماد ما بعد کی کچھ اصل ہوتی تو تحول الی الخیشوم لکھنے کی ضرورت نہیں تھی؛ بلکہ تحول الی مخرج مابعد الحرف لکھتے۔علاوہ بریں نون مخفی کے عندالجمہور پندرہ حروف ہیں اورامام جعفرؒ کےنزدیک سترہ ہیں تو تعجب ہے کہ اہل فن ذرہ ذرہ تجوید کے دقائق اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں، مگراتنے مخارج والے حروف کو چھوڑ دیتے اور کہیں اشارہ بھی اعتماد مابعد الحروف کو ذکر نہ کرتے۔ ثالثًا یہ کہ چونکہ نون مخفی کی اداء میں تولید حرف مدہ کومظنہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر لسان کو یعنی مخرج اصلی کو کچھ دخل نہ ہوتو حرف مدّہ پیدا ہونا چاہیے۔ جیسے کہ ماسبق کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔حالانکہ اعتماد مخرج مابعد سے اس کا مظنہ بھی نہیں ہوتا۔پس مظنہ تولید مدہ سے معلوم ہوا کہ اعتماد مابعد الحرف پر صحیح نہیں ہے۔

سوال (۲۶۷): قدیم ۱/۳۳۲- (ب) اگرکوئی یہ شبہ کرے کہ تولید حرف مدہ تو مبالغہ فی الغنہ کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ لکھتے ہیں: **ویبالغ في الغنة.**

جواب: اس کا یہ ہے کہ حرف مدہ سے غنہ کی تقویت نہیں ہوتی۔ بلکہ اورمانع عن الغنہ ہوتا ہے۔جیسا کہ اکثر غیر مشاق سے ’’أَتُحَاجُّونِّي‘‘ وغیرہ میں غنہ ادانہیں ہوتا۔اگرمدہ غنہ کا مؤید ہوتا تو یہ دقت نہ ہوتی۔تو عبارت مذکور کا مطلب یہ ہے کہ: **’’أن يبالغ في الغنة، أي في إخراج حرف الغنة من الخيشوم.**

رابعًا یہ کہ ’’جہد المقل‘‘ میں ہے:

فليحذر القاري عن إطباق أقصى اللسان إلى الحنک عند التلفظ با لغنة قبل القاف، والكاف (۱)۔

اس تحذیر سے صاف ظاہر ہوگیا کہ غنہ یعنی نون مخفی قبل القاف والکاف کے ادا کرتے وقت اقصیٰ لسان کا حنک اعلیٰ سے اطباق نہ ہونا چاہئے،جیسا کہ اُردو میں پنکھا اورسنگ وغیرہ میں ہم لوگ کرتے ہیں۔

....

(۱) جهد المقل، الباب الأول في النون الساكنة والتنوين، مطبوعة مكتبة الصديق ڈابھیل ص: ۱۶۰-۱۶۱۔

خامساً یہ کہ امام جعفرؒ کے یہاں خاء اور غین میں بھی اخفاء ہوتا ہے۔ اور یہاں اعتماد مخرج مابعد کی کوئی صورت نہیں۔ سوائے اس کے کہ ادنیٰ حلق سے صوت خیشومی مفخم نہایت دقت سے ادا ہوا؛ بلکہ اس میں غین وخاء کی کچھ بو وشائبہ بھی مسموع ہو، اسی کی کیا خصوصیت ہے؛ بلکہ اکثر حروف میں نون مخفی کے ادا کرتے وقت آئندہ والے حرف کا شائبہ ہوتا ہے۔ خصوصاً حروف مستعلیہ میں غنہ مفخم ادا ہوتا ہے۔ اور یہ ممنوع ومنہی عنہ ہے، جیسا کہ ''نہایۃ القول'' میں حروف فرعیہ کے بیان میں ہے۔

قال الحلبي في شرحه: وزاد القاضي اللام المفخمة، والنون المخفاة، وهو وهم إذ ليس فيهما شائبة حرف آخر، ولم يقعا بين مخرجين. (۱)

اور ملا علی قاری علیہ الرحمہ ''شرح شاطبی'' میں لکھتے ہیں:

وأن النون المخفاة ليس فيها شائبة حرف آخر، ولم تقع بين مخرجين، وكونها ذات مخرجين لا يلزم بينيتها. (۲)

حلبی اور ملا علی قاری نے تصریح کردی کہ نون خفی میں شائبہ دوسرے حرف کا نہیں ہوتا اور نہ دو مخرج سے ادا ہوتا ہے؛ کیونکہ مخرج تو خیشوم قرار دیا گیا ہے۔ اور مخرج اصلی بوجہ اعتماد ضعیف اور تجافی قلیل کے کالعدم سمجھا گیا تو اب دوسرا مخرج کہاں جو نون خفی کو حرف فرعی کہا جاوے۔ اور اگر اعتماد مابعد کے حرف پر صحیح ہوتا تو ''**لم يقع بين مخرجين**'' نہ لکھتے؛ بلکہ ''وقع بین مخرجین'' لکھتے۔ اور نون کو حرف فرعیہ میں داخل کرتے؛ کیونکہ نون خفی کے لئے ایک مخرج تو خیشوم تھا ہی۔ دوسرا حرف مابعد کا مخرج ہو جاتا، پس حرف فرعی کی تعریف ''**ما تردد بين المخرجين**'' صادق ہو جاتی۔

سوال: (۲۶۶): قدیم ۱/۳۳۳- (ج) چونکہ یہ ثابت ہو گیا کہ نون خفی کا مخرج خیشوم ہے۔ اور زبان کو بھی دخل ہے تو حرف فرعی کی تعریف ''**ما تردد بين المخرجين**'' تو صادق آگئی، تو پھر حلبی اور ملا علی قاریؒ نے ''**لم يقع بين مخرجين**'' کیوں لکھا؟

....

(۱) نهاية القول المفيد في علم التجويد، الباب الأول، الفصل الأول: في بيان ما يتعلق بمخارج الحروف الخ، المكتبة العلمية لاهور، ص: ۳۷۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جواب: یہ ہے کہ یہاں صفت محذوف ہے، یعنی ''**لم یقع بین مخرجین متغائرین حرفاهما**'' اور حرف مابعد کے اعتماد یعنی مثل سنگ کی ادائیگی پر صادق آوے گا ''**وقع بین مخرجین متغائرین حرفا هما**'' اور ''**وقوع بین مخرجین متغایرین حرفا هما**'' کو لازم ہے تردد بین المخرجین جیسا کہ الف ممالہ صاد مشممہ ہمزہ مسہلہ ہوتا ہے؛ حالانکہ یہ علم ہو چکا کہ نون خفی میں دوسرے حرف کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ پس اسی واسطے حلبی نے اس کی فرعیت سے انکار کر دیا۔ لیکن چونکہ ملاعلی قاری نے حرف فرعی کی تعریف ہی دوسری لکھی ہے، یعنی ''**ما عدل عن مخرجه الأصلي أو الصفة الذاتية**'' (۱)۔ لہٰذا اس تعریف کے بموجب نون خفی و لام مفخم بھی فرعی ہی رہے گا۔

سادساً: یہ کہ حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی ''درۃ الفرید'' میں اخفاء کی تعریف وغیرہ کے بعد لکھتے ہیں کہ: "**ولا يخفى مافيه من اللطف و الدقة**" (۲)۔ اگر یہی اعتماد مابعد الحرف معتبر ہوتا یعنی مثل پنکھا وغیرہ کی ادا کے تو دقت کیا تھی دقت اس میں ہے کہ اظہار والا بھی اعتماد نہ ہو اور ادغام والا بھی اعتماد نہ ہو۔ علاوہ بریں شیخ کو اخفاء ہی کے لئے یہ کہنے کی کیا خصوصیت تھی جبکہ ادغام ناقص اور اخفاء میں کوئی فرق نہیں تھا۔

سابعاً: یہ کہ جمیع اہل فن سلفاً و خلفاً یہ لکھتے ہیں کہ مخفی میں تشدید نہیں ہوتی اور مدغم میں تشدید ہوتی ہے یہ فرق سب لکھتے ہیں۔ اور تشدید کی یہ تعریف کرتے ہیں: **هو شدة اتصال الحرفين مع امتزاجهما في السمع بحيث يرتفع اللسان ارتفاعًا واحدا** (۳)۔

اب ہم لوگ جو مابعد کے حرف پر زور دے کر اخفاء ادا کرتے ہیں۔ اس میں تشدید پیدا ہو جاتی ہے۔ اور تعریف مذکور صادق آ جاتی ہے۔ مگر تشدید ناقص جیسا کہ احطت اور بسطت کے ادغام میں تشدید ناقص ہوتی ہے۔ ثامناً یہ کہ مرعشی وغیرہ لکھتے ہیں کہ جو حروف اخفاء نون سے بعید المخرج ہیں ان میں نون اقرب الی الاظہار رہوگا۔ اور اقرب الی الاظہار جب ہی ادا ہوگا جب نون کو اپنے اصلی مخرج سے تعلق ہو۔ اور اعتماد زیادہ ہو حالانکہ اخفاء کی مروجہ ادا میں حرف فاء وقاف و کاف میں مخرج اصلی کو کچھ ذرہ بھر بھی دخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا

---

(۱) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۲) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۳) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

ان تمام ادلہ اور نقول سے یہ ثابت ہوگیا کہ یہ اعتماد مابعد الحرف اور اداء مروجہ باطل اور بے اصل ہے اور اس کے رواج کی وجہ محض مہرہ تجوید کی بے توجہی اور قلت ہے۔ دوسرے یہ ہے کہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ اصعب میں اسہل جذب ہوجاتا ہے کیونکہ طبیعت کا اہتمام اصعب کی طرف ہوتا ہے جس سے اسہل میں خرابی آجاتی ہے۔ تو چونکہ نون ساکن قبل حروف اخفاء ثقیل علی اللسان ہے۔ اس واسطے نون ساکن مابعد کے حرف میں جو سہل الخروج ہے جذب ہوجاتا ہے۔ لہٰذا یہ اعتماد مابعد الحرف مروج ہوگیا۔

سوال: (۲۶۶): قدیم ۱/۳۴۴-(د) اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ اخفاء کی تعریف ہے: ''حالة بين الإظهار والإدغام عار من التشديد'' اور بینیتہ جب ہی ہوگی جب مابعد سے بھی لگاؤ ہو؟

جواب: یہ ہے کہ ''عار من التشدید'' بمنزلۂ فصل کے ہے۔ اور اس لگاؤ یعنی اعتماد سے مثل ادغام ناقص کے ہوجاوے گا۔ جس میں کہ تشدید بھی ناقص ہوتی ہے۔ حالانکہ اخفاء میں کسی قسم کی تشدید بھی نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ نون مخفی ونون مدغم وغیرہ قسم ہیں نون مطلق کی اور مقسم کی قسموں میں تباین ہوتا ہے۔ اور اس اعتماد سے مخفی و مدغم بادغام ناقص میں مثل من يقول کے کچھ تھوڑا ہی سا فرق ہوتا ہے، جس سے ادغام کی تعریف صادق آجاتی ہے۔

حالت بین الاظہار والادغام کے معنی یہ لکھتے ہیں: ''لا إظهار فيه، ولا إدغام'' اظہار کے معنی ہیں اپنے مخرج اصلی اور صفات اصلیہ کے ساتھ ادا کرنا۔ اور ادغام کے معنی ہیں خلط حرف ''بحرف بحيث يرتفع اللسان ارتفاعا واحدا مع شدة الاتصال فيهما''. اور خلط کی تین صورتیں ہیں یا تو خلط ساتھ قلب ذات مع جمیع صفات کے ہوتا ہے۔ جیسے قل رب میں ہے یا قلب ذات مع بقاء صفت غنہ کے جیسے: من يقول و من وال میں ہے۔ یا خلط مع شدۃ اتصال ساتھ انعدام بعض صفت کے جیسے احطت میں ہوتا ہے۔ اب تعریف مذکور کا مطلب سمجھ لیجئے۔ اخفاء میں ذات نون کامل طور پر اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتی؛ اس لئے اظہار نہ ہوا۔ اور چونکہ کچھ مخرج کو بھی دخل ہے اور صفت غنہ بھی باقی ہے؛ لہٰذا کچھ اظہار بھی ہوا اور ادغام میں ستر ذات یا صفت کا ہوتا ہے اور یہ ستر اخفاء میں بھی ہے، مگر ادغام خلط اور شدۃ الاتصال کے ساتھ ہوتا ہے اور اخفاء میں یہ بات نہ ہونی چاہئے۔ لہٰذا اب اخفاء کی تعریف: ''بين الإظهار والإدغام'' بھی صادق آگئی۔ اور ''الإظهار والإدغام'' بھی صادق آگیا۔ اسی واسطے تو محققین نے

....

....

ادغام اخفاء کی یوں تفریق بیان کی ہے: "الإخفاء إخفاء حرف في نفسه عند غيره لا في غيره في نفسه" کے معنی "أي في مخرجه" اور "عند غيره" کے معنی "أي عند حروف الإخفاء لا غير" ۔ "لا في غيره" کے معنی "أي لا في مخرج غيره"۔ اور ادغام میں لکھتے ہیں: "هو إخفاء الحرف في غيره، أي في مخرج غيره" اس تفریق کے بعد معلوم ہو گیا کہ اعتماد مابعد سے لازم آوے گا: "إخفاء الحرف في غيره، وهذا خلاف ما صرحوا به".

سوال :(۲۶۶): قدیم ۱/۳۳۵-(ہ) دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام سخاویؒ و امام دانیؒ نے یاء اور واو میں ادغام ناقص کو لکھا ہے کہ حقیقت ادغام نہیں بلکہ وہ اخفاء ہے؟

جواب : یہ ہے کہ ان حضرات نے مطلقاً ادغام کی کہیں نفی نہیں کی بلکہ تمام کی نفی کی ہے؛ کیونکہ تیسیر میں لکھتے ہیں:

والباقون يدغمون فيهما، أي في الواو والياء لكن القلب الصحيح ممتنع فيهما. (۱)

اس آخری جملہ سے معلوم ہو گیا کہ نفی قلب کامل کی ہے۔ باقی ادغام ناقص کو اخفاء لکھنا اس کا یہ منشاء ہے کہ اخفاء کی تعریف ہے: "حالة بين الإظهار والإدغام" اس تعریف سے اخفاء اور ادغام میں جو کہ باہم قسیم ہیں؛ چونکہ قدر مشترک ثابت ہوتی ہے؛ لہٰذا ایک کا دوسرے پر اطلاق کر دیا گیا۔ ورنہ حقیقتاً دونوں جُدا جُدا مستقل ہیں۔ اور متبائن؛ کیونکہ اتنی عبارت بین الاظہار والا دغام تو بمنزلہ جنس کے ہے اور اس سے آگے کی عبارت عار من التنشدید بطور قید کے جس کی دانیؒ وسخاویؒ نے بھی تصریح کی ہے، یہ بمنزلہ فصل کے ہے۔ اس قید سے اخفاء ادغام سے نکل جاتا ہے؛ بلکہ اخفاء اور ادغام کی تعریف جو اوپر بیان کی گئی ہے اس سے تو اخفاء ادغام ہے چاہے ناقص ہی کیوں نہ ہو۔ کچھ مناسبت ہی نہیں ہے، صرف لغوی معنی میں اشتراک ہے، یعنی محض مطلقاً استتار۔ اسی واسطے امام جزری اور ملا علی قاریؒ وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ اطلاق دانی وسخادی کا ادغام ناقص کو اخفاء لکھنا صحیح نہیں ہے۔ یا یہ کہا جاوے کہ ان حضرات کی اصطلاح ہی جُدا ہے۔ جیسا کہ لکھتے ہیں: "الإخفاء ما بقيت معه الغنة" ۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے حرف کا جہاں کچھ اثر باقی رہے وہ اخفاء ہے، مگر پھر تفصیل بھی ان ہی کے اقوال سے ثابت ہوتی ہے کہ اخفاء کے اقسام میں کہیں بلا قلب وخلط

....

(۱) کتاب دستیاب نہ ہو سکی۔

وبلا تشدید جیسا کہ حروف اخفاء میں ہوتا ہے۔ اور کہیں مع القلب والخلط والتشدید مع الغنہ جیسا کہ من یقول اور من وال میں ہوتا ہے۔ اور کہیں خلط بلا قلب مع التشدید جیسا کہ احطت میں ہوتا ہے۔ اب ان ہی کی تفصیل سے واضح ہوگیا کہ ادغام ناقص اور اخفاء دونوں غیر ہیں۔ اور وہ اطلاق محض اصطلاحی ہے۔

حاصل ساری تحریر کا یہ ہے کہ نون مخفاۃ نون مظہر کے مخرج سے ساتھ قرع ضعیف کے ادا کیا جائے اور مابعد کے حرف کا اس میں شائبہ بھی نہ ہو نہ اُس کے مخرج پر اعتماد ہو۔ وآخر دعوانا أن الحمدلله ربّ العلمین. عبداللہ مرادآباد مدرسہ امدادیہ لمنتصف ۱۳۴۵ھ فقط

تصدیق از استاذ الاساتذۃ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب الہ آبادی

ان هذا لهو الحق، والحق أحق أن يتبع عبد الرحمن بن محمد بشير خان الإلٰه آبادي

(تمته خامسه ص: ۲۶۰)

''جمال القران'' اور ''زینۃ القاری'' کی عبارتوں میں ظاہری تعارض کا دفعیہ

سوال (۲۶۷): قدیم ۱/ ۳۳۷-(الف) ''جمال القرآن'' صفحہ: ۲۰، قاعدہ: ۴۵؍ میں لکھا ہے: نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حرف باء آوے تو اس باء کو میم سے بدل کر الخ۔ پس اگر باء کو میم سے بدل دیا جاوے تو ''من بعد'' سے ''من معد'' ہو جاوے گا۔ اور کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حرف باء آوے تو اس نون ساکن اور تنوین کو میم سے بدل دیا جاوے تو اس صورت میں ایسا ہوگا، یعنی ''من بعد'' سے ''مم بعد'' ہو جائے گا۔ آیا عبارت جمال القرآن کی صحیح ہے۔ یا میری کم فہمی کے سبب سمجھ میں نہیں آتا؟

الجوب: واقعی جمال القرآن کی عبارت میں لغزش ہوئی۔ یوں لکھنا چاہیے تھا کہ اس نون کو میم سے بدل کر: ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (ترجیح خامس ص:۲)

سوال (۲۶۷): قدیم ۱/ ۳۳۷-(ب) گزارش یہ ہے کہ احقر نے رسالہ ''زینت القاری'' اُردو کا مطالعہ کیا۔ بعض مضامین رسالہ ''جمال القرآن'' کے خلاف پائے۔ لہٰذا جناب والا سے

....

....

استفسار کرتا ہوں۔ اُمید کہ جواب شافی سے ممنون فرماویں گے۔ فی الحال صرف تین سوال ارسال خدمت ہیں؛ چونکہ جناب کا قاعدہ مقررہ ہے کہ دو تین سوال سے زائد ایک بار میں دریافت نہ کئے جاویں؛ لہٰذا باقی سوال آئندہ انشاء اللہ ارسال کروں گا؟

الجواب: السلام علیکم! چونکہ فن قراءت کے متعلق سوالات تھے؛ اس لئے میں نے جواب کے لئے قاری محمد یامین صاحب مدرس مدرسہ ہذا کے سپرد کردیئے، چنانچہ ذیل میں منقول ہیں۔

سوال (۲۶۷): قدیم ۱/۳۳۸- (ج) ''جمال القرآن'' میں لحن جلی کی صورتوں میں سے ایک یہ لکھی ہے کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیا۔ اور لحن خفی کی تعریف میں لکھا ہے کہ حرفوں کے حسین ہونے کے جو قاعدے مقرر کئے ہیں، اُن کے خلاف پڑھنا (صفحہ: ۳ و ۴ لمعہ ۲) اور ''زینت القاری'' میں صورت مذکورہ کو لحن جلی میں نہیں لکھا؛ بلکہ یہ لکھا ہے کہ لحن جلی کہتے ہیں: اعراب چُوکنے کو یا لفظ میں اُس کے اصل سے کچھ زیادہ کم کرنے کو۔ اور لحن خفی کہتے ہیں: حرف کے مخرج چھوڑنے کو، اس طرح پر کہ حرف اپنے مخرج سے نہ ادا ہو۔ انتہی (ص: ۱۰، مطبوعہ مجیدی کانپور)

پھر بعض مشتبہ الصوت حروف کی مثالیں لکھی ہیں۔ پس مشتبہ الصوت میں ایک کی جگہ دوسرا پڑھنے سے ''جمال القرآن'' کے مطابق لحن جلی ہوگا۔ اور ''زینت القاری'' کے مطابق خفی اور خلاف قواعد حسن پڑھنے کو لحن نہیں لکھا۔ سو محقق امر سے مطلع فرمادیں؟

الجواب: امر ظاہر و مسلم ہے کہ متعارض اقوال میں اسی قول کو ترجیح ہوگی جس کے مؤید و موافق علماء اکابر و سلف معتبرین کے اقوال ہوں۔ اس بناء پر ''جمال القرآن'' کا قول محقق اور درست معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ ملا علی قاری شارح ''مقدمۃ الجزریہ'' اور مرعشی صاحب ''جہد المقل'' یہ دونوں حضرات فن تجوید وقراءت کے بڑے محقق و ماہر و مستند و عالم اور مسلم ہیں۔ ان دونوں کے کلام کا خلاصہ لحن جلی و خفی کے متعلق ''نہایۃ القول المفید فی علم التجوید'' مطبوعہ مصر (کہ فن تجوید میں بہتر تصنیف ہے۔ اور مقبول و متداول بین القراء والمجودین ہے) صفحہ: ۲۲ میں اس طرح منقول ہے:

وهو (أي اللحن) نوعان: جلي، وخفي، ولكل واحد منها حد يخصه، وحقيقة يمتاز بها عن صاحبه، فأما الجلي فهو خطأ يطرأ على الألفاظ، فيخل بالعرف أعني عرف

....

....

القراء، و سواء اخل بالمعنى أم لم يخل، وإنما سمى جليًّا؛ لأنه يخل إخلا لا ظاهراً يشترك في معرفته علماء القراءة وغيرهم، وهو يكون في المبنى اوا لحركة أو السكون، والمراد من المبنى حروف الكلمة، ومن الخطأ فيه تبديل حرف بآخر كتبديل الطاء دالا بترك اطباقها واستعلا ئها أو تاء بتركهما وبإعطا ئها همسا، وأما اللحن الخفي فهو خطأ يطرأ على اللفظ فيخل بالعرف، ولا يخل بالمعنى، وإنما سمى خفيا؛ لأنه يختص بمعرفته علماء القراءة، وأهل الأداء، وهو يكون في صفات الحروف كذا اطلق لكن ينبغي أن يقيد الخطأ بمالا يؤدى إلى تبديل حرف بآخر كترك الإدغام، وأما إذا أدى إليه كترك الاطباق في الطاء، وترك استعلا ئها فهو من اللحن الجلي. (۱)

پس اس عبارت کا مدلول مطابق ہے ''جمال القرآن'' کی مدلول کے۔ دوسری بات یہ ہے کہ لحن جلی کی تعریف میں فیما بین ''جمال القرآن وزینت القاری'' کچھ تعارض نہیں؛ کیونکہ ''زینت القاری'' میں لحن جلی کی چار صورتوں میں سے تین بیان کی گئی ہیں اور ایک چھوٹ گئی، سوایک کے چھوڑ دینے سے تعارض نہیں ہوسکتا۔ اور لحن خفی کی تعریف خود مصنف زینت القاری مولانا کرامت علی صاحب جونپوری اپنے دوسرے رسالہ ''شرح ہندی جزری'' میں ''جمال القرآن'' کے مطابق بیان کرر ہے ہیں۔ ص:۲۴ پر لکھتے ہیں: دوسرا طور یہ کہ معنی نہیں بدلتا، جیسے باریک کو پر کیا یا پر کو باریک یا اظہار کے مقام میں ادغام کیا یا اخفاء کیا، اس کو لحن خفی کہتے ہیں۔ اس غلطی سے معنی تو نہیں بدلتے ،مگر قرآن کی رونق میں خلل ڈالتی ہے اور اس کی خوبی ودلچسپی کو کھودیتی ہے۔

سوال (۲۶۷): قدیم ۱/۳۳۹-(د) ''جمال القرآن'' میں ''ل''، ''ن''، ''ر'' کو ذلقیہ اور ظ، ذ، ث کو لثویہ لکھا ہے۔ (ص:۹، لمعہ۴) اور زینت القاری میں لکھا ہے حروف زلقیہ یعنی جو زبان کی تیزی سے یعنی نوک سے نکلتے ہیں ظ، ذ، ث اور لثویہ یعنی جو مسوڑھوں سے نکلتے ہیں ل، ز، ن انتہی (ص: ۱۸) یہ بالکل عکس ہے، سو کونسی بات ٹھیک ہے۔ تحریر فرمایا جاوے؟

....

(۱) نهاية القول المفيد في علم التجويد، الفصل الرابع في بيان اللحن الجلي و الخفي، وحدهما وحكمهما، مطبوعة المكتبة العلمية لاهور، ص: ۲۸ ۔شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: ''جمال القرآن'' کا قول ٹھیک ہے؛ کیونکہ فن تجوید وقراءت کتب متداولہ مذکورہ وشرح ملاعلی قاری علی المقدمۃ الجزریہ المسمی ''بمنح الفکریہ'' ودیگر کتب مستندہ زینت القاری کی موافقت نہیں کرتیں۔ غالبًا ناسخین کی یہ غلطی معلوم ہوتی ہے۔اور''جمال القرآن'' کا قول کتب تجوید کے موافق ہے۔فظهر الأمر للمقدمة المذكورة.

سوال (۲۶۷): قدیم ۱/۳۴۰- ''جمال القرآن''میں راء کی صفت تکریر کے متعلق لکھا ہے کہ اس سے بچنا چاہیے۔اگر چہ اس پر تشدید بھی ہوالخ (ص:۱۷،لمعہ۵)اور''زینت القاری''میں لکھا ہے''ر'' کوایسا ادا کرے کہ اس کی صفت تکرار کی نہ جاتی رہے۔پُربھی ہواور صفت تکرار کی بھی باقی رہے۔خاص کر جب مشدد ہو۔(ص:۱۲) یہ صریح تعارض ہے،اُمید کہ جواب شافی سے جلد مشرف فرمائیں گے، تاکہ دوسرے سوالات جلد ارسال خدمت کرسکوں۔

الجواب:''جمال القرآن'' کا قول محقق ہے۔

كما قال المحقق ملا علي في منح الفكرية على المقدمة الجزرية المطبوعة في مصر، ص:۲۳. ما نصه في شرح قول المتن وبتكرير جعل، والمعنى أن الراء يوصف بالتكرار أيضًا، كما وصف بالإنحراف والتكرار إعادة الشيء، وأقله مرة على الصحيح، ومعنى قولهم أن الراء مكرر هو أن الراء له قبول التكرار لارتعاد طرف اللسان به عند تلفظه. كقولهم لغير الضاحك إنسان ضاحك يعنى أنه قابل للضحك، وفي الجعل إشارة إلى ذلك، ولهذا قال ابن الحاجب لما تحسه من شبه ترديد اللسان في مخرجه، وأما قوله: ولذلك جرى مجرى حرفين في أحكام متعددة فليس كذلك، بل تكريره لحن فيحب معرفة التحفظ عنه للتحفظ به، وهذا كمعرفة السحر ليجتنب عن تضرره، وليعرف وجه رفعه قال الجعبرى، وطريقة السلامة أن يلصق اللا فظ ظهر لسانه با على حنكه لصقا محكما مرة واحدة، ومتى ارتعد حد ث في كل مرة راء قال مكي: لابد في القراء ة من إخفاء التكرير، وقال

....

....

واجب على القاري: أن يخفى تكريره، ومتى أظهر فقد جعل من الحرف المشدد حرفًا، ومن المخفف حرفين (۱)۔انتہیٰ. واللہ تعالیٰ اعلم

(ترجیح خامس ص ۱۰۵)

سورۂ فاتحہ میں لفظ ’’الصراط‘‘ کی قراءت کی تحقیق

سوال (۲۶۸): قديم ۱/۳۴۰- احقر اس وقت تیسیر کا مطالعہ کررہا تھا۔ایک مقام میں شک واقع ہوا۔فدوی نے اس مقام کو وجوہ المثانی میں نکال کر دیکھا؛ لیکن اطمینان نہیں ہوا، اس وجہ سے حضور کی خدمت میں عرض ہے کہ حضور والا جواب تحریر فرمائیں کہ کس عبارت پر عمل کیا جاوے؟ شک یہ ہے: مطلب عبارت ’’تیسیر الصراط‘‘ میں خلف الصاد کو باشمام الزائے پڑھتے ہیں اور خلاد بھی خاص سورۂ فاتحہ میں صاد کو باشمام الزائے پڑھتے ہیں، مطلب عبارت ’’وجوہ المثانی الصراط‘‘ میں صاد کو خلف باشمام الزائے پڑھتے ہیں اور قنبل بالسین اور باقی قراء صاد خالص پڑھتے ہیں۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلاد بھی اس کو صاد پڑھتے ہیں؛ حالانکہ خلاد خاص کر اس میں اشمام بالزائے کرتے ہیں۔یعنی سورۂ فاتحہ میں۔امید کہ حضور جواب باصواب سے معزز وممتاز فرمائیں گے۔

الجواب: میں نے مکررہ سے یہ رسالہ مرتب کیا ہے۔اس وقت میں نے اس کی طرف مراجعت کی۔ معلوم ہوا کہ اس کی عبارت میں اس وقت غور سے کام نہیں لیا گیا تھا۔اس کا اور تیسیر کا ایک ہی مطلب ہے۔ چنانچہ میرے رسالہ ’’تنشیط‘‘ میں تیسیر کے موافق ہے۔اب اس کی عبارت میں اس طرح ترمیم کرتا ہوں:

قوله تعالىٰ: الصراط الأول المعروف فيه قراءة الأولى بالإشمام، وهو أن ينطق القاري بحرف متولد بين الصاد والزاء لحمزة، والثانية بالسين لقنبل كجميع القران، والثالثة بالصاد الخالصة للباقين كالجميع قوله تعالى: صراط الثاني المنكر فيه قرائتان الأولى بالإشمام لخلف كجميع القران، والثاني بالسين لقنبل كما ذكر، والثالثة بالصاد الخالصة للباقين. (ومنهم خلاد)

....

(۱) المنح الفكرية على المقدمة الجزرية، قبيل مطلب بيان تحتم الأخذ بالتجويد، مكتبه ارگ بازار قندهار افغانستان، ص: ۱۸۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اگراس عبارت میں بھی شبہ ہوتو میں زیادہ غور کر کے مکرر درست کردوں۔ اگر شبہ نہ ہوتو حاجت جواب نہیں۔ مکرر آنکہ سوال کی عبارت قابل توضیح ہے، اس طرح قولہ خلاد بھی خاص سورۂ فاتحہ کے لفظ الصراط بلام التعریف میں الخ۔ وکذا قولہ: حالانکہ خلاد خاص کراس میں الی قولہ یعنی سورۂ فاتحہ میں الخ۔ یہ اس طرح ہونا چاہیے خاص کراس میں یعنی سوۂ فاتحہ کے الصراط اول میں۔

۲۴؍رجب ۱۳۳۵ھ (ترجیح خمس ص ۲۲)

صفت مزلقہ اور مصمتہ کی تحقیق

سوال (۲۶۹): قدیم ۱/۳۴۲- بفضلہ تعالیٰ ''جمال القرآن'' کا ترجمہ سندھی زبان میں کر چکا ہوں۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس کے فضل سے چھپنے کا بھی بندوبست ہو جاوے گا۔ ''جمال القرآن'' کے ص: ۱۵؍صفت ۱۰؍میں ارقام ہے کہ (مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ وہ حروف زبان اور ہونٹ کے کنارے سے نہ ادا ہوں گے۔ اور مزلقہ کے سوا سب حروف مصمتہ ہیں) معروض یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ حروف مصمتہ میں زبان اور ہونٹ کے کنارے کا دخل نہ ہوگا؛ حالانکہ اوپر ص: ۹؍میں مرقوم ہے کہ (مخرج ۱۳ ظا اور ذال اور ثاء کا ہے۔ اور وہ زبان کا کنارہ اور ثنایا علیا کا سرا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ مخرج ۱۳؍میں زبان کے کنارہ کا دخل ہے؛ حالانکہ یہ حروف مصمتہ ہیں نہ مزلقہ۔ حضرت یہ میرا شبہ صحیح ہے۔ یا غلط میری اصلاح فرمادیں؟

الجواب: مجھ کو (*) اس فن کے مسائل مستحضر نہیں۔ کہیں سے دیکھ کر لکھا ہوگا۔ آپ کسی ماہر سے مستقل تحقیق کر کے اسی کو اصل سمجھیں۔ (ترجیح خامس، ص: ۸۳)

(*) سائل کا شبہ صحیح ہے ''جمال القرآن'' میں صفت اصمات کے بیان میں تسامح ہوا تھا، بعد میں اصلاح کردی گئی ہے، اب ''جمال القرآن'' کی عبارت اس طرح ہے: ''مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ یہ حروف اپنے مخرج سے مضبوطی اور جماؤ کے ساتھ ادا ہوتے ہیں، آسانی اور جلدی سے ادا نہیں ہوتے۔ اور مزلقہ کے سوا سب حروف مصمتہ ہیں''۔ (جمال، ص: ۱۵) ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

سورۂ توبہ کے شروع میں بسملہ کی تحقیق

سوال (۲۷۰): قدیم ۱/۳۴۲- سیدی ومولائی دام ظلکم العالی! السلام علیکم۔ عرض یہ ہے کہ جناب نے ترک بسملہ کو ابتداء تلاوت برأت سے ہو ''اغلاط العوام'' میں داخل کیا ہے۔ اور مکررہ میں ہے:

وأجمع القراء على ترك البسملة في أول براء ة سواء ابتدأ بها أو وصلها بالأنفال.

(۱) ایسا ہی شاطبیہ میں ہے؛ لہٰذا جناب کے قول اور مکررہ میں جو صورت تطبیق ہو، تحریر فرمائیں؟

الجواب: واقع میں ان دونوں قولوں میں تطبیق نہیں ہوسکتی، مگر یہ مسئلہ فن قراءت کا نہیں؛ اس لئے میرے نزدیک اس میں قاری کا قول حجت نہیں۔ قواعد فقہیہ (*) کا مقتضا میرے نزدیک وہی ہے جو میں نے لکھا ہے (۲)۔ واللہ اعلم

(*) یعنی تلاوت کے شروع میں بسم اللہ برکت کے لئے پڑھی جاتی ہے؛ لہٰذا جس طرح سورۂ برأت کی درمیان کی آیتوں سے تلاوت شروع کرتے وقت بسم اللہ برکت کے لئے پڑھتے ہیں، اسی طرح سورۂ برأت کے شروع سے تلاوت شروع کریں تو بھی برکت کے لئے بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔

تكره (أي البسملة) ...... في أول سورة براء ة إذا وصل قراء تها بالأنفال، كما قيده بعض المشايخ. اهـ (ردالمحتار اول، ص: ۸ في تتمة الكلام حول الحمدلة، تقديم المؤلف حول البسملة والحمدلة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۸۰، كراچی ۱/ ۹)

جو لوگ منع کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اس سورت کے شروع میں بسم اللہ لکھی ہوئی نہیں ہے، پس اگر پڑھیں گے تو رسم واجماع کے خلاف ہوگا؛ لیکن مجوزین کی دلیل قوی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

---

(۱) المكرره فيما تواتر من القراء ات السبع، باب البسلمة، مطبوعه دارالكتب الغريبة الكبرى بمصر ص: ٦، شاطبية المسمى بحرز الأماني ووجه التهاني في القراء ات السبع، باب البسملة، مكتبه صوت القرآن ديوبند ص: ۱۷۔

(۲) حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سوال پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا جواب ذیل میں درج کیا جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عباس قال: قلت لعثمان بن عفان: ما حملكم إن عمدتم إلى الأنفال وهي من الثماني وإلى براء ة وهي من المئين، فقرنتم بينهما ولم تكتبوا بينهما سطر بسم الله ←

بعد تحریر سطور ہذا ایک وجہ تطبیق کی جو مجھ کو بہت لطیف معلوم ہوتی ہے خیال میں آگئی۔ وہ یہ کہ ابتداء بسورۃ توبہ میں بسم اللہ پڑھنے کی دو حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت ابتداء بمطلق القراءۃ کی، دوسری حیثیت ابتداء بالسورۃ کی۔ پس ''اغلاط العوام'' میں اول کا اثبات ہے۔ اور مکررہ وشاطبیہ میں ثانی کی نفی ہے۔ **فلا تعارض واللہ اعلم.** (ترجیح خامس ص١٠٣)

''بسم اللہ'' کے سورت کے جزو ہونے میں امام ابوحنیفہؒ اور امام عاصمؒ کے قول میں تعارض کا رفع

سوال (٢٧١): قدیم ١/٣٤٣- خاکسار نے ''الامداد'' میں ایک عبارت بعنوان سوال وجواب بسم اللہ کے بارے میں دیکھی تھی، جس کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بسم اللہ مبسملین کے یہاں جزو ہر سورت نہیں۔ اور شاطبی کا جو شعر ہے:

وبسمل بين السور تين بسنة ☆ رجال نموها دريته وتحملا (١)

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بسم اللہ مبسملین کے یہاں جزو ہر سورت ہے؛ بلکہ یہ ثابت ہوتا

....

← **الرحمن الرحيم، ووضعتموها في السبع الطوال ما حملكم على ذلك؟ فقال عثمان: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم مما يأتي عليه الزمان وهو ينزل عليه السورة ذوات العدد، فكان إذا نزل عليه الشيء دعا بعض من كان يكتب فيقول: ضعوا هؤلاء الآيات في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا، فإذا نزلت عليه الآية فيقول: منعوا هذه الآية في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا، وكانت الأنفال من أوائل ما نزلت بالمدينة، وكانت برأة من آخر القرآن، وكانت قصتها شبيهة بقصتها فظننت أنها منها، فقبض رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يبين لنا أنها منها، فمن أجل ذلك قرنت بينهما ولم أكتب بينهما سطر بسم الله الرحمن الرحيم، ووضعتها في السبع الطوال.** (ترمذي شريف، أبواب التفسير، سورة التوبة، النسخة الهندية ٢/ ١٣٩، دارالسلام، رقم: ٣٠٨٦)

(١) شاطبية المسمى بحرز الأماني ووجه التهاني في القراءات السبع، باب البسملة، مكتبه صوت القرآن ديوبند ص: ١٧ ـ

ہے کہ انہوں نے ہر سورت کے پہلے بسم اللہ پڑھی ہے۔ بے شک یہ تو صحیح ہے؛ لیکن شاطبی پشاوری جس کے حاشیہ پر دو شرحیں چڑھی ہیں منجملہ اُن کے شرح ''کنز المعانی'' بھی ہے۔ ''کنز المعانی'' کے صفحہ: ۳۸ پر اسی شعر کی شرح کی ہے:

ثم المبسملون بعضهم عدها آية من كل سورة سوى براءة، وهم غير قالون، وعدها حمزة من التاركين آية من الفاتحة فقط (۱)۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے ابن کثیر اور امام عاصم اور امام کسائی کے یہاں بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے۔ جناب اس تحریر کا جواب فرماویں؟

الجواب: مجھ کو بھی اس عبارت سے اپنے جواب میں تردد واقع ہو گیا۔ اور جس سوال کا میں نے جواب دیا تھا، وہ پھر محتاج جواب ہو گیا۔ میرے پاس نہ کتب ہیں، نہ وقت۔ دوسرے علماء وقراء سے رجوع کیا جاوے۔ اور کوئی شافی جواب ملے۔ بشرط مہلت مجھ کو بھی اطلاع دیجئے میں اپنے کسی رسالے میں نقل کر دوں گا۔ ایک توجیہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ: وہ سورت کے ساتھ بسم اللہ پڑھنا نہ پڑھنا تو روایت کے متعلق ہے۔ اور جزو ہونا نہ ہونا اجتہاد کے متعلق ہے۔ روایت میں عاصم کا قول حجت ہوگا۔ اور اجتہاد میں امام صاحبؒ کا، پس میرا اصلی جواب سالم رہا۔ ۱۲ اشوال ۱۳۳۹ھ

مخدوم مکرم: دامت فیوضہم بعد سلام بصد تعظیم کے عرض یہ ہے کہ والا نامہ صادر ہوا۔ جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث انصاری پانی پتی تسمیہ کے بارے میں ائمہ فقہ کے اقوال نقل کر کے یوں لکھتے ہیں: ''وہمہ اقوال حق اند واز قبیل اختلاف قراءت ہستند''۔ اور اسی عبارت پر خود ہی منہیہ لکھتے ہیں وہ یہ ہے: ''بدانکہ چوں در جزو بودن ونبودن بسم اللہ از ہر سورت اختلاف قراءت است، پس بر قاری قراءۃ مبسملین در تراویح قراۃ بسملہ برسر ہر سورت جہرا واجب شد والا ترک یک صد چہاردہ آیت در ختم لازم آید۔ وآں جائز نیست ومعمول دیار حنفی المذہب برخلاف آن است، پس سبب اہل ترک وغفلت معلوم نیست۔

اور دوسرے رسالہ میں جو خاص اس مسئلہ میں ہے یوں لکھتے ہیں: تسمیہ کا مسئلہ اجتہادی بھی نہیں چونکہ منصوصات میں اجتہاد جائز نہیں؛ لہٰذا ہم چونکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مقلد مسائل اجتہادیہ میں ہیں نہ

....

(۱) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مسائل منصوص میں، تو ہم کو اس بات کا قائل ہونا پڑا کہ ہم مسائل فقہیہ میں تو امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں؛ کیونکہ وہ امام اور مجتہد مطلق تھے اور قراءت میں مقلد ائمہ قرآن اور راویان قراءت کے ہیں؛ کیونکہ وہ ہر ہر حرف اور ہر ہر نقطہ کی سند متصل اور متواتر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک رکھتے ہیں۔ اور قراءت میں ابوحنیفہ علیہ الرحمہ بھی مقلد راویان قرآن کے تھے۔ اور احتمال اجتہاد اس مسئلہ میں قابل پذیرائی نہیں ہوسکتا۔ اور آگے جاکے لکھتے ہیں: دلائل مبسملین اور تارکین دونوں کے احادیث صحیحہ ہیں۔ یہاں اجتہاد کا کیا دخل ہے؟ دونوں قرآن میں اجتہاد کو دخل نہیں دیتے اگر دخل دیتے ہیں تو بتلاؤ نشان اجتہاد عاصمؒ اور ابوحنیفہؒ کا اگر اجتہاد سے مراد فرض وتحسین ہے تو مقبول نہیں ہوگا۔ اور اگر مراد قیاس فقہی ہے تو یہاں مقیس اور مقیس علیہ اور وصف مشترک اور نص اور پر علیۃ وصف اشتراک کے کیا ہے۔ انتہی۔

الجواب: في غيث النفع بعد نقل بعض الاختلافات في البسملة تحت عنوان البسملة، وسورة الفاتحة: مانصه وأيضا فإن المحققين من الشافعية، وعزاه الماوردى إلى الجمهور على أنها آية حكما لا قطعا، قال النووي: والصحيح أنها قرآن على سبيل الحكم، ولو كانت قرآنا على سبيل القطع لكفرنا فيها، وهو خلاف الإجماع، وقال المحلي عند قول المنهاج: فقههم والبسملة منها، أي من الفاتحة عملا؛ لأنه صلى الله عليه وسلم عدها آية منها صححه ابن خزيمة والحاكم لا تصح صلٰوة من لم يأت بها في أول الفاتحة، وهو نظير كون الحجر من البيت، أى في الحكم باعتبار الطواف والصلٰوة فيه لا له باعتبار أنه من البيت إذ لم يثبت ذلك بقاطع، وإذا قلنا: إنها آية قطعاً لا حكما كما هو ظاهر عبارة ابن كثير، فيكون من باب اختلاف القراء في إسقاط بعض الكلمات واثباتها، وكل قرأبما تواتر عنده، والفقهاء تبع للقراء في هذا، وكل علم يسأل عنه أهله، والمسئلة طويلة الذيل، وما ذكرناه لب كلامهم وتحقيقه. ص: ١٩ (١)۔

....

(١) غيث النفع في القراءات السبع، باب البسملة وسورة الفاتحة، مكتبه دارالعلوم فلاح دارين گجرات، ص: ٢٢ ۔

شبیر احمد قاسمی عفااللہ عنہ

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ میرا قول بھی گنجائش رکھتا ہے اور قاری صاحب کا بھی، دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ اگر قاری صاحب کے سب مقدمات تسلیم کر لئے جاویں تو تراویح کی کیا تخصیص ہے یہ مقدمات تو قراءت فی الفرض میں بھی جاری ہیں، تو کیا احناف وجوب جہر بالبسملۃ فی الفرائض کا التزام کریں گے؟۔ ۲۰ شوال ۱۳۳۹ھ (ترجیح خامس ص ۱۱۹)

سوال (۲۷۲): قدیم ۱/۳۴۶ - ایک امر قابل دریافت ہے، وہ یہ کہ ''باب البسملۃ'' میں امام عاصم کے نزدیک بین السورتین بسملہ ضروری ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں تراویح کے اندر ہر سورت پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی تو اب اس صورت میں بروایت حفص عن العاصم الکوفیؒ ختم کلام مجید پورے طور پر کیوں کر ہوگا؛ اس لئے بسم اللہ ایک غیر معین سورت کے اول میں پڑھی جاتی ہے اور باقی ایک سو تیرہ سورت کے اول میں نہیں پڑھی جاتی ختم کلام مجید میں امام عاصمؒ کے قول پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اور اگر امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر عمل کیا جائے تو ختم کلام مجید ناقص ختم ہوتا ہے خارج از نماز امام عاصمؒ کے قول پر عمل کرنے میں کوئی دشواری نہیں اندر نماز کے بسم اللہ پڑھنا احناف کے کے نزدیک پکار کر ہر سورت کے شروع میں جائز ہے یا نہیں؟ اگر احناف کے نزدیک جائز ہے تو اس پر عمل کرنا فی زمانناکوئی حرج تو نہیں؟

الجواب: بسم اللہ کے باب میں ایک مسئلہ قراءت کے متعلق ہے اور ایک فقہ کے متعلق۔ عاصمؒ کا قول اول مسئلہ کی تحقیق ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا قول دوسرے مسئلہ کی تحقیق حاصل مسئلہ اولیٰ کا یہ ہے کہ گو بسم اللہ سورت کا جزو نہ ہو، مگر باوجود عدم جزئیت روایۃً اُس کا پڑھنا ہر سورت پر منقول ہے۔ پس اگر کوئی شخص ہر سورت پر نہ پڑھے تو اس کی قراءت اُس روایت کے موافق نہ ہوئی، گو کوئی جزو متروک نہ ہوا ہو، جب کہ کم از کم ایک سورت پر پڑھ لے۔ اور دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گو روایۃً ہر سورت پر بسم اللہ منقول ہو؛ لیکن ہر سورت کا جزو نہیں ہے؛ بلکہ جزو مطلق قرآن کا ہے، اگر ایک جگہ بھی پڑھ لے تو قرآن پورا ختم ہو جاوے گا، گو اُس روایت کے موافق اس کی قراءت نہ ہو، پس امام عاصمؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے قول میں کوئی تخالف نہیں؛ کیونکہ دونوں کی نفی اور اثبات کی حیثیتیں جُدا جُدا ہیں اور حیثیات کے بدلنے سے تعارض جاتا رہتا ہے، یہ جب ہے کہ ہر سورت پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحبؒ کے بھی خلاف نہیں؛ کیونکہ امام صاحبؒ تسمیہ کو ہر سورت پر ضروری نہیں کہتے، یہ نہیں کہ جائز نہیں

....

....

کہتے۔ درمختار یا ردمحتار میں ہر سورت پر تسمیہ کو حسن کہا ہے (۱)۔ رہا ہر جگہ پکار کر پڑھنا یہ بلا شبہ احناف کے خلاف ہے اور امام عاصمؒ بھی جہر کو ضروری نہیں کہتے صرف تسمیہ کو ضروری کہتے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

۶/ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد، ا ص ۷۲)

....

(۱) **ولا تسن بين الفاتحة والسورة مطلقا ولو سرية، ولا تكره اتفاقا.** (درمختار) **وفي الشامية قوله: ولا تكره اتفاقا، ولهذا صرح في الذخيرة والمجتبى: بأنه إن سمى بين الفاتحة والسورة المقروءة سرا أو جهرا كان حسنا عند أبي حنيفة، ورجحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبي لشبهة الاختلاف في كونها آية من كل سورة.** (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب: قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١٩٢، كراچى ١/ ٤٩٠)

''بدائع'' اور ''تاتارخانیہ'' اور ''محیط برہانی'' میں واضح الفاظ کے ساتھ اس بات کی صراحت موجود ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مسنون اور مستحب ہے؛ لیکن سراً پڑھنا مستحب ہے، جہراً نہیں۔ ملاحظہ ہو:

ثم يخفى بسم الله الرحمن الرحيم، وقال الشافعي: يجهر به الخ. (بدائع الصنائع، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٤٧٤)

وينبغي على هذا أنه لا يجهر بالتسمية في الصلاة عندنا؛ لأنه لا نص في الجهر بها الخ. (بدائع الصنائع، زكريا ١/ ٤٧٧، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٢)

وأما سنن الصلاة: والتسمية والإخفاء بها. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، سنن الصلاة، زكريا ٢/ ١٣٤، رقم: ١٩٥٥)

وأما المخافتة في بسم الله الرحمن الرحيم في أوائل السور فهو عند أصحابنا رحمه الله تعالىٰ، وهو قول الثوري. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني: في الفرائض الخ، المجلس العلمي ٢/ ٤٢)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۵ / بابُ الإمامة و الجماعة

دوہرے فرش پر نماز اور امام کی موجودگی میں نو وارد عالم کا نماز پڑھانا

سوال (۲۷۳): قدیم ۱/ ۳۴۷- کیافرماتے ہیں علماء شرع متین ان مسئلوں میں:

(۱) کہ مسجد میں اگر دوہرا فرش مع مقتدیوں و امام کے ہو تو درست ہے یا نہیں؟

(۲) ایک امامِ جامع مسجد ہے اور وہ نماز کے فرائض اور واجبات وسنن وشکستہ ہ (نوافل) وغیرہ بخوبی جانتا ہے اور قرآن شریف صحیح خواں ہے، مگر عالم نہیں۔ایک عالم وارد ہوا تو نماز وہ امام حی جو ہمیشہ قدیم سے موجود ہے پڑھاوے یا وہ عالم نو وارد پڑھاوے اور وہ عالم بلا اجازت امام حی کے نماز پڑھاوے درست ہے یا نہیں؟ اور نماز بغیر اجازت امام حی کے موجود ہوتے ہوئے عالم کو پڑھانی درست ہے یا نہیں؟ یا امام حی کو بلا اجازت عالم کے نماز پڑھانی درست ہے یا نہیں اور اس صورت خاص میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: للسؤال الأول. دوہرے فرش پر نماز درست ہے۔

وأن يجد حجم الأرض، درمختار، تفسيره: أن الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه أبلغ من ذلک فصح على طنفسة، وحصير، وحنطة، وشعير، وسرير. (طحطاوی جلد أول، ص: ۲۲۲)(۱)۔

....

---

(۱) طحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه كوئٹه ۱/ ۲۲۲۔

والأصل كما أنه يجوز السجود على الأرض يجوز على ما هو بمعنى الأرض مما تجد جبهته حجمه وتستقر عليه، وتفسير وجدان الحجم أن الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه أبلغ من ذلک، فيصح السجود على الطنفسة، والحصير، والحنطة، والشعير، والسرير. (البحر الرائق، الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۵۸، كوئٹه ۱/ ۳۱۹، شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۰۶، كراچی ۱/ ۵۰۰، هندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع: في صفة الصلاة، الفصل الأول: في فرائض الصلاة، قديم زكريا ۱/ ۷۰، جديد زكريا ۱/ ۱۲۷، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، باب شروط الصلاة وأركانها، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۲۳۰)

الجواب : لـلسؤال الثاني. صورت مذکورہ میں استحقاق امامت کا امام حی کو ہے، وہی نماز پڑھاوے اُس کو عالم کی اجازت کی کچھ حاجت اور ضرورت نہیں اور اُس عالم کو بغیر اجازت امام حی کے نماز پڑھانا نہ چاہیے۔ اور اگر پڑھاوے تو نماز جائز ہو جاوے گی (*)۔ باقی استحقاق امام حی کو ہے۔

في سنن أبي داؤد: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ولا یؤم الرجل في بیته، ولا في سلطانه، ولا یجلس علیٰ تکرمته إلا بإذنه. ص:۸۷ (۱)۔ وفیه أیضًا: قال علیه السلام: من زار قوما فلا یؤمهّم، ولیؤمهم رجل منهم. ص ۸۹ (۲)۔

دخل المسجد من هو أولی بالإمامة من إمام المحلة، فإمام المحلة أولیٰ، کذا في القنیة. (عالمگیری ص:۸۲) (۳)۔ **واللہ اعلم** (امداد، ص: ۱۷، ج: ۱)

فرض باجماعت نہ پڑھنے والے کا وتر کی جماعت میں شریک ہو جانا

سوال (**) (۲۷۴): قدیم ۱/ ۳۴۸- چہ حکم است اندریں صورت کہ دوسہ مردم

(*) یعنی مع الکراہت؛ البتہ اگر یہ امام حی قرآن غلط پڑھتا ہو اور عالم صحیح پڑھتا ہو تو امام حی کی امامت درست نہیں۔ اور وہ عالم پڑھاوے۔ ۱۲ منہ۔

(**) خلاصۂ سوال :- اگر دو تین آدمی فرض نماز ہو جانے کے بعد ایسے وقت مسجد میں آئیں کہ امام جماعت سے تراویح ادا کر رہا ہو تو وہ آنے والے فرض باجماعت ادا کریں یا فرض تنہا تنہا پڑھ کر تراویح کی جماعت میں شامل ہو جاویں؟ نیز وتر امام کے ساتھ پڑھیں یا تنہا، کیوں کہ ان لوگوں نے امام کے ساتھ فرض نماز کی جماعت نہیں پائی ہے؟ ←

(۱) أبوداؤد شریف، الصلاة، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندیة ۱/ ۸۶، دارالسلام، رقم: ۵۸۲ ـ

(۲) أبوداؤد شریف، الصلاة، باب إمامة الزائر، النسخة الهندیة ۱/ ۸۸، دارالسلام، رقم: ۵۹۶، ترمذي شریف، الصلاة، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندیة ۱/ ۵۵، دارالسلام، رقم: ۲۳۵، مسلم شریف، کتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندیة ۱/ ۲۳۶، بیت الأفکار، رقم: ۶۷۳ ـ

(۳) الفتاوی الهندیة، الصلاة، الباب الخامس: في الإمامة، الفصل الثاني: في بیان من هو أحق بالإمامة؟ قدیم زکریا ۱/ ۸۳، جدید زکریا ۱/ ۱۴۱ ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بعد ادائے نماز فرض کہ امام بجماعت تراویح مشغول است درآں مسجد حاضر شدند آں اشخاص نماز فرض بجماعت ادانمایند یا علیحدہ علیحدہ خواندہ شامل جماعت تراویح شوند وبازش نماز وتر رابامام بخوانند یا تنہا؛ چونکہ امام رابجماعت فرض نیافتہ است؟

الجواب: اگر دو سہ مردم بعد ادائے جماعت فرض کہ امام بتراویح مشغول است در مسجد آمدند فرادے فرادے فرض گذاردہ شامل امام شوند ونماز وتر بامام خوانند اگر چہ فرض بامام نیافتند۔

ولو تركوا الجماعة في الفرض لم يصلوا التراويح جماعة؛ لأنها تبع فمصليه وحده يصليها معه (درمختار) **أما لو صليت بجماعة الفرض، وكان رجل قد صلى الفرض وحده، فله أن يصلها مع ذلک الإمام.** (شامي، جلد اول ص٤٧٦) (۱)۔

ولو لم يصلها أي التراويح بالإمام أو صلاها مع غيره له أن يصلى الوتر معه بقى لو تركها الكل هل يصلون الوتر بجماعة فليراجع (درمحتار) **قوله: فليراجع قضية التعليل في المسئلة السابقة بقولهم لأنها تبع أن يصلى الوتر بجماعة في هذه الصورة لأنه ليس بتبع للتراويح، ولا للعشاء عند الإمام رحمة الله. انتهى** (چلپي طحطاوی مصری جلد اور ص:۲۹۷) (۲)۔

← **خلاصۂ جواب**:- وہ لوگ علیحدہ علیحدہ فرض نماز پڑھ کر امام کے ساتھ تراویح کی جماعت میں شامل ہو جائیں اور وتر امام کے ساتھ جماعت سے پڑھیں، اگر چہ انہوں نے فرض نماز کی جماعت نہیں پائی ہے (اس بارے میں مفصل بحث سوال نمبر:۲۷۸ میں آرہی ہے) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٤٩٩، كراچی ۲/ ٤٨۔

(۲) طحطاوي على الدرالمختار، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه كوئٹه ۱/ ۲۹۷۔

صلى العشاء وحده فله أن يصلي التراويح مع الإمام، ولو تركوا الجماعة في الفرض ليس لهم أن يصلوا التراويح بجماعة، وإذا صلى معه شيئا من التراويح أو لم يدرک شيئا منها أو صلاها مع غيره له أن يصلي الوتر معه هو الصحيح. (الهندية، الصلاة، الباب التاسع: فی النوافل، فصل: فی التراويح، قديم زكريا ۱/ ۱۱۷، جديد زكريا ۱/ ۱۷٦، البحرالرائق، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۲۳، كوئٹه ۲/ ۷۰، حلبي كبير، الصلاة، فصل: في النوافل، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٤۱۰)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ازیں روایت معلوم شد کہ ہرگاہ نماز تراویح کہ تابع فرض است متخلف جماعت فرض را بجماعت گزراردن جائزاست، پس وتر کہ نہ تابع تراویح ونہ تابع عشاء بجماعت گزاردن چگونہ روانہ باشد(*)۔

(امداص ۲۰ جلد ۱)

امام کے ایک طرف سلام پھیرنے کے بعد اقتداء کا حکم

سوال (۲۷۵): قدیم ۱/ ۳۴۹- زید بعد یک سلام امام کے شریک ہواتو باقی نماز کے واسطے کب کھڑا ہوکر شروع کرے اور بعد لفظ سلام کے شرکت جماعت کی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں شرکت امام کے ساتھ صحیح نہیں ہوئی۔ پس تحریمہ ازسرنو کہہ کر اپنی نماز تنہا پوری کرے۔ تحریمہ اولیٰ باطل ہوگیا؛ کیونکہ اقتداء موضع انفراد میں مفسد نماز ہے اور یہ موضع انفراد کا تھا

كما في الدرا لمختار في واجبات الصلوٰة: وتنقضی قدوة بالأول قبل عليكم على المشهور عندنا، وعليه الشافعية (١)۔ والله اعلم. (امدادص۲۱ ج۱)

(*) ونیز درصغیری بعبارت صریحہ ہمیں حکم مذکورست "**وهو هذا وإذ لم يصل الفرض مع الإمام قيل: لا يتبعه في التراويح، ولا في الوتر، وكذا لم يصل معه التراويح لا يتبعه في الوتر، والصحيح أنه يجوز أن يتبع في ذلک كله**". (صغیری مطبع مجتبائی دہلی، ص: ۲۱۰) ۱۲ منہ۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١٦٢، كراچی ١/ ٤٦٨ ـ

ولفظ السلام (أي من الواجبات) للمواظبة، وأفاد عليكم ليس منه كالتحويل يمينا وشمالا، ولذا لو اقتدى به بعد لفظ السلام قبل قوله: عليكم لا يصح. (النهر الفائق، الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ١٩٩)

و (من الواجبات) لفظ السلام، عندنا ...... وفيه إشارة إلى أن الواجب السلام فقط دون عليكم، وإلى أن لفظا آخر لا يقوم مقامه ولو كان بمعناه، وإلى أن المراد السلام الأول؛ لأنه يخرج عن الصلاة بتسليمة عند عامة العلماء. (مجمع الأنهر، الصلاة، باب صفة الصلاة، بيروت ١/ ١٣٣، البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٥٢٥، كوئٹه ١/ ٣٠١، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة ←

فاسق کے پیچھے پڑھی گئی نماز کا اعادہ نہ کرنا

سوال (۲۷۶): قدیم ۱/ ۳۵۰- ہماری کتب میں ہے کہ اگر فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی تو نماز کا اعادہ ضروری ہے؛ لیکن جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بلوہ ہوا اور حضرات صحابہ نے بلوائیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو حضرت عثمانؓ سے پوچھا تو آپ نے اجازت دی اور یہ نہیں فرمایا کہ پڑھ کے پھر اعادہ کرلیا کرو؛ حالانکہ بلوائیوں سے زیادہ اور کون فاسق اور بدعتی ہوگا، خصوصاً ایسے بلوائی جنھوں نے خلیفہ برحق امیر المومنین داماد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم داخل عشرۂ مبشرہ پر بلوی کیا ہو؟

الجواب: یہ روایت مجھ کو نہیں ملی (*) اگر حوالہ لکھا جاوے تو تحقیق کی جاوے؛ البتہ "درمختار" میں یہ قاعدہ لکھا ہے واجبات صلوٰۃ میں: **کل صلوٰۃ أدیت مع کراھة التحریم تجب إعادتها .**

(*) یہ روایت (بخاری شریف، النسخه الهندیه ۱/ ۹۶، رقم: ٦٨٦، ف: ٦٩٥، باب إمامة المفتون والمتبدع) میں ہے۔

ونصه عن عبید الله بن عدی بن خیار، أنه دخل علی عثمان – وهو محصور– فقال: إنک إمام عامة، ونزل بک ما نری، ویصلي لنا إمام فتنة، ونتحرج؟ فقال: الصلاة أحسن ما یعمل الناس، فإذا أحسن الناس فأحسن معهم، وإذا أساؤا فاجتنب إسائتهم. اھ۔

اس روایت کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ نظام جماعت معطل کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے پیچھے جن کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، نماز پڑھ لی جاوے۔ بخاری شریف کے دونوں شارح اس اثر سے یہی مسئلہ مستنبط فرماتے ہیں۔

وفیه أن الصلاة خلف من تکره الصلاة خلفه أولی من تعطیل الجماعة. اھ (عمدة القاري ۲/ ٧٦٤، مکتبه دار إحیاء التراث العربي ۳/ ۲۳۲، مکتبه اشرفیه دیوبند ٤/ ۳۲۳، فتح الباري، مکتبه دار الریان للتراث ۲/ ۲۲۲، مکتبه أشرفیه دیوبند ۲/ ۲٤۲)

اس اثر کا مسئلہ مبحوث عنہا سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

← مکتبه دارالکتاب دیوبند ص: ۲۵۱، الفقه الإسلامي وأدلته، الصلاة، الفصل الخامس: أرکان الصلاة، مکتبه هدی انٹرنیشنل دیوبند ۱/ ۷۱۲)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اور ''ردالمحتار'' میں اس کے عموم پر ایک قوی اعتراض (*) کر کے تصحیح کے لئے یہ توجیہ کی ہے:

إلا أن يدعى تخصيصها بأن مرادهم بالواجب والسنة التي تعاد بتركه ماكان من ماهية الصلوٰة وأجزائها. (۱)

پس صلوٰۃ خلف الفاسق ونحوہ میں اول تو کوئی امر اجزائے صلوٰۃ میں سے مختل نہیں ہوا؛ اس لیے قاعدہ وجوب اعادہ کا جاری نہ ہوگا۔ دوسرے انفراد سے ان کے ساتھ پڑھنا اولیٰ ہے اور اعادہ میں جو غالبًا علی الانفراد ہوگا اولیٰ سے غیر اولیٰ کی طرف آنا ہے۔

في الدر المختار: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة، وفي ردالمحتار: أفاد أن الصلوٰة خلفهما أولى من الإفراد (۲)۔ فقط

۲۷؍ محرم ۱۳۲۲ھ۔ (امداد ص: ۷۴ ج: ۱)

(*) اعتراض یہ کیا ہے کہ ''جماعت'' واجب یا کالواجب ہے؛ لہٰذا جس شخص نے تنہا نماز پڑھی ہو اس کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ اور '' درمختار'' کے قاعدہ کے موافق اس کا اعادہ ضروری ہوگا؛ حالانکہ فقہاء کی تصریح اس کے خلاف ہے؛ لہٰذا قاعدہ صحیح نہ رہا۔ علامہ شامیؒ نے تصحیح قاعدہ کے لئے جو توجیہ کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ''اعادۂ صلاۃ اس واجب یا سنت کے چھوڑنے سے ضروری ہوتا ہے جو نماز کی ماہیت میں داخل ہو اور جماعت چونکہ نماز کی ماہیت وحقیقت میں داخل نہیں ہے؛ بلکہ وصف خارجی ہے؛ اس لئے جماعت کے ترک سے اعادہ نہیں ہوگا''۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب: واجب الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۴۷-۱۴۸، كراچی ۱/ ۴۵۷ ۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۱، كراچی ۱/ ۵۶۲ ۔

وقال في مجمع الروايات: وإذا صلى خلف فاسق أو مبتدع يكون محرزا ثواب الجماعة لكن لا ينال ثواب من يصلي خلف إمام تقي (مراقي) وفي حاشية الطحطاوي: وفي السراج: هل الأفضل أن يصلي خلف هؤلاء أم الإنفراد؟ قيل: أما في الفاسق فالصلاة خلفه أولى ...... وجزم في البحر بأن الاقتداء بهم أفضل من الإنفراد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، فصل: في بيان الأحق بالإمامة، مكتبه دارالكتاب، ص: ۳۰۳، البحرالرائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۶۶۱، كوئٹه ۱/ ۳۴۸-۳۴۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

برے اخلاق وعادات والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے

سوال (۲۷۷): قدیم ۱/۳۵۱- ڈاڑھی منڈانا یا سود کھانا وغیرہ وغیرہ تو ایسے فسق ہیں کہ جو صورت دیکھتے ہی یا سننے یا معاملہ سے معلوم ہو جاتے ہیں، مگر اخلاق ذمیمہ، مثلاً: ریا، بخل، عجب، حسد، حُب جاہ، حُب مال، بغض وغیرہ کا پتہ دوسروں کو مشکلوں سے چلتا ہے اور یہ اخلاق ذمیمہ بھی یقیناً فسق ہیں، کیا اگر کسی شخص میں ان اخلاق ذمیمہ میں سے کوئی خلق ذمیم ہو اور کسی مقتدی کو اس کا پتہ چل جاوے تو مقتدی کو نماز کا اعادہ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اعادہ میں تو اوپر (*) کلام ہو چکا؛ البتہ کراہت کا سوال کرنا چاہیے، سو یہ صفات ذو وجہین (**) ہیں؛ اس لئے ان کے موصوف کا فسق یقیناً معلوم نہیں ہوسکتا ہے۔ اور اصل مؤمن میں عدم فسق ہے؛ لہٰذا اُن کی امامت مکروہ نہیں (۱)۔

۲۷ر محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۴۸ ج ۱)

(*) یعنی اوپر کے سوال کے جواب میں۔ ۱۲ منہ۔

(**) یعنی بعض صفات تو اپنے اندر مدح وذم کے دونوں پہلو رکھتی ہیں، مثلاً ریا، کہ کسی جگہ محمود ہے اور کسی جگہ مذموم، اسی طرح بغض لوجہ اللہ صفت محمود ہے اور لغیر اللہ صفت مذموم اور بعض صفات کے ڈانڈے صفات محمودہ سے ملے جلے ہیں، مثلاً بخل کے اقتصاد (خرچ میں میانہ روی) سے اور حسد کے غبطہ سے؛ اس لئے ان صفات کے بارے میں فیصلہ دشوار ہے اور ان صفات سے متصف شخص کا فسق یقینی طور پر معلوم نہیں ہوسکتا۔ ۱۲
سعید احمد پالن پوری

---

(۱) کسی کے پوشیدہ اخلاق کے بارے میں کھوج کھرید کرنا ممنوع ہے اور شریعت میں مؤمن کے بارے میں حسن ظن رکھنے کا حکم ہے؛ اس لئے اگر مذکورہ امام کے اندرونی اخلاق برے ہیں جن پر وہ خود واقف ہے، دوسرے لوگ اس کی تحقیق کے مکلّف نہیں؛ بلکہ حسن ظن کا حکم ہے، جیسا کہ ذیل کی جزئیات اور روایات سے واضح ہوتا ہے:

الأصل أن أمور المسلمين محمولة على السداد والصلاح حتى يظهر غيره. (قواعد الفقه، مكتبه دار الكتاب ديو بند، ص: ۱۲)

عن أمير المؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه قال: ولا تظنن بكلمة ←

جس نے عشاء باجماعت نہ پڑھی ہو اس کا وتر باجماعت پڑھنا

سوال (۲۷۸): قدیم ۱/۳۵۲- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فرض عشاء تنہا پڑھی ہو، اس حالت میں وہ شخص وتر جماعت سے پڑھے یا نہیں۔ یا اگر ایک شخص ایسے وقت مسجد میں پہنچا کہ فرض عشاء کی جماعت ہو چکی ہو، وہ شخص وتر جماعت سے پڑھے یا علیحدہ تنہا؟

بہشتی گوہر میں یہ مسئلہ ایسا ہے تراویح کے بیان میں۔ مسئلہ اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ عشاء کی نماز ہو چکی ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھ لے، پھر تراویح میں شریک ہو اور اگر اس درمیان میں تراویح کی کچھ رکعتیں ہو جائیں تو ان کو بعد وتر پڑھنے کے پڑھے اور یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے (درمختار وصغیری)۔ لیکن ''غایۃ الاوطار'' ترجمہ اردو الدر المختار میں باب الوتر والنوافل میں یوں لکھا ہے: اور اگر لوگوں نے جماعت فرض میں شرکت نہ کی ہو تو تراویح کو جماعت سے نہ پڑھیں۔ اس لئے کہ جماعت تراویح کی تابع ہے جماعت فرض کے تو جس شخص نے فرض تنہا پڑھے ہوں وہ تراویح کو امام کے ساتھ پڑھے۔ اور اگر نہ پڑھا تراویح کو امام کے ساتھ یا تراویح کو دوسرے امام کے ساتھ پڑھا تو نمازی کو جائز ہے کہ وتر کو امام کے ساتھ پڑھے مراد اس سے یہ ہے کہ فرض کو جماعت کے ساتھ پڑھا تو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے۔ لیکن اگر فرض تنہا پڑھے ہوں تو وتر کو جماعت سے نہ پڑھے۔ کذا فی الشامی یہ عبارت ہے تو اب کیا کرنا چاہیے؟ یعنی فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو وتر جماعت سے پڑھے یا نہیں؟

الجواب: جس شخص کو فرض کی جماعت نہ ملی ہو ایک قول یہ ہے کہ وہ وتر جماعت سے پڑھے۔

....

← **خرجت من أخيك المسلم إلا خيرا، وأنت تجد لها في الخير محملا.** (تفسير ابن كثير، سورة الحجرات، آيت: ١٢، مكتبه زكريا ديوبند ٥/ ٦٥٤)

عن عبدالله ابن عمر قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يطوف بالكعبة، ويقول: ما أطيبك وأطيب ريحك، ما عظمك وأعظم حرمتك، والذي نفس محمد بيده لحرمة المؤمن أعظم عند الله حرمة منك ماله ودمه. (ابن ماجة شريف، أبواب الفتن، باب حرمة دم المؤمن وماله، النسخة الهندية، ص: ٢٨٢، دارالسلام، رقم: ٣٩٣٢) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

في الصغيري شرح المنية: وإذا لم يصل الفرض مع الإمام، قيل: لا يتبعه في التراويح ولا في الوتر، كذا إذا لم يصل معه التراويح لا يتبعه في الوتر، والصحيح أنه يجوز أن يتبعه في ذلک كله كذا كتب إلى بعض ثقات أحبابى. (۱)

اور ایک قول یہ ہے کہ وتر جماعت سے نہ پڑھے۔

کما مر من قوله: قيل لا يتبع في التراويح، ولا في الوتر. اور ظاہر عبارت درمختار کی قول اول کے موافق (*) ہے چنانچہ شامی نے تحت قول درمختار ''**فمصليه وحده يصليها معه**'' کہا ہے۔

وبه ظهر أن التعليل المذكور بقوله: لأنها تبع فيما ترک القوم الجماعة في الفرض لم يصلوا التراويح جماعة لا يشمل المصلى وحده فظهر صحة التفريع بقوله فمصليه وحده الخ۔(۲)

(*) کیوں کہ درمختار میں ہے کہ ''فرض کو تنہا پڑھنے والا تراویح جماعت سے پڑھ سکتا ہے'' لہٰذا وتر بھی پڑھ سکتا ہے؛ کیوں کہ دونوں کا حکم یکساں ہے۔۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

---

(۱) صغيري، الصلاة، مكتبه مجتبائى دهلى، ص: ۲۱۰ ۔

ولو لم يصلها أي التراويح بالإمام أو صلاها مع غيره له أن يصلي الوتر معه، بقي لو تركها الكل هل يصلون الوتر بجماعة؟ فليراجع (درمختار) وتحته في حاشية الطحطاوي: قضية التعليل في المسألة السابقة بقولهم: لأنها تبع أن يصلي الوتر بجماعة في هذه الصورة؛ لأنه ليس بتبع للتراويح ولا للعشاء عند الإمام رحمه الله. (طحطاوي على الدر، الصلاة، قبيل باب إدراك الفريضة، مكتبه كوئٹه ۱/ ۲۹۷)

صلى العشاء وحده فله أن يصلي التراويح مع الإمام، ولو تركوا الجماعة في الفرض ليس لهم أن يصلوا التراويح بجماعة، وإذا صلى معه شيئا من التراويح أو لم يدرک شيئا منها أو صلاها مع غيره له أن يصلي الوتر معه هو الصحيح. (هندية، الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، قديم زكريا ۱/ ۱۱۷، جديد زكريا ۱/ ۱۷۶)

البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۲۳، كوئٹه ۲/ ۷۰، حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل في النوافل، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۴۱۰۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۹۹-۵۰۰، كراچى ۲/ ۴۸ ۔

لیکن درمختار کے آئندہ قول: **ولو لم یصلها الخ** کے تحت میں قہستانی سے ایک جزئیہ **لکنه اذلم یصل الفرض معه لا یتبعه فی الوتر** (۱) نقل کرکے درمختار کے قول: **ولو لم یصلها** میں تاویل کی ہے۔ **ای وقد صلی الفرض معه.** البتہ اس میں تعمیم کی ہے کہ خواہ اس امام کے ساتھ فرض پڑھا ہو یا کسی دوسرے امام کے ساتھ لیکن اگر تمام قوم نے فرض بلا جماعت پڑھا ہو اس میں سب کے نزدیک تراویح اور وتر بلا جماعت پڑھے صرف اختلاف ایک دو شخص کے جماعت فرض رہ جانے میں ہے لیکن صغیری میں قول اول کو صحیح کہا ہے کما مر منہ۔ لہٰذا اس کو ترجیح ہوگی (*)۔

۲۲ رمضان ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۳۰۵)۔

جس کی بیوی بے پردہ پھرے اس کی امامت

سوال (۲۷۹): قدیم ۱/۳۵۴- جس شخص کی زوجہ یا دختر یا والدہ اور خواہر بلا حجاب ونقاب بازار میں جاتی ہیں، آیا ایسے شخصوں کے ساتھ مشاربت ومواکلہ کرنا اور اُن کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ اور حجاب عامہ مؤمنات کے حق میں بھی واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے فقط؟

(*) حضرت اقدس مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”علامہ شامیؒ نے بے شک قہستانی سے ایسا ہی نقل کیا ہے کہ جس نے فرض امام کے ساتھ نہیں پڑھے وہ وتر بھی اس کے ساتھ نہ پڑھے، یعنی وتر جماعت سے نہ پڑھے۔ ”غایۃ الاوطار“ میں بھی شامی سے اسی طرح نقل کیا ہے؛ لیکن علامہ طحطاویؒ کی عبارت سے جواز معلوم ہوتا ہے اور وہی قرین قیاس ہے؛ اس لئے ہمارے حضرات اکابر کا فتویٰ جواز کا ہے......
پس جیسا کہ تراویح کو جماعت سے نہ پڑھنے والا وتر کو جماعت سے پڑھ سکتا ہے، اسی طرح فرض کو تنہا پڑھنے والا بھی وتر کو جماعت سے پڑھ سکتا ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب قدس سرہ سے سنا ہوا یاد ہے کہ فرض کو تنہا پڑھنے والا وتر کو جماعت سے پڑھ سکتا ہے۔ اور ”طحطاوی“ کی عبارت سے استدلال فرماتے تھے۔
اسی طرح حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ بھی اس کو جائز فرماتے تھے فقط۔ (فتاوی دار العلوم اول و دوم ص: ۲۴۲، قدیم، فتاوی رشیدیہ کامل ص: ۳۲۸) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) شامي، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۵۰۰، کراچی ۲/ ۴۹۔
شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : کتب فقہیہ میں مصرح ہے کہ حرہ کا تمام بدن بجز وجہ اور کفین اور قدمین کے فی نفسہ اور وجہ وغیرہ بعارض فتنہ واجب الستر ہے (۱) اور ترک واجب معصیت ہے (۲) اور معصیت پر باوجود قدرت منع کے سکوت وتسامح فسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے، تحریماً علی الارجح۔ پس جس شخص کو اپنے جن اقارب پر اس قدر قدرت ہو اور وہ منع نہ کرے تو وہ اس حکم میں داخل ہوجاوے گا (۳) اور اگر

....

---

(۱) **عن عائشة –رضي الله عنها– أن أسماء بنت أبي بكر دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقال: يا أسماء! إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح لها أن يرى منها إلا هذا وهذا، وأشار إلى وجهه وكفيه.** (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، النسخة الهندية ۲/ ۵۶۷، دارالسلام، رقم: ۴۱۰۴)

وأما النظر إلى الأجنبيات فنقول: يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منهن، وذلك الوجه والكف في ظاهر الرواية ...... **وروي الحسن عن أبي حنيفة أنه يجوز النظر إلى قدميها** ...... **وذلك كله إذا لم يكن النظر عن شهوة، فإن كان يعلم أنه لو نظر يشتهي، وفي الكافي: أوشك الاشتهاء أو كان أكبر رأيه ذلك فليجتنب بجهده.** (تاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل التاسع ...... مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ۹۵، رقم: ۲۸۱۴۵-۲۸۱۴۶)

تمنع الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة. (شامي، الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۷۹، كراچی ۱/ ۴۰۶)

هندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن قديم زكريا ۵/ ۳۲۹، جديد زكريا ۵/ ۳۹۱ ـ

(۲) **وحكم الواجب استحقاق العقاب بتركه عمدا، وعدم إكفار جاحده والثواب بفعله.** (حاشية الطحطاوي على المراقي، الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۲۴۷)

وحكمه أي الواجب استحقاق العقاب بتركه، وعدم إكفار جاحده، والثواب بفعله. (شامي، الصلاة، صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۴۶، كراچی ۱/ ۴۵۶)

(۳) **عن أبي سعيد الخدري –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله** ←

قدرت نہیں یا اس کی زوجہ وخواہر وغیرہ سن رسیدہ ہیں کہ کشف وجہ سے خوف فتنہ نہیں یا کپڑا چہرہ پر لٹکا کر نکلتی ہیں تو چونکہ اس طرح نکلنا حوائج کے لئے جائز ہے (۴) اسلئے منع واجب نہیں اور ترک منع فسق نہیں اسلئے امامت میں کچھ حرج نہیں اور یاد رکھنا چاہئے کہ جو صورتیں فسق کی اوپر مرقوم ہوئی ہیں کچھ باہر نکلنے والیوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اُن پردہ نشینوں کے حق میں بھی عام ہیں جو اپنے نامحرم اقارب کے روبرو بے حجاب سامنے آتی ہیں۔ وهذا كله ظاهر. فقط

۲۶ جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۲۵۴ ج ۲)

سوال (۲۸۰): قدیم ۱/۳۵۵- جس شخص کے یہاں پردہ نہیں ہے اُس کے پیچھے نماز درست ہے یا کسی قدر کراہت ہے اور پردہ واجب ہے یا فرض؟ اور پردے کا نہ کرنے والا کس درجہ کا گنہ گار ہوگا؟

....

← **عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلک أضعف الإيمان.** (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي من الإيمان، النسخة الهندية ١/ ٥١، بيت الأفكار، رقم: ٤٩)

قوله صلى الله عليه وسلم: فليغيره فهو أمر إيجاب بإجماع الأمة، وقد تطابق على وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر الكتاب، والسنة، وإجماع الأمة، وهو أيضا من النصيحة التي هي الدين، ولم يخالف في ذلک إلا بعض الرافضة، ولا يعتد بخلافهم. (شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ١/ ٥١)

(۴) **أما العجوز التي لا تشتهي، فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا.** (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٥٢٩، كراچی ٦/ ٣٦٩)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– أمر الله نساء المؤمنين إذا خرجن من بيوتهن في حاجة أن يغطين وجوههن من فوق رؤسهن بالجلابيب، ويبدين عينا واحدة. (تفسير ابن كثير، سورة الأحزاب، تحت آيت: ٥٩، مكتبه دار القرآن الكريم بيروت ٣/ ١١٤)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : جتنا پردہ فرض و واجب ہے اُس کے ترک سے گناہ اور اُس میں بے پروائی کرنے سے امامت میں کراہت ہے ورنہ نہیں اور تفصیل (*) اس کی فقہ کے اُردو رسائل میں موجود ہے (۱)۔
(تتمۂ اولیٰ ص ۱۷)

(*) یعنی پردہ کی تفصیل اردو رسائل میں موجود ہے۔ حضرت مجیب قدس سرہ نے بھی سوال نمبر: ۲۷۹ کے جواب میں تفصیل بیان فرمائی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

---

(۱) **عن عائشة –رضي الله عنها– أن أسماء بنت أبي بكر دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقال: يا أسماء! إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح لها أن يرى منها إلا هذا وهذا، وأشار إلى وجهه وكفيه.** (أبوداؤد شريف، كتاب اللباس، النسخة الهندية ۲/ ۵٦۷، دارالسلام، رقم: ٤۱۰٤)

وأما النظر إلى الأجنبيات فنقول: يجوز النظر إلى مواضع الزينة الظاهرة منهن، وذلک الوجه والكف في ظاهر الرواية ...... وروي الحسن عن أبي حنيفة أنه يجوز النظر إلى قدميها ...... وذلک كله إذا لم يكن النظر عن شهوة، فإن كان يعلم أنه لو نظر يشتهي، وفي الكافي: أوشک الاشتهاء أو كان أكبر رأيه ذلک فليجتنب بجهده. (تاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل التاسع ...... مكتبه زكريا ديوبند ۱۸/ ۹۵، رقم: ۲۸۱٤۵)

عن أبي سعيد الخدري –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلک أضعف الإيمان. (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي من الإيمان، النسخة الهندية ۱/ ۵۱، بيت الأفكار، رقم: ٤۹)

قوله صلى الله عليه وسلم: فليغيره فهو أمر إيجاب بإجماع الأمة، وقد تطابق على وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر الكتاب، والسنة، وإجماع الأمة. (شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ۱/ ۵۱)

وحكم الواجب استحقاق العقاب بتركه عمدا، وعدم إكفار جاحده والثواب بفعله. (حاشية الطحطاوي على المراقي، الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۲٤۷، الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱٤٦، كراچی ۱/ ٤۵٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

امام راتب دوسروں سے امامت کا زیادہ حقدار ہے

سوال (۲۸۱): قدیم ۱/ ۳۵۵- ایک مقام پر شاہی زمانہ کی تعمیر کردہ جامع مسجد ہے، جس کو بادشاہی صوبہ حاکم وقت نے شہر کے آباد کرنے کے ساتھ تعمیر کرایا تھا اور بعد ختم تعمیر جامع مسجد منصب امامت کو ایک مرد صالح کے سپرد فرمایا تھا، چنانچہ اُس زمانہ سے آج تک اُسی امام کی اولاد میں پشت در پشت امامت منتقل ہو کر آئی ہے، مگر عرصہ پانچ سات سال کا تخمیناً گزرتا ہے کہ امام وقت نے کسی اخبار میں کچھ مضامین بہ نسبت انتظامی قواعد طاعون شکایتی چھپوائے تھے، جس کو بعض افسران سرکاری نے دریافت کر کے بعض رؤ ساء شہر کو ہدایت فرمائی کہ امام مسجد کو بہتر ہوگا کہ علیحدہ کر دیا جاوے، چنانچہ حسب مصلحت وقت اُن کی جگہ اُن کے حقیقی چچازاد بھائی کو منصب امامت پر مقرر کر دیا، چند سال اُنھوں نے بھی کام کیا؛ لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس کو اپنے حوائج ضروریہ کی وجہ سے اتفاقاً سفر درپیش ہوا جس کی وجہ سے اپنی جگہ پر ایک مولوی صاحب کو قائم مقام کر دیا؛ لہٰذا اب چند سال سے مولوی صاحب موصوف امامت کرتے ہیں۔ اب کچھ عرصہ کے بعد امام صاحب جامع مسجد نے جنھوں نے مولوی صاحب کو اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا کسی جمعہ کو قصداً امامت کیا تو یہ امر مولوی صاحب کو سخت ناگوار ہوا، جس پر انھوں نے اپنے چند معتقدین کے ذریعہ سے اس امر کی کوشش کی اور اب تک کر رہے ہے کہ یہ امامت ہم سے نہ نکلے اور ہمارے لئے ہمیشہ کو قائم رہے؛ لیکن اکثر اہل شہر اپنے امام قدیم کو چھوڑنے اور مولوی صاحب کی امامت قبول کرنے سے ناراض ہیں اور کسی طرح اس کو پسند نہیں کرتے گو مولوی صاحب کو بمقابلہ امام قدیم کے علم میں زیادتی ضرور ہے؛ لیکن ان کے نزدیک سوائے اپنے چند ہم خیالوں کے سلف سے اب تک جتنے عالم سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کرنے والے گزرے ہیں اور فی الحال موجود ہیں اور نیز ان کے پیرو عام مسلمان سب وہابی بے دین ہیں، خاص کر آخر زمانہ کے عالم بے مثل مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب اور مولانا اسمٰعیل صاحب شہید دہلوی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور علمائے دیو بند اور ندوہ کی شرکت کرنے والے عالموں کو ناجائز الفاظ سے یاد کرنا وظیفہ ہے اور باوجود ان سب باتوں کے بعض صاحبوں نے بنظر رفع شر مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ایک جمعہ کی نماز امام صاحب کے پیچھے پڑھ لیجئے اور آئندہ حسب

....

....

دستور امام قدیمی کی جانب سے پڑھاتے رہئے، اس کو پسند نہیں کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم کو یزیدی بیعت نہیں ہے؛ حالانکہ امام صاحب کے عقائد اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف نہیں ہیں، پس ایسی صورت میں استحقاق امامت امام قدیم کا ہے یا امامت کے طالب مولوی صاحب کا حق ہے؛ چونکہ اس بارہ میں دونوں طرف سے کوشش ہورہی ہے کون فرقہ خطا پر ہے اور کون حق پر؟ فقط۔

الجواب: اول تو جب امام اول کے حقیقی چچازاد بھائی کو شہر کے اہل حل وعقد نے منصب امامت پر مقرر کردیا تھا تاوقتیکہ وہ معزول نہ کئے جاویں اور معزول کرنے والے بھی شہر کے اہل حل وعقد ہی ہوں، اس وقت تک اگر یہ امام ثانی بمقابلہ ان عالم صاحب یعنی امام ثالث کے باعتبار صفات کے اولی بالامامت بھی نہ ہوتے، تب بھی بوجہ اسبق فی النصب ہونے کے مستحق للامامت یہی تھے؛ کیونکہ اعتبار اُن صفات کا وقت نصب کے ہے نہ بعد نصب کے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے:

قوله: اعتبر أكثرهم لايظهر هذا إلا في المنصب (۱)۔

اور کسی کو نائب بنانے سے اصل معزول نہیں ہوتا۔ دوسرے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ثالث بہت سے علمائے حقانی متبعین سنت کو بُرا کہتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ثالث عقائد میں سنت کے خلاف ہیں، یعنی مبتدع ہیں اور بُرا کہنا خود عمل فسق ہے اور فاسق اور مبتدع کی امامت مکروہ ہے۔

في الدر المختار: وفاسق، وأعمى ونحوه الأعشى نهر إلا أن يكون أى غير الفاسق أعلم القوم، فهو أولى، ومبتدع أى صاحب بدعة، وهى اعتقاد خلاف

....

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۷، كراچی ۱/ ۵۵۹۔

وإمام المسجد أحق بالإمامة من غيره، وإن كان الغير أفقه وأقرأ وأورع وأفضل منه، إن شاء تقدم وإن شاء قدم من يريده، وإن كان الذى يقدمه مفضولا بالنسبة إلى باقى الحاضرين؛ لأنه سلطانه فيصرف فيه كيف شاء. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، دارالكتاب ص: ۲۹۹، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في الجماعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۶۱-۱۶۲)

المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة (۱)۔

تیسرے سوال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اہل شہر مولوی صاحب کی امامت سے ناراض ہیں اور کسی طرح اس کو پسند نہیں کرتے۔ اور وجہ دوم سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مولوی صاحب میں ناراضی کے وجوہ بھی شرعی ہیں، تو خود ایسی صورت میں امامت کرنا مکروہ ہے۔

في الدر المختار: ولو أم قوماً وهم له كارهون إن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره له ذلك تحريما؛ لحديث أبي داؤد: لا يقبل الله صلوٰة من تقدم وهم له كارهون، وإن هو أحق لا والكراهة عليهم (۲)۔

....

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۸، ۲۹۹، كراچى ۱/ ۵۶۰۔

وتكره إمامة العبد، والأعرابي، والأعمي، والفاسق، والمبتدع. (مجمع الأنهر، الصلاة، فصل في الجماعة بيروت ۱/ ۱۶۳)

حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، مكتبه دارالكتاب ص: ۳۰۲-۳۰۳، النهر الفائق، الصلاة، باب الإمامة والحدث في الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۴۲۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۷، ۲۹۸، كراچى ۱/ ۵۵۹۔

عن عبدالله بن عمرو أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول: ثلاثة لا يقبل الله منهم صلاة: من تقدم قوما وهم له كارهون. الحديث (أبوداؤد شريف، الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، النسخة الهندية ۱/ ۸۸، دارالسلام، رقم: ۵۹۳)

ولو أم قوما وهم له كارهون فهو على ثلاثة أوجه: إن كانت الكراهة لفساد فيه أو كانوا أحق بالإمامة منه يكره، وإن كان هو أحق بها منهم ولا فساد فيه ومع هذا يكرهونه لا يكره له التقدم. (حاشية الطحطاوى على المراقي، الصلاة، فصل: في بيان الأحق بالإمامة، دارالكتاب ديوبند ص: ۳۰۱)

چوتھے اگر امام ثالث میں کوئی خرابی نہ بھی ہو تب بھی؛ چونکہ اکثر لوگ امام سابق کی طرف ہیں، ایسی صورت میں اکثر ہی کا اعتبار ہے۔

في الدرالمختار: فإن استووا يقرع بين المستويين أو الخيار إلى القوم، فإن اختلفوا اعتبر أكثر هم (۱)۔

رہا امام ثالث کا عالم ہونا سو محض عالم ہونا موجب احقیت امامت نہیں؛ بلکہ اُس میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ شخص مطعون فی الدین نہ ہو، ورنہ وہ احق للامامت نہیں۔

في الدر المختار: والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوٰة. وفي ردالمحتار: الأعلم بالسنة أولى إلا أن يطعن عليه في دينه؛ لأن الناس لا يرغبون في الاقتداء به (۲)۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں استحقاق امامت کا امام قدیم کو حاصل ہے، ان مولوی صاحب طالب امامت کا کچھ حق نہیں۔ واللہ اعلم

۲/شعبان ۱۳۲۲ھ۔ (۵۳) ج ۱۔

سوال (۲۸۲): قدیم ۱/۳۵۸- ایک شخص حافظ سید شریف النسب کسی محلّہ کی مسجد کا امام مقرر ہے، اُس کی موجودگی میں اُس کی بلا اجازت اور کوئی دوسرا شخص نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پڑھائے گا تو نماز بلا کراہت جائز ہوگی یا نہیں؟ اور بلطائف الحیل امام مذکور کی آمدنی جو بموقع شادیات وغیرہ مقرر ہیں، یہ شخص لے لے اور امام مذکور محروم رہ جائے تو یہ آمدنی اُس شخص کو لینی جائز ہے یا نہیں؟

....

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۷، كراچی ۱/ ۵۵۹۔

فإن استووا يقرع بينهم فمن خرجت قرعته قدم أو الخيار إلى القوم، فإن اختلفوا فالعبرة بما اختاره الأكثر. (حاشية الطحطاوي على المراقي، الصلاة، فصل: في بيان الأحق بالإمامة، دارالكتاب ديوبند ۳۰۱)

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۹٤، كراچی ۱/ ۵۵۷۔

النهر الفائق، الصلاة، باب الإمامة والحدث في الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲٤۱، ۲٤۲۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الدرالمختار: واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقاً الخ. وفي رد المحتار: قوله مطلقاً: أى وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه -إلى قوله- فإن قدم واحدا منهم لعلمه وكبره فهو أفضل، وإذا تقدم أحدهم جاز. (ج ا ص ٥٨٤)(ا)۔

اس سے معلوم ہوا کہ بلااذن امام راتب کے کسی کا امام بننا مکروہ ہے اور اُن لطائف الحیل کی تفصیل لکھی جاوے تو حکم معلوم ہوسکتا ہے۔

۶ رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۷۰)

(ا) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٩٧، كراچی ١/ ٥٥٩۔

عن أبي مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يؤم الرجل في سلطانه، ولا يجلس على تكرمته في بيته إلا بإذنه. (ترمذي شريف، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ١/ ٥٥، دارالسلام، رقم: ٢٣٥)

مسلم شريف، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ١/ ٢٣٦، دارالسلام، رقم: ٦٧٣، أبوداؤد شريف، الصلاة، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ١/ ٨٦، دارالسلام، رقم: ٥٨٢، سنن ابن ماجة، الصلاة، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ص: ٦٩، دارالسلام، رقم: ٩٨٠۔

وأولى الناس بالإمامة أعلمهم بالسنة (ملتقى الأبحر) وفي المجمع: أي بما يصلح الصلاة ويفسدها، وقيد في السراج الوهاج تقديم الأعلم بغير الإمام الراتب، أما الراتب فهو أحق من غيره، وإن كان غيره أفقه منه. (مجمع الأنهر، الصلاة، فصل في الجماعة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٦١-١٦٢)

فصاحب البيت والمجلس وإمام المسجد أحق بالإمامة من غيره، وإن كان الغير أفقه وأقرأ، وأورع، وأفضل منه، إن شاء تقدم وإن شاء قدم من يريده، وإن كان الذى يقدمه مفضولا بالنسبة إلى باقي الحاضرين؛ لأنه سلطانه فيصرف فيه كيف شاء، ويستحب لصاحب البيت أن يأذن لمن هو أفضل. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، دارالكتاب ص: ٢٩٩) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

امرد اور نابالغ کے پیچھے نماز کا حکم

سوال (۲۸۳): قدیم ۱/ ۳۵۸- امرد لڑکے کے پیچھے نماز فرائض ہوسکتی ہے یا نہیں؟ مراد یہ کہ بالغ تو ہوگیا ہے، مگر داڑھی مونچھ کچھ نہیں آئی، خواہ حافظ ہو یا علم دین کا پڑھنے والا ہو اور مقتدیوں کو بوجہ لڑکپن کے اُس کے امام ہونے میں اختلاف ہے؟

الجواب: اگر وہ خوب صورت ہے اور اُس کو نگاہ شہوت سے لوگوں کے دیکھنے کا احتمال ہے، تب تو وہ اگر حافظ یا طالب علم بھی ہو تب بھی مکروہ ہے۔ اور اگر یہ بات نہیں ہے صرف عوام کی ناپسندیدگی ہے تو اگر وہ سب مقتدیوں سے علم وقرآن میں اچھا ہو تو اُس کی امامت مکروہ نہیں۔ اور اگر اتنی عمر ہوگئی ہو کہ اب داڑھی بھرنے کی اُمید نہیں رہی تو وہ امرد نہیں رہا۔

في الدرالمختار، باب الإمامة: وكذا تكره خلف أمرد، وفي ردالمحتار: الظاهر أنها تنزيهية أيضاً، والظاهر أيضاً كما قال الرحمتي: إن المراد به صبيح الوجه؛ لأنه محل الفتنة، وهل يقال ههنا أيضًا إذاكان أعلم القوم تنتفى الكراهة، فإن كانت علة الكراهة خشية الشهوة وهو الأظهر فلا، وإن كانت غلبة الجهل أونفرة الناس من الصلوٰة خلفه فنعم فتامل، وفيه عن حاشية المدني شخص بلغ من السن عشرين سنة وتجاوز حد الإنبات ولم ينبت عذاره، فهل يخرج بذلک عن حد الأمردية إلى قوله فأجاب بالجواز من غير كراهة اھ(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۵ شعبان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۶ ج ۱)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في إمامة الأمرد، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۱، كراچى ۱/ ۵۶۲، كوئٹه ۱/ ۴۱۵، مصري ۱/ ۵۲۵۔

يكره تنزيها إمامة الأمرد الصبيح الوجه وإن كان أعلم القوم، إن كان يخشى من إمامته الفتنة والشهوة وإلا فلا كراهة على الأظهر. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلاة، الفصل العاشر أنواع الصلاة، المبحث الثاني في الإمامة مكروهات الإمامة في المذهب، مكتبه هدى انٹرنيشنل ديوبند ۲/ ۱۷۷) ←

سوال (۲۸۴): قدیم ۱/ ۴۳۵۶- ریاست بھوپال میں تقریباً ۵۷/سال سے یہ سلسلہ جاری ہے کہ ۹-۱۰/سال کے لڑکے کے پیچھے صرف تراویح پڑھی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس دوران میں بہ لحاظ آبادی بھوپال میں حفظ قرآن کا خاص ذوق رہا۔ علمائے سابقین مولانا ایوب صاحب مرحوم، مولانا عبدالقیوم صاحب مرحوم ودیگر قضاۃ ومفتیان بھوپال نے ہمیشہ اس فعل کو مستحسن خیال فرمایا، موجودہ زمانہ میں بھی جناب قاضی صاحب ریاست کا فتویٰ جواز بایں الفاظ شائع ہوا نابالغ تمیزدار پسر کی اقتداء تراویح میں اختلافی مسئلہ ہے، اس میں مشائخ فقہائے متأخرین جواز کے قائل ہوئے ہیں اور عاجز وجناب والد صاحب مرحوم وجناب مولانا عبدالقیوم صاحب مرحوم کا مسلک بھی فتوائے جواز کا ہمیشہ رہا ہے؛ البتہ دیگر علماء اس کے ساتھ متفق نہیں ہیں، بچوں کے حفظ قرآن وغیرہ کی ترغیب میں رکاوٹیں نہ ہوجانے کا بھی حسب اصول شرعیہ اسی میں لحاظ ہے۔ دستخط جناب قاضی صاحب۔

اس لئے عرض ہے کہ جناب معظم بھی توجہ عالی مبذول فرما کر مفصل جواب سے شکر گزار فرمادیں اور یہ بھی واضح فرمادیا جاوے کہ حد بلوغ فقہائے احناف علیہم الرضوان کے نزدیک کیا ہے؟ اور اگر ۹/سال سے لے کر ۱۳-۱۴/سال تک کے لڑکے کے پیچھے صرف تراویح پڑھی جائیں تو کیا حسب قواعد شرعیہ ومتأخرین فقہاء احناف جائز ہے؟ فقط۔ ۱۰/رمضان المبارک ۴۹ھ

الجواب: **الرواية الاولىٰ**: في الدرالمختار: **ولايصح اقتداء رجل بالمرأة أوخنثىٰ أو صبى مطلقا ولو في جنازة ونفل على الأصح، وفي ردالمحتار، قال في الهداية: وفي التراويح: والسنن المطلقة جوّزه مشائخ بلخ، ولم يجوزه مشايخنا –إلى قوله– والمختار أنه لايجوز في الصلوات كلها**(۱)۔ اھ

....

← **كذلک يكره إمامة أمرد وسفيه ومفلوج وأبرص شاع برصه.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ٦/ ٢١١)

وتكره الصلاة، خلف أمرد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ٣٠٣)

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب الواجب كفاية هل يسقط بفعل الصبي وحده، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٢١، كراچی ١/ ٥٧٨ ـ

الرواية الثانية: أيضًا في الدر المختار: ويكره تحريما جماعة النساء، وفي التراويح (۱)۔

الرواية الثالثة: في الدر المختار، في تعليل عدم صحة بعض الاقتداء البناء القوي على الضعيف (۲)۔

....

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۵، كراچی ۱/ ۵٦٥ ـ

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۲٤، كراچی ۱/ ۵۷۹ ـ

وفي التراويح: والسنن المطلقة جوزه مشايخ بلخ، ولم يجوزه مشايخنا، ومنهم من حقق الخلاف في النفل المطلق بين أبي يوسف ومحمد، والمختار أنه لا يجوز في الصلوات كلها؛ لأن نفل الصبي دون البالغ حيث لا يلزمه القضاء بالإفساد بالإجماع، ولا يبني القوي على الضعيف. (هداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۲٤)

وأطلق فساد الاقتداء بالصبي، فشمل الفرض والنفل وهو المختار، كما في الهداية، وهو قول العامة كما في المحيط، وهو ظاهر الرواية كما ذكره الإسبيجابي وغيره؛ لأن نفل البالغ مضمون حتى يجب القضاء إذا أفسده، ونفل الصبي ليس بمضمون حتى لا يجب القضاء عليه بالإفساد فيكون نفل الصبي دون نفل البالغ، فلا يجوز أن يبني القوي على الضعيف. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ٦۲۸، كوئٹه ۱/ ۳۵۹)

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان شروط الاقتداء مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۵۹، كراچی قديم ۱/ ۱٤۳-۱٤٤، تاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث عشر: فی التراويح، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۳۵، رقم: ۲۵۸٦، المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثالث عشر: في التراويح، المجلس العلمي ۲/ ۲٦۳، رقم: ۱۷۱٤، هندية، الصلاة، باب الإمامة، الفصل الثالث: في بيان من يصلح إماما لغيره، قديم زكريا ۱/ ۸۵، جديد زكريا ۱/ ۱٤۳۔

روایت اولیٰ میں تصریح ہے کہ باوجود اختلاف کے ترجیح عدم جواز کو ہے۔ اور روایت ثالثہ میں اس ترجیح کا اصول سے مؤید ہونا ثابت ہوتا ہے؛ اس لئے کہ صبی کی تراویح نفل محض ہے اور بالغ کی سنت مؤکدہ ہے۔ دوسرے صبی کی نفل شروع سے واجب نہیں ہوتی اور بالغ کی واجب ہوجاتی ہے، پس صبی کی نماز ضعیف ہوئی، اس پر بالغ کی قوی نماز کا مبنی کرنا خلاف اصول ہونے کے سبب جائز نہیں اور روایت ثانیہ میں جواب ہے مصلحت مذکورہ فی السوال کا؛ کیونکہ اس میں عورتوں کے لئے حفظ قرآن کی ترغیب میں رکاوٹیں پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اصل یہ ہے کہ احکام کی بناء دلائل پر ہے مصالح پر نہیں۔ علاوہ اس کے یہ ہے کہ صبی میں ان مصالح کے ساتھ مفاسد بھی ہیں کہ اکثر وہ احکام طہارت وصلوٰۃ سے ناواقف اور متساہل بھی ہوتے ہیں، پس اس کی تجویز میں بالغین کی نمازوں کا فساد بہت غالب ہے، پھر بجائے تراویح کے نوافل میں ان کا پڑھ لینا اس محتمل رکاوٹ کا تدارک ہے، چنانچہ اس کا کافی ہونا مشاہد ہے اور بلوغ کی اگر کوئی علامت نہ دیکھی جاوے تو بقول مفتیٰ بہ پندرہ سال کی عمر میں بلوغ کا حکم کردیا جاتا ہے، اس وقت اس کے پیچھے تراویح میں اقتداء جائز ہے (۱)۔ واللہ اعلم

(۱۲؍ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ (النور ص ۹ جمادی الاولیٰ ۵۰ھ)

---

(۱) عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عرضه يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة سنة، فأجازني، قال: نافع: فقدمت على عمر بن عبدالعزيز وهو خليفة فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير. الحديث (صحيح البخاري، كتاب الشهادات، باب بلوغ الصبيان، النسخة الهندية ۱/ ۳٦٦، رقم: ۲٥۹۰، ف: ۲٦٦٤، صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب سن البلوغ، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۱، بيت الأفكار رقم: ۱۸٦۸)

فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى. (شامي، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۲۲٦، كراچى ٦/ ۱٥۳)

والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية إذا انتهيا خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد والشافعي وهو رواية عن أبي حنيفة، وعليه الفتوى (تاتارخانية، كتاب الحجر، الفصل الثاني: في بيان أنواع الحجر، مكتبه زكريا ديوبند ۱٦/ ۲۸۰، رقم: ۲٤۹۱۱) ←

امامت کی اجرت لینا درست ہے

سوال (۲۸۵): قدیم ۱/۱۶۱ ۳- امام مسجد کے واسطے مقتدی کچھ مقرر کریں بطور مشاہرہ یا سالانہ بلا تقرر وتعین کچھ دیا کریں تو نماز ایسے امام کے پیچھے جائز ہوگی یا مکروہ؟

الجواب: في الدرالمختار، باب الإجارة الفاسدة: ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والإمامة، والأذان (۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام کو شرط کر کے بھی دینا درست ہے اور بلاشرط بدرجۂ اولیٰ درست ہے، پس نماز اس کے پیچھے مکروہ نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

۲/ ذی حجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۴ ج ۱)

....

← **ولمن بلغ بالسن وهو خمس عشرة سنة على المفتى به في الغلام والجارية.**
(طحطاوي على المراقي، طهارة، دارالكتاب ديوبند ص: ۱۰۸)

هندية، كتاب الحجر، الباب الثاني في الحجر للفساد، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، قديم زكريا ۵/ ۶۱، جديد زكريا ۵/ ۷۳ ۔

الموسوعة الفقهية الكويتية ۸/ ۱۹۱-۱۹۲، هداية، كتاب الحجر، باب الحجر للفساد، فصل في حد البلوغ، مكتبه اشرفيه ديوبند ۳/ ۳۵۸۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل، زكريا ۹/ ۷۶، كراچی ۶/ ۵۵ ۔

ويفتي اليوم بالجواز أي بجواز أخذ الأجرة على الإمامة، وتعليم القرآن، والفقه، والأذان، كما في عامة المعتبرات. (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۳۳، مصري قديم ۲/ ۳۸۴)

وبعض مشايخنا استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم؛ لأنه ظهر التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى. (هداية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۳/ ۳۰۳)

أما غير ذلك من القربات التي يتعدى نفعها للغير كالأذان، والإقامة، وتعليم ←

امام بھول کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوجائے تو مقتدی کیا کرے؟

سوال (۲۸۶): قدیم ۱/ ۳۶۱- اگر کوئی شخص جماعت میں امام کے پیچھے دوسری، تیسری، چوتھی رکعت میں آکر ملا تھا اور امام کو اتفاقاً چار رکعت پوری ہونے کے بعد سہو ہوگیا اور پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا اور مقتدیوں کو بھی یاد نہ آیا، کسی نے لقمہ نہ دیا اور سب کھڑے ہوگئے۔ اب اس امام کے یاد آنے تک وہ شخص جو بعد میں کسی رکعت میں آکر ملا تھا اس امام کی متابعت کرے یا اپنی پوری رکعتیں کرکے فارغ ہو؟

الجواب: **في الدرالمختار، باب سجود السهو: وإن قعد في الرابعة مثلا قدر التشهد، ثم قام عاد وسلم، ولوسلم قائما صح، ثم الأصح أن القوم ينتظرونه، فإن عاد تبعوه، وإن سجد للخامسة سلموا؛ لأنه تم فرضه إذ لم يبق عليه إلا السلام.** (۱) اھ۔

....

← **القرآن، والفقه والحديث ...... وعند الحنفية وهو رواية عن الإمام أحمد لا يجوز أخذ الأجرة على ذلک؛ لأن من شروط صحة هذه الأفعال كونها قربة لله تعالىٰ فلم يجز أخذ الأجر عليها، لكن أجاز متأخرو الحنفية أخذ الأجرة على تعليم القرآن استحسانا، ومثل ذلک الإمامة والأذان للحاجة.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۳/ ۱۰۰)

تبيين الحقائق، الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ۶/ ۱۱۷، إمداديه ملتان ۵/ ۱۲۴، البحرالرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ۸/ ۳۴-۳۵، كوئٹه ۸/ ۱۹-۲۰، هندية، كتاب الإجارة، الفصل الرابع: في فساد الإجارة، قديم زكريا ۴/ ۴۴۸، جديد زكريا ۴/ ۴۸۴۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۵۳، کراچی ۲/ ۸۷۔

ولو قام إمامه لخامسة فتابعه إن بعد القعود تفسد، وإلا لا، حتى يقيد بالخامسة بسجدة (درمختار) وفي الشامية: تفسد أي صلاة المسبوق؛ لأنه اقتداء في موضع الإنفراد؛ ولأن اقتداء المسبوق بغيره مفسد كما مر، وقوله: وإلا أي وإن لم يقعد وتابعه المسبوق ←

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر امام رابعہ پر بیٹھ کر کھڑا ہوا ہے تو مسبوق منتظر رہے، اگر وہ لوٹ آوے تو اس کے ساتھ سلام تک رہے، ورنہ اپنی نماز پوری کر لے۔ اور اگر وہ رابعہ پر نہیں بیٹھا تو بھی انتظار کرے، اگر قبل سجدۂ خامسہ کے لوٹ آوے تو بھی سلام تک رہے اور اگر نہ لوٹا تو سب کی نماز باطل ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۹ رصفر ۱۳۲۴ھ (امداد صفحہ ۶۹ ج ۱)

← **لا تفسد صلاته؛ لأن ما قام إليه الإمام على شرف الرفض ولعدم تمام الصلاة الخ.** (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، قبيل باب الاستخلاف، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٥٠، كراچى ١/ ٥٩٩)

وإن قعد في الرابعة، ثم قام عاد وسلم ...... ثم قيل: القوم يتبعونه، فإن عاد عادوا معه، وإن مضى في النافلة اتبعوه؛ لأن صلاتهم تمت بالقعدة، والصحيح أنهم لا يتبعونه؛ لأنه لا اتباع في البدعة، فإن عاد قبل تقييد الخامسة بالسجدة اتبعوه بالسلام، فإن قيد سلموا في الحال (وإن سجد للخامسة تم فرضه وضم إليها سادسة) أي لم تفسد فرضه بسجوده كما فسد فيما إذا لم يقعد هذا هو المراد بالتمام، وإلا فصلاته ناقصة كما سيأتي، وإنما لم يفسد؛ لأن الباقي أصابه لفظ السلام، وهي واجبة. (البحرالرائق، الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ٢/ ١٨٤، كوئٹه ٢/ ١٠٤)

ولو قام الإمام إلى الخامسة في صلاة الظهر فتابعه المسبوق إن قعد الإمام على رأس الرابعة تفسد صلاة المسبوق، وإن لم يقعد لم تفسد حتى يقيد الخامسة بالسجدة، فإذا قيدها بالسجدة فسدت صلاة الكل؛ لأن الإمام إذا قعد على الرابعة تمت صلاته في حق المسبوق، فلا يجوز للمسبوق متابعته. (البحرالرائق، الصلاة، باب الحدث في الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٦٦٢، كوئٹه ١/ ٣٧٨)

وكذا في خلاصة الفتاوى، الصلاة، ما يتصل بمسائل الاقتداء مسائل المسبوق، مكتبه، أشرفيه ديوبند ١/ ١٦١-١٦٤ ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مسجد میں جماعت ثانیہ کی کراہت کا مفصل بیان

سوال (۲۸۷): قدیم ۱/ ۳۶۲- قول محقق اور معتبر باعتبار موافقت فقہ وحدیث دربارۂ جماعت ثانیہ آپ کے نزدیک کیا ہے؟ مگر بحوالۂ احادیث اور اقوال فقہاء ونیز بحوالۂ کتب تحریر ہو اور نیز قطع نظر حالت موجودہ لوگوں کے بلکہ نفس مسئلہ محقق ہو۔ اور اگر حالت موجودہ لوگوں کے اعتبار سے جماعت ثانیہ کی کراہت ہو تو اس کے لئے علیحدہ ارقام ہو، ہندوستان کے محقق علماء مثل حضرت مولانا مولوی شیخ محمد صاحب تھانوی وحضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری وحضرت مولانا مولوی سعادت علی صاحب سہارنپوری و جناب مولانا مولوی عبدالحئ صاحب لکھنوی و جناب مولوی مشتاق احمد صاحب سہارنپوری وجناب مولوی سید جمال الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بلا کراہت جائز فرماتے تھے، مگر غالب گمان یہ ہے کہ جو لوگ جماعت اولی کے پابند ہوں ان کے لئے بلاکراہت فرماتے تھے۔

الجواب: في جامع الأثار لهذا العبد الحقير (۱): هكذا كراهة تكرار الجماعة في المسجد عن أبي بكرة أن رسول الله ﷺ أقبل من نواحي المدينة يريد الصلوٰة، فوجد الناس قد صلوا فمال إلى منزله، فجمع أهله فصلى بهم. رواه الطبراني في الكبير، والأوسط وقال الهيثمي: رجاله ثقات (۲) قلت: ولو لم يكره لما ترك المسجد، وعن إبراهيم النخعي قال: قال عمرؓ: لا يصلى بعد صلوٰة مثلها. رواه ابن أبي شيبة (۳) قلت: وأقرب تفاسيره حمله على تكرار الجماعة في المسجد، وعن خرشة بن الحر أن عمرؓ كان يكره أن يصلى بعد صلوٰة الجمعه مثلها. رواه الطحاوي (۴)

....

(۱) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۲) المعجم الأوسط دارالفكر بيروت ٥/ ١٣٢، رقم: ٦٨٢٠، ٣/ ٢٨٤، رقم: ٤٦٠١، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٤٥، رقم: ٢١٧٧ ـ

(۳) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كره أن يصلي بعد الصلاة مثلها، مؤسسة علوم القرآن ٤/ ٢٩٣، رقم: ٦٠٥٠ ـ

(۴) شرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب الصلاة، باب التطوع بعد الجمعة كيف هو؟ مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ٢٣٤ ـ

وإسناده صحيح، قلت: دل على كراهة تكرار الجماعة خاصة، وفي حاشيته: تابع الآثار وما ورد من قوله عليه السلام: من يتصدق (۱) لايدل على جواز التكرار المتكلم فيه، وهو اقتداء المفترض بالمفترض إذا الثابت به اقتداء المتنفل بالمفترض ولايحكم بكراهته، بل ورد في جوازه حديث آخر من قوله عليه السلام: إذا صليتما في رحالكما، ثم أتيتما صلوة قوم فصليا معهم، واجعلا صلوتكما معهم سبحة (۲) كما هو ظاهر، وما هو رواه البخاري تعليقا عن أنسؓ (۳) محمول على مسجد الطريق أو نحوه لما نقل فيه أنهؓ أذن وأقام وهومكروه عند العامة. اھ

أما الروايات الفقهية في هذا الباب، ففي الدرالمختار: ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق، أو مسجد لا إمام له، ولا مؤذن، وفي ردالمحتار: قوله ويكره، أى تحريما لقول الكافي لا يجوز، والمجمع لايباح، و شرح الجامع الصغير: إنه بدعة كما في رسالة السندي قوله: بأذان وإقامة عبارته في الخزائن

....

(۱) رواه ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، فى القوم يجيئون إلى المسجد وقد صلي فيه من قال لا بأس أن يجمعوا، مؤسسة علوم القرآن ٥/ ٥٣، رقم: ٧١٧٣ ـ

وكذا في سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في الجمع فى المسجد مرتين، النسخة الهندية ١/ ٨٥، دارالسلام، رقم: ٥٧٤ ـ

وكذا فى مجمع الزوائد، باب فيمن تحصل بهم فضيلة الجماعة، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٤٥ ـ

(۲) ترمذي شريف، الصلاة، باب ماجاء في الرجل يصلي وحده، ثم يدرك الجماعة، النسخة الهندية ١/ ٥٣، دارالسلام، رقم: ٢١٩ ـ

صحيح ابن حبان، الصلاة، باب إعادة الصلاة، دارالفكر بيروت ٣/ ٣٠٢، رقم: ٢٣٩٣ ـ

(۳) **وجاء أنس بن مالک إلى مسجد قد صلى فيه، فأذن وأقام وصلى جماعة.**

(بخاري شريف، كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، النسخة الهندية ١/ ٨٩)

أجـمع مما ههنا ونصها يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة إلا إذا صلى بهـمـا فيـه أولاً غيـر أهـلـه أوأهـله، لكن بمخافتة الأذان، ولو كرر أهله بدونهما أوكان مسـجـد طـريـق جاز إجماعاً، كما في مسجد ليس له إمام ولا مؤذن، ويصلى الناس فيه فـوجـاً فـوجـاً، فـإن الأفـضـل أن يصلى كل فريق بأذان وإقامة على حدة، كما في أمالى قـاضى خان اھ. ونحوه في الدرر: والمراد بمسجد المحلة ماله إمام وجماعة معلومون كـمـا في الدرر وغيرها إلى أن قال: ولأن في الاطلاق هكذا تقليل الجماعة معنى فانّهم لايجتمعون إذا علموا أنها لا تفوتهم، ثم قال بعد سطر: ومقتضیٰ هذا الاستدلال كراهة التـكـرار فـي مسـجـدالـمـحلة ولو بدون أذان، ويؤيده ما في الظهيرية لودخل جماعة الـمسـجـد بـعـد ماصلى فيه أهله يصلون وحدانا، وهو ظاهر الرواية. اھ. وهذا مخالف لحكاية الإجماع المارة. (ج۱ص۵۷۷(۱))

وفيـه مـانصه، وفي آخرشرح المنية، وعن أبى حنيفة: لوكانت الجماعة أكثر من ثلاثة يكره التكرار وإلا فلا، وعن أبي يوسفؒ إذا لم تكن على الهيئة الأولیٰ لاتكره وإلا تـكـره وهـوالـصـحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازية، وفي التاتارخانية عن الولوالجية: وبه ناخذ. (ج۱ص ۴۱۰)(۲)۔

....

(۱) الـدرالـمـخـتـار مـع الشـامـي، كتـاب الـصـلاة، بـاب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۸۸-۲۸۹، كراچی ۱/ ۵۵۲ ۔

الـمبسوط للسرخسي، الـصلاة، بـاب الأذان، مـكتبـه دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۳۵، ۱۳۶، بـدائـع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان محل وجوب الأذان، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۸۰، كوئٹه ۱/ ۱۵۳، بيروت ۱/ ۶۵۵ ۔

الـمـحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثاني: في النوافل والواجبات، المجلس العلمي بيروت ۲/ ۱۰۲-۱۰۳، رقم: ۱۳۱۴۔

وكذا في التاتارخانية، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۵۵، رقم: ۲۰۱۲ ۔

(۲) حـلبي كبير، الـصلاة، قبيـل فـصـل فـي مسـائـل شتـى، مكتبه أشرفيه ديوبند ۶۱۵، تاتارخانية، الصلاة، الفصل الثاني المتفرقات، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۵۵، رقم: ۲۰۱۲ ۔

وفيـه قولـه: إلا في المسجد على طريق هو ماليس له إمام ومؤذن راتب فلايكره التكرار فيه بأذان وإقامة، بل هو الأفضل. (خانية، ج۱ ص ۴۱۰ (ا))

روایات فقہیہ مذکورہ سے چند صورتیں اوران کے احکام معلوم ہوئے۔

صورت اولیٰ: مسجد محلّہ میں غیر اہل نے نماز پڑھ لی ہو۔ صورت ثانیہ مسجد محلّہ میں اہل نے بلا اعلان اذان یابلا اذان بدرجۂ اولیٰ (*) نماز پڑھی ہو۔ صورت ثالثہ وہ مسجد طریق (**) پر ہو۔ صورت رابعہ اس مسجد میں امام ومؤذن معین نہ ہوں صورت خامسہ مسجد محلّہ ہو، یعنی اس کے نمازی اور امام معین ہوں اورانہوں نے اس میں اعلان اذان کی صورت سے نماز پڑھی ہو۔ پس صورت اربعہ اولیٰ میں تو بالاتفاق جماعت ثانیہ جائز بلکہ افضل ہے، جیسا کہ افضلیت (***) کی تصریح موجود ہے۔ اورصورت خامسہ (****) میں اگر جماعت ثانیہ بہیئت اولیٰ ہوتب بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ ''درمختار''

(*) یعنی صورت ثانیہ کی ایک شکل تو یہ ہے کہ مسجد محلّہ میں اہل مسجد نے اذان تو دی ہو؛ لیکن آہستہ دی ہو۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ انہوں نے بغیر اذان دئے نماز پڑھی ہو، پس جو حکم شکل اول کا ہے وہی حکم - بدرجہ اولیٰ - شکل دوم کا بھی ہوگا۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

(**) یعنی جس کا کوئی امام اورموذن مقرر نہ ہوں۔ (فتاوی دارالعلوم جدید ۳/۲۴) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(***) افضلیت کی تصریح فقط تیسری اور چوتھی صورت میں ہے۔ (كما تقدم في الروايات الفقهية) پہلی اوردوسری صورت میں افضلیت کی تصریح نظر سے نہیں گزری۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

(****) یعنی صورت خامسہ کی پھر دو شکلیں ہیں:

اول:- جماعت ثانیہ بہیئت اولیٰ ہو، یعنی اذان واقامت اور قیام امام فی المحراب کے ساتھ تکرار جماعت ہوتو یہ بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے، خواہ دوبارہ جماعت اہل مسجد کےعلاوہ لوگ کریں یا بعض اہل مسجد کریں۔

إن صلى فيـه أهله بأذان وإقامة أو بعض أهله، يكره لغير أهله، وللباقين من أهله أن يعيدوا الأذان والإقامة. (بدائع الصنائع، الصلاة، تكرار الجماعة في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۱ / ۳۷۸)

(ا) حلبي كبيري، الصلاة، قبيل فصل في مسائل شتى، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۶۱۴۔ إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب كراهية تكرار الجماعة في مسجد المحلة، بيروت ۴ / ۲۶۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲ / ۲۲۹۔

میں تحریمی ہونے کی تصریح ہے۔ اور اگر ہیئت اولیٰ پر نہ ہو پس یہ محل کلام ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک

دوم:- جماعت ثانیہ ہیئت اولیٰ بدل کر ہو۔ ہیئت اولیٰ نام ہے تین چیزوں کے مجموعہ کا، یعنی اذان، اقامت اور قیام امام فی المحراب کا، پس جب یہ تینوں باتیں نہ رہیں گی تو پوری طرح ہیئت اولیٰ بدل جائے گی۔ اور اگر دو باتیں مرتفع ہو جائیں (خواہ وہ کوئی سی دو ہوں، اذان واقامت ہوں یا اذان وقیام محراب ہوں یا اقامت وقیام محراب ہوں) تو بھی ہیئت اولیٰ بدل جائے گی؛ اس لئے کہ اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے، اسی طرح جب ایک بات مرتفع ہو جائے گی تو بھی ہیئت اولیٰ بدل جائے گی؛ کیوں کہ کسی بھی جزو کے ارتفاع سے ہیئت کلی مرتفع ہو جاتی ہے۔ (القطوف الدانیۃ، ص: ۶-۷ مخلصا)

بہر حال یہ دوسری شکل محل بحث ہے، پہلی بحث تو یہ ہے کہ اس شکل میں صاحب درمختار نے خزائن الاسرار (جو درمختار کا نقش اول ہے) میں تکرار جماعت کو اجماعاً جائز کہا ہے (خزائن کی عبارت جواب کے شروع میں حضرت مجیب قدس سرہ نقل فرما چکے ہیں) چند دیگر حضرات نے بھی یہی لکھا ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمہ (منحة الخالق على البحر الرائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۶۰۵، کوئٹہ ۱/ ۳٤٦) میں لکھتے ہیں:

نقل الرملي عن رسالة العلامة السندي عن الملتقط وشرح المجمع وشرح درر البحار والعباب من أنه يجوز تكرار الجماعة بلا أذان وإقامة ثانية اتفاقا، وفي بعضها: إجماعا. اهـ

لیکن خود علامہ شامی علیہ الرحمہ نے اس شکل میں تکرار جماعت کو مکروہ کہا ہے۔ **كما في قوله: ومقتضى هذا الاستدلال الخ.**

پھر انہوں نے اپنے استنباط کو ظہیریہ کی روایت سے (جو ظاہر روایت ہے) مؤید کیا ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ اس شکل کے متعلق خود ائمہ مذہب کی روایات بھی مختلف ہیں۔ امام صاحبؒ سے ظاہر روایت مطلقاً کراہت کی ہے، جس میں یہ شکل بھی داخل ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کراہت نہیں ہے۔

حضرت مجیب قدس سرہ نے پہلے بحث ثانی پر گفتگو فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر شیخین کے اقوال میں تعارض مانا جائے تو آداب افتاء کے پیش نظر امام صاحبؒ کے قول پر عمل ہوگا۔ اور اگر تطبیق کی راہ اختیار کی جائے تو وہ یہ ہے کہ امام صاحبؒ کراہت تنزیہی کا اثبات فرماتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ کراہت تحریمی کی نفی فرماتے ہیں، کراہت تنزیہی ان کے نزدیک بھی مسلم الثبوت ہے، اسی سے بحث اول کا ←

مکروہ نہیں اور امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے، جیسا ظہیریہ میں اس کا ظاہر روایت ہونا مصرّح ہے؛ البتہ ایک روایت (*) امام صاحب سے یہ ہے کہ اگر تین سے زیادہ آدمی ہوں تو مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں۔ یہ تو خلاصہ ہوا روایات کے مدلول ظاہری کا۔ اب آگے دو مسلک ہیں یا تو امام صاحبؒ اور امام ابو یوسف کے اقوال کو متعارض کہا جاوے یا دونوں میں تطبیق دی جاوے، اگر متعارض کہا جاوے تو حسب رسم المفتی:

واختلف فيما اختلفوا فيه، والأصح كما في السراجية وغيرها أنه يفتى بقول الإمام على الإطلاق، ثم بقول الثاني إلى قوله– وصحح في الحاوي القدسي قوة المدرک الخ، هكذا في الدرالمختار (۱)۔

امام صاحب کے قول پر عمل ہوگا، اگر سراجیہ کے قاعدہ کو ترجیح دی جاوے تب تو ظاہر ہے۔ اور اگر حاوی قدسی کے قاعدہ کو ترجیح دی جاوے تب بھی امام صاحب کی دلیل نقلی حدیث ہے جو اول نقل ہوئی ہے۔ اور دلیل قیاسی ردالمحتار سے ”**ولأن في الإطلاق الخ**“ معلوم ہو چکی ہے، جس کی قوت ظاہر ہے۔ اور جو حدیثیں امام صاحب کی دلیل سے ظاہراً متعارض ہیں، ان سب کا جواب کافی شافی جامع الآثار سے گزر چکا ہے۔

← تصفیہ بھی ہو گیا کہ اصل کراہت میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، پس جنہوں نے جاز اجماعاً کہا ہے، انہوں نے کراہت تحریمی کی نفی کی ہے اور جنہوں نے کراہت ثابت کی ہے ان کی مراد اس سے کراہت تنزیہی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم ۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

(*) امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ سے بھی قریب قریب ایسی ہی روایتیں مروی ہیں۔

وروي عن أبي يوسف أنه إنما يكره إذا كانت الجماعة الثانية كثيرة، وأما إذا كانوا ثلاثة أو أربعة فقاموا في زاوية من زوايا المسجد وصلوا بجماعة لا يكره، وروي عن محمد أنه إنما يكره إذا كانت الثانية على سبيل التداعي والاجتماع، فأما إذا لم يكن فلا يكره. اه

(بدائع الصنائع، ۱/ ۱۵۳، مكتبه زكريا ديوبند، الصلاة، تكرار الجماعة في المسجد ۱/ ۳۷۹)

۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، مقدمة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۱۶۸–۱۷۱، كراچی ۱/ ۷۰–۷۱، شرح عقود رسم المفتي، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۱۰۸۔

اور اگر بعض (*) کی حکایت اجماع (**) علی الجواز سے شبہ ہو کہ امام صاحبؒ نے حکم بالکراہتہ سے رجوع کرلیا ہوگا تو شامی نے بعد نقل روایت ظہیریہ کے عدم ثبوت اجماع کی تصریح کردی ہے، پس یہ استدلال قطع ہوگیا۔ اور اگر امام صاحبؒ اور ابو یوسفؒ کے اقوال میں تطبیق دی جاوے تو وجہ تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ امام صاحبؒ تو کراہت تنزیہیہ کے مثبت ہیں اور امام ابو یوسفؒ کراہت تحریمیہ کے نافی ہیں، قرینہ اس کا یہ ہے کہ ''درمختار'' میں جو مسجد محلّہ میں اذان کے ساتھ جماعت ثانیہ کو مکروہ کہا ہے، اس میں شامی نے

(*) اولاً یہ شبہ بے محل ہے؛ کیوں کہ محل نزاع میں اجماع منقول نہیں ہوا؛ بلکہ ان صورتوں میں ہوا ہے، جن کی نسبت فتویٰ میں کہا گیا ہے کہ بالاتفاق نماز جائز بلکہ افضل ہے۔ اور ثانیاً اس کا جواب کہ شامی نے بعد نقل روایت ظہیریہ عدم ثبوت اجماع کی تصریح کردی ہے نامناسب ہے؛ کیوں کہ اگر اس تصریح کو مان لیا جاوے تو یہ فتویٰ کے اس دعوے کے مخالف ہوگی جو کہ ان الفاظ سے کیا گیا ہے: ''پس صور اربعہ اولیٰ میں تو بالاتفاق جماعت ثانیہ جائز بلکہ افضل ہے'' آہ۔ کیوں کہ صور اربعہ جن کی نسبت اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے، ان میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ مسجد محلّہ میں اہل محلّہ نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان بدرجہ اولیٰ نماز پڑھ لی ہو۔ اور ظہیریہ سے ان صورتوں کی کراہت ثابت ہوتی ہے، پس دعویٰ اجماع صحیح نہ ہوا۔ الحاصل جواب شبہ دعوی سابقہ کے مخالف ہے؛ اس لئے یہ جواب مناسب نہیں، پس اس صورت میں شبہ اور جواب دونوں کو ساقط ہونا چاہئے، نیز جن چار صورتوں میں عدم کراہت پر اتفاق نقل کیا ہے ان میں سے دوسری صورت میں اختلاف نقل ہونا چاہئے یا شامی کے قول: ''ومقتضی ہذا الاستدلال الخ'' کو رد کرنا چاہئے۔ ۱۲ تصحیح الاغلاط ص: ۱۱۔

(**) اس جگہ مولانا رشید احمد صاحب مدرس دار العلوم کراچی نے ایک حاشیہ لکھا ہے وہ درج کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا: ''ولو کرر أهله بدونهما'' کو جائز بالاجماع کہا گیا ہے؛ حالانکہ اس صورت میں اگر ہیئت اولیٰ پر تکرار ہے، یعنی عدول عن المحراب نہیں کیا تو بالاتفاق مکروہ ہے اور عدول عن المحراب کی حالت میں محل نزاع ہے، پس یہ قول کہ محل نزاع میں اجماع منقول نہیں ہوا صحیح نہیں، نیز یہ قول کہ ظہیریہ سے صور اربعہ میں سے صورت ثانیہ کی کراہت ثابت ہوتی ہے صحیح نہیں۔ صورت ثانیہ یہ ہے کہ جماعت اولیٰ بلا اذان یا بغیر اعلان اذان کے ہوئی۔ اور ظہیریہ میں اس کی کراہت مذکور ہے کہ جماعت ثانیہ بلا اذان ہوئی ہو۔ غرض اصل جواب کی عبارت صحیح ہے۔ اور تصحیح الاغلاط کی عبارت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم انتہی۔ ۱۲ محمد شفیع۔

تصریح کردی کہ کراہت تحریمیہ مراد ہے، پس اس کے مقابلہ میں جو دوسری صورتوں میں عدم کراہت کا حکم ہوگا، اسی کراہت مذکورہ کی نفی ہوگی، پس کراہت تنزیہیہ کی نفی محتاج دلیل مستقل ہے، جیسا کہ صور اربعہ اولیٰ میں افضلیت کی تصریح بالاستقلال کراہت تنزیہیہ کی نفی پر دال ہے، پس صور اربعہ اولیٰ میں نفی کراہت سے کراہت تحریمیہ منتفی ہوگئی اور حکم افضلیت سے کراہت تنزیہیہ منتفی ہوگئی اور مندوبیت ثابت ہوگئی، بخلاف صورت متکلم فیہا کے کہ اس میں انتفاء کراہت تحریمیہ کی دلیل تو قائم ہے؛ لیکن انتفاء کراہت تنزیہیہ کی کوئی دلیل نہیں۔ اور ظاہر روایت میں کراہت کا اثبات ہے، پس کراہت تحریم منتفی ہوئی اور کراہت تنزیہ ثابت رہی۔ پس امام صاحب کے اثبات اور امام ابو یوسفؒ کی نفی میں کوئی تعارض نہ رہا۔ اور اگر یہ شبہ ہو کہ جاز اور یباح وغیرہ عبارات سے کراہت تنزیہیہ منتفی معلوم ہوتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ جائز کبھی مکروہ کو بھی شامل ہوتا ہے۔ کذا فی ردالمحتار صفحہ ۱۲۵ ج ۱ (*)۔

اور جیسا درمختار میں اذان صبی کو جائز بلا کراہت کہا ہے۔ اور شامی نے کہا ہے کہ مراد نفی کراہت تحریمیہ کی ہے اور تنزیہی ثابت ہے (**)۔ (صفحہ ۴۰۶ ج ۱) و نیز حکایت اجماع جس میں تقدیر تعارض

یعنی صورت خامسہ کی پہلی صورت: ''ولو كرر أهله الخ'' میں داخل ہی نہیں ہے؛ کیوں کہ جب تکرار اذان واقامت کے بغیر ہوئی تو ہیئت اولیٰ بدل گئی؛ کیوں کہ ہیئت اولیٰ کی تبدیلی کے لئے عدول عن المحراب ہی ضروری نہیں ہے، جیسا کہ پہلے ''القطوف الدانیہ'' سے بیان ہوا ہے، پس ''ولو كرر الخ'' کے تحت صورت خامسہ کی دوسری صورت کا بیان ہے۔ اور اس میں اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے؛ لہٰذا محل نزاع میں اجماع کا منقول ہونا ثابت ہوا۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(*) وعبارته: وقد يقال: أطلق "الجائز" وأراد به ما يعم المكروه ففي الحلية عن أصول ابن الحاجب: أنه قد يطلق ويراد به مالا يمتنع شرعا، وهو يشمل المباح والمكروه والمندوب والواجب. اه (شامي، الطهارة، مكتبه زكريا ۱/ ۲۴۲، كراچی ۱/ ۱۲۰)

۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) وعبارتهما: ويجوز بلا كراهة أذان صبي مراهق (درمختار) قوله: بلا كراهة، أي تحريمية؛ لأن التنزيهية ثابتة، لما في البحر عن الخلاصة: أن غيرهم أولى منهم. اه (شامي، كتاب الصلاة، باب الأذان، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۹، كراچی ۱/ ۳۹۱) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

پر کلام ہوا ہے، اس تقریر تطبیق پر بحالہا رہ سکتی ہے کہ نفی کراہت تحریمیہ پر اجماع ہے اور اگر ثبوت کراہت تنزیہیہ سے قطع نظر بھی کی جاوے اور اباحۃ بالمعنی المتبادر مان لی جاوے تب بھی چونکہ ندب واستحباب نہ دلیل سے ثابت نہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول؛ اس لئے نفی کراہت سے ثبوت ثواب کا لازم نہ آوے گا جیسا ردالمحتار میں جماعۃ فی التطوع میں صرف مسنون نہ ہونے سے ثواب کی نفی کی ہے، گو بعض صورتوں میں مباح بھی ہے (*)۔ (صفحہ ۱۴۷ ج ۱) پس غایۃ مافی الباب ایک فعل مباح ہوا، جس میں نہ ثواب نہ عقاب۔ اور امام صاحب کراہت کے قائل تب بھی اسلم اور احوط اس کا ترک ہی ہوا؛ کیونکہ فعل میں تو احتمال کراہت کا ہے اور ترک میں کوئی ضرر محتمل نہیں حتی کہ حرمان ثواب بھی نہیں۔ پس ترک ہی راجح ہوا، یہ سب تحقیق ہے باعتبار حکم فی نفسہ کے۔ اور اگر مفاسد اس کے امام ابو یوسفؒ کے روبرو پیش کئے جاتے تو یقیناً کراہت شدیدہ کا حکم فرماتے؛ لیکن چونکہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور علماء کے فتوے بھی مختلف ہیں؛ اس لئے کسی کو کسی پر نکیر شدید وطعن زیبا نہیں۔ واللہ اعلم

۱۰ ربجمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ (امداد صفحہ ۳۷ ج ۱)

جماعت ثانیہ

سوال (۲۸۸): قدیم ۱/۳۷۰- حنفیہ کے نزدیک جماعت ثانیہ مکروہ ہے اور حدیث میں ہے:

عن أبي سعيد –رضي الله عنه– قال: جاء ني رجل وقد صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: أيكم يتجر علىٰ هذا؟ فقام رجل وصلى معه۔ (رواه الترمذى ص: ۱۵۹ (۱))

(*) في الدرالمختار: ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان، أى يكره ذلک لو على سبيل التداعي بأن يقتدى أربعة بواحد. اھ

قال ابن عابدين: قوله: أربعة بواحد أما اقتداء واحد بواحد أو اثنين بواحد فلا يكره، وثلاثة بواحد فيه خلاف بحر عن الكافي: وهل يحصل بهذا الاقتداء فضيلة الجماعة؟ ظاهر ما قدمناه من أن الجماعة في التطوع ليست بسنة يفيد عدمه تأمل. (ردالمحتار، قبيل باب إدراك الفريضة، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۵۰، كراچی ۲/ ۴۹) *سعید احمد پالن پوری*

---

(۱) ترمذي شريف، الصلاة، باب ماجاء في الجماعة في مسجد قد صلي فيه مرة، النسخة الهندية ۱/ ۵۳، دارالسلام، رقم: ۲۲۰ ۔

أصح المطابع، وفي البخاري (*) عن أنس تعليقا: وأبي يعلىٰ موصولاً أنه جاء أنس إلى مسجد قد صلى فيه، فأذن وأقام وصلى جماعة.

لہٰذا اس حدیث کا کیا جواب ہے اور مسجد محلّہ اور مسجد بازار اس حکم میں برابر ہیں یا کچھ فرق ہے؟ اگر فرق ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟

الجواب : ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث (**) میں متنفل نے مفترض کی اقتداء کی۔ اور کلام اس جماعت ثانیہ میں ہے جہاں دونوں مفترض ہوں فلا حجۃ فیہ، اور (***) انس رضی اللہ عنہ کا فعل ممکن

(*) **بخاري شريف، النسخة الهندية ١/ ٨٩، باب فضل صلاة الجماعة، ولفظ رواية أبي يعلى أبو عثمان قال: مر بنا أنس بن مالك في مسجد بني ثعلبة، فقال: أصليتم؟ فقلنا: نعم، وذلك صلاة الصبح، فأمر رجلا فأذن وأقام، ثم صلى بأصحابه. اهـ** (المطالب العالية ١/ ١١٨) **وفي رواية البيهقي: فجاء أنس في نحو عشرين من فتيانه.** اهـ (عمدة القاري ٢/ ١٨٩، كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، مكتبه دار إحياء التراث العربي ٥/ ١٦٥، مكتبه زكريا ديوبند ٤/ ٢٣١، رقم: ٦٤٥) **۱۲ سعید احمد پالن پوری**

(**) یعنی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو تکرار جماعت کا جواز معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ امام فرض نماز ادا کرے اور مقتدی نفل۔ اور یہ صورت تکرار متنازعہ فیہ نہیں ہے؛ بلکہ ”فرض ادا کرنے والے کی نماز فرض ادا کرنے والے کے پیچھے“ متنازع فیہ ہے؛ اس لئے یہ حدیث موافق مطلب نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ متنفل کا اقتداء مفترض کے پیچھے بالاتفاق جائز ہے۔

لا يكره جماعة النفل إذا أدى الإمام الفرض. اهـ (طحطاوي بر درمختار، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه كوئٹه ١/ ٢٥٣، شامي ١/ ٥٥٢، الصلاة، باب الإمامة، مطلب في رفع المبلغ صوته زيادة على الحاجة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٣٨، كراچی ١/ ٣٩٠، تحت قول الدرالمختار، صح اقتداء متنفل بمفترض)

(***) یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فعل کسی راستہ کی مسجد یا اسی قسم کی مسجد پر محمول کر سکتے ہیں؛ کیوں کہ مسجد محلّہ میں جماعت ثانیہ اذان واقامت کے ساتھ مکروہ تحریمی ہے؛ اس لئے مجوزین جماعت ثانیہ کے لئے یہ اثر نافع نہیں ہوسکتا۔ ←

ہے کہ مسجد طریق میں ہو۔ چنانچہ تکرار اذان اس کا قرینہ ہے؛ کیونکہ مجوزین جماعت ثانیہ بھی تکرار اذان کو منع کرتے ہیں (۱)۔ فقط (امداد ص ۸۶ ج ۱)

← علاوہ بریں خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب صحابۂ کرام کی جماعت فوت ہوجاتی تھی تو وہ مسجد میں الگ الگ نماز پڑھا کرتے تھے (کما فی البدائع وردالمحتار) پس ظاہر یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا عمل صحابہ کے عمل کے خلاف نہ ہوگا؛ اس لئے اس کو کسی صالح محمل پر محمول کرنا ضروری ہے۔

۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) **وأما ثالثا: فأثر أنس فيه اضطراب وتعارض كما تقدم، وأيضا وقع فيه أنه كان في مسجد بني رفاعة، وفي آخر أنه في مسجد بني ثعلبة، وليس هذا المسجد ولا ذلك من المساجد المعروفة في عهد النبوة، وقد بلغ عددها فيما حققه البدر العيني في العمدة، والسمهودي في الوفاء إلى أربعين مسجدا، فيحتمل أن يكون مسجد طريق أو شارع، وممر عام حيث لم يذكر هذا، ولا ذاك أحد فيما ذكروه.** (معارف السنن، الصلاة، باب ماجاء في الجماعة في مسجد قد صلي فيه مرة، مكتبه أشرفيه ٢/ ٢٩٠)

ومن دخل المسجد فوجد إمامه قد فرغ من الصلاة، فإن كان المسجد في غير ممر الناس كره له أن يستأنف فيه جماعة عند أبي حنيفةؒ ومالكؒ والشافعيؒ وقال أحمد: لا يكره إقامة الجماعة بعد الجماعة بحال، قلت: واستدل أحمد بما رواه الترمذي عن ابي سعيد قال: جاء رجل وقد صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: أيكم يتجر على هذا؟ فقام رجل وصلى معه ...... ولكن لا يتم به الاستدلال، فإن فيه اقتداء المتنفل بالمفترض، ولا نزاع فيه، وإنما النزاع في اقتداء المفترض بالمفترض، وأما ما رواه البخاري تعليقا وجاء أنس إلى مسجد قد صلي فيه، فأذن وأقام وصلى جماعة، فهو يحتمل أن يكون المسجد مسجد الطريق أو نحو مما لا يكرهون التكرار فيه، ويرجح هذا الاحتمال تكراره الأذان والإقامة الذي لا يجوزه من جوز تكرار الجماعة في مسجد المحلة. (إعلاء السنن، الصلاة، باب كراهية تكرار الجماعة في مسجد المحلة، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة ٤/ ٢٦١-٢٦٢)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صحن مسجد میں جماعت ثانیہ کا حکم

سوال (۲۸۹): قدیم ۱/۳۷۱- بعض صاحبان کا یہ قول ہے کہ اگر اندرون مسجد قریب محراب جماعت ہوگئی ہوتو کچھ آدمی اگر باقی رہ جایا کریں تو جماعت ثانیہ صحن مسجد میں کرلیا کریں، تو کسی نوع سے مکروہ نہ ہوگا؛ کیونکہ یہاں کی ہر ایک مسجد دو مسجد ہے، ایک صیفی یعنی صحن مسجد دوسری شتوی یعنی اندرون مسجد جو اکثر مسقّف ہوتی ہے یا لداؤ کی۔ اور ''درمختار'' میں جماعت کے بارے میں ''**ولو فاتته ندب طلبها في مسجد الخ**'' (۱) ظاہر ہے کہ صحن مسجد مسجد آخر ہے؛ لہٰذا اس میں جماعت ثانیہ کسی نوع سے مکروہ نہ ہوگی، جواب دیا گیا کہ یہاں کی مسجدوں میں صحن مسجد دوسری مسجد نہیں حقیقت میں یہاں کی مسجدیں ایک ایک مسجد ہیں؛ کیونکہ عرف میں بھی ایک ہی مسجد سے تعبیر کرتے ہیں اور نہ بانیین مسجد کی نیت دو مسجدوں کی ہوتی ہے؛ بلکہ ایک ہی مسجد کی ہوتی ہے، صحن کو صحن مسجد اور فناء مسجد سے تعبیر کرتے ہیں، دیکھو نفائس اللغات، لغت انگنائی بمعنی صحن خانہ بعربی ساحت وسرح وفناء، پس اگر خانہ کی طرف اضافت ہوگی تو صحن خانہ اور مسجد کی طرف اضافت ہوگی تو صحن مسجد وفناء مسجد بولیں گے اور فقہاء بھی اس صحن کو صحن مسجد وفناء مسجد سے تعبیر کرتے ہیں، چنانچہ واقفین پر ظاہر ہے واقف علم ظاہری وباطنی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے کراہت جماعت ثانیہ یہاں کی مسجدوں کے بارے میں ایک رسالہ (*) تحریر فرمایا اگر یہاں کی مسجدیں دو مسجدیں ہوتیں تو کراہت (**) جماعت ثانیہ آپ مکروہ نہ فرماتے؛ بلکہ جماعت ثانیہ کا ہونا مکروہ فرماتے اور تصریح بھی کردیتے کہ صحن مسجد دوسری مسجد ہے ونیز حاجیان سے معلوم ہوا کہ مسجد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد حرام میں بھی صحن ہے؛ حالانکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثواب صلوٰۃ اپنی

(*) اس رسالہ کا نام ''القطوف الدانیہ فی تحقیق الجماعۃ الثانیہ'' ہے۔ اور فارسی زبان میں ہے، اردو میں ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) کذا فی الاصل لیکن صحیح عبارت اس طرح ہے: ''دو مسجدیں ہوتیں تو جماعت ثانیہ کو آپ مکروہ نہ فرماتے؛ بلکہ جماعت ثانیہ کا نہ ہونا مکروہ فرماتے الخ''۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۱، كراچی ۱/ ۵۵۵ ۔

مسجد اور مسجد حرام میں ''فی مسجدی هذا ومسجد الحرام'' فرمایا۔ ''في مسجديّ هذين وفي مسجدي الحرام'' نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحن مسجد دوسری مسجد نہیں اور صیفی وشتوی مسجدیں اور طرز کی ہوتی ہیں، یعنی ان میں ہر ایک کی محراب جداگانہ ہوتی ہے، ایک دوسرے کے جنب میں واقع ہوتی ہے اور درمیان دیوار قصیر مقدار ایک دو ذراع کے اس میں فرجہ ہوتا ہے جیسا کہ قاضی خان کے صفحہ ۴۶ سے معلوم ہوتا ہے۔

محمول على ما إذا كان الحائط قصيرا اسّه مقدار الفرجة بين الصفين ذراع أو ذراعان كما يكون بين المسجد الصيفي والشتوي. (۱)

لہٰذا حضور والا کو تکلیف دی جاتی ہے کہ جواب مسائل مفصلہ ذیل صاف تحریر فرما کر خاکسار کو ممنون ومشکور فرمائیں۔

(۱) یہ کہ یہاں کی ہر ایک مسجد حقیقتاً صیفی وشتوی ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ محراب مسجد اصل میں کس جگہ ہے آیا وہ طاق یعنی محراب جو جانب قبلہ دیوار غربی مسجد میں ہوتی ہے یا دوسری جگہ؟

(۳) **والسنة أن يقوم الإمام في المحراب.** قول شامی منقول از معراج ''**تحت قوله: يقف وسطاً**'' صفحہ ۳۹۹ مطبوعہ مصر (۲) وقول شامی منقول از تاتارخانیہ ''**يكره للإمام أن يقف في غير المحراب إلا لضرورة**'' صفحہ ۴۵۳ (۳) **تحت قوله: لأن العبرة للقدم**'' کا کیا مطلب

....

(۱) قاضي خان على الهندية، كتاب الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به، وفيمن لا يصح، قديم زكريا ۱/ ۹۴، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۶۱۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل مطلب: في كراهية قيام الإمام في غير المحراب، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۱۰، كراچی ۱/ ۵۶۸، مصري ۱/ ۵۳۱۔

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۱۴، كراچی ۱/ ۶۴۵۔

وفي السراجية: ويكره أن يقوم الإمام في غير المحراب إلا لضرورة. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الرابع: ما يكره للمصلي وما لايكره، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۱۱، رقم: ۲۱۹۲)

ہے؟ آیا اس ظرفیت سے کمال قرب محراب مراد ہے یا محاذ محراب خواہ قریب ہو یا بعید اگر محاذ مذکور مراد ہے تو فی کا کیا موقع، اور اس میں کیا نکتہ، یا حقیقت میں عین محراب میں کھڑا ہونا مراد ہے، جیسا کہ ظاہر میں فی کا مقتضیٰ ہے، بعض صاحبان کا خیال ہے کہ حقیقت میں کھڑا ہونا محراب کا مراد ہے؛ کیونکہ اصح مذہب طحاوی اور سرخسی رحمہما اللہ کا ہے کہ علت کراہت قیام فی المحراب خفاء امام ہے نہ مشابہت اہل کتاب، اگر خفا ہوگا تو کراہت ہوگی، ورنہ نہ ہوگی، گو مختار سرخسی اول میں مشابہت اہل کتاب کی تھی۔

(۴) گرمی میں یہاں کی مسجدوں میں درآں صورتیکہ مسجد صیفی وشتوی نہ ہوں ترک محراب کی ضرورت ہوسکتی ہے (جیسا کہ مسجد صیفی وشتوی میں ہوتا ہے کہ گرمی کی وجہ سے صیفی میں آجاتے ہیں اور سردی کی وجہ سے شتوی میں چلے جاتے ہیں) یا نہیں اور یہاں کی مسجدوں میں عمل درآمد اس کا کہ جب گرمی ہوتی ہے تو صحن مسجد میں امام بلا نکیر پڑھا دیتا ہے صحیح ہے یا نہیں؟ اور یہ عمل درآمد کس بناء پر ہے؟

الجواب: ان بعض صاحبان کا قول غلط ہے، مجیب کا جواب بالکل درست ہے؛ البتہ مجیب کی تقریر میں لفظ فناء کی تفسیر میں تسامح ہے؛ کیونکہ فناء اس جگہ کو کہتے ہیں جو مضاف الیہ سے خارج ہو اس کا جزو نہ ہو اور صحن مسجد جزو مسجد (*) ہے۔ باقی سب تقریر نہایت صحیح اور کافی ہے، یہ تمہید کے متعلق عرض کیا گیا، اب جزئی سوالات کے جواب کے متعلق لکھا جاتا ہے: (۱) نہیں (۲) وہ بھی اور اس کے محاذات (**) جو مسقّف درجہ کے موخر میں اور غیر مسقّف کے مقدم میں ہوتی ہے وہ بھی، (۳) یہاں فی المحراب عبارت ہے فی الوسط سے کیونکہ محاریب وسط میں ہوتی ہیں جب محراب سے مراد وسط ہوا تو فی اپنے حقیقی معنی پر رہا صرف مجاز لفظ محراب میں رہا سو عند القرینہ کچھ مضائقہ نہیں اور قرینہ لفظ وسطا صاف ہے (۴) جب محراب سے مراد وسط ہے تو عدول عن المحراب لازم ہی نہیں آیا، واللہ اعلم

۲۳/ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ صفحہ ۳۰)

(*) بلکہ فناء مسجد وہ حصہ ہے جو مسجد سے خارج ہو اور مسجد کے متعلقات سے ہو، مثلاً وضو کرنے کی جگہ، حوض، جوتے نکالنے کی جگہ وغیرہ وغیرہ، وہاں اہل مسجد کے لئے دوبارہ جماعت کرنا جائز ہے، جب کہ احیاناً ہو عادۃً نہ ہو۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) یعنی محراب سے مراد ''وسط'' (درمیان) ہے؛ لہٰذا اصل محراب کے محاذی جو جگہ صحن مسجد میں ہے وہ بھی بحکم محراب ہی ہے؛ لیکن اگر صحن ایک طرف بڑھا ہوا ہو تو صحن کے وسط کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ (فتاوی دار العلوم جدید ۳/ ۳۶۱) اس سلسلہ میں مفصل بحث سوال نمبر: ۷۳۲ کے جواب میں ہے۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

شارع عام کی مسجد میں تکرار جماعت کا حکم

سوال (۲۹۰): قدیم ۱/۳۷۴- یہاں بازار میں ایک مسجد ہے، جس میں جمعہ بھی ہوتا ہے اور جماعت کا بھی معقول انتظام ہے، یعنی امام و نائب امام اور مؤذن تنخواہ دار مقرر ہیں، ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بعض عبارتوں سے (*) جواز معلوم ہوتا ہے:

(*) حضرت مجیب قدس سرہ نے مسئولہ ''بازار کی مسجد'' کو شارع (سڑک) اور طریق (راہ) کی مسجد قرار دے کر جواب دیا ہے؛ لیکن اظہر یہ ہے کہ وہ ''مسجد محلّہ'' ہے۔ اور اس میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے (جیسا کہ سوال نمبر: ۲۸۷ کے جواب میں مفصل بحث گزری ہے)

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ''جس مسجد میں امام اور مؤذن مقرر ہوں اور جماعت کا وقت معین اور لوگوں کو معلوم ہو، اس مسجد کو محلے کی مسجد کہتے ہیں (شامی) اگر امام اور موذن مقرر نہ ہو یا جماعت کا وقت معین اور معلوم نہ ہوتو وہ رہ گذری کی مسجد ہے، محلے کی نہیں اھ''۔ (علم الفقہ ۲/ ۹۰، درحاشیہ للعہ)

اور (کفایۃ المفتی ۳/ ۱۰۵) میں ہے: ''حنفیہ کے نزدیک ایسی مسجد میں جس میں پنجوقتہ منظّم طریقہ پر جماعت سے نماز ہوتی ہے، پہلی جماعت ہو جانے کے بعد دوسری جماعت مکروہ ہے'' اور مسئولہ ''بازار کی مسجد'' میں امام و موذن مقرر ہیں، جماعت کا معقول انتظام ہے، یعنی نماز کے اوقات معین ہیں اور لوگوں کو معلوم ہیں، پس وہ محلّہ کی مسجد ہے۔ اور محلّہ کی مسجد ہونے کے لئے ''جماعت معلومہ'' (معین نمازی) ہونا ضروری نہیں ہے، چنانچہ شیخ رحمۃ اللہ سندھی (تلمیذ علامہ ابن ہمام) نے حرمین شریفین کی مسجدوں میں تکرار جماعت کو مکروہ فرمایا۔ علامہ شریف غزنوی حنفی نے بھی نکیر فرمائی، بعض مالکیہ نے تو ائمہ اربعہ کے مذہب پر اجماعاً عدم جواز کا فتویٰ دیا۔ علامہ خیر الدین رملی نے بھی ''البحر الرائق'' کے حاشیہ میں کراہت کو تسلیم کیا ہے؛ حالانکہ حرمین کی مسجدوں میں جماعت معلومہ نہیں ہے، پس معلوم ہوا کہ ان تمام حضرات کے نزدیک مسجد محلّہ ہونے کے لئے ''جماعت معلومہ'' کی شرط نہیں ہے؛ لہٰذا علامہ شامی علیہ الرحمہ کا مسجد محلّہ ہونے کے لئے جماعت معلومہ ہونا شرط قرار دے کر مذکور تمام فقہاء پر استدراک فرمانا صحیح نہیں ہے۔

علاوہ بریں آج کل جو بازاروں میں مساجد ہوتی ہیں، ان میں تین طرح کے نمازی ہوتے ہیں: ←

....

في الدر المختار: ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة، لا في مسجد طريق أو مسجد لا إمام له ولا مؤذن، وفي ردالمحتار: ولو كرر أهله بدونهما أو كان مسجد طريق جاز إجماعا كما في مسجد ليس له إمام ولا مؤذن الخ. وفيه: والتقييد بالمسجد المختص بالمحلة احتراز من الشارع الخ. وفيه: وأما مسجد الشارع فالناس فيه سواء لااختصاص له بفريق دون فريق اه. ومثله في البدائع وغيرها ومقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار في مسجد المحلة، ولو بدون أذان، ويؤيده ما في الظهيرية: لودخل جماعة المسجد بعدما صلي فيه أهله يصلون وحدانا وهو ظاهر الرواية اه، وهذا مخالف لحكاية الإجماع المارة (۱) اه.

← ایک وہ تاجر جن کی اس مسجد کے قرب وجوار میں دوکانیں ہیں، دوسرے مسجد کے قرب وجوار میں بسنے والے مسلمان، تیسرے وہ لوگ جو بازار میں اپنی کسی ضرورت سے آئے ہوئے ہیں۔ پہلی قسم کے لوگ اگرچہ رات کو دوکان بند کرکے گھر چلے جاتے ہیں؛ لیکن دن کی تمام نمازیں اسی مسجد میں ادا کرتے ہیں۔ اور دوسری قسم کے لوگ تو تمام نمازیں اسی مسجد میں ادا کرتے ہیں؛ لہٰذا ''بازار کی مسجد'' کے لئے بھی جماعت معلومہ ہوگئی۔ تیسری قسم کے کچھ لوگوں کے شریک ہونے کی وجہ سے وہ مسجد طریق اور مسجد شارع نہیں بنے گی، جیسا کہ حرمین کی مسجدیں۔ واللہ سبحانہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۸۸-۲۸۹، كراچی ۱/ ۵۵۲-۵۵۳ ـ

وفي الجامع الصغير: رجل دخل مسجدا قد صلى أهله فيه، فإنه يصلي بغير أذان وإقامة؛ لأن في تكرار الجماعة تقليلها بأن كل واحد لا يخاف فوت الجماعة، فيكون مكروها، كذا في القطوف الدانية لشيخنا المحدث الكنكوهی، وإنما اختصت الكراهة، بمسجد المحلة لانعدام علتها فی مسجد الشارع والسوق ونحوهما، فإن الناس فيه سواء لا اختصاص له بفريق دون فريق، وهذا هو مذهب أبي حنيفة، وإليه ذهب مالک والشافعي كما في رحمة الأمة. (إعلاء السنن، الصلاة، باب كراهة تكرار الجماعة في مسجد المحلة، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة ٤/ ٢٦١، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان محل وجوب الأذان، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۸۰)

قال الناقل: ولم يتعرض الشامي لمسجد الطريق فبقي حكمه المذكور سالماً عن الخلاف، وفيه لكن يشكل عليه ان نحو المسجد المكي أو المدني ليس له جماعة معلومون فلا يصدق عليه أنه مسجد محلة، بل هو كمسجد شارع، وقد مر أنه لا كراهية في تكرار الجماعة فيه إجماعاً اھ (ج ۱ ص ۵۷۷، ۵۷۸ (۱))

قال الناقل: بنى الشامي الجواب على كونهما مسجد شارع مع أن لهما إمامًا ومؤذناً معيناً. واللہ اعلم

۲۳/ رجب ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ صفحہ ۵۶)

حکم جماعت ثانیہ

سوال (۲۹۱): قدیم ۱/ ۳۷۶- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد بازار وشارع عام وغیر آبادی وغیرہ کے سوا آبادی کی مسجد جیسے محلّہ کی مسجد یا جامع مسجد میں جماعت ثانیہ کا ہونا کیسا ہے؟

الجواب: اختلاف (*) ہے (۲)۔ ۱۳۳۸ھ (حوادث خامس صفحہ ۳۶)

(*) یہ اختلاف اور اس میں تطبیق سوال نمبر: ۲۸۷ کے جواب میں بیان ہوئی ہے ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۲۸۹، کراچی ۱/ ۵۵۳ ۔

(۲) حضرت والا تھانویؒ نے سوال نمبر: ۲۸۷ کے جواب میں جماعت ثانیہ کے مکروہ ہونے اور نہ ہونے کی پانچ صورتیں بیان فرمائی ہیں، جن میں سے چار صورتوں میں بالاتفاق جماعت ثانیہ مکروہ نہیں ہے؛ بلکہ افضل ہے اور پانچویں صورت کی دو شکلیں ہیں، ایک یہ کہ جماعت ثانیہ بہیئت اولیٰ ہو۔ دوسرے یہ کہ جماعت ثانیہ بہیئت اولیٰ نہ ہو، پہلی شکل بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔ اور دوسری شکل میں اختلاف ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے اور امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور ایک روایت امام صاحب کی پانچویں صورت میں یہ بھی ہے کہ اگر تین سے زیادہ آدمی ہوں تو مکروہ ہے، ورنہ نہیں، حضرت اقدس تھانویؒ نے اختلاف سے اسی پانچویں صورت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس پانچویں صورت پر مع اختلاف وتطبیق حضرت والا تھانویؒ سوال نمبر: ۲۸۷ کے جواب میں مفصل کلام کر چکے ہیں؛ لہٰذا تفصیل کے لئے سوال نمبر: ۲۸۷ کا جواب ملاحظہ ہو: ←

مقتدی جائے نماز پر ہو اور امام فرش زمین پر یا اس کے برعکس ہو، اس کا حکم

سوال (۲۹۲): قدیم ۱/ ۳۷۷- مقتدیوں کے نیچے جائے نماز اور امام کے نیچے نہ ہو نماز کیسی ہے اور برعکس اس کے ہو تو نماز کیسی ہے؟

الجواب: جزئیہ نظر سے نہیں گزرا؛ البتہ امام نیچا اور مقتدی اونچے کھڑے ہوں اس کو مکروہ تنزیہی کہنے کی وجہ امام کی بے توقیری کو لکھا (*) ہے، اس علت کے اشتراک سے صورت مسئولہ کی شق اول میں

(*) **في الدرالمختار: وكره عكسه في الأصح، وهذا كله عند عدم العذر اه. قال الشامي: (قوله: في الأصح) وهو ظاهر الرواية؛ لأنه إن لم يكن فيه تشبه بأهل الكتاب لكن فيه ازدراء بالإمام حيث ارتفع كل الجماعة فوقه، أفاده في شرح المنية (إلى قوله) ولعل الكراهة تنزيهية الخ** (ردالمحتار ۱/ ٤٧٨، بيان مفسدات صلاة، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة أولى، مكتبه زكريا ۲/ ٤١٥، كراچی ۱/ ٦٤٦) **۱۲ سعید احمد پالن پوری**

← **ومقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار في مسجد المحلة، ولو بدون أذان، ويؤيده ما في الظهيرية، لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى فيه أهله يصلون وحدانا وهو ظاهر الرواية.** (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الإمامة، مطلب فى تكرار الجماعة في المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۸۹، كراچی ۱/ ٥٥۲)

وعن أبي حنيفة لو كانت الجماعة الثانية أكثر من ثلاثة يكره التكرار وإلا فلا، وعن أبي يوسفؒ إذا لم تكن على الهيئة الأولىٰ لا يكره وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا في فتاوى البزازي. (حلبي كبيري، الصلاة قبيل فصل في مسائل شتى، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٦١٥)

وتكرار الجماعة يكره إلا إذا كان المسجد على قارعة الطريق، وعن الإمام رضي الله عنه إذا كانوا ثلاثة لا، ولو أكثر يكره، وعن الثاني إذا لم يكن على الهيئة الأولى لا يكره، وإلا فيكره، وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة فيما روي عن الثاني. (بزازية على الهندية، الصلاة، الفصل الخامس عشر: في الإمامة والاقتداء، قديم زكريا ديوبند ٤/ ٥٦، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۳۹)

بھی کراہت کا گمان ہوتا (*) ہے؛ لیکن اگر کوئی عذر ہو تو مضائقہ نہیں ہے(۱)۔

۲۰/ جمادی الاولی ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۸۷ ج ۱)

نوافل کی جماعت کا حکم

سوال (۲۹۳): قدیم ۱/ ۳۷۷- بلا اہتمام نوافل کی جماعت علاوہ تراویح جائز ہے یا نہیں؟ اور اس میں آدمیوں کی کچھ تعداد شرط ہے یا نہیں؟

(*) لیکن حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کچھ کراہت نہیں ہوتی''۔ (فتاوی رشیدیہ، ص: ۲۷۷-۲۸۱، باب ما یکرہ فی الصلاۃ الخ) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) فإن انفرد الإمام عن القوم بالمكان الأسفل اختلف المشايخ فيه، أي في كراهة انفراده به، قال الطحطاوي: لا يكره لعدم التشبه بأهل الكتاب؛ لأنهم لا يفعلونه، وظاهر الرواية الكراهة؛ لأن فيه إزدراء بالإمام حيث ارتفع كل الجماعة فوقه، وذكر عن شمس الأئمة الحلواني أن الصلاة على الرفوف في الجامع من غير ضرورة مكروه، وعند الضرورة بأن امتلأ المسجد لا بأس به، وهكذا يحكى عن الفقيه أبي الليث في الطاق أنه إذا ضاق المسجد عن القوم لا يكره انفراد الإمام في الطاق. (حلبي كبيري، الصلاة، كراهية الصلاة، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٣٦١)

وأما عكسه وهو انفراد القوم على الدكان بأن يكون الإمام أسفل فهو مكروه أيضا في ظاهر الرواية ...... وجواب ظاهر الرواية أقرب إلى الصواب؛ لأن كراهة كون المكان أرفع كان معلولا بعلتين: التشبه بأهل الكتاب ووجود بعض المفسد، وهو اختلاف المكان وهاهنا وجدت إحدى العلتين، وهي وجود بعض المخالفة كذا في البدائع، ومن المشايخ من علل الكراهة في الثانية بما في ذلك من شبه الإزدراء بالإمام ...... وهذا كله عند عدم العذر، أما عند العذر كما في الجمعة والعيدين، فإن القوم يقومون على الرفوف، والإمام على الأرض ولم يكره ذلك لضيق المكان. (البحر الرائق، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٧، كوئٹه ٢/ ٢٦)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٨٣، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٨٨۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الدرالمختار: ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان، أي يكره ذٰلک لو على سبيل التداعي بأن يقتدي أربعة بواحد، وفي ردالمحتار: أما اقتداء واحد بواحد أو اثنين بواحد فلايكره، وثلاثة بواحد فيه خلاف بحرا۵. (۱)۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اگر مقتدی ایک یا دو ہوں تو کراہت نہیں اور اگر چار ہوں تو مکروہ ہے اور اگر تین ہوں تو اختلاف ہے۔

۱۲/ رمضان ۱۳۲۴ھ (امداد صفحہ ۸۰ ج ۱)

سوال (۲۹۴): قدیم ۱/ ۳۷۷- آپ کی کتاب ''بہشتی گوہر'' مطبوعہ بلالی واقع ساڈھورہ کے عنوان ''جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کی شرطیں'' کے تحت میں یہ عبارت موجود ہے کہ: اگر کوئی شخص باجود نہ پائے جانے ان شرائط کے نماز جمعہ پڑھے، تو اس کی نماز نہ ہوگی۔ نماز ظہر پھر اس کو پڑھنا ہوگا اور

....

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب: في كراهية الاقتداء في النفل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۰۰، كراچی ۲/ ۴۹ ـ

إن التطوع بالجماعة إنما يكره إذا كان على سبيل التداعي، أما لو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لا يكره، وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه، وإن اقتدى أربعة بواحد كره اتفاقا. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل العاشر: في التطوع، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۲، رقم: ۲۴۵۹)

عن شمس الأئمة أن هذا فيما كان على سبيل التداعي، أما لو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لا يكره، وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه، وإن اقتدى أربعة بواحد كره اتفاقا. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، قبيل فصل في بيان النوافل، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۳۸۶)

حلبي كبيري، كتاب الصلاة، تراويح، مكتبه اشرفيه ديوبند ص: ۴۰۸ ـ

هندية، الصلاة باب في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة، قديم زكريا ۱/ ۸۳، جديد زكريا ۱/ ۱۴۱ ـ

البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۶۰۴، كوئٹه ۱/ ۳۴۵ ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

چونکہ یہ نماز نفل ہوگی اور نفل کا اس اہتمام سے پڑھنا مکروہ ہے؛ لہٰذا ایسی حالت میں نماز جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (درمختار) (۱)۔

اس عبارت سے تردد اور خلجان دل کو اس وجہ سے ہوا ہے کہ اس سے تعمیم معلوم ہوتی ہے کہ خواہ کسی مہینے میں اس اہتمام سے نماز جمعہ ادا کی جاوے رمضان ہو یا غیر رمضان عدم شرائط جمعہ کی تقدیر پر نماز جمعہ کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہی ہوگا۔ اور مندرجہ ذیل عبارت سے بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے:

في الهداية: ولا يصل الوتر بجماعة في غير شهر رمضان عليه إجماع المسلمين والله أعلم، تحته في فتح القدير: لأنه نفل من وجه والجماعة في النفل في غير رمضان مكروه، فالاحتياط تركها فيه. (۲)

اس شبہ کا جواب بھی مفصل دیں۔ اس واسطے کہ بعض عالم بہت ہی چھوٹے چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز حنفی المذہب ہوتے ہوئے پڑھتے ہیں، اور جب ان سے کہتے ہیں تو وہ ان ہی عبارتوں کو لے کر جواب دیتے ہیں کہ ہم تو نفل پڑھتے ہیں اور نفل رمضان شریف کے مہینہ میں جماعت سے پڑھنے میں کوئی قباحت وکراہت نہیں ہے؟

---

(۱) **ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان، أي يكره ذلک على سبيل التداعي بأن يقتدى أربعة بواحد كما في الدرر.** (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۰۰، كراچی ۲/ ۴۹)

ولا يصلي التطوع بجماعة إلا في شهر رمضان، وعن شمس الأئمة السرخسي: أن التطوع بالجماعة إنما يكره إذا كان على سبيل التداعي، أما لو اقتدى واحد بواحد أو إثنان بواحد لا يكره، وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه، وإن اقتدى أربعة بواحد كره اتفاقا. (تاتارخانية، الصلاة، الفصل العاشر: في التطوع، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۲، رقم: ۲۴۵۹)

حلبي كبيري، كتاب الصلاة، تراويح، مكتبه اشرفيه ديوبند ص: ۴۰۸ ۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، قبيل فصل في بيان النوافل، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۳۸۶۔

(۲) هداية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، قبيل باب إدراك الفريضة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۸۷، كوئٹه ۱/ ۴۰۹ ۔

الجواب: ''فتح القدیر'' کی عبارت: ''والجماعة في النفل الخ'' سے مقصود جواز فی رمضان کا ایجاب کلی نہیں؛ بلکہ جواز فی غیر رمضان کا سلب کلی ہے، یعنی یہ مطلب نہیں کہ رمضان میں ہر نفل جائز ہے؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر رمضان میں کوئی نفل جائز نہیں اور رمضان میں بعض نوافل جائز ہیں، گو وہ من وجہ ہی نوافل ہوں، جیسے وتر اور تراویح (۱)۔

۲۶/ رمضان ۱۳۴۲ھ (ترجیح خامس صفحہ ۱۴۴)

غیر مقلد و بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم

سوال (۲۹۵): قدیم ۱/۳۹۵- غیر مقلد کے پیچھے حنفی کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور کیسی ہوتی ہے؟

الجواب (*) : غیر مقلد بہت طرح کے ہیں، بعض ایسے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا خلاف احتیاط یا مکروہ یا باطل ہے؛ چونکہ پورا حال معلوم ہونا فی الفور مشکل ہے؛ اس لئے احتیاط یہی ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جاوے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۰ ج ۱)

(*) غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں حضرت قدس سرہ سے پانچ فتوے (نمبر: ۲۹۴ و ۲۹۶ و ۲۹۸ و ۲۹۹ و ۳۴۹) اور ایک محققانہ تحریر نمبر: (۲۹۷) شامل کتاب ہیں جن میں واضح اور مفصل جواب نمبر: ۲۹۹ ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

---

(۱) **ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان.** (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۰۰، كراچی ۲/ ۴۹)

واعلم أن النفل بالجماعة على سبيل التداعي مكروه على ما تقدم ما عدا التراويح. (حلبي كبيري، تتمات من النوافل، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۴۳۲)

ويوتر بجماعة استحبابا في رمضان فقط عليه إجماع المسلمين؛ لأنه نفل من وجه، والجماعة في النفل في غير التراويح مكروه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، قبيل فصل في بيان النوافل، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۳۸۶)

(۲) **الحاصل أنه إن علم الاحتياط فی مذهبنا فلا كراهية في الاقتداء به، وإن علم** ←

سوال (۲۹۶): قدیم ۱/۳۷۹- بعض موحد مومن نیت پیچھے بدعتی کے نہیں کرتے یہ کیسا ہے؟ اور بعض کا قول ہے کہ پڑھ لیوے، مگر دوبارہ نماز اپنی اعادہ کرلیوے؟

الجواب: ہر چند کہ مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ **کما في الدر المختار: ومبتدع (۱)** مگر تنہا نماز پڑھنے سے جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔

وفي النهر: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة (درمختار) وفي ردالمحتار: أفاد أن الصلوٰة خلفهما أولٰى من الإنفراد اھ (۲).

....

← **عدمه فلا صحة، وإن لم يعلم شيئا كره.** (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٤٤٤، كراچی ۲/ ۷)

فصار الحاصل أن الاقتداء بالشافعي على ثلاثة أقسام، الأول: أن يعلم منه الاحتياط في مذهب الحنفي فلا كراهة في الاقتداء به، الثاني: أن يعلم منه عدمه فلا صحة ...... الثالث: أن لا يعلم شيئا فالكراهة ولا خصوصية لمذهب الشافعي بل إذا صلى حنفي خلف مخالف لمذهبه، فالحكم كذلك. (البحرالرائق، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه مكريا ديوبند ۲/ ۸۱-۸۲، كوئٹه ۲/ ٤۷)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۲۹٤ ـ

منحة الخالق على البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۸۲، كوئٹه ۲/ ٤۷ـ

(۱) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۹، كراچی ۱/ ٥٦۰ ـ

وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع. (النهرالفائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲٤۲، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱٦۳)

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام، مكتبه زكريا ۲/ ۳۰۱، كراچی ۱/ ٥٦۲ ـ ←

اوراعادہ ہر چند کہ وقت ترک سنت کے مستحب ہے لیکن بشرطیکہ اعادہ (*) میں ترک سنت لازم نہ آوے اور یہاں اعادہ میں ترک جماعت کہ سنت ہے لازم آتا ہے، پس اعادہ کچھ ضرور نہیں۔

(امداد صفحہ ۱۰۲ ج ۱)

سوال (۲۹۷): قدیم ۱/ ۳۷۹- اگر بعد اذان مغرب کے باوجود (**) موجود ہونے امام کے چھ سات منٹ توقف کیا جاوے بعذر یا بغیر عذر کے آیا جائز ہے یا نہیں؟

(*) اس وقت یہی ذہن میں آیا اور اصل دلیل یہ ہے کہ جو سنت نماز میں داخل ہے اس کے ترک سے اعادہ ہے (۱) یہاں ایسا نہیں۔۱۲ منہ (تفصیل کے لئے سوال نمبر: ۲۷۶ کا جواب ملاحظہ فرمائیں)

۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) عبارت واضح نہیں، اس وقت مطلب یہ سمجھا گیا تھا کہ امام نماز شروع کرادے پھر بھی کوئی شخص علیحدہ بیٹھا رہے یہ کیسا ہے؟ جواب اسی پر منطبق ہے۔ اور اگر سوال کا یہ مطلب ہو کہ امام اور جماعت سب کے سب کسی وجہ سے ٹھہرے رہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک وقت مستحب باقی رہے تاخیر جائز ہے۔ (تفصیل کے لئے سوال نمبر: ۱۶۱ دیکھیں۔۱۲ سعید احمد پالن پوری) ←

← **وقال في مجمع الروايات: وإذا صلى خلف فاسق أو مبتدع يكون محرزا ثواب الجماعة، لكن لا ينال ثواب من يصلي خلف إمام تقي (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي: وفي السراج: هل الأفضل أن يصلي خلف هولاء ام الإنفراد؟ قيل: أما في الفاسق، فالصلاة خلفه أولى ...... وجزم في البحر: بأن الاقتداء بهم أفضل من الإنفراد.** (حاشية الطحطاوي على المراقي، الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، دارالكتاب ص: ۳۰۳)

البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۶۱۱، كوئٹه ۱/ ۳۴۸، ۳۴۹، النهرالفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة والحدث في الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۴۴۔

(۱) وكل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها (درمختار) وفي الشامية: ومقتضى هذا أنه لو صلى منفردا يؤمر بإعادتها بالجماعة وهو مخالف لما صرحوا به في باب إدراك الفريضة –إلى قوله– إلا أن يدعي تخصيصها بأن مرادهم بالواجب والسنة التي تعاد بتركه ما كان من ماهية الصلاة وأجزائها فلا يشمل الجماعة؛ لأنها وصف لها خارج عن ماهيئتها. (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۴۸، كراچی ۱/ ۴۵۷)

الجواب: تخلف جماعت سے خواہ مغرب میں ہو یا دوسرے وقت میں بے عذر بہت برا ہے۔ ''**کما ورد لایتخلف عنها إلا المنافق**'' (۱) البتہ اگر کوئی عذر شرعی ہو یا امام موافق المذہب کا انتظار ہو تو جائز ہے۔ مثلاً شافعیؒ امام پہلے پڑھتا ہے اگر حنفی کے انتظار میں بیٹھا ہے کچھ حرج نہیں (*)۔

ولو كان لكل مذهب إمام كما في زماننا، فالأفضل الاقتداء بالموافق سواء تقدم أو تأخر علىٰ ما استحسنه عامة المسلمين، وعمل به جمهور المؤمنين من أهل الحرمين والقدس ومصر والشام، ولا عبرة بمن شذ منهم (شامی ج۱ص ۳۷۹)(۲)۔ واللہ اعلم

۱۳/ جمادی الاولی ۱۳۰۳ھ (امداد جلد اول صفحہ ۱۰۶ تتمہ مسئلہ نمبر ۱۲۹۷ از تتمہ اولی صفحہ نمبر ۳۳۵)

خلاصۂ سوال:- تاخیر بعد آذان مغرب چھ سات منٹ بعذر یا بلا عذر

← مغرب میں بھی اذان سے نماز کا اتصال واجب نہیں۔۱۲ منہ (مگر اس جواب پر بھی بعض علماء نے کلام کیا ہے جو کہ ملحقات تتمہ اولیٰ میں درج ہے (جو یہاں جواب کے بعد درج ہے۔۱۲ سعید احمد پالن پوری)

اور ہم نے اصطلاحات میں اس کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں حکم جواز سے مطلقاً کراہت کی نفی مقصود نہیں ہے؛ بلکہ کراہت تحریمی کی نفی مقصود ہے۔۱۲ تصحیح الاغلاط ص: ۱۷)

(*) یہ ایک قول ہے جو اس وقت راجح معلوم ہوا اور بہت سے محققین اس انتظار کو منع کرتے ہیں؛ البتہ انتظار اس وقت ہے جب وہ شافعی مراعات خلافیات کی نہ کرتا ہو۔۱۲ منہ (تفصیل کے لئے شامی ۱/ ۴۱۷، مطلب إذا صلى الشافعي قبل الحنفي هل الأفضل الصلاة مع الشافعي أم لا؟ ملاحظہ فرمائیں۔۱۲ سعید احمد پالن پوری)

---

(۱) **عن عبدالله في حديث طويل قال: ولقد رأيتنا وما يتخلف عنها إلا منافق معلوم النفاق، ولقد كان الرجل يؤتى به يهادى بين الرجلين حتى يقام في الصف.** (مسلم شريف، كتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها، وأنها فرض كفاية، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۲، بيت الأفكار رقم: ٦٥٤)

أبوداؤد شريف، الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، النسخة الهندية ۱/ ۸۱، دارالسلام، رقم: ۵۵۰ ۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۰٤، كراچی ۱/ ٥٦٤ ۔

خلاصۂ جواب منہیہ:- جب تک وقت مستحب باقی رہے تاخیر جائز۔

تسامح: درلفظ:- ''جب تک وقت مستحب باقی رہے''۔

اصلاح تسامح:- درمیان اذان مغرب وا قامت فاصلہ خواندن ۳ آیات خورد کردہ شود، خواہ درحالت قیام، چنانچہ مذہب امام صاحب علیہ الرحمہ است یا نشستہ قدر سہ آیت گذارد، چنانچہ مذہب صاحبین است۔

ویجلس بینهما إلا في المغرب فیسکت قائما قدر ثلاثة آیات قصار هذا عنده وعندهما یفصل بجلسة کجلسة الخطیب ۱۲ (درمختار وردالمحتار ص۴۰۴ ج۱(۱))

ویسن خطبتان بجلسة بینهما بقدر ثلاث آیات علی المذهب ۱۲ (درمختار جلد ا ص۸۴۷(۲))

وزائد تاخیر ازایں جلسہ یا سکتہ تا اشتباک نجوم مکروہ تنزیہی است، و ما بعد آں مکروہ تحریمی است۔

والمستحب (إلی قوله) وتعجیل المغرب مطلقا، وتاخیره قدر رکعتین یکره تنزیها ۱۲ (درمختار)

....

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الأذان مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۵۶، کراچی ۱/ ۳۹۰۔

ویجلس بینهما إلا فی المغرب، أي یجلس المؤذن بین الأذان والإقامة علی وجه السنیة إلا في المغرب، فلا یسن الجلوس بل السکوت مقدار ثلاث آیات قصار أو آیة طویلة أو مقدار ثلاث خطوات، وهذا عند أبی حنیفة، وقالا: یفصل أیضا في المغرب بجلسة خفیفة قدر جلوس الخطیب بین الخطبتین. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۴۵۴، کوئٹه ۱/ ۲۶۱، مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الأذان بیروت ۱/ ۱۱۷)

(۲) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الجمعة، مکتبه زکریا دیوبند ۳/ ۲۰، کراچی ۲/ ۱۴۸۔

النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۳۵۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قوله: ويكره تنزيها الخ أفاد أن المراد بالتعجيل أن لا يفصل بين الآذان والإقامة بغير جلسة أو سكتة على الخلاف، وأن ما في القنية من استثناء التأخير القليل محمول على ما دون الركعتين، وأن الزائد على القليل إلى اشتباک النجوم مكروه تنزيها، وما بعده تحريما، إلا لعذرالخ ۱۲ (ردالمحتار جلد۱ص۳۸۳(۱))

ظاہر است کہ بعد اذان مغرب تاخیر سہ آیات قصار فاصلہ کردہ جلدی نماز شروع نماید ورنہ مکروہ تنزیہی یا تحریمی گردد۔ پس کدام وقت مستحب ممدود ست کہ درآں شش و ہفت منٹ گنجائش نماید؟ لازم است کہ جواب ایں طور دادہ آید: ''کہ ایں چنیں تاخیر بلاعذر تا اشتباک نجوم مکروہ تنزیہی است اگر در کدام صورت دریں اندازہ اشتباک نجوم ظاہر گردد و بعدہ مکروہ تحریمی ست، مستحب است کہ اندازہ سہ آیت قصیرہ توقف کردہ کہ انداز سوئم حصہ منٹ ہم نباشد بعدہ جلدی نماز شروع نمایند، بلاعذر توقف شش و ہفت منٹ کردہ نہ شود کہ جائز و مستحب نیست بلکہ مکروہ است فتأمل وتدبر فيه۔

غیر مقلد کی اقتداء کا حکم

سوال (۲۹۸): قدیم ۱/۳۸۱- کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ کی بابت کہ: آمین بالجہر ورفع الیدین اور نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے والے ونیز امام کے پیچھے الحمد پڑھنے والوں کے پیچھے ہم اہل سنت والجماعت کو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب قرآن شریف وحدیث سے ہو۔

الجواب: ان لوگوں کا اختلاف حنفیہ کے ساتھ صرف ان ہی مسائل فرعیہ میں ہے یا عقائد میں بھی اور یہ لوگ امام ہونے کی حالت میں آیا مسائل طہارت میں مراعات خلاف کی کرتے ہیں یا نہیں (۲)۔

(۲۸؍شعبان ۱۳۳۷ھ (تتمۂ خامسہ صفحہ ۹۰)

....

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۸-۲۹، كراچی ۱/ ۳۶۹، حلبي كبيري، كتاب الصلاة، الشرط الخامس، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۲۳۴، النهر الفائق، كتاب الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۱۶۴، الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۱۸۳۔

(۲) اگران کا اختلاف حنفیہ کے ساتھ صرف مسائل فرعیہ اجتہادیہ میں ہے اور وہ دوران نماز ←

سوال (۲۹۹): قدیم ۱/۳۸۲- تمہید: مسئلہ اقتداء بالمخالف کے باب میں ایک قول کی نسبت علم الفقہ میں یہ عبارت ہے (*) ۔ درحقیقت یہ قول بالکل بے دلیل اور نہایت نفرت کی نظر سے

(*) دیکھئے علم الفقہ جلد دوم ص: ۸۴ کا حاشیہ ''باب جماعت کے صحیح ہونے کی شرطیں'' ۔
۱۲ سعید احمد پالن پوری

← خلافیات یعنی مختلف فیہ مسائل میں حنفی مقتدی کی رعایت کرتے ہیں، تو ان کی اقتداء حنفی کے لئے اسی طرح جائز ہے جس طرح شافعی امام کی اقتداء جائز ہے۔ اور اگر ان کا اختلاف احناف کے ساتھ عقائد اور اجماعی مسائل میں بھی ہے اور وہ متعصب ہیں، یعنی سلف صالحین کو لعن وطعن کرتے ہیں، تو ایسے لوگ فاسق ہیں، ان کی اقتداء کسی حنفی کے لئے جائز نہیں۔ (اس سلسلہ میں حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ کا ایک مفصل جواب سوال نمبر: ۳۰۱ کے ذیل میں آرہا ہے)

فصار الحاصل أن الاقتداء بالشافعي على ثلاثة أقسام، الأول: أن يعلم منه الاحتياط في مذهب الحنفي فلا كراهة في الاقتداء به، الثاني: أن يعلم منه عدمه فلا صحة ...... الثالث: أن لا يعلم شيئا فالكراهة ولا خصوصية لمذهب الشافعي بل إذا صلى حنفي خلف مخالف لمذهبه، فالحكم كذلك. (البحر الرائق، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه مكريا ديوبند ۲/ ۸۱-۸۲، كوئٹه ۲/ ٤۷)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۲۹٤ ۔

شامي، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۲، كراچی ۱/ ٥٦۳ ۔

ومنهم من قيد جواز الاقتداء بهم كقاضي خان بأن لا يكون متعصبا الخ. (فتح القدير، الصلاة، باب صلاة الوتر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ٤٥۲، كوئٹه ۱/ ۳۸۱)

خانية على الهندية، الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به، وفيمن لا يصح، قديم زكريا ۱/ ۹۱، جديد زكريا ۱/ ٥۹ ۔

البحرالرائق، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۸۰، كوئٹه ۲/ ٤٥ ۔

وكره إمامة العبد والأعرابي والفاسق والمبتدع. (النهر الفائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲٤۲)

شامي، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۹، كراچی ۱/ -٥٦٠ ۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱٦۳ ۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دیکھنے کے قابل ہے۔ اگر اس قول پر عمل کیا جاوے تو آپس میں سخت افتراق پڑ جائے گا اور بڑی مشکل پیش آئے گی۔ آہ! اس پر غلاۃ فی البدعات نے غیر مہذب عنوان سے رد لکھا۔ اور مؤلف کے حق میں یہ الفاظ لکھے: نہ سنی ہے، نہ حنفی، نہ اسے امام بنانا حلال، نہ اس کے پیچھے نماز جائز، نہ اس کا وعظ سننا روا (وہ) خود رائے ہے اور کج فہم، و بے ادب، ائمہ کے ساتھ گستاخ اور مسائل شرعیہ کی توہین کرنے والا اور خود اپنے اقرار سے فاسق، معلن، وہابی، غیر مقلد ہے۔ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہئے اور نہ اس کا وعظ سننا چاہئے۔ وہ عوام الناس کو گمراہ کرتا ہے اور اس کے نزدیک ہرگز نہ جانا چاہئے، ایسے گندم نما جو فروش سے اجتناب چاہئے، اس کو فاسق سمجھیں اس کی مدح نہ کریں کہ فاسق کی مدح سے غضب ذوالجلال اترتا ہے۔ غیر مقلدین کے بعض عقائد کو اچھا سمجھنے کے سبب مستحق کفر ہے۔ آہ! مؤلف کی جماعت (*) نے خانقاہ کی تحریر چاہی اولاً عذر کر دیا گیا ثانیاً مکرر استدعاء پر جواب ذیل دیا گیا۔

(**الجواب**) مکرمی سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ! لفافہ حاملہ تین قطعات مطبوعہ اور کارڈ موصول ہوئے، مجھ کو جواب تحریر کرنے کا مکرر مشورہ دیا گیا ہے۔ امتثالاً للامر کچھ لکھتا ہوں (اور اگر رائے ہو میری طرف سے اس کی اشاعت کی بھی اجازت ہے) جس کے ملاحظہ سے معلوم ہو جائے گا کہ میں جواب کس عذر کے سبب نہ لکھتا تھا، حاصل اس عذر کا یہ ہے کہ میرا جواب اصل مسئلہ کو من کل الوجوہ مفید نہیں۔ اور میری کیا تخصیص ہے، شاید کسی حنفی سے ایسا جواب ملنے کی توقع نہ ہوگی جو من کل الوجوہ مفید اور موافق ہو۔ گو من وجہ جو ایک اعتبار سے اصل مقصود ہے، ضرور مفید ہے۔

امر اول: اس لیے کہ اس مسئلہ فرعیہ میں منجملہ اقوال مختلفہ کے میرے نزدیک احوط وہ تفصیل ہے، جو ''درمختار'' میں ''بحر'' سے نقل کی ہے۔

بقوله: إن تيقن المراعات لم يكره أو عدمها لم يصح، وإن شك كره (۱)۔

(*) یعنی ''علم الفقہ'' کے مولف کی جماعت نے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کی تحریر چاہی۔
۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲ / ۳۰۲، كراچی ۱/ ۵۶۳۔

فصار الحاصل أن الاقتداء بالشافعي على ثلاثة أقسام، الأول: أن يعلم منه ←

اور جس کی ترجیح ردالمحتار میں حلبی سے نقل کی ہے: **بقوله: هذا هو المعتمد؛ لأن المحققين جنحوا إليه، وقواعد المذهب شاهدة عليه الخ (۱)۔**

البتہ اس تفصیل کے جزو ثالث کو میں مؤل ومقید سمجھتا ہوں تاویل یہ کہ مراد کراہت سے خلاف اولیٰ ہے تقیید یہ کہ اپنے مذہب کا امام بدون ارتکاب کسی محذور واعراض عن الجماعۃ وغیرہ کے میسر ہو۔

ومبنى التاويل مانقله فى ردالمحتارعن حاشية الرملى على الا شباه الذى يميل اليه خاطرى القول بعدم الكراهة اذا لم يتحقق منه مفسد (۲) آه ووجه التقييد ظاهر.

نیز مراعات کا محل صرف فرائض ہیں۔

كما في ردالمحتار: أي المراعات في الفرائض من شروط، وأركان في تلك الصلوٰة، وإن لم يراع في الواجبات والسنن، كما هو ظاهر سياق كلام البحر، وظاهر كلام شرح المنية أيضاً حيث قال: وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز مالم يعلم منه ما يفسد الصلوٰة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع إنما اختلف في الكراهة (۳) آه. قلت: وفي التمثيل بالشافعي الذي الأصل فيه عدم التعصب خرج

....

← **الاحتياط في مذهب الحنفي فلا كراهة في الاقتداء به، الثاني: أن يعلم منه عدمه فلا صحة ...... الثالث: أن لا يعلم شيئا فالكراهة ولا خصوصية لمذهب الشافعي بل إذا صلى حنفي خلف مخالف لمذهبه، فالحكم كذلك.** (البحرالرائق، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه مكريا ديوبند ۲/ ۸۱-۸۲، كوئٹه ۲ / ٤٧)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۲۹٤ ـ

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲ / ۳۰۲، كراچى ۱/ ٥٦۳ ـ

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۳، كراچى ۱/ ٥٦۳ ـ

(۳) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۲، كراچى ۱/ ٥٦۳ ـ ←

من الحكم القائلون بحرمة التقليد المدعون للاجتهاد لأنفسهم الذين الغالب فيهم التعصب، وقد صرحوا بكراهة الاقتداء بالمتعصب (۱)۔

اور چونکہ میں اس کو احوط سمجھتا ہوں اور احتیاط شرعاً محمود ومطلوب ہے، چنانچہ زمعہ کا قصہ صحاح میں مذکور ہے کہ آپ نے ولد کو فراش کا حق فرمایا۔ اور باوجود اس کے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس مولود سے احتجاب کا حکم دیا (۲)۔ جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اس قول کا غیر راجح ہونا بھی ثابت ہو جائے۔ ''وإني لآخذ ذلک'' تب بھی احتیاط کے لیے اس کو اخذ کرنا احفظ للدین ہوگا؛ اس لیے اس قولِ احوط کو بے دلیل، نہایت نفرت کی نظر سے دیکھنے کے قابل اور موجب افتراق شدید واشکالِ عظیم قرار دینے کو میں پسند نہیں کرتا؛ بلکہ کسی مسئلہ مجتہد فیہا پر بھی ہم جیسوں کا ایسا حکم کرنا غیر مرضی ہے۔ خصوصاً جب کہ سلف سے ایسا جزئیہ منقول بھی ہو۔ چنانچہ مدونہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

....

← **هل المراد بالاحتياط الإتيان بالشروط والأركان أو ما يشمل ترك المكروه عندنا، كترك رفع اليدين عند الانتقالات، وتأخير القيام عن محله في القعود الأول بسبب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، وظاهر كلام الشيخ إبراهيم في شرح المنية الأول فإنه قال: وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع إنما اختلف في الكراهة.** (منحة الخالق على البحر الرائق، الصلاة، زكريا ۲/ ۸۲، كوئٹه ۲/ ۴۷)

حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۵۱۶ ۔

(۱) **وأما الاقتداء بشفعويّ المذهب قالوا: لا بأس به إذا لم يكن متعصبا ولا شاكّا في إيمانه ولا متحرفا تحريفا فاحشا عن القبلة.** (قاضي خان على الهندية، كتاب الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لا يصح، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۹۱، جديد زكريا ۱/ ۵۹)

ومنهم من قيد جواز الاقتداء بهم كقاضي خان بأن لا يكون متعصبا ولا شاكّاً في إيمانه، ويحتاط في موضع الخلاف. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۵۲، كوئٹه ۱/ ۳۸۱)

(۲) بخاري شريف، البيوع، باب تفسير المشتبهات، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۶، رقم: ۲۰۰۷، ف: ۲۰۵۳، مسلم شريف، كتاب الرضاع، باب الولد للفراش وتوقي الشبهات، النسخة الهندية ۱/ ۴۷۰، رقم: ۱۴۵۷۔

قال: وسئل مالک عمن صلی خلف رجل یقرء بقراء ۃ ابن مسعودؓ قال: یخرج ویدعه ولا یأثم به، قال: وقال مالکؒ: من صلی خلف رجل یقرأ بقراء ۃ ابن مسعودؓ فلیخرج ولیترکه، قلت فهل علیه أن یعید إذا صلی خلفه في قول مالک قال ابن القاسم: إن قال لنا یخرج فأری أنه یعید فی الوقت و بعده (ا) (ص ٨٤)

قلت و ظاهر أن من کان یقرء بقراء ۃ ابن مسعودؓ فهو یعتقدها قرٰاناومع ذلک لم یجوز مالک الصلواۃ خلفه والمسئلة مجتهد فیها کما یظهر من مراجعة نیل الأوطار باب الحجة فی الصلوٰۃ بقراء ۃ ابن مسعودؓ الخ (٢)۔

اوراس قول کا علم الفقہ کےقول مختار کے ساتھ مغائر ہونا ظاہر ہے۔اس سے امراول ثابت ہوگیا کہ میرا جواب اصل مسئلہ کومن کل الوجوہ مفید نہیں۔

امرثانی: کا بیان یہ ہے کہ میں باوجودعلم الفقہ کےقول کے قائل نہ ہونے کےاورقول مقابل کی نسبت رائے مذکور پسند نہ کرنے کے پھربھی صاحبِ قول مذکورورائے مذکورکی شان میں ایسے فتووں کواورایسے الفاظ کوجوکہ اشتہارواجب الاظہارمیں نقل کیے گئے ہیں،معصیت اورحرام اورغلواورتعصب سمجھتا ہوں،جس کا نہ اعتقادجائزنہ نقل جائزالالرد خصوصاًان کےمحاسن وفضائل وخدمات دینیہ پرنظرکرتے ہوئے ان کے کلام کامحمل صحیح پرحمل واجب ہے،بعض محامل اشتہارواجب الاظہارکےجواب میں معہ نظائرپیش بھی کیے گئے ہیں۔اگرجواب کی ضرورت ہی تھی تواتنا کافی تھا کہ مسئلہ مختلف فیہا ہےاورہمارےنزدیک دوسراقول راجح ہےاورمجتہد فیہ کی نسبت ایسے الفاظ زیبانہیں؛اس لیےمشورہ دیا جاتا ہے کہ گوفتوے سے رجوع نہ کریں۔گواولی واوفق بالمصالح العامہ یہ بھی ہے؛لیکن ایسے الفاظ سےضرور رجوع فرمالیں کہ اقرب الی

....

(ا) المدونة الکبری، کتاب الصلاۃ، الصلاۃ خلف أهل الصلاح وأهل البدع ١/ ١٤٠، دارالحدیث القاهره۔

(٢) نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار من أحادیث سید الأخیار، کتاب اللباس، أبواب صفة الصلاۃ، باب الحجة في الصلاۃ بقراءۃ ابن مسعود، وأبي وغیرهما ممن أثني علی قراءته، بیت الأفکار الدولیة، ص: ٣٩٠-٣٩١، دارالحدیث القاهرة ١/ ٥٩٢-٥٩٣۔

ادب الاحکام وابعد عن تشویش العوام ہے، اونحو ذلک اس سے امر ثانی ثابت ہوگیا کہ میرا جواب اصل مقصد کے اعتبار سے (کہ وجوب کف لسان ہے مؤلف علم الفقہ کے سب وشتم سے) مفید ہے۔

وفي هذا كفاية إنشاء الله تعالىٰ لمن أنصف، ولم يتعسف. والله أعلم والسلام مع الإكرام خير ختام.

(۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ (تتمۂ خامسہ ص ۴۳۵)

غیر مقلد کے پیچھے نماز کا حکم

سوال (۳۰۰): قدیم ۱/ ۳۸۵- مقلد غیر مقلد امام کے پیچھے از روئے مسئلہ حنفی کسی حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پڑھ سکتا ہے تو کس حالت میں، اگر نہیں پڑھ سکتا ہے اور ناواقفیت میں پڑھ لیا تو نماز مقلد مقتدی کی ہوگی یا نہیں؟ اگر نماز نہیں ہوئی تو اعادہ کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ فقط

الجواب: نماز حسب قواعد فقہیہ صحیح ہوگئی (۱) مگر احتیاط اعادہ میں ہے (۲)۔

۲۴/ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اول ص ۲۴)

---

(۱) **فصار الحاصل أن الاقتداء بالشافعي على ثلاثة أقسام، الأول: أن يعلم منه الاحتياط في مذهب الحنفي فلا كراهة في الاقتداء به، الثاني: أن يعلم منه عدمه فلا صحة ...... الثالث: أن لا يعلم شيئا فالكراهة ولا خصوصية لمذهب الشافعي بل إذا صلى حنفي خلف مخالف لمذهبه، فالحكم كذلك.** (البحر الرائق، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۸۱-۸۲، كوئٹه ۲/ ۴۷)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۲۹۴ ـ

شامي، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۲، كراچى ۱/ ۵۶۳ ـ

(۲) **والصلاة جائز في جميع ذلك لاستجماع شرائطها، وتعاد على وجه غير مكروه، وهذا الحكم في كل صلاة أديت مع الكراهة (هداية) وفي فتح القدير: قوله: تعاد، صرح بلفظ الوجوب الشيخ قوام الدين الكاكي في شرح المنار، ولفظ الخبر المذكور** ←

سوال (۳۰۱): قدیم ۱/۳۸۵- (*)ماقولكم رحمهم الله تعالىٰ في هذه المسئلة. اقتداء الحنفي خلف غيرالمقلد جائز أم لا؟ بينوا بالدليل.

الجواب : (**) مبسملاً وحامدًا و مصليا! أقول: التفصيل عندي أن غيرالمقلدين هم أصناف شتى، فمنهم من يختلف مع المقلدين في الفروع الاجتهادية فقط، فحكمهم في جواز الاقتداء بهم للحنفية كا لشافعية حيث يجوز بشرط المراعات في الخلافيات الصلوتية وفاقاً، وعند عدم المراعاة خلافاً، وبالأول أفتى الجمهور، فإن أم الصلوٰة مما ينبغي أن يحاط فيه. ومنهم من يختلف معهم في الاجماعيات عند أهل السنة كتجويز النكاح مافوق الأربع، وتجويز المتعة، وتجويز سب السلف، وأمثال ذلك، وحكمهم كأهل البدعة حيث يكره الاقتداء بهم تحريما عند الاختيار وتنزيها عند الاضطرار، وحيث يشتبه الحال، فالأولى أن يقتدى بهم دفعاً للفتنة ثم يعيد أخذاً بالأحوط، ولوكانت الفتنة في الاقتداء فلا يقتدى صوناً للمسلمين عن التخليط في الدين، والتجرء على الشرع المتين. والله تعالىٰ أعلم، وعنده علم اليقين والحق المبين. ثاني يوم النفر من ذي الحجة، سن ۱۳۲۹ من الهجرة المقدسة.

(تتمہ اولیٰ صفحہ ۳۹)

(*) خلاصۂ سوال: حنفی کا غیر مقلد امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) ترجمہ جواب: مبسملاً وحامدًا و مصليا (أما بعد) میرے نزدیک مسئلہ میں ←

← أعني قوله: وتعاد، يفيده أيضا على ما عرف، والحق التفصيل بين كون تلك الكراهة كراهة تحريم، فتجب الإعادة أو تنزيه فتستحب. (فتح القدير، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فصل: ويكره للمصلي الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۲۹، كوئٹه ۱/ ۳۶۴)

ثم هذا حيث كان النقصان بكراهة تحريم لما في مكروهات الصلاة من فتح القدير أن الحق التفصيل بين كون تلك الكراهة كراهة تحريم، فتجب الإعادة أو تنزيه فتستحب أي تستحب في الوقت وبعده أيضا. (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب قضاء الفوائت، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۲۲، كراچى ۲/ ۶۵)

پابند نماز کا غیر پابند نماز کی اقتدا کا حکم

سوال (۳۰۲): قدیم ۱/۳۸۷- ایک حافظ قرآن صحیح پڑھتا ہے، مگر نماز کا پابند نہ تھا، کبھی پڑھ لیتا اور اکثر چھوڑ دیا کرتا تھا۔ اب وہ ماہ رمضان میں تراویح کی نماز پڑھانا چاہتا ہے، ایسے حافظ کے پیچھے ان لوگوں کی نماز جو برابر نماز کے پابند ہیں بلا کراہت ہوگی یا بکراہت؟ اگر مکروہ ہوتی ہو اور وہ اس وقت توبہ کرے کہ اب نماز ہم نہیں چھوڑیں گے اور جتنی نمازیں قضاء ہوگئی ہیں ان کی قضاء پڑھ لیں گے تو کراہت زائل ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: توبہ سے کراہت زائل ہو جاوے گی؛ کیونکہ علت کراہت کی فسق ہے اور توبہ سے فسق زائل ہو جاتا ہے (۱) اور مطالب (*) بالحقوق رہنا موجب فسق نہیں۔ وہٰذا ظاہر۔ فقط

۲۴/شعبان ۱۳۲۵ھ۔ (امداد صفحہ ۹۰ ج ۱)

← تفصیل ہے؛ کیوں کہ غیر مقلد بہت طرح کے ہیں۔ بعضے ایسے ہیں کہ ان کا اختلاف مقلدین کے ساتھ صرف مسائل اجتہادیہ میں ہے، ان کی اقتداء کا حکم وہی ہے جو حنفی کے لئے شافعی امام کی اقتداء کا ہے، یعنی اگر وہ نماز میں خلافیات کی رعایت کرتا ہے تو بالاتفاق اقتداء جائز ہے، ورنہ جواز اقتدا میں اختلاف ہے اور جمہور کا فتویٰ عدم جواز کا ہے؛ کیوں کہ نماز کے معاملہ میں احتیاط ضروری ہے۔ اور بعضے غیر مقلدین ایسے ہیں کہ ان کا اختلاف مقلدین کے ساتھ ان مسائل میں ہے جو اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک اجماعی ہیں، جیسے چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح جائز قرار دینا، متعہ جائز قرار دینا اور سلف صالحین کے لئے سب وشتم (گالی گلوج) روا رکھنا امثال ذلک، ایسے لوگوں کا حکم بدعتی امام کے حکم کے مانند ہے، یعنی بغیر کسی مجبوری کے ان کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور کسی مجبوری کے وقت مکروہ تنزیہی ہے۔ اور جن غیر مقلدین کا حال مشتبہ ہو، اولیٰ یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے، تاکہ کوئی فتنہ نہ اٹھے اور بعد میں اعادہ کرلے، تاکہ احتیاط پر عمل ہوجائے؛ لیکن اگر فتنہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں ہے تو ان کے پیچھے نماز نہ پڑھے، تاکہ مسلمانوں کو دھوکہ نہ ہو اور وہ دین متین کے بارے میں بے باک نہ ہوجائیں۔ واللہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری۔

(*) یعنی اگر شبہ یہ ہو کہ اس بے نمازی نے توبہ کرلی ہے؛ لیکن ابھی فوت شدہ نمازیں قضاء نہیں کی ہیں اور جب اس کے ذمہ قضا باقی ہے تو فسق کیسے ختم ہوا؟ تو حضرت مجیب قدس سرہ جواب دیتے ہیں کہ حقوق (مثلاً نماز کی قضا) کا ذمہ پر واجب رہنا فسق کا سبب نہیں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا. [سورۂ طٰه، آیت: ۸۲] ←

جس کے ثنایا علیا نہ ہوں، اس کی امامت کا حکم

سوال (۳۰۳): قدیم ۱/ ۳۸۷- کسی عالم یا حافظ کے ثنایا علیا نہ ہوں جو مخرج تاطا دال کا ہے، تو ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ برتقدیر اول مع الکراہت یا بلاکراہت جواب مسائل ہذا مع سند کتاب معتبرہ تحریر فرمودہ رفع شک واختلاف فرمادیں، اگر درست نہ ہو تو جو شخص ان کی اقتداء کرے اس کو اعادہ لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اختلاف (*) ہے احوط (۱) عدم صحت ہے اور اوسع صحت ہے، میرے نزدیک اس زمانہ میں صحت کو ترجیح ہونا چاہئے۔

۵/ شعبان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۱۵۶)

(*) یہ جواب مذکور شخص کو الثغ (وہ شخص جو بعض حروف ادا کرنے پر قادر نہ ہو) قرار دے کر دیا ←

← **عن أبي عبيدة بن عبدالله عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له.** (ابن ماجة شريف، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ٣١٣، دارالسلام، رقم: ٤٢٥٠)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لو أخطأتم حتى تبلغ خطاياكم السماء، ثم تبتم لتاب عليكم. (ابن ماجة شريف، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ص: ٣١٣، دارالسلام، رقم: ٤٢٤٨)

بخاري شريف، كتاب المغازي، باب حديث الإفك، النسخة الهندية ٢/ ٥٩٦، رقم: ٣٩٩٢، ف: ٤١٤١ -

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الشهادات، باب شهادة القاذف، دارالفكر بيروت ١٥/ ١٧٥، رقم: ٢١١٥٠-

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٠/ ١٥٠، رقم: ١٢٥٨١ -

مسلم شريف، باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبة، النسخة الهندية ٢/ ٣٥٥، بيت الأفكار، رقم: ٢٧٤٨ -

(۱) ولا (أي لا يصح اقتداء) غير الألثغ به أي بالألثغ على الأصح كما في البحر ←

الثغ کی امامت کا حکم

سوال (۳۰۴): قدیم ۱/ ۳۸۸- ایک حافظ الثغ ہے اور نماز کی پابندی کے باب میں اس

← گیا ہے؛ لیکن حروف نطعیہ کا مخرج ''زبان کی نوک اور ثنایا علیا کی جڑ'' ہے، پس اگر کسی کے ثنایا علیا نہ ہوں تب بھی ان کی صحیح ادائے گی ممکن ہے؛ کیوں کہ جڑ موجود ہے اور جسے خوب پختہ مشق ہو وہ تو بالکل صحیح ادا کرسکتا ہے؛ البتہ عام لوگوں کی ادا ناقص (غیر صاف) ہوتی ہے؛ لیکن جیسا کہ سوال نمبر: ۳۰۵ کے جواب میں آرہا ہے کہ اگر حرف صاف ادا نہ ہو تو وہ الثغ نہیں ہے، الثغ وہ شخص ہے جو کسی حرف کو بالکل ادا نہ کرسکے بدل کر دوسرا حرف ہو جائے؛ لہٰذا جس کے ثنایا علیا نہ ہوں اگر وہ پختہ مشق ہونے کی وجہ سے حروف نطعیہ کو بالکل صحیح ادا کرلیتا ہے، تو اس کی امامت بلاکراہت جائز ہے اور اگر صاف ادا نہیں ہوتے تو اس کے پیچھے بھی نماز صحیح ہے؛ لیکن اگر بالکل ادا نہیں کرپاتا یعنی حروف نطعیہ بدل کر دوسرے حروف ہو جاتے ہیں، تب وہ الثغ ہے اور اس کے پیچھے نماز کی صحت میں اختلاف ہے، احوط عدم صحت ہے الخ۔ واللہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **عن المجتبیٰ (درمختار) وفي الشامية: قوله: على الأصح، أي خلافا لما في الخلاصة عن الفضلي من أنها جائزة؛ لأن ما يقوله صار لغة له، ومثله في التاتارخانية، وفي الظهيرية: وإمامة الألثغ لغيره تجوز، وقيل: لا، ونحوه في الخانية عن الفضلي، وظاهره اعتمادهم الصحة، وكذا اعتمدها صاحب الحلية، قال: لما أطلقه غير واحد من المشايخ من أنه ينبغي له أن لا يؤم غيره، ولما في خزانة الأكمل: وتكره إمامة الفأفاء اهـ. ولكن الأحوط عدم الصحة كما مشى عليه المصنف ونظمه في منظومته، وأفتى به الخير الرملي، وقال في فتاواه: الراجح المفتى به عدم صحة إمامة الألثغ لغيره ممن ليس به لثغة.** (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الألثغ، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۲۷-۳۲۸، كراچی ۱/ ۵۸۱-۵۸۲)

إمامة الألثغ لغير الألثغ: ذكر الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل: أنها تصح؛ لأن ما يقول صار لغة له، وقال غيره: لا تصح. (خانية على الهندية، الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لا يصح، قديم زكريا ۱/ ۹۰، جديد زكريا ۱/ ۵۸)

خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر: في الإمامة والاقتداء، في صحة الاقتداء، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۴۸ ـ ←

کا حال بھی مثل حافظ مذکور الصدر کے ہے (*)۔ بجائے چھوٹے سین کے بڑے شین اور بجائے جیم کے زیا ذیا بالعکس ان کی زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ باوجود کوشش مزید کے وہ ادائے حروف مذکورہ پر قادر نہیں، ایسے حافظ کے پیچھے نماز تراویح قرآن صحیح پڑھنے والوں کی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: امامت الثغ کی غیر الثغ کے لئے مختلف فیہ ہے۔ کما فی الحاشیة الشامیة (۱)۔ پس احقر کے نزدیک فرائض و وتر میں عدم جواز کا حکم احوط ہے اور تراویح میں جواز کا حکم اوسع ہے۔ واللہ اعلم

(۲۴ شعبان ۱۳۲۵ھ (امداد صفحہ ۹۱ ج ۱)

(*) یعنی جو کہ سوال سابق ۳۰۲ میں مذکور ہوا ہے یعنی وہ حافظ جو صحیح پڑھتا ہے، مگر نماز کا پابند نہیں ہے۔

← البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل باب الحدث في الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٦٤٢، كوئٹه ١/ ٣٦٧ ـ

التاتارخانية، الصلاة، الفصل السادس: من يصلح إماما لغيره و من لا يصلح، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٥٨، رقم: ٢٣٥٩ ـ

(١) ولا (أي لا يصح اقتداء) غير الألثغ به أي بالألثغ على الأصح كما في البحر عن المجتبىٰ (درمختار) وفي الشامية: قوله: على الأصح، أي خلافا لما في الخلاصة عن الفضلي من أنها جائزة؛ لأن ما يقوله صار لغة له، ومثله في التاتارخانية، وفي الظهيرية: وإمامة الألثغ لغيره تجوز، وقيل: لا، ونحوه في الخانية عن الفضلي، وظاهره اعتمادهم الصحة، وكذا اعتمدها صاحب الحلية، قال: لما أطلقه غير واحد من المشايخ من أنه ينبغي له أن لا يؤم غيره، ولما في خزانة الأكمل: وتكره إمامة الفأفاء اهـ **. ولكن الأحوط عدم الصحة كما مشى عليه المصنف ونظمه في منظومته، وأفتى به الخير الرملي، وقال في فتاواه: الراجح المفتى به عدم صحة إمامة الألثغ لغيره ممن ليس به لثغة.** (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الألثغ، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٢٧-٣٢٨، كراچى ١/ ٥٨١-٥٨٢)

إمامة الألثغ لغير الألثغ: ذكر الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل: أنها تصح؛ لأن ما يقول صار لغة له، وقال غيره: لا تصح. (خانية على الهندية، الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لا يصح، قديم زكريا ١/ ٩٠، جديد زكريا ١/ ٥٨)

خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر: في الإمامة والاقتداء، في صحة الاقتداء، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ١٤٨ ـ ←

جو شخص راء کے تلفظ پر قادر نہ ہو اس کی امامت کا حکم

سـوال (۳۰۵): قدیم ۱/۳۸۸- جس شخص سے راء نہ نکلتی ہو اس کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب : **في الدر المختار: ولا غير الألثغ به، أي بالألثغ على الأصح. وفي ردالمحتار: أي خلافا لما في الخلاصة عن الفضلي من أنها جائزة -إلى قوله- وظاهره اعتماد هم الصحة، ثم قال: ولكن الأحوط عدم الصحة، وفيه هو الذي يتحول لسانه من السين إلى الثاء، وقيل: من الراء إلى الغين أو اللام أو الياء زاد في القاموس: أو من حرف إلى حرف، وفيه أنه (أي اللثغة) لو كانت يسيرةً بأن يأتى بالحرف غير صاف لم تؤثر. الخ** (ج ۱ ص۶۰۸- ۶۰۹ (۱))

....

← البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل باب الحدث في الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۶۴۲، كوئٹه ۱/ ۳۶۷ ـ

التاتارخانية، الصلاة، الفصل السادس: من يصلح إماما لغيره و من لا يصلح، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۵۸، رقم: ۲۳۵۹ ـ

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الألثغ، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۲۷-۳۲۹، كراچى ۱/ ۵۸۱-۵۸۲ ـ

الألثغ إذا أم غير الألثغ ذكر الشيخ محمد بن الفضل: أنه يجوز، وقال غيره: لا تجوز إمامته. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس: من يصلح إماما لغيره و من لا يصلح، مكتبه زكريا ۲/ ۲۵۸، رقم: ۲۳۵۹)

إمامة الألثغ لغير الألثغ: ذكر الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل: أنها تصح؛ لأن ما يقول صار لغة له، وقال غيره: لا تصح. (خانية على الهندية، الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لا يصح، قديم زكريا ۱/ ۹۰، جديد زكريا ۱/ ۵۸)

خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر: في الإمامة والاقتداء، في صحة الاقتداء، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۴۸ ـ ←

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے۔ اگر راء نکلتی ہے لیکن صاف نہیں تو معتبر نہیں (*)۔ اور اگر لام وغیرہ سے بدل جاتی ہے تو اختلاف ہے لیکن جہاں بلوی ہو صحت کا حکم مناسب ہے۔

۱۰/رمضان ۱۳۳۲ھ تتمہ ثانیہ ص ۱۶۱

مسبوق کا صف کے بیچ میں سے کسی کو کھینچ کر پیچھے لے آنا

سوال (۳۰۶): قدیم ۱/ ۳۸۹- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور نماز با جماعت قائم ہے اور پہلی صف تام ہو چکی ہے۔ اب یہ شخص صف میں کس مقام سے مصلی کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملاوے اگر وسط صف سے کھینچے تو بظاہر: ''**ولا تذروا فرجات للشیطان**'' (۱) کا خلاف لازم آتا ہے اور جو کنارہ صف سے کھینچے اور وہیں کھڑا ہو جائے تو ''**توسطوا الإمام**'' (۲) کا خلاف ہوتا ہے اور جو کنارہ صف سے وسط صف میں لاوے تو حرکت زیادہ ہوتی ہے اور نیت باندھ کر کھینچنا بہتر ہے یا خارج نماز سے کھینچے؟ فقط

(*) یعنی ایسا شخص الثغ نہیں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، قبیل باب الحدث في الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ٦٤٢، کوئٹہ ۱/ ٣٦٧ ۔

(۱) **عن أبي شجرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب، وسدوا الخلل، ولينوا بأيدي إخوانكم، ولا تذروا فرجات للشيطان، ومن وصل صفا وصله الله، ومن قطع صفا قطعه الله.** (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ٩٧، دارالسلام، رقم: ٦٦٦)

(۲) **عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: توسطوا الإمام وسدوا الخلل.** (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الصلاة، جماع أبواب موقف الإمام والمأموم، باب مقام الإمام من الصف، دارالفكر ٤/ ٢٦٤، رقم: ٥٣٠٥)

أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب مقام الإمام من الصف، النسخة الهندية ۱/ ٩٩، دارالسلام، رقم: ٦٨١ ۔

الجواب : تصریح تو ملی نہیں (*)؛ لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وسطِ صف میں سے کھینچ لے، رہا یہ کہ "لا تذروا الخ" کے خلاف لازم آتا ہے، سو فرجات بند کرنے کا حکم اصطفاف کے وقت ہے اور اثنائے صلوٰۃ اگر کسی عارض ضروری سے درمیان میں فرجہ ہو جاوے تو ایسے فرجات کی کراہت کی کوئی دلیل نہیں، چنانچہ امام کا اگر وضو ٹوٹ جاوے اور اس کو استخلاف کی حاجت ہو یا کسی مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے اور وہ چلا جاوے ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرجہ موجب کراہت نہیں، اسی طرح صورت مسئولہ میں بھی وہ عارض ضروری اقامت ہے سنت کی اور تحرز ہے قیام خلف الصّف وحدہ سے؛ لہٰذا کراہت نہ ہوگی؛ البتہ جو شخص اس کے بعد جماعت میں حاضر ہو، اس کو چاہیے کہ اس فرجہ کو بند کر دے گو مرور پیش مصلیٰ لازم آوے؛ کیونکہ ضرورت شرعی کے وقت یہ بھی مکروہ نہیں، یہ تو تحقیق ہے اس حکم جذب المصلی کی؛ لیکن درمختار وردالمحتار میں مصرح ہے۔

لكن (**) قالوا في زماننا تركه أولى لغلبة الجهل على العوام، فإذا جره

(*) شامي (الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۱۰، كراچى ۱/ ۵۶۸، ۱/ ۵۳۱، در بحث كراهية قيام الإمام في غير المحراب) میں تصریح موجود ہے۔

وعبارته: **انتظر حتى يجيء آخر فيقفان خلفه، وإن لم يجيء حتى ركع الإمام يختار أعلم الناس بهذه المسألة فيجذبه، ويقفان خلفه، ولو لم يجد عالما يقف خلف الصف بحذاء الإمام للضرورة.** اھ۔ "مجالس الابرار" مجلس ۵۴ ص: ۳۰۲ میں ہے:

وإن لم يوجد في الصف فرجة ينتظر إلى الركوع، فإن جاء واحد يقوم أحدهما في جنب الآخر بحذاء الإمام، وإلا يجذب واحدا من الصف إلى نفسه، فيقف في جنبه، لكن الأولىٰ في زماننا القيام وحده بحذاء الإمام الخ، وكذا في مبسوط السرخسي (۱/ ۱۹۳)

حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "آنے والا صف کے دائیں یا بائیں جانب سے جس طرف ایسا آدمی ہو جو اشارہ پانے سے ہٹ آئے، ایک کو لے کر وہیں پر پیچھے دونوں کھڑے ہو جائیں، اسے کھینچ کر درمیان میں نہ لائے، اگر دونوں طرف ایسا آدمی نہ ہو تو تنہا پیچھے کھڑا ہو جائے۔ (کفایت المفتی ۳/۱۰۴)

۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) یعنی اس زمانہ میں ناواقفی عام ہے، پس کھینچنے میں احتمال ہے کہ وہ اپنی نماز خراب کریگا ←

تفسد صلوٰته. ١ه (ج ١ ص ٦٧٦) (۱)
اور کھینچنا نیت باندھ کر اور قبل نیت باندھنے کے ہر طرح درست ہے۔

في العالمگيرية، الفصل الخامس من الباب الخامس من كتاب الصلوٰة: فجاء ثالث وجذب المؤتم إلى نفسه قبل أن يكبر للافتتاح حكى عن الشيخ الإمام أبي بكر بن طرخال: أنه لا تفسد صلوٰة المؤتم جذبه الثالث قبل التكبير أو بعده الخ (۲). واللہ اعلم
۲۲ ؍ رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد صفحہ ۹۳ ج ۱)

نماز پڑھے ہوئے کا ظہر وعشاء کی جماعت میں شرکت کرنا

سوال (۳۰۷): قدیم ۱/۳۹۱- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مقتدی کو بعد ادائے فرائض نماز کے کب تک شرکت مستحب ہے؟

الجواب: بعد ادائے فرائض کے اگر جماعت پاوے ظہر وعشاء میں شرکت بہتر ہے اور فجر اور عصر اور مغرب میں نہ چاہیے۔

← یا برا مانے گا؛ اس لئے جانے دے نہ کھینچے۔

ولكن في الخزائن: قلت: وينبغي التفويض إلى رأى المبتلى، فإن رأى من لا يتأذى لدين أو صداقة زاحمه أو عالما جذبه وإلا انفرد اھ. قلت: أى الشامي: وهو توفيق حسن اختاره ابن وهبان في شرح منظومته. اھ (ردالمحتار ١/ ٦٠٥، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤١٦، كراچى ١/ ٦٤٧) ١٢ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، قبيل مطلب: الكلام على اتخاذ المسبحة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤١٦، كراچى ١/ ٦٤٧ ـ

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس: في الإمامة، الفصل الخامس: فى بيان مقام الإمام والمأموم، قديم زكريا ديوبند ١/ ٨٨، جديد زكريا ١/ ١٤٦ ـ

التاتارخانية، الصلاة، الفصل السابع: في مقام الإمام والمأموم، مكتبه زكريا ٢/ ٢٧٦، رقم: ٢٤١٣، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع: بيان مقام الإمام والمأموم، المجلس العلمي ٢/ ٢٠٣، رقم: ١٥٦٨ ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

في الدرالمختار: ومن صلى الفجر، والعصر، والمغرب مرة فيخرج مطلقاً، وإن أقيمت لكراهة النفل بعد الأولين، وفي المغرب أحد المحظورين البتيراء أو مخالفة الإمام بالإتمام. (۱) آه (امداد ص۹۹ ج۱)

بغیر عمامہ کے امامت کا جواز

سوال (۳۰۸): قدیم ۱/۳۹۱ - اگر امام کے سر پر عمامہ نہ ہو اور مقتدی کے سر پر عمامہ ہو تو نماز میں کراہت ہے یا نہیں؟

الجواب: کراہت نہیں (۲)۔ (تتمہ اول ص ۱۷)

....

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۰۹، كراچی ۲/ ۵۵ ـ

وإن كان قد صلى وكانت الظهر والعشاء فلا بأس بأن يخرج؛ لأنه أجاب داعي الله مرة إلا إذا أخذ المؤذن في الإقامة؛ لأنه يتهم لمخالفة الجماعة عيانا، وإن كانت العصر أو المغرب أو الفجر خرج، وإن أخذ المؤذن فيها لكراهة التنفل بعدها. (هداية، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۵۲)

وإن صلى مرة لا يكره إلا في الظهر والعشاء إن شرع المؤذن في الإقامة، فإنه يكره الخروج بعد الإقامة لجواز الاقتداء فيهما نفلا؛ لأنه يتهم بمخالفة الجماعة عيانا بلا عذر، وفي غيرهما يخرج وإن أقيمت؛ لأنه إن صلى يكون نفلا، والنفل بعد الفجر والعصر مكروه مطلقا، وأما في المغرب فإن النافلة لم تشرع ثلاث ركعات كما بينا آنفا. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۱۰)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۱۰، هندية كتاب الصلاة، الباب العاشر في إدراك الفريضة قديم زكريا ۱/ ۱۲۰، جديد زكريا ۱/ ۱۷۹ ـ

(۱) **وقد ذكروا أن المستحب أن يصلي في قميص وإزار وعمامة، ولا يكره الاكتفاء بالقلنسوة، ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك، وكذا ما اشتهر أن المؤتم ←**

سوال (۳۰۹): قدیم ۱/ ۳۹۱- مشہور ہے کہ فقہاء لکھتے ہیں کہ عمامہ موجود ہوتے ہوئے بدون عمامہ کے نماز مکروہ ہے۔ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: صحیح نہیں (۱)۔ البتہ اگر کوئی شخص بدون عمامہ کے گھر سے نہ نکلتا ہو تو ایسے شخص کے لیے خود نماز ہی بلا عمامہ مکروہ ہے، خواہ امام ہو یا نہ ہو۔

....

← **لو كان معتما بعمامة والإمام مكتفيا على قلنسوة يكره.** (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه بلال ديوبند ١/ ١٦٩)

والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب: قميص، وإزار، وعمامة، وأما لو صلى في ثوب واحد متوشحابه تجوز صلاته من غير كراهة. (الفتاوى الهندية، الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، قديم زكريا ١/ ٥٩، جديد زكريا ١/ ١١٦)

قال رضي الله عنه: وفي الأصل: لا بأس بأن يصلي الرجل في ثوب واحد متوشحا، ويؤم كذلك، والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب: قميص، وإزار، وعمامة، وأما لو صلى في ثوب واحد متوشحابه جميع بدنه كإزار الميت تجوز صلاته من غير كراهة. (خلاصة الفتاوى، الصلاة، الباب السادس في ستر العورة، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ٧٣)

حلبي كبيري، الصلاة، شرائط الصلاة، فروع في الستر، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٢١٦ -

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، شروط الصلاة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ٢١١ -

(۱) **وقد ذكروا أن المستحب أن يصلي في قميص وإزار وعمامة، ولا يكره الاكتفاء بالقلنسوة، ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك، وكذا ما اشتهر أن المؤتم إن كان معتما بعمامة والإمام مكتفيا على قلنسوة يكره.** (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه بلال ديوبند ١/ ١٦٩)

والمستحب أن يصلي الرجل في ثلاثة أثواب: قميص، وإزار، وعمامة، وأما لو صلى في ثوب واحد متوشحابه تجوز صلاته من غير كراهة. (الفتاوى الهندية، الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، قديم زكريا ١/ ٥٩، جديد زكريا ١/ ١١٦)

خلاصة الفتاوى، الصلاة، الباب السادس في ستر العورة، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ٧٣- ←

في الدر المختار: وصلوٰته في ثياب بذلة يلبسها في بيته (۱)۔

(۱۲شعبان ۱۳۳۱ھ تتمہ ثانیہ ص ۶۴)

سوال (۳۱۰): قدیم ۱/۳۹۱- اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ نماز میں عمامہ کو ضروری خیال کرلیا گیا ہے اور ایسا ضروری نہیں ہے اور وہ اسی وجہ سے عمامہ موجود ہوتے ہوئے نہیں باندھتا ہو، تو اس کا یہ فعل برا ہے یا نہیں؟

الجواب: گاہ گاہ ہو تو برا نہیں۔ نظيره ما في ردالمحتار في تعيين السور: فإن إيهام اللزوم ينتفي بالترک أحياناً (ج۱ص ۵۶۸)(۲)۔

۱۲/ شعبان ۱۳۳۱ھ تتمہ ثانیہ ص ۶۵)

....

← حلبي كبيري، الصلاة، شرائط الصلاة، فروع في الستر، مكتبه أشرفيه ديو بند ص: ۲۱۶ ـ

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، شروط الصلاة، مكتبه دارالكتاب ديو بند ص: ۲۱۱ ـ

(۱) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۰۷، كراچی ۱/ ۶۴۰ ـ

وفي ثياب البذلة (أي كره الصلاة فيها) وهي ما يلبس في البيت ولا يذهب به إلى الأكابر؛ لأنها لا تخلوا عن النجاسة القليلة، وعن الأوساخ الكريهة. (مجمع الأنهر، الصلاة، باب مايفسد الصلاة، وما يكره فيها، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۸۷)

شرح الوقاية، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مكتبه بلال ديو بند ص: ۱۶۹ ـ

هندية، الصلاة، الباب السابع: فيما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، الفصل الثاني، قديم زكريا ۱/ ۱۰۷، جديد زكريا ۱/ ۱۶۵ ـ

وأفاد الوالد العلام في بعض تحريراته: أنه تكره الصلاة بدونها في البلاد التي عادة سكانها أنهم لا يذهبون إلى الكبراء بل ولا يخرجون من بيوتهم إلا متعممين، أما في البلاد التي لا يعتادون فيها ذلک فلا، وقد اشتهر بين العوام أن الإمام إن كان غير متعمم والمقتدون متعممين فصلاتهم مكروهة، وهذا أيضا زخرف من القول لا دليل عليه فاحفظ.

(نفع المفتي والسائل، ذكر المكروهات المتفرقة، مكتبه رحيميه ديو بند ص: ۷۰)

(۲) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديو بند ۲/ ۲۶۵، كراچی ۱/ ۵۴۴ ـ ←

ایک خط مشتمل بر سوال و جواب ذیل آیا

سوال (۳۱۱): قدیم ۱/۳۹۲- چہ فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ نماز بکلاہ بدون عمامہ مکروہ است یا نہ؟

الجواب: مکروہ است درفتاویٰ غرائب می آورد ''**رجل صلی مع قلنسوة وليس فوقها عمامة أو شئي آخر يكره**'' وعمامہ برسر بستن مسنون ست خصوصاً درنماز۔ ملا علی قاریؒ درمقالہ عذبہ روایت می کند ''**أنه** صلی اللہ علیہ وسلم **كان يلبس القلانس تحت العمائم وبغير العمائم**'' ودرفردوس دیلمی از جابر(*) مرویست ''**ركعتان بعمامة خير من سبعين ركعة بلاعمامة وابن عمر آورده**

(*) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سیوطی علیہ الرحمہ نے جامع صغیر (حرف راء) میں ذکر فرما کر ضعیف کا نشان بنایا ہے۔علامہ مناویؒ نے فیض القدیر۴/۳۷ میں لکھا ہے کہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''**هذا الحديث لا يثبت**'' یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی سیوطی علیہ الرحمہ نے جامع صغیر (حرف صاد) میں ذکر فرمائی ہے اور صحیح کا نشان بنایا ہے؛ لیکن حافظ ابن حجر نے اس کو موضوع کہا ہے۔سخاوی رحمہما اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی موضوعات کبریٰ اور صغریٰ دونوں میں اس کو موضوع کہا ہے۔اور ''الموضوعات الکبریٰ'' میں تو سیوطی رحمہ اللہ پر جامع صغیر میں ذکر کرنے پر اعتراض بھی کیا ہے۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **أما لو كان للتيسير أو تبركا بالمأثور فلا يكره بشرط أن يقرأ غيرهما أحيانا كيلا يظن أن غيرهما لايجوز.** (النهرالفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٣٤)

أما لو قرأ للتيسير عليه أو تبركا بقراته صلى الله عليه وسلم فلا كراهة لكن بشرط أن يقرأ غيرها أحيانا لئلا يظن الجاهل أن غيرها لا يجوز. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٥٩٨، كوئٹه ١/ ٣٤٢، الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع: في صفة الصلاة، الفصل الرابع: في القراءة، قديم زكريا ١/ ٧٨ ـ

تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٣٧، إمداديه ملتان ١/ ١٣١ ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صلوٰة تطوع أو فريضة بعمامة تعدل خمسا وعشرين درجة بلا عمامة وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة بلاعمامة.

ونیز در مقالہ مذکورہ می گوید ''**أما ما أحدثه فقهاء زماننا من أنهم يأتون المسجد بعمامة كبيرة ثم يضعونها ويلفونها بلفافة صغيرة، ويصلون بغير عمامة فمكروهة غاية الكراهة.** انتهىٰ والله الموفق (فتاوی سعدیہ۔ص۱۵)

تتمہ سوال: جناب عالی گزارش آنکہ مذکورہ جواب سوال مذکورہ کے لیے ''فتاوی سعدیہ'' میں مسطورۂ بالا کے موافق ہے؛ لیکن ''فتاویٰ رشیدیہ'' میں مذکور مسئلہ کی نسبت مولا گنگوہیؒ جائز فرماتے ہیں، اس میں کیا بات ہے۔ دیگر عرض یہ ہے کہ جن کپڑوں سے باہر جانا انسان معیوب سمجھتا ہے، اگر اسی سے وہ شخص نماز پڑھاوے اس کے لیے کیا حکم ہے؟

یہاں سے اس کا یہ جواب لکھا گیا:

دونوں فتووں میں تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ کراہت اس کے لیے ہے جو بلاعمامہ مجامع میں نہ جاتا ہو۔ اور عدم کراہت اس کے لیے جو مجامع میں بلاعمامہ جاسکتا ہو(۱)۔ اسی سے اخیر سوال کا جواب معلوم ہوگیا کہ مکروہ ہے۔ (۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ تتمہ خامسہ ص۸۴)

---

(۱) وأفاد الوالد العلام في بعض تحريراته: أنه تكره الصلاة، بدونها في البلاد التي عادة سكانها أنهم لا يذهبون إلى الكبراء بل ولا يخرجون من بيوتهم إلا متعممين، أما في البلاد التي لا يعتادون فيها ذلک فلا، وقد اشتهر بين العوام أن الإمام إن كان غير متعمم والمقتدون متعممين فصلاتهم مكروهة، وهذا أيضا زخرف من القول لا دليل عليه فاحفظ.
(نفع المفتي والسائل، ذكر المكروهات المتفرقة، مكتبه رحيميه ديو بند ص: ۷۰)

وفي ثياب البذلة (أي كره الصلاة فيها) وهي ما يلبس في البيت ولا يذهب به إلى الأكابر؛ لأنها لا تخلوا عن النجاسة القليلة، وعن الأوساخ الكريهة. (مجمع الأنهر، الصلاة، باب مايفسد الصلاة، وما يكره فيها، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۸۷)

شرح الوقاية، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه بلال ديو بند ص: ۱۶۹۔

وقد ذكروا أن المستحب أن يصلي في قميص وإزار وعمامة، ولا يكره الاكتفاء ←

سوال (۳۱۲): قدیم ۱/۳۹۳- **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم.** ''**رسالة الإمامة بالعمامة**'' کی تحریر سے ٹوپی رکھ کر نماز پڑھانا یا پڑھنا مکروہ تحریمی معلوم ہوتا ہے۔ اور کتاب ''نفع المفتی'' صفحہ: ۸۸ (۱) سے مکروہ معلوم نہیں ہوتا، ایسا ہی ''فتاویٰ اشرفیہ'' تتمہ جلد اول صفحہ: ۱۷ جو جناب کا تصنیف کردہ ہے میں بھی مکروہ نہیں بتایا۔ مذکورہ ہر دو اول رسائل پیش خدمت کئے جاتے ہیں ملاحظہ فرما کر جواب با صواب سے مشرف فرماویں، تاکہ تسلی ہو جاوے اور جناب اجر پاویں۔

الجواب: میں نے پورا رسالہ پڑھا کسی دلیل سے کراہت ثابت نہیں ہوتی، چنانچہ بعض استدلالات کا جواب مولانا عبدالحئیؒ صاحبؒ کے کلام میں مصرح ہے اور بعض کا جواب ظاہر ہے میں ہر استدلال کا جواب کہاں تک لکھوں ایک رسالہ بن جاویگا۔ آپ کو جو دلیل موجب مدعا معلوم ہوتی ہے اس کو پوچھ لیجئے جس کا جواب مولوی عبدالحئی صاحبؒ کی تحریر میں نہ ہو، ان سطور کے لکھنے کے بعد درمختار کی ان روایات پر مکروہات صلوٰۃ میں نظر پڑی۔

وصلوٰته حاسرا، أي كاشفا رأسه للتكاسل ولا بأس به للتذلل، وأما لإهانة بها فكفر، ولوسقطت قلنسوته فإعادتها أفضل الخ. وفي ردالمحتار عن الدرر عن التاتارخانية: والظاهر أن أفضلية إعادتها حيث لم يقصد بتركها التذلل على ما مرّ (ج۱ص۶۷۰) (۲)۔

....

← **بالقلنسوة، ولا عبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلک، وكذا ما اشتهر أن المؤتم لو كان معتما بعمامة والإمام مكتفيا على قلنسوة يكره.** (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه بلال ديوبند ۱/ ۱۶۹)

(۱) **وأفاد الوالد العلام في بعض تحريراته: أنه تكره الصلاة، بدونها في البلاد التي عادة سكانها أنهم لا يذهبون إلى الكبراء بل ولا يخرجون من بيوتهم إلا متعممين، أما في البلاد التي لا يعتادون فيها ذلک فلا، وقد اشتهر بين العوام أن الإمام إن كان غير متعمم والمقتدون متعممين فصلاتهم مكروهة، وهذا أيضا زخرف من القول لا دليل عليه فاحفظ.** (نفع المفتي والسائل، ذكر المكروهات المتفرقة، مكتبه رحيميه ديوبند ص: ۷۰)

(۲) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۰۷-۴۰۸، كراچی ۱/ ۶۴۱ ـ ←

اس سے کئی امر مستفاد ہوئے، ایک یہ کہ بالکل برہنہ سر نماز پڑھنا بھی مکروہ نہیں جب براہ تکاسل نہ ہو تو ٹوپی پر اکتفا کرنے کو جب کہ براہ تکاسل نہ ہو محض بر سبیل عادت ہو کیسے مکروہ ہوگا؟ البتہ اگر کوئی شخص صرف ٹوپی سے اسواق (بازار) ومجمع احباب میں نہ جاتا ہو تو اس کیلئے صرف ٹوپی پر اکتفا کرنا نماز میں مکروہ ہوگا، جس میں انفراد اور اقتداء اور امامت سب برابر ہیں، امام کی تخصیص نہیں؛ کیونکہ ایسے شخص کے لئے صرف ٹوپی ثیاب بذلہ ومہنہ سے ہے، جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے(۱)۔لیکن اگر عمامہ کی وسعت نہ ہو تو پھر ایسے شخص کیلئے مکروہ نہیں۔ دوسرا امر اس سے یہ مستفاد ہوا کہ ٹوپی کے گر جانے پر اعادہ افضل ہے؛ لیکن اگر قصد تذلل ہو تو اعادہ نہ کرنا افضل ہے۔ یہ جزئیہ اس شخص کے حق میں ہوسکتا ہے جو صرف قلنسوۃ یعنی کلاہ سے نماز پڑھ رہا تھا، پھر اس جزئیہ کو ذکر کر کے اس کے ساتھ یہ نہ کہنا: ''**الا انہ یکرہ بقاعدۃ والسکوت عن البیان في موضع الضرورۃ بیان**'' دلیل واضح ہے عدم کراہت کی۔

۱۱/رجب ۱۳۴۰ھ تتمہ خامسہ ص ۲۲۱

....

← **وتكره الصلاة حاسرا رأسه إذا كان يجد العمامة، وقد فعل ذلك تكاسلا وتهاونا بالصلاة، ولا بأس به إذا فعله تذللا وخشوعا بل هو حسن كذا في الذخيرة.** (هندية، الصلاة، الباب السابع، الفصل الثاني: فيما يكره في الصلاة وما لايكره، قديم زكريا ١/ ١٠٦، جديد زكريا ١/ ١٦٥)

وحاسر الرأس لا تذللا (ملتقى الأبحر) وفي المجمع: قوله: وحاسر الرأس أي كاشفا إياه، وهذا إذا كان للتكاسل، وقلة رعايتها لا الإهانة بها؛ لأنها كفر لا تذللا أي لا يكره إذا كان للتذلل. (مجمع الأنهر، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٨٧)

التاتارخانية، الصلاة، الفصل الرابع: ما يكره للمصلي وما لا يكره، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٠٢-٢٠٣، رقم: ٢١٤٧-٢١٥١ ـ

وفي ثياب البذلة، أي كره الصلاة فيها وهي ما يلبس في البيت ولا يذهب به إلى الأكابر؛ لأنها لا تخلوا عن النجاسة القليلة، وعن الأوساخ الكريهة. (مجمع الأنهر، الصلاة، باب مايفسد الصلاة، وما يكره فيها، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٨٧) ←

رعایا کے قلوب میں رعب کی قلت کے خطرہ سے ترک جماعت کا عدم جواز

سوال (۳۱۳): قدیم ۱/۳۹۴- حضرت اب تک میں اس امر کی تعمیل نہ کرسکا کہ مسجد جا کر نماز پڑھوں یہیں جماعت سے بدستور نماز پڑھ رہا ہوں مسجد تھانہ سے کوئی قریب سو قدم کے یا اس سے کچھ زیادہ فاصلہ پر ہے، راستہ میں جو لوگ رہتے ہیں ان کو میرے آنے جانے کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے، بار بار کھڑے ہوتے ہیں منع کرتا ہوں نہیں مانتے دن میں جبکہ پانچ مرتبہ جاؤں گا تو غالباً وہ بالکل بے حجاب ہوجائیں گے، اس سے عہدہ کا جو اثر ورعب رعایا پر ہے وہ کم ہوجائے گا، اس سے کام میں خرابی ہوگی اگرچہ خود اپنی تعظیم یا بڑائی قطعی مقصود نہیں ہے، صرف یہی خیال کہ عہدہ کا وقار جائے گا اور اس عہدہ کا جب تک رعایا پر اثر نہ ہو انتظام وکام ٹھیک نہیں ہوتا، اس وجہ سے مسجد نہیں جاتا ہوں آئندہ جو حکم ہو۔ اب تو صرف جمعہ کے روز اور آج کل روزانہ تراویح کو جاتا ہوں؟

الجواب: آپ جیسے سلیم الفہم دانشمند سے ایسا خیال عجیب ہے، اول تو یہ محض تو ہم ہے جو تجربہ ومشاہدہ کے خلاف ہے؛ بلکہ اس سے وقار بڑھ جاتا ہے، اول تو دینداری کی یہ خاصیت ہے خاص کر جب ممتاز شخص میں دینداری ہو زبانوں پر اس کی مدح اور قلوب میں اس کی عظمت ہوتی ہے، پہلے تو ہیبت مع الوحشت والنفرت تھی پھر ہیبت مع الانس والمحبۃ ہوجاتی ہے، پھر اس کی ایک لم بھی ہے جو حدیث میں وارد ہے "**من هاب الله هابه كل شئی**" ان سب کے علاوہ اگر کسی مقام پر عوام اس خیال کے ہوں کہ ڈاڑھی منڈانے سے زیادہ مرعوب ہوتے ہوں بہ نسبت ڈاڑھی رکھنے کے یا کفار کے لباس سے زیادہ مرعوب ہوتے ہوں بہ نسبت اسلامی لباس کے یا اس سے بڑھ کر عیسائی ہونے سے زیادہ مرعوب ہوتے ہوں بہ نسبت مسلمان ہونے کے تو کیا اس مصلحت کی رعایت اس حد تک وسیع ہوسکے گی۔

۱۳/ رمضان ۱۳۴۶ھ (تتمہ خامسہ صفحہ ۵۹۰)

....

← شرح الوقاية، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مكتبه بلال ديوبند ص: ١٦٩ -

الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديو بند ٢/ ٤٠٧، كراچی ١/ ٦٤٠ -

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

امام وخطیب کی بعض کوتاہیوں کے احکام

سوال (۳۱۴): قدیم ۱/۳۹۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں: کہ یہاں کی جامع مسجد میں یہاں کی دوسری مسجدوں کے مطابق یہ دستور چلا آتا ہے کہ بروز جمعہ اذانِ اول کے بعد اتنا وقفہ کیا جاتا ہے کہ چار سنتیں باطمینان پڑھ لی جائیں، یعنی تقریباً نو دس منٹ کے بعد خطبہ بزبان عربی شروع ہوتا ہے۔ جامع مسجد مذکور کے امام صاحب کی بابت مقتدیوں کو خطبہ کی طوالت کی شکایت پہلے سے تھی اور اس سے ان کو گرانی تھی۔ مزید براں انہوں نے کئی جمعہ سے یہ نیا طریقہ اختیار کیا کہ چار سنتوں کے بعد وقت مقرر پر خطبہ شروع کرنے کے بجائے پہلے اردو زبان میں مضمون خطبہ کے علاوہ دوسری تقریریں شامل کرکے بیان کرنا شروع کیا۔ جس میں مقتدیوں نے یہ محسوس کیا کہ ان تقریروں میں مسلمانوں پر چوٹ اور طنزیہ جملے وغیرہ ذاتی جذبات نفسانیہ کا بھی شمول ہے۔ ان تقریروں کے بعد اذان ثانی ہوکر ممدوح نے خطبہ عربی پڑھا۔ متولیان مسجد وغیرہ کو پہلے ایک دو دفعہ کچھ خیال نہ ہوا؛ لیکن بعد میں انہوں نے دیکھا کہ مقتدیوں میں اس کا چرچا ہونے لگا ہے اور ان کو قوی اندیشہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ رفتہ رفتہ آئندہ خطبہ عربی کے بجائے خطبہ اردو جاری کردیں، اس کے علاوہ چونکہ نمازیوں کی بہت سی تعداد بہت پہلے سے آجاتی ہے اور بعد فراغ جمعہ کھانا کھاتی ہے؛ اسلئے بناء بر تاخیر وطوالت ان کو اور بھی زیادہ گرانی ہونے لگی۔ طوالت خطبہ کے بابت متولیوں نے امام صاحب موصوف کو پہلے ہی توجہ دلائی تھی کہ خطبہ جو لمبا پڑھتے ہیں اس کو مسنون طریقہ کے مطابق مختصر فرمادیں اور خطبہ اور تقریروں میں اپنے جذبات سے کام لیتے ہوئے کسی مسلمان پر حملہ اور طنز نہ کریں اور اب یہ صورت حال دیکھتے ہوئے اور مذکورہ وجوہ پر نظر رکھتے ہوئے ہدایت کی کہ آئندہ اذان اول کے بعد قدیمی دستور پر عمل کرتے ہوئے محض خطبہ عربی پر قناعت کریں کہ یہ نیا طریقہ مسجد موصوف کے نمازیوں میں تفرقہ اور جھگڑے کا باعث بن جائے گا؛ اس لئے کہ گرانی مذکور کے علاوہ غیر زبان عربی میں خطبہ پڑھنے کے قائلین کی تعداد بھی یہاں بہت کم اور برائے نام ہے، متولیوں کی طرف سے امام صاحب کو اس کی بھی اطلاع دیدی گئی کہ اگر نمازیوں کے سامنے کچھ بیان فرمانا چاہتے ہیں تو شب جمعہ کو بعد نماز عشاء کہ جس میں بھی صدہا نمازیوں کی تعداد ہوتی ہے صحیح صحیح خطبہ کا مطلب سادگی کے ساتھ بیان فرمادیا کریں اور متولیوں نے یہ بھی آپس میں قرار دے لیا تھا کہ اگر امام صاحب کی

....

....

خواہش ہوگی تو ان کو بعد فراغ جمعہ بیان کرنے کا موقع دیدیا جائیگا، اس صورت میں بہت پہلے سے آنے والے اور بھوک سے گھبرا جانے والے جو چاہیں گے جاسکیں گے ان پر کوئی جبر نہیں پڑیگا۔ برخلاف ان کی اختیار کردہ صورت کے کہ اس میں سب کو بخیال ادائے جمعہ خواہ مخواہ مجبوراً رکھنا پڑتا ہے، پس ارشاد ہو کہ صورت مسئولہ میں متولیان مسجد کا امام موصوف کو عمل مذکور سے روک دینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا۔

الجواب: ومنه الصدق والصواب. سوال میں امام جمعہ کی چند کوتاہیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو سب کی سب احکام شریعت کے خلاف ہیں، وہ احکام ان روایات میں ہیں:

الاولی: عن عمار قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن طول صلوٰة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه، فأطيلوا الصلوٰة واقصروا الخطبة. الحديث رواه مسلم (باب الخطبة والصلوٰة(۱) قلت: معنى قوله عليه السلام: طول صلوٰة الرجل يعني بالإضافة إلى الخطبة، فإن الطول الثقيل قد نهى عنه كما سيأتي عنقريب.

الثانية: في الدرالمختار، باب الجمعة: ويسنّ خطبتان خفيفتان، وتكره زيادتهما على قدر سورة من طوال المفصل، وفي ردالمحتار عن القهستاني: وزيادة التطويل مكروهة اھ(۲)۔قلت: والتقدير بسورة من الطوال يراد به التطويل الغير

....

(۱) مسلم شريف، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۶، بيت الأفكار، رقم: ۸۶۹ ـ

أبوداؤد شريف، الصلاة، باب إقصار الخطب، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۷، دارالسلام، رقم: ۱۱۰۶، السنن الكبرى للبيهقي، الصلاة، باب ما يستحب من القصد في الكلام وترك التطويل، مكتبه دارالفكر بيروت ٤/ ٤٥١، رقم: ٥٨٥٩ ـ

البحرالزخار المعروف بمسند البزار، بيروت ٥/ ٢٨٩، رقم: ١٩٠٨ ـ

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۲۰، كراچی ۲/ ۱٤۸۔

التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٥٦٨، رقم: ۳۳۱۳ ـ

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲٤۹ ـ

الثقيل كما فى الدرالمختار، باب التراويح عن المجتبى عن الإمام: لو قرأ ثلاثا قصار أو آية طويلة في الفرض فقد أحسن ولم يسئ فما ظنك بالتراويح اھ(۱)۔ وبالجملة رعاية الخفيف واجبة على كل حال.

الثالثة: عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: إذا صلى أحدكم للناس فليخفف، فإن فيهم السقيم والضعيف والكبير، وإذا صلى أحدكم لنفسه فيطول ما شاء. متفق عليه.(۲)

عن قيس بن أبي حازم في حديث طويل: قال رسول اللّٰه ﷺ: إن منكم منفرين. الحديث متفق عليه (باب ما على الإمام)(۳).

الرابعة: في الدرالمختار، باب الإمامة: ويكره تحريما تطويل الصلوٰة على

....

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۹۸، كراچی ۲/ ۴۷ ۔

الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع: في النوافل، فصل في التراويح قديم زكريا ۱/ ۱۱۸، جديد زكريا ۱/ ۱۷۷ ۔

البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۲۱، كوئٹه ۲/ ۶۸ ۔

(۲) بخاري شريف، كتاب الأذان، باب إذا صلى لنفسه فليطول ماشاء، النسخة الهندية ۱/ ۹۷، رقم: ۶۹۴، ف: ۷۰۳ ۔

مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، النسخة الهندية ۱/ ۱۸۸، بيت الأفكار، رقم: ۴۶۷ ۔

(۳) بخاري شريف، كتاب الأذان، باب من شكا إمامه إذا طول، النسخة الهندية ۱/ ۹۷، رقم: ۶۹۵، ف: ۷۰۴ ۔

مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، النسخة الهندية ۱/ ۱۸۸، بيت الأفكار، رقم: ۴۶۶ ۔

القوم زائدا على قدر السنة في قراء ة وأذكار الخ (۱)۔ قلت أنظر ما قد سبق تحت الرواية الثانية، وفى الدرالمختار، فصل الإمامة في مقدار القراء ة المسنونة: واختار في البدائع عدم التقدير، وأنه يختلف بالوقت والقوم والإمام، وفي ردالمحتار عن البدائع: والجملة فيه أنه ينبغي للإمام أن يقرأ مقدار مايخف على القوم ولايثقل عليهم بعد أن يكون على التمام، وهكذا في الخلاصة. (۲) اھ

الخامسة: عن النعمان بن بشير في حديث طويل: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام كالراعي يرعى حول الحمى يوشک أن يرتع فيه. (الحديث متفق عليه)(۳).

السادسة: في الدرالمختار، فصل في القراء ة: ويكره التعيين ''كالسجدة'' و''هل أتى'' لفجر كل جمعة بل يندب قراء تهما أحيانا، وفي ردالمحتار تحت قوله: بل يندب بعد كلام طويل حاصل معنى كلام هذين الشيخين بيان وجه الكراهة في المداومة وهو أنه إن رأى ذلک حتما يكره من حيث تغيير المشروع وإلا يكره من حيث إيهام الجاهل الخ. (۴)۔

....

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۰٤، كراچى ۲/ ٥٦٤ ۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲٦۲، كراچى ۱/ ٥٤۱ ۔

بدائع الصنائع، الصلاة، بيان القدر المستحب من القراء ة في الصلاة، مكتبه زكريا ۱/ ٤٨۱ ۔

(۳) بخاري شريف، كتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينيه، النسخة الهندية ۱/ ۱۳، رقم: ٥۲، ف: ٥۲ ۔

مسلم شريف، كتاب المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، النسخة الهندية ۲/ ۲٨، بيت الأفكار، رقم: ۱٥۹۹ ۔

(۴) الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراء ة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲٦٥-۲٦٦، كراچى ۱/ ٥٤٤ ۔ ←

السابعة: في الدر المختار، باب سجود التلاوة: وسجدة الشكر مستحبة به يفتى لكنها تكره بعد الصلوٰة؛ لأن الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه اھ۔ وفي ردالمحتار تحت قوله: فمكروه الظاهر أنها تحريمية؛ لأنه يدخل في الدين ما ليس منه (۱) والأحاديث كلها من المشكوٰة.

ان روایات حدیثیہ وفقہیہ سے یہ امور مستفاد ہوئے:

(۱) خطبہ کا نماز سے زیادہ طویل کرنا خلاف سنت ہے اور خلاف سنت پر دوام کرنا کراہت کو شدید کردیتا ہے۔

(۲) امام کو ایسا فعل کرنا جس سے جماعت کو تنگی و گرانی ہو سخت مذموم ہے۔

(۳) کوئی ایسا کام کرنا کہ فی نفسہ مباح ہو، مگر بظن غالب وہ مفضی ہوجاوے کسی منکر شرعی کی طرف سخت قبیح ہے۔ جب امام کے افعال کا ان احکام کے خلاف ہونا ثابت ہوگیا اور صاحب قدرت کو بالعمل روکنا واجب ہے، جیسا نصوص میں تصریح ہے (۲)۔ اور متولیان مسجد صاحب قدرت ہیں؛ لہٰذا ان

....

← النهرالفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۳۴۔
البحرالرائق، الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۹۸، كوئٹه ۱/ ۳۴۲۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مطلب: في سجدة الشكر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۹۷، كراچی ۲/ ۱۱۹۔

وسجدة شكر ذكر الطحاوي عن أبي حنيفة أنه قال: لا أراه شيئا، قال أبو بكر الرازي: معناه ليس بواجب ولا مسنون، بل هو مباح لا بدعة، وعن محمد أنه كرهها، وقال: ولكنا نستحبها إذا أتاه ما يسره من حصول نعمة أو دفع نقمة، وبه قال الشافعي، فيكبر مستقبل القبلة ويسجد فيحمد الله تعالىٰ ويشكره ويسبح، ثم يكبر فيرفع رأسه أما بغير سبب فليس بقربة ولامكروه، وما يفعل عقيب الصلاة فمكروه؛ لأن الجهال يعتقدونها سنة أو واجبة، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه. (حلبي كبيري، الصلاة، فصل في مسائل شتى، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۶۱۶)

(۲) عن أبي سعيد الخدري –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله ←

پر واجب ہے کہ ان منکرات کا انسداد کریں۔ واللہ اعلم

کتبہ اشرف علی ۲؍ذی حجہ ۱۳۵۷ھ (النور شعبان ۵۸ھ ص ۸)

لنگڑے کی امامت کا حکم

سوال (۳۱۵): قدیم ۱/۳۹۹- لنگڑے کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر پاؤں سیدھا نہ کھڑا ہوتا ہے تو مکروہ تنزیہی ہے۔ کذا (*) في ردالمحتار (۱)۔

(یکم صفر ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولی ص ۳۳)

(*) **عبارته: وكذلك أعوج يقوم ببعض قدمه فالاقتداء بغيره أولى. تاتارخانية** اهـ (ردالمحتار ۱/ ۵۲۵، الصلاة، باب الإمامة، مطلب: في إمامة الأمرد، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۲، كراچی ۱/ ۵٦۲) ۱۲ **سعيد أحمد پالن پوري**

← **عليه وسلم يقول: من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان.** (مسلم شريف، الإيمان، باب بيان كون النهي من الإيمان، النسخة الهندية ۱/ ۵۱، بيت الأفكار، رقم: ۴۹)

قوله صلى الله عليه وسلم: فليغيره فهو أمر إيجاب بإجماع الأمة، وقد تطابق على وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر الكتاب والسنة وإجماع الأمة. (شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ۱/ ۵۱)

(۱) **ولو كان بقدم الإمام عوج فقام على بعضها يجوز وغيره أولى.** (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳٦۵، إمداديه ملتان ۱/ ۱۴۳)

الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس: في الإمامة، الفصل الثالث: في بيان من يصلح إمام لغيره، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۸۵، جديد زكريا ۱/ ۱۴۲ ـ

وفي الفتاوى العتابية: ولو كان بقدمه عوج يقوم ببعض قدمه يجوز وغيره أولى. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس: من هو أحق بالإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۵۰، رقم: ۲۳۲۷)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱٦۹ ـ ←

بعذر اُکڑو بیٹھنے والے کی امامت

سوال (۳۱۶): قدیم ۱/۳۹۹- ایک شخص حافظ قرآن بھی ہیں اور علم بھی اس قدر رکھتے ہیں کہ مقتدیوں میں ان کی برابر کوئی نہیں اور سن رسیدہ اور صاحب تقویٰ بھی ہیں، مگر گھٹنے میں درد کے سبب تشہد پڑھنے کے لئے بیٹھتے وقت اُکڑو ہوکر بیٹھتے ہیں، اس طور پر کہ دونوں ران ساقوں سے الگ رہتی ہیں، مگر دونوں ہاتھ بدستور رانوں پر رکھتے ہیں اور باقی رکنوں وواجبات وسنن ومستحبات کو بدستور ادا کرتے ہیں، اس شخص کی امامت باوجود مقتدیوں میں تندرست ونیز حافظ قرآن لوگ موجود رہتے ہوئے درست ہے یانہیں یامکروہ ہوگی؟ اوراگر مکروہ ہوتو کونسی مکروہ تحریمی یا تنزیہی؟ اوراگر مکروہ بھی نہ ہوتو ترک اولیٰ ہے یا نہیں؟ اورمقتدیوں میں جوحافظ لوگ موجود ہیں، ان میں کوئی بھی شخص مذکور کے علم وفضل میں برابرنہیں ہے اورسن میں بھی کم ہیں، بعض بھتیجے ہیں، بعض برادرخورد ہیں۔

الجواب: اس شخص کی امامت بلاکراہت درست ہے۔

وفي الدرالمختار: وقائم بأحدب –الى قوله– وكذا بأعرج وغيره أولى. باب الإمامة (۱)۔

۵/ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولی ص ۴۱)

....

← الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلاة، الفصل العاشر: أنواع الصلاة، المبحث الثاني في الإمامة، مكروهات الإمامة في المذهب، مكتبه هدى انٹرنيشنل ديوبند ۲/ ۱۷۷ ۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۳۸، كراچی ۱/ ۵۸۹ ۔

وقائم بقاعد وبأحدب، أي لا يفسد اقتداء قائم بقاعد وبأحدب ...... وأما الثاني، وهو اقتداء القائم بالأحدب فأطلقه فشمل ما بلغ حدبه حد الركوع، وما إذا لم يبلغ ولا خلاف في الثاني، واختلفوا في الأول، ففي المجتبى: أنه جائز عندهما، وبه أخذ عامة العلماء خلافا لمحمد. وفي الفتاوى الظهيرية: لا تصح إمامة الأحدب للقائم، هكذا ذكر محمد في مجموع النوازل، وقيل: يجوز ، والأول أصح، ولا يخفى ضعفه، فإنه ليس هو أدنى حالا ←

عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھنے والے کا کھڑے ہونے والوں کی امامت کا جواز

سوال (۳۱۷): قدیم ۱/۴۰۰- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں: کہ میں ایک روز مسجد میں تھا اور وقت مغرب کا ہوگیا، اذان ہورہی تھی کہ حافظ صاحب بھی آ گئے مگر استنجاء اور وضو کرتے ہوئے ان کو دیر بہت ہوگئی، مسجد کے ملانے مجھے نماز پڑھانے کو کہا پہلے تو میں نے عذر کیا، پھر وقت کے تنگ ہونے کی وجہ سے نماز پڑھانے کو بیٹھ گیا، تکبیر ہورہی تھی کہ ایک شخص نے کہا کہ نماز اس کے پیچھے جائز نہیں؛ کیونکہ دوسرا حافظ تندرست موجود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بعض دفعہ کمترین کو بے پڑھے آدمی تنگ کرتے ہیں نماز پڑھانے کو، لاچار ہوکر نماز پڑھانی پڑتی ہے۔ اب امیدوار ہوں کہ جائز ہو تب بھی ناجائز ہو تب بھی آنجناب کے دستخط درکار ہیں؛ کیونکہ سب کھٹکا جاتا رہے۔

الجواب: في الدر المختار: وقائم بقاعد يركع ويسجد، وقائم بأحدب، وإن بلغ حدبه الركوع على المعتمد، وكذا بأعرج وغيره أولى اھ. باب الإمامة (۱)-

....

← من القاعد؛ لأن القعود استواء النصف الأعلى، وفي الحدب استواء النصف الأسفل ...... وكذا الاقتداء بأعرج أو من بقدمه عوج، وإن كان غيره أولى. (البحرالرائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۶۳۸-۶۳۹، كوئٹه ۱/ ۳۶۵)

تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۵، إمداديه ملتان ۱/ ۱۴۳ -

الفتاوى الهندية، الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث: في بيان من يصلح إماما لغيره، قديم ۱/ ۸۵، جديد زكريا ۱/ ۱۴۲ -

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۶۹ -

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۴ -

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۳۸، كراچی ۱/ ۵۸۹ -

وقائم بقاعد وبأحدب، أي لا يفسد اقتداء قائم بقاعد وبأحدب ...... وكذا ←

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تمہاری امامت جائز ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ جب تک دوسرا اچھا امام میسر ہو جب تک نہ پڑھاؤ۔

(۱۸/ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۵)

پابندی جماعت کے لئے بالغ لڑکے کو مارنے کا حکم

سوال (۳۱۸): قدیم ۱/ ۴۰۰- ایسا لڑکا بالغ جو پابند جماعت نماز نہیں یعنی کبھی تو شریک ہوتا ہے اور کبھی ناغہ بھی کر دیتا ہے، اس کی تاکید پابندی میں مارنا شرعاً کیسا ہوگا؟ شبہ یوں ہوگیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی ”**اختار أیسر الأمرین ما لم یکن إثماً**“.

الجواب: اگر اس حدیث کے یہ معنی ہوتے تو ”**فاضربوهم علی الصلوٰة وهم أبناء عشر سنین**“ نہ فرماتے (۱) اور جماعت بھی واجب ہے، جو عملاً مساوی

....

← **الاقتداء بأعرج أو من بقدمه عوج، وإن كان غيره أولى.** (البحر الرائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٦٣٨-٦٣٩، كوئٹه ١/ ٣٦٥)

وقائم بقاعد وبأحدب ...... ولو كان بقدم الإمام عوج، فقام على بعضها يجوز وغيره أولى. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٦٥، إمداديه ملتان ١/ ١٤٣)

الفتاوى الهندية، الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث: في بيان من يصلح إماما لغيره، قديم ١/ ٨٥، جديد زكريا ١/ ١٤٢ ـ

التاتارخانية، الصلاة، الفصل السادس: من يصلح إماما لغيره ومن لا يصلح، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٥٨، رقم: ٢٣٥٨ ـ

(۱) **عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين، واضربوهم وهم أبناء عشر سنين، وفرقوا بينهم في المضاجع.** (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، النسخة الهندية ١/ ٧٠، دارالسلام، رقم: ٤٩٥)

سنن دارقطني، كتاب الصلاة، باب الأمر بتعليم الصلوات والضرب عليها، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٣٧ ـ ←

فرض کے ہے (۱) اور ضرب احکام عملیہ سے ہے۔ فقط

۴؍ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ ص ۴۲)

امام کی نماز کی کراہت مقتدیوں کی نماز کو متعدی ہوتی ہے

سوال (۳۱۹): قدیم ۱/۴۰۱ - امام کی اگر نماز مکروہ ہوگی تو مقتدی اس کراہت سے بچیں گے یا نہیں؟

الجواب: اس باب (*) میں کوئی روایت نہیں ملی؛ لیکن قواعد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر کراہت

(*) علامہ شامی نے قاعدہ: ''**كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها**" کی شرح میں لکھاہے:...... **الظاهر** ...... **أن النقص إذا دخل في صلاة الإمام ولم يجبر وجبت الإعادة على المتقدي أيضا.** اهـ (ردالمحتار ١/ ٤٢، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١٤٧، كراچی ١/ ٤٥٧)

اس سے حضرت مجیب قدس سرہ کے جواب کی تائید ہوتی ہے؛ کیوں کہ مقتدی پر اعادہ کا واجب ہونا دلیل ہے تعدیۂ کراہت کی اور یہ اس صورت میں ہے کہ کراہت امام کی نماز میں داخل ہوئی ہو، پس اگر کراہت کسی امر خارج عن الصلاۃ کی وجہ سے ہے تو تعدیۂ کراہت نہ ہوگا۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **يؤمر الصبي بالصلاة قبل البلوغ للاعتياد كما هو نص حديث الباب إلا أنها غير واجبة عليه.** (العرف الشذي على هامش الترمذي، الصلاة، باب ماجاء متى يؤمر الصبي بالصلاة، النسخة الهندية ١/ ٩٥)

(۱) **عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لقد هممت أن آمر بالصلاة فتقام ثم آمر رجلا فيصلي بالناس ثم أنطلق معي برجال معهم حزم من حطب إلى قوم لا يشهدون الصلاة فأحرق عليهم بيوتهم بالنار.** (أبوداؤد شريف، باب التشديد في ترك الجماعة، النسخة الهندية ١/ ٨١، دارالسلام، رقم: ٥٤٨)

بخاري شريف، كتاب الأذان، باب وجوب صلاة الجماعة، النسخة الهندية ١/ ٨٩، رقم: ٦٣٥، ف: ٦٤٤ -

والجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدي: أرادوا بالتاكيد الوجوب ...... ←

کسی فعل داخل فی الصلوٰۃ سے ہے، مثلاً ترک واجب یا فعل زائد تب تو وہ کراہت صلوٰۃ مقتدی تک متعدی ہوگی؛ کیونکہ اس صورت میں اس کی نماز ہی مکروہ ہوئی۔

وصلوٰته متضمنة لصلوٰة المقتدي (۱)۔

اور اگر کسی امر خارج عن الصلوٰۃ سے ہے، جیسے کسی ہیئت غیر مشروعہ سے تو وہ متعدی نہ ہوگی؛ کیونکہ اس وقت نماز مکروہ نہیں ہوئی ایک جداگانہ فعل مکروہ ہے، گو ایسے شخص کا امام بنانا مکروہ ہو۔

۱۲/ شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۶۴)

....

← **وقيل: واجبة وعليه العامة، أي عامة مشايخنا، وبه جزم في التحفة وغيرها، قال في البحر: وهو الراجح عند أهل المذهب (درمختار) وفي الشامية: تحت قوله: قال الزاهدي: والأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها مرة بلا عذر يعزر وترد شهادته ويأثم الجيران بالسكوت عنه.** (الدر المختار مع الشامي، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۸۷-۲۹۰، كراچی ۱/ ۵۵۲-۵۵٤)

(۱) ذیل کی روایات اور جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی نماز کی کراہت مقتدیوں کی نماز کو بھی متعدی ہوجاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، أللهم أرشد الأئمة واغفر للمؤذنين. (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب ما يجب على المؤذن من تعاهد الوقت، النسخة الهندية ۱/ ۷۷، دارالسلام، رقم: ۵۱۷)

ترمذي شريف، الصلاة، باب ما جاء أن الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، النسخة الهندية ۱/ ۵۱، دارالسلام، رقم: ۲۰۷۔

قال ابن الملك: لأنهم يراعون ويحافظون من القوم صلاتهم كالمتكفلين لهم صحة صلاتهم وفسادها أو كمالها ونقصانها بحكم المتبوعية والتابعية، ولهذا الضمان كان ثوابهم أوفر إذا راعوا حقها ووزرهم أكثر إذا أخلوا بها أو المراد ضمان الدعاء. (بذل المجهود، الصلاة، باب ما يجب على المؤذن من تعاهد الوقت، قديم ۱/ ۲۹۷، جديد دارالبشائر الإسلامية ۳/ ۳۱۸)

سهو الإمام يوجب عليه وعلى من خلفه. (تاتارخانية، الصلاة، الفصل السابع عشر: سجود السهو، مكتبه زكريا ۲/ ٤٤٤، رقم: ۲۸۰۵) ←

عذر منقطع ہو جانے کی حالت میں معذور کی امامت کا حکم

سوال (۳۲۰): قدیم ۱/۴۰۱- معذور شرعی کو باوجود شرط معذوریت بوقت افاقہ اس قدر کہ نماز ادا کرسکتا ہے امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدرالمختار، باب الإمامة: ولا طاهر بمعذور هذا إن قارن الوضوء الحدث أو طرأ عليه بعده، وصح لو توضأ على الانقطاع وصلى كذلك اهـ(۱)۔

اس سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں امامت جائز ہے۔

۴/ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۸۰)

← إن النقص إذا دخل في صلاة الإمام ولم يجبر وجبت الإعادة على المقتدي أيضا. (طحطاوي على الدر، الصلاة، باب صفة الصلاة، كوئٹه ۱/ ۲۰۷)

فالإمام ضامن أي يتكفل لهم صلاتهم فيسرى فساد صلاته إلى صلاتهم. (معارف السنن، الصلاة، باب ماجاء أن الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۲۳۲)

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۲۳، كراچی ۱/ ۵۷۸ ۔

والسلامة من الأعذار، فإن المعذور صلاته ضرورية فلا يصح اقتداء غيره به (مراقي الفلاح) وفي حاشية الطحطاوي: قوله: فلا يصح اقتداء غيره به: أي إذا توضأ مع العذر أو طرأ عليه بعده، أما لو توضأ وصلى خاليا عنه كان في حكم الصحيح. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، باب الإمامة، دارالكتاب ديوبند ۲: ۲۸۹)

وطاهر بمعذور (أي فسد اقتداء مصل طاهر بمعذور) توضأ مع العذر أو طرأ عليه بعده، أما لو توضأ وصلى خاليا عنه كان في حكم الطاهر. (النهرالفائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۱)

وطاهر بمعذور أي فسد اقتداء طاهر بصاحب العذر المفوت للطهارة؛ لأن الصحيح أقوى حالا من المعذور، والشيء لا يتضمن ما هو فوقه ...... وقيد المعذور في المجتبى بأن يقارن الوضوء الحدث أو طرأ عليه للاحتراز عما إذا توضأ على الانقطاع وصلى ←

مقتدی کے تشہد پوری کرنے سے پہلے امام کھڑا ہوجائے یا سلام پھیر دے تو کیا کریں؟

سوال (۳۲۱): قدیم ۱/۴۰۲- اگر مسبوق قعدۂ اولیٰ میں شریک جماعت ہو اور جیسے وہ شریک ہو ویسے ہی امام تیسری رکعت کیلئے اٹھ بیٹھے تو مسبوق کو بھی امام کی متابعت کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور اگر مسبوق نے التحیات شروع کردی تھی تو التحیات کو ختم کر کے اٹھے یا فوراً امام کے ساتھ اٹھ بیٹھے؟

الجواب: تشہد ختم کر کے اٹھے (*)۔

وفي الدرالمختار، فصل صفة الصلوٰة: بخلاف سلامه أو قيامه لثالثة قبل إتمام المؤتم التشهد، فإنه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه، وفي ردالمحتار: وشمل بإطلاقه ما لو اقتدى به في أثناء التشهد الأول أو الأخير، فحين قعد قام إمامه أو سلم –إلى قوله– ثم رأيته في الذخيرة ناقلا عن أبي الليث الخ. ج۱ص۵۱۷ (۱)۔

(۶/رجب ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ صفحہ ۱۵۱)

(*) تفصیل کے لئے دیکھئے سوال نمبر: ۴۳۵-۴۳۶۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **كذلک، فإنه يصح الاقتداء به؛ لأنه في حكم الطاهر.** (البحرالرائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۶۳۰، كوئٹه ۱/ ۳۶۰)

هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث: في بيان من يصلح إماما لغيره، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۸۴، جديد زكريا ۱/ ۱۴۲ ۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۹۹-۲۰۰، كراچی ۱/ ۴۹۶ ۔

ومن أدرک الإمام في التشهد فقام الإمام أو سلم في آخر الصلاة قبل أن يتم المقتدي تشهده، قال الفقيه أبو الليث: المختار عندي أنه يتم تشهده؛ لأن التشهد من الواجبات الخ. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث: في كيفية الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۹۲، رقم: ۲۱۱۲)

إذا أدرک الإمام في التشهد وقام الإمام قبل أن يتم المقتدي أو سلم الإمام في آخر الصلاة قبل أن يتم المقتدي التشهد، فالمختار أن يتم التشهد كذا في الغياثية، وإن لم ←

مقتدی کے امام سے پہلے سلام پھیر دینے کا حکم

سوال (۳۲۲): قدیم ۱/۴۰۲- مقتدی آخری قعدہ میں آدھی التحیات کے بعد اور امام کے سلام پھیرنے سے پہلے وضو جانے کے خوف سے یا اس کے درمیان میں مُرغوں نے غلہ کو کھایا یا کسی اور چیز کا نقصان ہوا امام سے پہلے سلام پھیرنے سے نماز صحیح اور درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: قعدۂ اخیرہ بقدر تشہد کے فرض ہے(۱)۔ جب اس نے آدھی التحیات پر سلام پھیر دیا بوجہ ترک فرض کے نماز فاسد ہوگئی۔ اور اگر پوری التحیات کے بعد مگر قبل امام سلام پھیر دیا تو فرض نماز تو ادا ہوگئی؛ لیکن بلا عذر ایسا کیا تو مکروہ کا ارتکاب کیا بوجہ ترک متابعت واجبہ کے، اور اگر بعذر ایسا کیا تو کراہت بھی نہیں اور خوف حدث عذر ہے اور نقصان چیز کا اس باب میں عذر ہونا مصرح نہیں دیکھا۔

في ردالمحتار: لو أتم المؤتم التشهد بأن أسرع فيه وفرغ منه قبل إتمام إمامه فأتى بما يخرجه من الصلاة كسلام أو كلام أو قيام جاز، أي صحت صلاته لحصوله بعد تمام الأركان –الیٰ قوله– وإنما كره للمؤتم ذلك لتركه متابعة الإمام بلا عذر فلوبه

....

← **يتم أجزأه.** (هندية، الصلاة، باب الإمامة، الفصل السادس: فيما يتابع الإمام وفيما لا يتابعه، قديم ۱/ ۹۰، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱٤۷)

خانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل فيما يصح الاقتداء ومالا يصح، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۹٦، جديد زكريا ۱/ ٦۲ ـ

حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل الإمامة، شروط المحاذات، مكتبه أشرفيه ص: ٦۲۷ ـ

(۱) **والسادس من الفرائض: القعدة الأخيرة التي تكون في آخر الصلاة سواء تقدمها قعدة أو لا كما في الثنائية، وقدر الفرض في القعدة هو القعود مقدار أدنى قراءة التشهد وهو أسرع ما يكون مع تصحيح الألفاظ.** (حلبي كبير، الصلاة، السادس القعدة الأخيرة، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۲۸۹-۲۹۰)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۱۹٦ ـ

البحر الرائق، الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۱۲، كوئٹه ۱/ ۲۹٤ ـ

كخوف حدث أوخروج وقت جمعة أومرور مار بين يديه فلاكراهة (ج۱ص۵۴)(۱)۔

۱۰؍رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص۱۶۱)

کبڑے امام کی اقتداء کا حکم

سوال (۳۲۳): قدیم ۱/۴۰۳- کوز پشت امام (کبڑا امام) کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جائز ہے۔ **لما في الكنز: وقائم بقاعد وبأحدب وبسط القول فيه في البحر الرائق** (ج۱ص۳۸۶وص۳۸۷)(۲)۔

۱؍ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ (تتمہ ثالثہ ص۲۸)

....

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲٤٠، كراچى ۱/ ٥٢٥۔

وإن سلم المقتدي قبل الإمام، وذهب إن كان بعذر يجوز، وإن لم يكن بعذر يكره مخالفة الإمام. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث: في كيفية الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ١٩٠، رقم: ۲١٠٤)

الفتاوى الهندية، الصلاة، الباب الرابع: في صفة الصلاة، الفصل الأول: في فرائض الصلاة، قديم زكريا ۱/ ۷۱، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۲۸ ۔

(۲) **وقائم بقاعد وبأحدب، أي لا يفسد اقتداء قائم بقاعد وبأحدب ...... وأما الثاني، وهو اقتداء القائم بالأحدب فأطلقه فشمل ما بلغ حدبه حد الركوع، وما إذا لم يبلغ ولا خلاف في الثاني، واختلفوا في الأول، ففي المجتبى: أنه جائز عندهما، وبه أخذ عامة العلماء خلافا لمحمد. وفي الفتاوى الظهيرية: لا تصح إمامة الأحدب للقائم، هكذا ذكر محمد في مجموع النوازل، وقيل: يجوز ، والأول أصح، ولا يخفى ضعفه، فإنه ليس هو أدنى حالا من القاعد؛ لأن القعود استواء النصف الأعلى، وفي الحدب استواء النصف الأسفل ...... وإن كان غيره أولى.** (البحر الرائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ٦٣٨- ٦٣٩، كوئٹه ۱/ ٣٦٥)

وأما إمامة الأحدب فقد ذكر في الذخيرة أنه يجوز ولم يحك خلافا، وذكر ←

ولد الزنا عالم کی امامت

سوال (۳۲۴): قدیم ۱/ ۴۰۳- امامت ولد الزناء، طوائف زادہ کی عند الشرع بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ شخص مسئول عنہ تائب ہوکر علوم دینیہ سے فارغ ہوا ہے؛ لیکن اہل شہر اس سے بوجہ علم اس بات کے کہ وہ طوائف زادہ ہے اور ایک عرصہ تک اس نے اسی شہر میں مزامیر وغیرہ ہمراہ طوائف کیا ہے، اس کی امامت سے نفرت کرتے ہیں اور نہ اس کو اپنا امام بناتے ہیں، تاہم ایسی حالت میں عبارت مذکورۂ ہدایہ تنفیر جماعت عند الشرع موجود سمجھی جاوے گی یا نہیں یا عوام الناس کی تنفیر جو کہ اس کی اصلیت سے پوری واقفیت رکھتے ہیں قابل اعتبار نہ ہوکر بلا کراہت امامت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور بوقت موجودگی ایک شریف النسب کے (جو ضروری مسائل دینیہ سے پورا واقف ہے) افضلیت تقدیم کس کو ہے، آیا ولد الزنا کی جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں، تقدیم افضل ہے یا اس شخص شریف النسب کی جس سے لوگ خوش ہیں؟

الجواب: في الدرالمختار: ويكره إمامة عبد –إلى قوله– إلا أن يكون أي غير الفاسق أعلم القوم فهو أولىٰ. في ردالمحتار: قوله: أى غير الفاسق تبع في ذلك صاحب البحر حيث قال: قيد كراهة إمامة الأعمىٰ في المحيط وغيره بأن لا يكون

....

← التمرتاشي: أن حدبه إذا بلغ حد الركوع على الخلاف وهو الأقيس؛ لأن القيام هو استواء النصفين، وقد وجد استواء نصفه الأسفل فيجوز عندهما كما يجوز أن يؤم القاعد القائم لوجود استواء نصفه الأعلى، وعند محمدؒ لا يجوز، وفي الفتاوى الظهرية: لا تصح إمامة الأحدب للقائم، هكذا ذكر محمد في مجموع النوازل، وقيل: يجوز. والأول أصح. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳٦٥، إمداديه ملتان ۱/ ۱٤۳)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲٥٤ ـ

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱٦۹ ـ

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲٥٤ ـ

الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۳۸،

کراچی ۱/ ۵۸۹ ۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

أفضل القوم، فإن كان أفضلهم فهو أولىٰ اھ. **ثم ذكر أنه ينبغي جريان هذا القيد في العبد والأعرابي وولد الزنا، ونازعه في النهر: بأنه في الهداية علل الكراهة بغلبة الجهل فيهم وبأن في تقديمهم تنفير الجماعة، ومقتضى الثانية ثبوت الكراهة مع انتفاء الجهل، وفيه بعد أسطر لكن مابحثه في البحر صرح به في الاختيار حيث قال: ولو عدمت أى علة الكراهة بأن كان الأعرابي أفضل من الحضري، والعبد من الحر، وولد الزنا من ولد الرشدة، والأعمى من البصير، فالحكم بالضد** اھ **ونحوه في شرح الملتقى وشرح درر البحار: ولعل وجهه أن تنفير الجماعة بتقديمه يزول إذا كان أفضل من غيره بل التنفير يكون في تقديم غيره الخ** (ج ۱ ص ۵۸۵ (۱))

....

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل مطلب: البدعة خمسة أقسام، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۸-۲۹۹، كراچی ۱/ ۵۵۹-۵۶۰ ۔

قوله: وكره إمامة العبد والأعرابي، والفاسق، والمبتدع، والأعمىٰ، وولد الزنا: بيان للشيئين الصحة والكراهة...... وأما الكراهة فمبنية على قلة رغبة الناس في الاقتداء بهولاء فيؤدي إلى تقليل الجماعة المطلوب تكثيرها تكثيرا للأجر ؛ ولأن العبد لا يتفرغ للتعليم، والفاسق لا يهتم لأمر دينه، والأعمى لا يتوقى النجاسة، وليس لولد الزنا أب يربيه ويؤدبه ويعلمه فيغلب عليه الجهل، أطلق الكراهة في هولاء وقيد كراهة إمامة الأعمى في المحيط وغيره بأن لا يكون أفضل القوم، فإن كان أفضلهم فهو أولىٰ ...... وعلى قياس هذا إذا كان الأعرابي أفضل الحاضرين كان أولى ...... وينبغي أن يكون كذلك في العبد وولد الزنا إذا كانا أفضل القوم فلا كراهة إذا لم يكونا محتقرين بين الناس لعدم العلة للكراهة.

(البحر الرائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۶۱۰، كوئٹه ۱/ ۳۴۹)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۴۳ ۔ فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۵۹-۳۶۱، كوئٹه ۱/ ۳۰۴ ۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، دارالكتاب ديو بند ص: ٣٠٢ ـ

اس عبارت سے مفہوم ہوا کہ جہاں ولد الزناء کی امامت سے جماعت کو نفرت نہ ہو در صورت اس کے افضل ہونے کے وہ احق بالامامۃ ہے اور جہاں باوجود اس کے افضل ہونے کے بھی نفرت رہے تو علت کراہت یعنی نفرت کے بقاء کے سبب اس کی امامت مکروہ ہے۔

حيث علل كون الحكم بالضد بزوال التنفير فحيث لم يزل التنفير لايكون الحكم بالضد بل يحكم بالأصل أى الكراهة.

پس صورت مسئولہ میں تقدیم شریف النسب کی افضل ہوگی۔

۶/ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۶۸)

امام کے لمبی نماز پڑھانے کی کراہت

سوال (۳۲۵): قدیم ۱/ ۴۰۵- ایک امام رکوع میں اس قدر دیر لگاتا ہے کہ مقتدی ۱۳ سے ۱۷ تک تسبیح رکوع وسجود پڑھ لیتے ہیں اور تشہد میں اس قدر تاخیر کرتا ہے کہ مقتدی التحیات ودرود وغیرہ سے فارغ ہوکر اس سے زیادہ بہت دیر تک خاموش بیٹھے رہتے ہیں، مقتدی بیوپاری اور پیشہ ور لوگ ہیں؛ اس لئے یہ تاخیر مقتدیوں پر گراں اور شاق گزرتی ہے اور جب امام صاحب کو کہا جاتا ہے تو جواب اس کا یہ دیا جاتا ہے کہ نماز خشوع اور خضوع سے ہونی چاہئے۔ آیا یہ نماز بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: **في الدر المختار: ويكره تحريما تطويل الصلوٰة على القوم زائدًا علىٰ قدر السنة في قراء ة وأذكار رضي القوم أولا لإطلاق الأمر بالتخفيف (نهر) وفي ردالمحتار: وقد تبع الشارح في ذلك صاحب البحر واعترضه الشيخ اسمٰعيل بأن تعليل الأمر بما ذكر يفيد عدم الكراهة إذا رضي القوم، أى إذا كانوا محصورين ويمكن حمل كلام البحر على غير المحصورين تامل** (ج ۱ ص ٥٨٦ (۱))

....

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ٢ / ٣٠٢، ٣٠٤، كراچى ١ / ٥٦٤ ـ

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا صلى أحدكم للناس فليخفف، فإن فيهم السقيم، والضعيف، والكبير، وإذا صلى أحدكم ←

اس سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں امام کی تطویل مکروہ تحریمی ہے اور خشوع وخضوع تطویل کو نہیں کہتے بلکہ اس تطویل سے تو مقتدیوں کا خشوع وخضوع فوت ہو جاتا ہے۔

۶/ رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۷۰)

مال ضائع ہونے کے خطرے سے ترک جماعت کا حکم

سوال (۳۲۶): قدیم ۱/۴۵۰- بندہ نے تجارت چرم شروع کی ہے، مگر بندہ کو اس کا علم نہیں اس وجہ سے ایک دوسرا شخص جو اس کام سے خوب واقف ہے بغیر اصل مال کے محنت کا شریک کرلیا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعض وقت نماز جماعت ادا نہیں ہوسکتی، اس واسطے اگر بندہ نماز کے واسطے مسجد میں گیا اور بعد میں اس نے کچھ مال فروخت کردیا اور قیمت کے دام اپنے پاس رکھ لئے اور بندہ کو نہ کہا، اس عذر سے جماعت ترک کرنا اور اس قسم کی تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ ''بہشتی گوہر'' میں لکھا

....

← **لنفسه فليطول ماشاء.** (بخاري شريف، كتاب الأذان، باب إذا صلى لنفسه فليطول ماشاء، النسخة الهندية ۱/ ۹۷، رقم: ۶۹۴، ف: ۷۰۳)

مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، النسخة الهندية ۱/ ۱۸۸، بيت الأفكار، رقم: ۴۶۷ ـ

وكره للإمام تطويل الصلاة لما فيه من تنفير الجماعة لقوله عليه السلام: من أم فليخفف (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي قوله: تطويل الصلاة بقراءة أو تسبيح أو غيرهما رضي القوم أم لا لإطلاق الأمر بالتخفيف، قوله: من أم فليخفف : ذكر الشيخ في كبيره حديث : يا أيها الناس! إن منكم منفرين من صلى بالناس فليخفف، فإن منهم الكبير والضعيف وذا الحاجة، رواه الشيخان، وهذا يفيد أن الإمام يترك القدر المسنون مراعاة لحال القوم الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۳۰۴-۳۰۵)

البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۶۱۴، كوئٹه ۱/ ۳۵۱ ـ

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٤٤ ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہے کہ اگر عذر سے جماعت میں شامل نہ ہو تو جائز ہے اور یہ بظاہر ہمارے خیال میں ایک طرح کا عذر ہے؛ لہٰذا حضور سے دریافت کیا جاتا ہے کہ جس کام سے کسی وقت کی جماعت اکثر فوت ہو تو وہ کام کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: في الدرالمختار: **في أعذار ترك الجماعة أو خوف على ماله، وفي ردالمحتار: أى من لصّ ونحوه إذا لم يمكنه غلق الدكان أو البيت مثلا.** (ج ١ ص ٥٨١) (١)۔**وفي العالمگيرية: أو يخاف ضياع ماله.** (ج١ ص ٥٢)(٢)۔

ان روایات سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر اس کی عادت نہ کرے جب کوئی انتظام نہ کر سکے اس وقت معذور ہو سکتا ہے، ورنہ اگر ممکن ہو دکان بند کر کے جماعت میں حاضر ہو۔

یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۵)

مجبوری میں صحیح خواں کا غلط خواں کی اقتداء کرنا

سوال (۳۲۷): قدیم ۱/ ۴۰۶ - ایک شخص قرآن صحیح پڑھتا ہے، مگر بوجہ عذر ناسور (جو ہر وقت جاری رہتا ہے، وعدم قدرت علی القیام والجلوس موافق سنت امامت نہیں کر سکتا اور سب اس کے دیہی وطن کے رہنے والے بقدر جواز صلوٰۃ قرآن نہیں پڑھ سکتے۔ اب وہ کیا کرے، ان کے ساتھ

....

(١) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٩٣، كراچى ١/ ٥٥٦ ـ

(٢) هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس: في الإمامة، الفصل الأول: في الجماعة، قديم زكريا ديوبند ١/ ٨٣، جديد زكريا ديوبند ١/ ١٤٠ ـ

قوله: وخوف ظالم، أي على نفسه أو ماله، أو خوف ضياع ماله. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل يسقط حضور الجماعة بواحد من ثمانية عشر شيئا، دارالكتاب، ص: ٢٩٧)

البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٦٠٦، كوئٹه ١/ ٣٤٦۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جماعت میں شریک ہوتا ہے، تو اس کی نماز نہیں ہوتی اور وہ نماز پڑھا نہیں سکتا، اس کو تقاعد عن الجماعۃ (ترکِ جماعت) جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: چونکہ ابتلاء کے سبب بعض علماء ایسی اقتداء کو صحیح بتلاتے ہیں، پس بنابر احتمال صحت تخلف عن الجماعۃ محل وعید ہے اور بعض غیر صحیح بتلاتے ہیں اس بناء (*) پر عدم صحت صلوٰۃ محل وعید نہیں ہے (۱)۔ پس جمعاً بین الادلۃ احتیاط یہ ہے کہ جماعت سے تقاعد نہ کرے اور بعد میں اپنی نماز کا اعادہ کرے۔

۶ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۲۱)

(*) اصل میں بھی یہ عبارت اسی طرح ہے؛ لیکن صحیح عبارت اس طرح ہے: ''پس بنابر عدم صحت صلاۃ تخلف عن الجماعت محل وعید نہیں ہے''۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) **ولا غير الألثغ به، أي بالألثغ على الأصح كما في البحر عن المجتبىٰ (درمختار) وفي الشامية: قوله: على الأصح، أي خلافا لما في الخلاصة عن الفضلي من أنها جائزة؛ لأن ما يقوله صار لغة له، ومثله في التاتارخانية، وفي الظهيرية: وإمامة الألثغ لغيره تجوز، وقيل: لا، ونحوه في الخانية عن الفضلي، وظاهره اعتمادهم الصحة، وكذا اعتمدها صاحب الحلية، قال: لما أطلقه غير واحد من المشايخ من أنه ينبغي له أن لا يؤم غيره، ولما في جزانة الأكمل: وتكره إمامة الفأفاء اھ. ولكن الأحوط عدم الصحة كما مشى عليه المصنف ونظمه في منظومته، وأفتى به الخير الرملي، وقال في فتاواه: الراجح المفتى به عدم صحة إمامة الألثغ لغيره ممن ليس به لثغة.** (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الألثغ، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٢٧-٣٢٨، كراچی ١/ ٥٨١-٥٨٢)

خانية على الهندية، الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لا يصح، قديم زكريا ١/ ٩٠، جديد زكريا ١/ ٥٨۔

خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر: في الإمامة والاقتداء، في صحة الاقتداء، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ١٤٨۔

التاتارخانية، الصلاة، الفصل السادس: من يصلح إماما لغيره ومن لا يصلح، مكتبه زكريا

دیوبند ۲/ ۲۵۸، رقم: ۲۳۵۹ ۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قرآن غلط پڑھنے والے کی اقتداء کا حکم

سوال (۳۲۸): قدیم ۱/ ۴۰۷- بکر ایک مسجد کا امام ہے اور حافظ قرآن بھی ہے، مگر قرآن بہت غلط پڑھتا ہے، بعض الفاظ ایسے لپیٹ کے پڑھتا ہے کہ اگر کسی کو پہلے سے وہ الفاظ یاد نہ ہوں تو سمجھ میں نہ آئیں، اس کے علاوہ بعض جگہ زبر کو ایسا بڑھا دیتا ہے کہ الف پیدا ہو جاتا ہے، مثلاً ”**فعقروا**“ کو ”**فعاقروا**“ اور ”**قد افلح**“ کو ”**قد افلحا**“ وغیرہ پڑھ جاتا ہے، بعض جگہ ساکن کو متحرک پڑھ دیتا ہے، مثلاً ”**اهدنا الصراط المستقيم**“ کو ”**اهدنا**“ بکسر ہاء بعض جگہ متحرک کو ساکن پڑھ دیتا ہے، مثلاً ”**الم تركيف فعل**“ کو ”**الم تركيف فعل**“ بسکون عین پڑھتا ہے۔ اس کے علاوہ جابجا درمیان میں وقف کر دیتا ہے اور وقف کے وقت آخر لفظ کو ساکن نہیں پڑھتا؛ بلکہ ہمیشہ متحرک پڑھتا ہے اور پھر آگے چلتا ہے، جس لفظ پر وقف کیا ہے اس کو دوبارہ نہیں پڑھتا۔ ایسے حافظ قرآن کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اگر اس کے پیچھے نماز مکروہ یا ناجائز ہو، مگر لوگ اس کو امام بنائیں تو اس شخص کو کیا ترک جماعت کرنا چاہئے جو اس قسم کی سب غلطیوں سے بچتا ہو؟

الجواب : **في فتاویٰ قاضي خان: أما الخطأ في الإعراب إذا لم يغير المعنى لا تفسد الصلوٰة عند الكل، وإن غير المعنى تغيرا فاحشا فسدت صلوته في قول المتقدمين، واختلف المتأخرون في ذلک، وما قاله المتقدمون أحوط، وما قاله المتأخرون أوسع انتهى مختصراً (۱)۔ وفيها أيضاً: وأما ترک المد إن لم يغير المعنى كما في قوله: إنا أنزلناه، إنا أعطيناک لاتفسدصلوته اھ(۲). قلت: وكذا المد فيما ليس فيه كما هو ظاهر.**

....

(۱) خانية على الهندية، الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، قديم زكريا ۱/ ۱۳۹، جديد زكريا ۱/ ۸۷-۸۸ ۔

(۲) خانية على الهندية، الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ، وفي الأحكام المتعلقة

بالقراء ة، قديم زكريا ١/ ١٥٥، جديد زكريا ١/ ٩٨ ـ

ومنها: اللحن في الإعراب إذا لحن في الإعراب لحنا لا يغير المعنى لا تفسد ←

پس جو غلطیاں سوال میں مذکور ہیں چونکہ مغیر معنی نہیں اس لئے نماز ہو جاوے گی جو شخص ایسی غلطیوں سے محفوظ ہے اس کو ترک جماعت نہ کرنا چاہئے ۔ واللہ اعلم

۱۸/ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۱۱ ج ۱)

نماز میں ایڑی سے ایڑی ملا کر کھڑے ہونے کا حکم؟

سوال (۳۲۹): قدیم ۱/ ۴۰۷- آج کل یہاں غیر مقلدی کا بہت زور وشور ہو رہا ہے، حتی کہ نماز میں کہا جاتا ہے کہ ایڑی سے ایڑی اور چھنگلیا سے چھنگلیا ملا کر کھڑے ہوا کرو اور بہت لوگ کھڑے بھی ہوتے ہیں؟

الجواب: في المشكوة، باب تسوية الصفوف: عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

....

← صلاته بالإجماع، وإن غير المعنى تغيرا فاحشا بأن قرأه: وعصى آدم ربه بنصب الميم ورفع الرب وما أشبه ذلك مما لو تعمد به يكفر إذا قرأ خطأ فسدت صلاته في قول المتقدمين، واختلف المتأخرون ...... وما قاله المتقدمون أحوط ...... وما قاله المتأخرون أوسع؛ لأن الناس لا يميزون بين إعراب وإعراب كذا في فتاوى قاضي خان، وهو الأشبه، كذا في المحيط، وبه يفتى، كذا في العتابية، وهكذا في الظهيرية ...... وأما ترك المد إن كان لا يغير المعنى لا تفسد، وإن كان يغير المختار أنها لا تفسد كما في ترك التشديد، هكذا في الخلاصة. (هندية، الصلاة، الباب الرابع: في صفة الصلاة، الفصل الخامس: في زلة القاري، قديم زكريا ١/ ٨١، جديد زكريا ١/ ١٣٨-١٣٩)

تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني: مسائل زلة القاري، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١٠٩، ١١٠، رقم: ١٨٨١-١٨٨٤ ـ

المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثاني: في الفرائض والواجبات والسنن، المجلس العلمي ٢/ ٧٦-٧٧، رقم: ١٢٧٠ ـ

شامی، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: مسائل زلة القاري، زكريا

دیوبند ۲/ ۳۹٤، کراچی ۱/ ٦۳۱ ۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رصوا صفوفکم وقاربوا بینها، وحاذوا بالأعناق. الحدیث، رواه أبو داؤد (۱)۔

عن أبي أمامة في حدیث طویل: قال قال رسول اللہ ﷺ: سوّوا صفوفکم وحاذوا بین مناکبکم. الحدیث، رواه احمد (۲)۔

حدیث اول میں ''رصوا'' کے بعد ''قاربوا'' آیا ہے، ظاہر ہے کہ اگر ''تراص'' بمعنی مماست اقدام وغیرہ لیا جاوے تو ''قاربوا'' کے منافی ہوگا کہ مقاربت چاہتا ہے عدم مماستہ کو جیسا کہ ظاہر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقصود مقاربت ہے، اسی کو مبالغۃً تراص یا بعض حدیثوں میں الزاق فرمادیا اور آگے جو ''حاذوا'' آیا ہے گویا اسی کی تفسیر ہے اور اسی کو دوسری حدیث میں: ''حاذوا بین مناکبکم'' سے تعبیر کیا ہے۔ **وهذا ظاهر جدا. واللہ اعلم وعلمه أتم وأحکم.**

۲۹؍ رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۷ ج ۴)

....

(۱) أبو داؤد شریف، کتاب الصلاة، باب تسویة الصفوف، النسخة الهندیة ۱/ ۹۷، دارالسلام، رقم: ٦٦۷ ۔

(۲) مسند أحمد بن حنبل ٥/ ۲٦۲، رقم: ۲۲٦۱۹ ۔

مشکوۃ شریف، کتاب الصلاۃ، باب تسویة الصفوف، مکتبه أشرفیه دیوبند ص: ۹۸۔

قوله: یلزق، أي یلصق منکبه بمنکب صاحبه الخ. ولعل المراد بالإلزاق المحاذاة، فإن إلزاق الرکبة بالرکبة، والکعب بالکعب في الصلاة مشکل، وأما إلزاق المکنب بالمنکب فمحمول علی الحقیقة. (بذل المجهود، الصلاة، باب تسویة الصفوف، قدیم مطبوعه میرٹھ ۱/ ۳٦۰، دارالبشائر الإسلامیة بیروت ۳/ ٦۰۹)

(وحاذوا بالمناکب) **أي اجعلوا بعضها حذاء بعض بحیث یکون منکب کل واحد من المصلین موازیا لمنکب الآخر، ومسامتاله فتکون المناکب والأعناق والأقدام علی سمت واحد.**

(إعلاء السنن، الصلاة، باب سنیة تسویة الصفوف ورصها، بیروت ٤/ ۳۳٦، کراچی ٤/ ۳۱۹)

المراد بذلک المبالغة في تعدیل الصف وسد خلله. (فتح الباري، الصلاة، باب إلزاق

المنکب بالمنکب، قدیم بیروت ۲/ ۲۴۷، جدید مکتبه أشرفیه دیوبند ۲/ ۲۶۸، رقم: ۷۲۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۳۳۰): قدیم ۱/ ۴۰۸ - یہاں ایک مولوی صاحب جو اپنا شمار اہل حدیث میں کرتے ہیں؛ لیکن ایک بزرگ وسنجیدہ آدمی ہیں، آج کل تشریف لائے ہیں، نماز جماعت مسجد میں وہی پڑھاتے ہیں، انھوں نے صف بندی میں الزاق الکعب بالکعب کو بہت رواج دیا ہے، ہر شخص جماعت میں پیر کو اپنے پاس والے کے پیر سے چسپاں کرتا ہے، اس میں چند فتور ہوتے ہیں: اول ایک آدمی کے دونوں پیروں کے درمیان فصل زیادہ ہو جاتا ہے، دوسرے جس کا پیر چھوٹا ہے اور صف سے پیچھے معلوم ہوتا ہے، یعنی اس کا مونڈھا مونڈھے سے نہیں ملتا، تیسرے جب سجدے میں جاتے ہیں تو سب کے پیر اپنے مقام سے ہٹ جاتے ہیں، پھر جب دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے ہیں تو پیروں کی طرف ملتفت ہو کر ان کو دونوں طرف بڑھا کر ایک دوسرے سے ملاتے ہیں، اس التفات وحرکت غیر مامور بہا کو مکروہ خیال کر کے اپنے طریق پر قائم رہا اور ہوں۔ بعض حضرات نے مجھ سے کہا تو میں نے جواب دیدیا کہ میرے فعل سے آپ کو کیا بحث؟ لیکن ایک روز مولوی صاحب ممدوح نے اس پر مجھے ملامت کی اور کہا کہ تم تارک سنت موکدہ ہو، میں نے کہا کہ اس کا سنت ہونا غیر ثابت ہے، پس آپ مجھ پر افتراء کرتے ہیں، یہ آپ کو مناسب نہیں۔ انہوں نے ثبوت میں روایت نعمان بن بشیرؓ کی جس کا جزو یہ ہے: ''**رأیت الرجل منا یلزق منکبه بمنکب صاحب وکعبه بکعبه**'' (۱)۔ اور روایت حضرت انسؓ کی: ''**فکان أحدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه فی الصف رواه البخاری**'' (۲)۔ پیش کی۔ میں نے کہا حدیث اول سے مواظبت نہیں نکلتی اور حدیث ثانی سے الزاق الکعب کا استدلال صحیح نہیں، بہت ناراض ہوئے،

---

(۱) نعمان بن بشیر یقول: أقبل رسول الله صلی الله علیه وسلم علی الناس بوجهه فقال: أقیموا صفوفکم ثلاثا، والله لتقیمن صفوفکم أو لیخالفن الله بین قلوبکم قال: فرأیت الرجل یلزق منکبه بمنکب صاحب ورکبته برکبة صاحبه وکعبه بکعبه. (أبوداؤد شریف، کتاب الصلاة، باب تسویة الصفوف، النسخة الهندیة ۱/ ۹۷، دارالسلام، رقم: ۶۶۲)

(۲) عن أنسؓ عن النبي صلی اللہ علیه وسلم قال: أقیموا صفوفکم فإني أراکم من وراء ظهري، وکان أحدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه، وقدمه بقدمه. (بخاري شریف، کتاب الأذان، باب إلزاق المنکب بالمنکب، النسخة الهندیة ۱/ ۱۰۰، رقم: ۷۱۶، ف: ۷۲۵)

پھر کہلا بھیجا کہ اپنے شبہات تحریراً پیش کرو میں آپ کا اطمینان کردوں گا۔ میں نے ایک جزو میں تقریر لکھ کر بھیج دی جواب آج تک نہیں دیا، اس شبہ میں تمام لوگ پھر الزاق الکعب کے تارک ہو گئے۔ اب آپ سے عرض ہے کہ اس بیان کو مفصلاً تحریر فرمائیے کہ میرا اور لوگوں کا اطمینان ہو جاوے؟

الجواب : اس باب میں مختلف الفاظ سے روایات آئی ہیں۔ بخاری کے الفاظ تو سوال ہی میں مذکور ہیں اور ''سنن ابوداؤد'' میں نعمان بن بشیرؓ سے یہ الفاظ آئے ہیں: **''قال فرأیت الرجل یلزق منکبه بمنکب صاحبه ورکبته برکبة صاحبه وکعبه بکعبه''** (۱)۔ اور حضرت انسؓ سے مرفوعاً یہ الفاظ ہیں: **''قاربوا بینها وحاذوا بالأعناق''** (۲)۔ اور عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعا یہ الفاظ ہیں'' **حاذوا بین المناکب''** (۳)۔ اور یہ امر یقینی ہے کہ ان سب عبارات کا معبر عنہ ایک ہی ہے اسی کو کہیں الزاق سے تعبیر کر دیا کہیں مقاربت سے کہیں محاذاۃ سے اس سے معلوم ہوا کہ محاذاۃ ومقاربت ہی کو الزاق کہہ دیا ہے مبالغۃً فی المقاربۃ دوسرے اگر الزاق کے معنیٰ حقیقی لئے جاویں تو الزاق المناکب اور الزاق الکعب اس صورت متعارفہ معتادہ میں مجتمع نہیں ہو سکتے کہ مصلی اپنے قدمین میں خوب انفراج رکھے کیونکہ اس میں الزاق الکعاب تو ہوگا لیکن الزاق المناکب نہ ہوگا جیسا کہ ظاہر اور مشاہد ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ

....

(۱) أبوداؤد شریف، کتاب الصلاة، باب تسویة الصفوف، النسخة الهندیة ۱/ ۹۷، دارالسلام، رقم: ۶۶۲۔

(۲) عن أنس بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: رصوا صفوفکم وقاربوا بینها، وحاذوا بالأعناق، فوالذي نفسي بیده إني لأری الشیطان یدخل من خلل الصف کأنها الحذف. (أبوداؤد شریف، کتاب الصلاة، باب تسویة الصفوف، النسخة الهندیة ۱/ ۹۷، دارالسلام، رقم: ۶۶۲)

(۳) عن أبي شجرة أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: أقیموا الصفوف وحاذوا

بيـن الـمنـاكـب، وسـدوا الخلل، ولينوا بأيدي إخوانكم، ولا تذروا فرجات للشيطان، ومن وصـل صـفـا وصـلـه الله ومن قطع صفا قطعه الله. (أبـوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ١/ ٩٧، دارالسلام، رقم: ٦٦٦)

الزاق الکعاب کومقصود سمجھا جاوے اور الزاق المناکب کی رعایت نہ کی جاوے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ الزاق المناکب اصل ہے اور الزاق الکعاب غیر مقصود۔ تیسرے الزاق الکعاب کی جو صورت بھی لی جاوے الزاق الرکب کے ساتھ اس کے تحقیق کی کوئی صورت نہیں کیونکہ رکبہ بمعنی زانو کا الزاق دوسرے رکبہ سے جب ہو سکتا ہے کہ دو شخص باہم متقابل اور متواجہ ہوں جیسا کہ ظاہر ہے؛ البتہ محاذاۃ رکب میں ہر حال میں ممکن ہے ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ جس الزاق کا دعویٰ کیا جاتا ہے حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی؛ بلکہ فرجات چھوڑنے کی ممانعت سے اس کی نفی ہوتی ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

۹ رشوال ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۸ ج ۴)

....

---

(۱) عـن عـبـدالله بـن عـمـر –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أقيـمـوا الـصـفـوف، فإنما تصفون بصفوف الملائكة، وحاذوا بين المناكب، وسدوا الخلل، وليـنـوا في أيدي إخوانكم، ولا تذروا فرجات للشيطان. (مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٩٨، رقم: ٥٧٢٤، أبـوداؤد شـريف، كتاب الـصـلاة، بـاب تسـوية الـصـفـوف، الـنسخة الهندية ١/ ٩٧، دارالسلام، رقم: ٦٦٦)

يـلـزق، أي يـلـصـق مـنكبه بمنكب صاحبه الخ. ولعل المراد بالإلزاق المحاذاة، فإن إلـزاق الـركبة بـالـركبة، والكعب بالكعب في الصلاة مشكل، وأما إلزاق المكنب بالمنكب فمحمول على الحقيقة. (بذل المجهود، الصلاة، باب تسوية الصفوف، قديم مطبوعه ميرٹھ ١/ ٣٦٠، دارالبشائر الإسلامية بيروت ٣/ ٦٠٩)

(وحاذوا بالمناكب) أي اجعلوا بعضها حذاء بعض بحيث يكون منكب كل واحد من المصلين موازيا لمنكب الآخر، ومسامتاله فتكون المناكب والأعناق والأقدام على سمت واحد.

(إعلاء السنن، الصلاة، باب سنية تسوية الصفوف ورصها، بيروت ٤/ ٣٣٦، كراچی ٤/ ٣١٩)

الـمراد بذلك المبالغة في تعديل الصف وسد خلله. (فتح الباري، الصلاة، باب إلزاق

المنكب بالمنكب، قديم بيروت ۲/ ۲٤۷، جديد مكتبه أشرفيه ديو بند ۲/ ۲٦۸، رقم: ۷۲۵)

العرف الشذي، الصلاة، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۵۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بڑی مسجد میں فصل کثیر کے باوجود اقتدا صحیح ہے

سوال (۳۳۱): قدیم ۱/ ۴۱۰- گزارش خدمت میں یہ ہے کہ ''بہشتی گوہر'' مطبع مجتبائی صفحہ: ۵۵ کے مسئلہ نمبر: ۷/ میں ہے: اگر مسجد بہت بڑی ہو اور اسی طرح اگر گھر بہت بڑا یا جنگل ہو اور امام ومقتدی کے درمیان اتنا خالی میدان ہو کہ جس میں دو صفیں ہو سکیں تو یہ دونوں مقام یعنی جہاں مقتدی کھڑا ہے اور جہاں امام ہے مختلف سمجھے جائیں گے اور اقتداء درست نہ ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے موسم میں جو خانہ کعبہ کے متصل پورب کی طرف امام کھڑا ہوتا ہے، دو ایک صف بھی ان کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے ان کی اقتداء تو صحیح ہو جاتی ہے اور بہت سی صفیں بیس پچیس صف کے فاصلہ پر کھڑی ہوتی ہیں، درمیان میں خالی جگہ پڑی رہتی ہے، ان کی اقتداء صحیح نہیں ہوتی ہے۔ اب مقصود سوال یہ ہے کہ چند سال تک بندہ کا وہاں قیام رہا۔ اور نماز فاصلہ والی جماعت میں شرکت کر کے پڑھی ہے۔ اب اگر وہ اقتداء صحیح نہ ہو تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟ اگر درست نہ ہوئی تو کیا کرنا چاہئے؟ ڈھاکہ کے بعض علماء سے دریافت کیا تھا تشفی بخش جواب نہیں ملا۔ حضرت جو فرما دیں اس کو انشاء اللہ کام میں لاؤں گا۔

الجواب: بہت بڑی مسجد کی مثال درمختار وغیرہ میں مسجد قدس لکھی ہے۔ سو مسجد حرام اتنی بڑی نہیں ہے۔ اس لئے وہاں کوئی اشکال نہیں اور ''ردالمحتار'' میں نوازل سے جامع قدیم خوارزم کو بھی مثال میں لائے ہیں۔ اور اس کا وصف یہ لکھا ہے: **فان ربعه كان على أربعة آلاف استطوانة.**

اور جامع قدس کی تفسیر میں لکھا ہے: **أعني ما يشمل على المساجد الثلاثة: الأقصىٰ، والصخرة، والبيضاء، كذا في البزازية** (۱)۔ اس پر بھی وہی تفریع ہے۔ واللہ اعلم۔

....

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديو بند ۲/ ۳۳۲، کراچی ۱/ ۵۸۵۔

والمانع في الصلاة فاصل يسع فيه صفين على المفتى به (مراقي الفلاح) وفي حاشية

الطحطاوي قوله: على المفتى به: وقيل: ما يسع صفا واحدا، والفضاء الواسع في المسجد لا يمنع، وإن وسع صفوفا ...... فلو اقتدى بالإمام في أقصى المسجد والإمام في المحراب جاز، كما في الهندية، قال البزازي: المسجد وإن كبر لا يمنع الفاصل فيه إلا في ←

اور عالمگیریہ ”باب خامس في الإمامة“ کے فصل رابع میں مسجد میں علی الاطلاق فصل کو غیر مانع عن الاقتداء کہا ہے۔ گو کتنی ہی بڑی مسجد ہو۔

عبارتها والمسجد وإن كبر لايمنع الفاصل فيه كذا فى الوجيز للكردرى (۱)۔

سو بہشتی گوہر کا مسئلہ ایک روایت پر محتاج تفصیل اور دوسری روایت پر غیر معمول بہ ہے۔

اشرف علی ۲۳؍رمضان ۵۶ھ (النور ص۱۰) جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ

بحالت مجبوری فاسق کے پیچھے اقتدا کا جواز

سوال (*) (۳۳۲): قدیم ۱/۴۱۱- پیش امام جامع مسجد کہ ہزار ہا مخلوق درآنجا نماز ادا می کنند مرد جاھل و ربوا خوار و بخیل و بے تقویٰ و متعلق و کاذب وحارس وغیرہ وغیرہ ہست در جماعت عالم و فاضل وزاھد وعابد وقاری ومتقی داخل اند، پس آں نماز ایشاں چگونہ است اکثر قوم ناراض اند صرف از طرف حکومت بطریق وراثت آں پیش امام مقرر شدہ است ہمہ مردمان از طرف حکومت مجبوراند شرعاً چہ باید کرد؟

(*) خلاصۂ سوال:- جامع مسجد کا امام جاہل، سود خور، بخیل، غیر متقی اور جھوٹا ہے اور نمازیوں میں عالم وفاضل، عابد وزاہد اور قاری ومتقی ہیں، پس ان کی نماز کیسی ہوگی؟ اکثر لوگ ناراض ہیں؛ لیکن چونکہ حکومت کی طرف سے ان امام صاحب کو حق امامت وراثۃً پہنچا ہے؛ اس لئے تمام لوگ مجبور ہیں، پس شرعاً کیا کرنا چاہئے؟ ۱۲
سعید احمد پالن پوری

← الجامع القديم بخوارزم، فإن ربعه كان على أربعة آلاف أسطوانة، وجامع القدس الشريف أعني ما يشتمل على المساج الثلاثة: الأقصى، والصحراء، والبيضاء كما في الحلبي والشرح. (حاشية الطحطاوي على المراقي، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۲۹۳)

حلبي كبيري، فصل في الإمامة، شروط المحاذاة، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۵۲۴ ـ

بزازية، على الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر: في الإمامة والاقتداء، قديم

زکریا ٤ / ٥٥، جدید زکریا دیوبند ١ / ٣٩ ۔

(ا) الفتاوی الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس: في الإمامة، الفصل الرابع: في بيان ما يمنع صحة الاقتداء وما لا يمنع، قديم ١ / ٨٨، جديد زكريا ١ / ١٤٦ ۔ شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

الجواب (*): صبر باید کرد مخالفت باحکومت نازیباست وچوں مقتدیان برعزل امام قادرنیستند پس ایں ہمہ کراہت برامام خواہد بودنماز مقتدیان بلاکراہت صحیح خواہد ماند(ا)۔

(تتمہ اولیٰ ۳۱۵)

امام کوحدث ہوجانے پرمقتدی کاازخودبڑھ کرخلیفہ بن جاناجائزہے

سوال (۳۳۳): قدیم ۱/۴۱۲- زیدامام نے نماز پڑھائی کسی رکعت میں اس کوحدث ہوا

(*) ترجمہ جواب:- صبر کرنا چاہئے، حکومت کے ساتھ مخالفت زیبانہیں ہے اور چونکہ مقتدی امام کو معزول کرنے پرقادرنہیں ہیں؛ اس لئے ساری کراہت امام پرہوگی، مقتدیوں کی نماز بلاکراہت صحیح ہوگی۔
۱۲ سعیداحمد پالن پوری

(ا) **عن أبي هريرة –رضی الله تعالیٰ عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الجهاد واجب عليكم مع كل أمير برا كان أو فاجرا، والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم برا كان أو فاجرا، وإن عمل الكبائر، والصلاة واجبة على كل مسلم برا كان أو فاجرا.** (أبوداؤد شريف، الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، النسخة الهندية ٢/ ٣٤٣، دارالسلام رقم: ٢٥٣٣)

فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل، وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد، وينبغي أن يكون محل كراهة الاقتداء بهم عند وجود غيرهم وإلا فلا كراهة كما لا يخفى. (البحرالرائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ١/ ٦١١، كوئٹه ١ / ٣٤٩)

وقال في مجمع الروايات: وإذا صلى خلف فاسق أو مبتدع يكون محرزا ثواب الجماعة لكن لا ينال ثواب من يصلي خلف إمام تقي (مراقي الفلاح) وفي حاشية الطحطاوي: قوله: يكون محرزا ثواب الجماعة، أي مع الكراهة إن وجد غيرهم وإلا فلا كراهة كما في البحر بحثا. (حاشية الطحطاوي على المراقي، الصلاة، فصل في بيان الأحق

بالإمامة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ٣٠٣)

النهر الفائق، الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ١ / ٢٤٤ ۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

چونکہ اس کی پشت کے پیچھے کوئی مقتدی نماز پڑھانے کے لائق نہ تھا اس لئے اس نے نماز چھوڑ کر علیحدہ ہونا چاہا جماعت کے داہنے بائیں طرف امام سے دس یا پندرہ نمازیوں سے پرے ایک شخص نماز پڑھانے کے لائق کھڑا تھا وہ یہ دیکھ کر کہ امام کا وضو ٹوٹ گیا ہے، سب نمازیوں کے سامنے سے گزر کر امام کی جگہ آ کھڑا ہوا اور نماز پڑھائی۔ کیا اس صورت میں نماز سب کی صحیح ہوئی یا نہیں؟ فقط۔

الجواب : صحیح ہوگئی۔ **في الدرالمختار، باب الاستخلاف: ولم يتقدم أحد ولو بنفسه. وفي ردالمحتار: أشار إلى أنه يصير خليفة إذا قدمه الإمام أو أحد القوم أوتقدم بنفسه كما قدمناه عن النهر** (۱)۔ فقط

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۰ ج ۱)

نماز میں دنیوی واخروی مقصد کے لئے غیر عربی میں دعا کرنے کی تفصیل

سوال (۳۳۴): قدیم ۱/۴۱۲- ایک خط درباره دعا اندرون نماز ایک صاحب کے پاس ایک عالم کے یہاں سے آیا ہے، جو ہمرشتۂ عریضۂ ہذا ارسال خدمت کرتا ہوں؛ چونکہ مجھ کو اس کے مضمون میں شک ہے؛ لہٰذا مکلّف خدمت عالی ہوں کہ سوالات ذیل کے جواب باصواب سے معزز فرمایا جاوے۔

....

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الاستخلاف، مكتبه زكريا ديوبند ٢ / ٣٥٤، كراچی ١ / ٦٠٢ ۔

وإن قدم القوم واحدا أو تقدم بنفسه لعدم استخلاف الإمام جاز، وإن قام مقام الأول قبل أن يخرج من المسجد. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١ / ٢٥٨)

ولو تقدم رجل من غير تقديم أحد وقام مقام الأول قبل أن يخرج الإمام من المسجد، وصلى بالقوم أجزأهم. (المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل السادس عشر: مسألة الاستخلاف،

مکتبه المجلس العلمي ۲ / ۲۹۶، رقم: ۱۸۱٤)

تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر: الاستخلاف، مكتبه زكريا ديوبند ۲ / ۳۷۳، رقم: ۲۷۱۲ ۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) فرض یا سنت نماز میں سجدہ یا کسی دوسرے رکن میں عربی یا کسی دوسری زبان میں کوئی دعاء غیر منقول دنیا وآخرت کے لئے مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) دوران نماز میں مطلقاً کوئی دعاء مفسد نماز ہے یا نہیں؟ خاص کر سجدہ میں بعد تسبیح (اس خط کی نقل یہ ہے) سجدہ میں دعاء کرنے کے متعلق صاف حدیثیں ہیں، ہاں یہ سچ ہے کہ تسبیح کے علاوہ یہ ہیں اور تسبیح مقدم ہے۔ ''مشکوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ، باب السجود'' میں ہے:

كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول في سجوده: اللهم اغفرلي ذنبي كله دقه وجله وأوله وآخره وعلانيته وسره. رواه مسلم (۱)۔ دیکھو (مشکوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ، باب السجود (۲)

اور مسلم میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أقرب مايكون العبد من ربه وهو ساجد، فأكثروا الدعاء (۳)۔

یہاں سجدوں میں خصوصیت سے کثرت دعاء کا حکم دیا ہے، اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں، مگر یہ دو کافی ہیں، رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی ہے کہ دعا سجدہ میں علاوہ تسبیحات ماثورہ کے مانگتے تھے اور یہ حکم بھی ہے کہ دعاء سجدہ میں بہت مانگا کرو جب دعاء کا حکم ہے، تو جس زبان میں انسان چاہے مانگے، ایک شخص عربی نہیں جانتا تو وہ اپنی زبان میں ہی دعاء مانگ کر اس حکم کو پورا کرسکتا ہے، مسلمانوں کی نمازیں اسی لئے بے اثر ہوگئی ہیں کہ نماز میں اور بالخصوص سجدوں میں کثرت دعاء سے کام نہیں لیتے اھ؟

الجواب: ومنه الصدق والصواب: اولاً مقدمات ذیل معروض ہیں مع ان کے دلائل کے۔

(۱) دعا کا اطلاق حمد پر بھی آیا ہے: **عن جابرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:**

....

(۱) مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب ما يقال في الركوع والسجود، النسخة الهندية ۱/

۱۹۱، بيت الأفكار رقم: ۴۸۲ ۔

(۲) مشكوة شريف، كتاب الصلاة، باب السجود، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱ / ۸۴ ۔

(۳) مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب ما يقال في الركوع والسجود، النسخة الهندية ۱ / ۱۹۱، بيت الأفكار رقم: ۴۸۳ ۔

أفضل الذكر لا اله الا الله، وأفضل الدعاء الحمد لله. (رواه الترمذی و ابن ماجة مشکوٰة ج:۱، ص: ۱۹۲ (۱))

(۲) اصل نماز فرض میں جماعت ہے واصل جماعت میں تخفیف ہے۔

عن أبی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إذا صلی أحدكم للناس فليخفف، فإن فيهم السقيم، والضعيف، والكبير، وإذا صلى أحدكم لنفسه فليطول ماشاء. متفق عليه (مشکوٰة ج ۱ ص۹۳ (۲))

(۳) تطویل صلوٰة وادعیہ طویلہ بقرینۂ مقدمہ دوم نوافل کے ساتھ مخصوص ہے۔

ويؤيده ماروى عن محمد بن مسلمة قال: إن رسول الله ﷺ إذا قام يصلی تطوعاً قال: الله أكبر –إلى قوله– أللهم أنت الملک لا إله إلا أنت سبحانک وبحمدک، ثم يقرأ. (رواه النسائی مشکوٰة ج۱ ص ۷۰ (۳))

(۴) اصل اورسنت مستمرہ رکوع اورسجود میں تسبیح ہے۔

(۱) مشكوة شريف، كتاب أسماء الله تعالىٰ، باب ثواب التسبيح، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱ / ۲۰۱ ۔

ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب ماجاء أن دعوة المسلم مستجابة، النسخة الهندية ۲ / ۱۷۶، دارالسلام رقم: ۳۳۸۳ ۔

ابن ماجة شريف، أبواب الأدب، باب فضل الحامدين، النسخة الهندية، ص: ۲۶۹، دارالسلام، رقم: ۳۸۰۰ ۔

(۲) مشكوة شريف، كتاب الصلاة، باب ما على الإمام، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱ / ۱۰۱ ۔

بخاري شريف، كتاب الأذان، باب إذا صلى لنفسه فليطول ماشاء، النسخة الهندية ۱ / ۹۷، رقم: ۶۹۴، ف: ۷۰۳ ۔

مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، النسخة الهندية ١/ ١٨٨، بيت الأفكار، رقم: ٤٦٧ ـ

(۳) مشكوة شريف، كتاب الصلاة، باب ما على الإمام، مكتبه أشرفيه ديو بند ١/ ١٠١ـ

نسائي شريف، كتاب الصلاة، نوع آخر من الذكر في الركوع، النسخة الهندية ١/ ١١٩، دارالسلام، رقم: ١٠٥٣ ـ

عن حذيفة أنه صلى مع النبي ﷺ و كان يقول في ركوعه: سبحان ربي العظيم، وفي سجوده: سبحان ربي الأعلىٰ. الحديث. (رواه الترمذی، و ابوداؤد، و الدارمی، والنسائی، و ابن ماجة ص٧٥ ج١ مشكوٰة) (١)ـ

(۵) *اصل محل دعاء کا نماز میں قعدہ کی حالت ہے بعد درود شریف کے۔*

عن فضالة بن عبيد قال: بينما رسول الله ﷺ قاعد إذ دخل رجل فصلىٰ فقال: ألـلهم اغفرلي وارحمني، فقال رسول الله ﷺ: عجلت أيها المصلى إذا صليت فقعدت فاحمدالله بما هو أهله وصل علي، ثم ادعه قال: ثم صلى رجل اٰخر بعد ذلک فحمد الله وصلى على النبي ﷺ فقال له النبي ﷺ: أيها المصلي أدع تجب. (رواه الترمذی وروی ابوداؤد والنسائی نحوه مشكوٰة ج١ ص٧٨) (٢)ـ

....

---

(١) مشكوة شريف، كتاب الصلاة، باب الركوع، مكتبه أشرفيه ديو بند ١/ ٨٣ـ

نسائي شريف، كتاب الصلاة، باب الذكر في الركوع، النسخة الهندية ١/ ١١٨، دارالسلام، رقم: ١٠٤٧ ـ

ابن ماجة شريف، أبواب إقامة الصلوات والسنة فيها، باب التسبيح في الركوع، النسخة الهندية، ص: ٦٣، دارالسلام، رقم: ٨٨٨ـ

أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب ما يقول الرجل في ركوعه وسجوده، النسخة الهندية ١/ ١٢٦، دارالسلام، رقم: ٨٧١ ـ

ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في التسبيح في الركوع والسجود، النسخة الهندية ١/ ٦١، دارالسلام، رقم: ٢٦٢ ـ

(٢) مشكوة شريف، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم

و فضلها، مكتبه أشرفيه ديو بند ١ / ٨٦ ـ

ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب في إيجاب الدعاء بتقديم الحمد و الثناء و الصلاة على النبي صلى الله عليه و سلم، النسخة الهندية ٢/ ١٨٥، دارالسلام، رقم: ٣٤٧٦ ـ

نسائي شريف، كتاب الصلاة، باب التحميد و الصلاة على النبي في الصلاة، النسخة الهندية ١/ ١٤٣، دارالسلام، رقم: ١٢٨٥ ـ

ان مقدمات میں تأمل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فریضہ کے سجدہ میں دعاء کی عادت کرنا خلاف قواعد سنت ہے کئی وجہ سے۔ اول: وہ موجب ہے تطویل صلوٰۃ کو، جو فریضہ میں حالت جماعت میں ناپسند ہے اور ترک جماعت خود ناپسند ہے، خصوصاً جبکہ دعا کے اس ادب کو بھی ملحوظ رکھا جاوے جس کا اہتمام وارد ہے، کہ اس کے قبل درود شریف بھی ہو یہ سب مل کر تو بہت ہی تطویل ہو جاوے گی۔ دوسرے تغییر ہے محل دعاء کی کہ حالت قعود کی ہے۔ تیسرے عدول ہے اصل وظیفۂ سجود سے کہ اکتفاء ہے تسبیح پر جیسا ظاہر نصوص کا مقتضا ہے اور سنن مؤکدہ بہت احکام میں مشابہ فرض کے ہیں تو اس میں بھی احتیاطاً اس کے ساتھ ملحق کہی جاویں گی۔ پس جن احادیث میں دعا فی السجود وارد ہے یا تو محمول ہے فعل احیاناً پر اور یا نوافل پر اور بعض محمول ہو سکتی ہیں مطلق حمد و ثناء و تسبیح پر، تاکہ نصوص و روایات اور ان کے مقتضیات و قواعد میں تعارض نہ ہو یہ تو گفتگو تھی مطلق دعا میں، اب خصوصیت سے باقی رہی بحث دعا بغیر العربیۃ فی الصلوٰۃ کی سو فقہاء نے اس سے مع نقل اثر کے تعرض کیا ہے، چنانچہ درمختار میں ہے: ''**ودعا بالعربية وحرم بغيرها نهر**''.

اور ردالمحتار میں ہے: **قال في غرر الأفكار شرح درر البحار في هذا المحل: وكره الدعاء بالعجمية؛ لأن عمرؓ نهى عن رطانة الأعاجم اھ إلى قوله ولايبعد أن يكون الدعاء بالفارسية مكروها تحريما فى الصلوٰة وتنزيها خارجها.** (ج ۱ ص ۵۴۳) (۱)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز کے اندر غیر زبان عربی میں دعا کرنا حرام ہے یا مکروہ تحریمی اور حضرت عمرؓ کا اثر اسی پر محمول ہے اور نیز یہ وجہ بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی عجمی کو اس کی اجازت نہیں دی۔ اور رہا یہ کہ بے سمجھے دعا میں حضور نہ ہوگا، سو ایسی مختصر دعاؤں کا جو کہ نماز میں اپنے محل پر پڑھی جاتی ہیں کسی سے پوچھ کر ترجمہ یا اس کا حاصل معلوم کر لینا اور اس کا استحضار کیا دشوار ہے، ورنہ اسی عذر سے شدہ شدہ بجائے قرآن مجید کے اس کا ترجمہ نماز میں پڑھنے کی رائے دی جانے لگے گی۔

۲۹ / ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۲۷)

....

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في الدعاء بغير العربية، مكتبه زكريا ۲/ ۲۳۳-۲۳٤، كراچی ۱/ ۵۲۱ ۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سنن قبلیہ ادا کئے بغیر فجر، ظہر اور عشاء کی نماز میں امامت کرنا مکروہ نہیں

سوال (۳۳۵): قدیم ۱/ ۴۱۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت فجر وظہر وعصر یا عشاء قبل فرض مقتدی سنتیں پڑھ چکے ہوں اور امام صاحب نے بے سبب کسی عذر یا بلا عذر نہ پڑھی ہو، جماعت میں کوئی شبہ کراہت تو نہ ہوگا؟

الجواب: نہیں (۱)۔ ۱۹/ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (حوادث خامسہ ص ۳۷)

جامع مسجد میں نماز پنجگانہ افضل ہے یا محلّہ کی مسجد میں؟

سوال (۳۳۶): قدیم ۱/ ۴۱۶- (۱) جامع مسجد میں پنج وقتی نماز با جماعت پڑھنا افضل ہے یا محلّہ کی مسجد میں پڑھنا با جماعت افضل ہے (۲) اور یہ فضیلت مختص بصلوٰۃ جمعہ ہے (۳) یا عام ہے؟

الجواب: (۱) محلّہ کی مسجد میں (۲) ہاں (*) غیر اہل محلّہ کے لئے (۳) ہاں اہل محلّہ کے لئے (۲)۔

فقط۔ ۶/ رمضان ۱۳۳۰ھ

(*) جامع مسجد کی فضیلت نماز جمعہ کے ساتھ خاص ہے؛ لیکن جامع مسجد کے محلّہ کے لوگوں کے لئے عام ہے، یعنی ان کے لئے پنجوقتہ نمازیں جامع مسجد ہی میں افضل ہیں؛ کیوں کہ وہ ان کے محلّہ کی مسجد ہے۔

۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) **مستفاد: عن عائشة رضى الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا فاتته الأربع قبل الظهر صلاها بعد الركعتين بعد الظهر.** (سنن ابن ماجة، الصلاة، باب من فاتته الأربع قبل الظهر، النسخة الهندية ص: ۸۰، دارالسلام رقم: ۱۱۵۸)

وقد استدل قاضي خان لقضاء سنة الظهر بما عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن النبي

صلى الله عليه وسلم كان إذا فاتته الأربع قبل الظهر قضاهن بعده. (شامي، الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبه زكريا ۲/ ۵۱۳، كراچی ۲/ ۵۸)

البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۳۲، كوئٹه ۲/ ۷۵۔

(۲) فقہی جزئیات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ نماز پنجگانہ جامع مسجد کے مقابلہ میں محلّہ کی مسجد میں پڑھنا زیادہ افضل اور بہتر ہے؛ اس لئے کہ اگر جامع مسجد کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے سب لوگ وہاں چلے ←

....

....

← جائیں گے تو محلّہ کی مسجد خالی رہ جائے گی؛ لہٰذا جن روایات میں جامع مسجد میں محلّہ کی مسجد کے مقابلہ میں ۵۰۰/ پانچ سو گنا زیادہ فضیلت کی بات وارد ہوئی ہے ان میں جمعہ کی نماز مراد ہوگی؛ لہٰذا محلّہ کی مسجد کے بجائے جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد میں جانا زیادہ افضل اور بہتر ہے۔ جزئیات اور روایات ملاحظہ فرمائیے:

ومسجد حيه وإن قل جمعه أفضل من الجامع وإن كثر جمعه. (حلبي كبيري، الصلاة، فصل الإمامة، فصل: في أحكام المسجد، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۶۱۳)

ومسجد حيه أفضل من الجامع (درمختار) وفي الشامية: أي الذي جماعته أكثر من مسجد الحي. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، قبيل مطلب في إنشاد الشعر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۳۳، كراچی ۱/ ۶۵۹)

رجل صلى في المسجد الجامع لكثرة الجمع لا يصلي فى مسجد حيه، فإنه يصلي في مسجد منزله وإن كان قومه أقل ولم يكن فى مسجد منزله مؤذن، فإنه يذهب إلى مسجد منزله ويؤذن فيه ويصلي، وإن كان واحدا؛ لأن لمسجد منزله حقا عليه فيؤدي حقه. (خانية على الهندية، كتاب الطهارة، فصل في المسجد قديم زكريا ۱/ ۶۷، جديد زكريا ۱/ ۴۴)

رجل يصلي في الجامع لكثرة الجمع، ولا يصلي فى مسجد حيه، فإنه يصلي في مسجد منزله وإن كان قومه أقل ولم يكن لمسجد منزله مؤذن، فإنه يؤذن ويصلي، وإن كان هناك واحد، فإن كان لا يحضر أحد كيف يصنع المؤذن؟ قال: يؤذن ويقيم ويصلي وحده. (خلاصة الفتاوى، الصلاة، الفصل السادس والعشرون: في المسجد وما يتصل به، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۲۲۸)

عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلاة الرجل في بيته

بصلاة وصلاته فی مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة، وصلاته فی المسجد الذي يجمع فيه بخمس مائة صلاة، وصلاته في المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة، وصلاته في مسجدي بخمسين ألف صلاة، وصلاته في المسجد الحرام بمائة ألف صلاة. (ابن ماجة، الصلاة، باب ماجاء في الصلاة في المسجد الجامع، النسخة الهندية ص: ۱۰۲، دارالسلام رقم: ۱۴۱۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اذان کے بعد نمازیوں کونماز کے لئے بلانا

سوال (۳۳۷): قدیم ۱/۴۱۶- (۱) ہمارے محلّہ میں یہ انتظام ہوا ہے کہ پنج وقتہ ہر آدمی کونماز کے واسطے بلایا جاوے، اس کیلئے چودہ آدمی مقرر کردیئے ہیں، جس وقت اذان ہوئی اسی وقت وہ سب آدمی آوازیں محلّہ میں لگاتے ہیں کہ چلو نمازیو نماز تیار ہے، مسجد میں اذان ہوئی اور وہ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر آدمیوں کو بلاتے ہوئے مسجد میں آجاتے ہیں۔ ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ بدعت ومکروہ ہے؟

الجواب: مجھ کو بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ ۹ ۱۳۳ھ

سوال: (۲) اور اگر بعد اذان کے مسجد ہی میں سے مؤذن یا اور آدمی نمازیوں کو بلانے جاوے تو بھی جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو مکروہ وغیرہ تو نہیں ہے؟

الجواب: وہی حکم ہے۔ تاریخ بالا (۱)۔

....

(۱) حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے شبہ کے ساتھ یہ حکم لکھا ہے کہ اذان کے بعد نمازیوں کونماز کے لئے بلانا بدعت اور مکروہ ہے۔ اور سوال میں ذکر کردہ مولوی صاحب کی تائید فرمائی ہے، مگر حکم یہ نہیں ہے؛ بلکہ حدیث پاک میں واضح الفاظ کے ساتھ اس کا جواز ثابت ہے، چنانچہ ''ابوداؤد'' میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

عن مسلم بن أبي بكرة عن أبيه قال: خرجت مع النبي صلى الله عليه وسلم لصلاة الصبح فكان لا يمر برجل إلا ناداه بالصلاة أو حركه برجله. الحديث (أبو داؤد، النسخة الهندية ۱/ ۱۷۹، مكتبه دارالسلام بيروت رقم: ۱۲۶۴)

اور ''ترمذی، مسند احمد، المعجم الکبیر، مصنف ابن ابی شیبہ'' وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ سے مروی ہے:

عن أنس بن مالک -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يمر بباب فاطمةؓ ستة أشهر إذا خرج لصلاة الفجر يقول: الصلاة يا أهل البيت إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت، ويطهركم تطهيرا. الحديث (ترمذي، كتاب التفسير، ←

....

....

← سورة الأحزاب، النسخة الهندية ۲/ ۱۵٦، مكتبه دارالسلام، رقم: ۳۲۰٦، مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۲۵۹، رقم: ۱۳۷٦٤، المعجم الكبير للطبراني، مكتبه إحياء التراث العربي ۳/ ۵٦، رقم: ۲٦۷۱، مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الفضائل، مكتبه علوم القرآن تحقيق شيخ عوامه ۱۷/ ۲۱٤، رقم: ۳۲۹۳۸)

ان روایات سے واضح ہوا کہ نمازیوں کو نماز کے لئے اذان کے بعد بھی بلانا اور اس طرح توجہ دلانا اور سونے والوں کو جگانا جائز ہے کہ نماز کا وقت ہو گیا نماز کو چلو۔ ملاحظہ ہو (فتاوی قاسمیہ ۵/ ۵۵۴ تا ۵/ ۵۶۰، رقم: ۱۸۰۹-۱۸۱۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۶/ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا

نماز میں قرآن کریم کوراگ اور خوبصورت لہجہ سے پڑھنے کا حکم

سوال (۳۳۸): قدیم ۱/۷۱۴- اگر کوئی شخص قرآن شریف بطور راگ ادا کرے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر وہ پڑھنے والا محض تحسین صوت کرتا ہے تو عین خوبی ہے اور ایسے کے پیچھے نماز جائز بلکہ افضل ہے۔ (*)

عن البراء بن عازب قال سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول حسنوا القرآن بأصواتکم فإن الصوت الحسن یزید القرآن حسنا رواہ الدارمي. (۱)

اور اگر حرف کو اس قدر گھٹاتا بڑھاتا ہے کہ جس سے الفاظ ومعانی متغیر وغلط ہو جاویں تو ایسے کی نماز خود بھی نہیں ہوتی (**) تو مقتدیوں کی اس کے پیچھے کس طور پر ہوگی۔

(*) قال ابن عابدینؒ: القراءة بالألحان إذا لم تغیر الکلمة عن وضعها، ولم یحصل بها تطویل الحروف، حتی لا یصیر الحرف حرفین؛ بل مجرد تحسین الصوت، وتزیین القراءة، لا یضر، بل یستحب عندنا في الصلوة وخارجها، کذا في التاتارخانیة.
(رد المحتار، کتاب الصلوة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مکتبه زکریا ۲/۳۹۳، کراچي ۱/۶۳۰) ۱۲سعید احمد۔

(**) یعنی جبکہ معنی میں بھی تغیر اور فساد ہو جاوے اور اگر صرف حروف گھٹ بڑھ جاویں اور معنی میں فساد نہ ہو تو گو نماز ہو جاوے گی، مگر کراہت شدید ہوگی۔ ۱۲منہ.

---

(۱) مسند الدارمي، کتاب فضائل القرآن، باب التغني بالقرآن، مکتبه دار المغني الریاض ۴/۲۱۹۴، رقم: ۳۵۴۴۔

عن أبي هریرة رضي اللّٰہ تعالیٰ عنه، عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: ما أذن اللّٰہ ←

عن حذيفة رضـ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقرؤا القراٰن بلحون العرب وأصواتها وإياكم ولحون أهل الفسق ولحون أهل الكتابين فإنه سيجئ من بعدى قوم يرجعون بالقراٰن ترجيع الغناء والرهبانية والنوح لايجاوزحناجرهم مفتونة قلوبهم وقلوب من يعجبهم شانهم. رواه البيهقي في شعب الإيمان (۱) ورزين في كتابه ۱۲ من المشكوٰة في كتاب فضائل القراٰن. (۲) واللہ اعلم (امداد ج۱ ص۱۶)

مسجد کے محراب کو چھوڑ کر صحن میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کا حکم

سوال (۳۳۹): قدیم ۱/۴۱۸ -محراب مسجد کے علاوہ صحن مسجد میں محاذی محراب کھڑا ہوکر امام راتب کو جماعت کرانا جائز بلاکراہت ہے یانہیں اور فقہاء کرام جو قیام غیر محراب کو مکروہ لکھتے ہیں اس کے کیا معنی ہیں؟

← **لشيء ما أذن للنبي أن يتغني بالقرآن.** (بخاري شريف، كتاب فضائل القرآن، باب من لم يتغن بالقرآن ...... ۲/۷۵۱، رقم: ۴۸۳۳، ف: ۵۰۲۴)

مسلم شريف، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحسين الصوت بالقرآن، النسخة الهندية ۱/۲۶۸، رقم: ۱۱۹۲، بيت الأفكار رقم: ۷۵۲۔

أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب كيف يستحب الترتيل في القراءة، النسخة الهندية ۱/۲۰۷، رقم: ۱۴۶۸۔

(۱) شعب الإيمان للبيهقي، باب في تعظيم القرآن، فصل في ترك التعمق فيه، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۴۰، رقم: ۲۶۴۹۔

(۲) مشكوة شريف، كتاب فضائل القرآن، الفصل الثالث، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/۱۹۱۔

إن كان الألحان لا يغير الكلمة عن وضعها ولايؤدي التغني بها إلى تطويل الحروف التي حصل التغني بها حتى لايصير الحرف حرفين؛ بل يحسنه تحسين الصوت وتزيين القراءة لايوجب ذلك فساد الصلاة، وذلك مستحب عندنا في الصلاة وخارج الصلاة، وإن كان يغير الكلمة عن وضعها يوجب فساد الصلاة؛ لأن ذلك منهي عنه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني، مسائل زلة القاري، الفصل السادس عشر: من زلة القاري في التغني بالقرآن والألحان، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۱۴-۱۱۵، رقم: ۱۸۹۲) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

اور گرمی تبدل جماعت کیلئے عذر شرعی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ آنحضرت ﷺ سے گرمیوں کے ایام میں صحن مسجد میں جماعت کرانا ثابت ہے یا نہیں بعض علماء میں رسم ہے کہ محراب مسجد میں کھڑے ہوکر جماعت کرانا ضروری جانتے ہیں خواہ کیسی ہی تکلیف ہو اور طبیعت باقاعدہ نماز کی طرف متوجہ ہو یا نہ ہو اس کی کوئی سند ہے یا نہیں؟

الجواب : في ردالمحتار (تنبيه) يفهم من قوله أو إلى سارية، كراهة قيام الإمام في غير المحراب ويؤيده قوله قبله: السنة أن يقوم في المحراب وكذاقوله في موضع اٰخر: السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألاترى أن المحاريب ما نصبت إلا وسط المساجد وهى قدعينت لمقام الإمام اه والظاهر أن هذا في الإمام الراتب لجماعة كثيرة لئلا يلزم عدم قيامه في الوسط فلولم يلزم ذلک (*) لايكره تأمل. (۱)

(*) شامی ص: ۶۷۵ باب الإمامۃ میں مذکور ہے تنبيه في معراج الدراية من باب الإمامة الأصح ماروي عن أبي حنيفة أنه قال أكره للإمام أن يقوم بين الساريتين أو في زاوية أو في ناحية المسجد أو إلىٰ سارية لأنه خلاف عمل الأمة ا ه وفيه أيضًا السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف ألاترى أن المحاريب مانصبت إلاوسط المساجد وهي قد عينت لمقام الإمام. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۱۰، كراچي ۱/۵۶۸)

وفي التاتار خانية: ويكره أن يقوم في غير المحراب إلا لضرورة آه ومقتضاه أن الأمام لو ترک المحراب وقام في غيره يكره ولو كان قيامه وسط الصف لأنه خلاف عمل الأمة وهو ظاهر في الإمام الراتب دون غيره والمنفرد فاغتنم هذه الفائدة فإنه وقع السوال عنها ولم يوجد نص فيها آه. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۱۵، كراچي ۱/۶۴۶، تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره للمصلي وما لا يكره، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۱۱، رقم: ۲۱۹۲)

یہ عبارت عبارت منقولہ فی الجواب کے معارض ہے؛ اس لئے جواب میں اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔ ۱۲ (تصحیح الاغلاط ص: ۷)

نــــوٹ: اس سلسلہ میں سوال نمبر ۳۵۴ ر بھی ملاحظہ فرمایا جائے اور سوال نمبر ۳۵۵ ر کے جواب میں حضرت مجیب قدس سرہ نے اس تصحیح الاغلاط کے مشورہ کا جواب دیا ہے۔ **فراجعه** ۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في كراهة قيام الإمام في غير المحراب، مكتبه زكريا ۲/۳۱۰، كراچي ۱/۵۶۸۔ ←

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ محاذی محراب صحن میں کھڑا ہونا بلا کراہت جائز ہے بلکہ عبارت اخیرہ سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر محراب کے محاذ بھی نہ ہو مگر صف کا وسط ہو تب بھی جائز ہے پس معلوم ہوا کہ قول فقہاء میں محراب سے مراد وسط مساجد یا وسط صف ہے اب گرمی کا تبدل مکان کیلئے عذر ہونا محتاج استفسار نہ رہا اور اس باب میں کوئی حدیث فعلی مرفوع نظر سے نہیں گزری البتہ قولی حدیث غالبا ابوداؤد میں ہے۔ (*)

توسطوا الإمام وسدّوا الخلل (۱) اس سے بھی تائید حکم مذکور کی ہوتی ہے اور اگر حضور ﷺ کے غیر مسجد میں بحالت سفر نماز پڑھنے سے استدلال کیا جاوے کہ وہاں محراب ہی نہ تھی تو گنجائش ہے اور اس تقریر سے رسم مذکور فی السوال کا بے اصل ہونا بھی ظاہر ہوگیا۔ (امداد ص ۳۵ ج ۱)

امام کا محراب کے اندر اور مقتدیوں کا در میں کھڑا ہونا کیسا؟

ســـــوال (۳۴۰): قدیم ۱/ ۴۱۹ - مسجد کے در میں بوقت جماعت لوگوں کا کھڑا ہونا کیسا ہے اور جب محراب ایسی گہری ہو کہ امام بالکل اس میں چھپ جاوے تو امام کا ایسی محراب میں کھڑا ہونا کیسا ہے؟

الجواب: في الدرالمختار، مكروهات الصلوٰة: وقيام الإمام في المحراب لا سجوده فيه وقدماه خارجه لأن العبرة للقدم مطلقاً وإن لم يشتبه حال الإمام إن علل بالتشبه وإن بالاشتباه ولا اشتباه فلا اشتباه في نفي الكراهة وفي ردالمحتار سواء كان المحراب من المسجد كماهوالعادة المستمرة أولا كما في البحر:

(*) ابوداؤد شریف ۱/۱۰۶، باب مقام الامام من الصّف ولفظہ ووسطوا الإمام الخ حدیث کا ترجمہ: امام کو بیچ میں رکھو (یعنی امام کے دائیں بائیں آدمی برابر ہوں) اور شگافوں کو بند کرو۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← وينبغي للإمام أن يقف بإزاء الوسط، فإن وقف في ميمنة الوسط أو في ميسرته فقد أساء لمخالفة السنة، هكذا في التبيين. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام قديم زكريا ۸۹/۱، جديد زكريا ۱۴۷/۱)

وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۳۵۱/۱، امدادية ملتان ۱۳۶/۱۔

(۱) أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب مقام الإمام من الصف، النسخة الهندية ۹۹/۱، دار السلام رقم: ۶۸۱، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب مقام الإمام من الصف، دارالفكر بيروت ۲۶۴/۴، رقم: ۵۳۰۵۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وفيه عن الولوالجية إذا لم يضق المسجد بمن خلف الإمام لاينبغى له ذلك لأنه يشبه تباين المكانين وفيه بعد صفحة وحكى الحلوانى عن أبي الليث لايكره قيام الإمام في الطاق عند الضرورة بأن ضاق المسجد على القوم (۱) وفي ردالمحتار باب الإمامة، في الكلام على الصف الأول هكذا ويعلم منه بالأولى أن مثل مقصورة دمشق التى هى في وسط المسجد خارج الحائط القبلى يكون الصف الأول ما يلى الإمام في داخلها وما اتصل به من طرفيها خارجا عنها من أول الجدار إلىٰ اٰخره فلاينقطع الصف ببنائها كما لا ينقطع بالمنبر الذى هو داخلها فيما يظهر.(۲)

ان روایات سے چندامور معلوم ہوئے اول امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا کہ قدم بھی اندر رہیں مکروہ ہے۔ دوم یہ کہ اگرضرورت ہوتو مکروہ نہیں۔ تیسرے یہ کہ انقطاع صف موجب کراہت ہے پس جماعت کا دروں کے اندر کھڑا ہونا موجب انقطاع صف ہے اس لئے مکروہ ہوگا۔

ويتأيد بحديث رواه الترمذى (*) عن عبدالحميد بن محمود قال صلينا خلف أمير من الأمراء فاضطرنا الناس فصلينا بين الساريتين فلما صلينا قال انس بن مالك كنا نتقى هذا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم.

لیکن ضرورت میں یہ بھی جائز ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ ۱۷/ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۷ ج ۱)

امام کا در میں کھڑے ہوکر نماز پڑھانا کیسا؟

سوال (۳۴۱): قدیم ۱/ ۴۲۰ - مسجد کے در میں امام کو کھڑا ہونا کیسا ہے دلیل سے بیان فرماویں؟

(*) ترمذي، باب كراهية الصف بين السواري. (۱/ ۵۳ دار السلام رقم:۲۲۹) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۱۴-۴۱۵، كراچي ۱/ ۶۴۵-۶۴۶۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الكلام على الصف الأول، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۱۱، كراچي ۱/ ۵۶۹۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الدر المختار: مكروهات الصلوٰة، وقيام الإمام في المحراب لا سجوده فيه وقدماه خارجه لأن العبرة للقدم مطلقاً وإن لم يشتبه حال الإمام الخ. وفي ردالمحتار اقتصر عليه في الهداية واختاره الإمام السرخسي وقال إنه الأوجه الخ ج ا ص ٦٧٥(١)

امام کا مسجد کے اندر در میں اس طرح کھڑا ہونا کہ پاؤں بھی اندر ہوں مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷/ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۹ ج ۱)

محراب کے داخل مسجد ہونے کے باوجود اس میں کھڑے ہوکر نماز پڑھانا مکرہو ہے

سوال (۳۴۲): قدیم ۱/ ۴۲۱- محراب داخل مسجد ہے یانہیں اگر فقط محراب ہی میں کھڑے ہوکر نماز پڑھائی جاوے صحیح ہوگی یانہیں بہرصورت صورت صحت کیا ہے؟ فقط

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤١٤، كراچي ١/ ٦٤٦۔

عن إسماعيل بن إبراهيم بن المهاجر عن أبيه عن عليؓ: أنه كره الصلاة في الطاق. (المصنف لابن أبي شيبة، باب الصلاة في الطاق: مؤسسة علوم القرآن بيروت ٣/ ٥٠٧، رقم: ٤٧٢٧)

قال محمدؒ: لابأس بأن يكون مقام الإمام في المسجد ورأسه في السجود في الطاق، ويكره أن يقوم في الطاق. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فيما يكره للمصلي ومالايكره، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢١٠، رقم: ٢١٩٢)

ويكره قيام الإمام وحده في الطاق وهو المحراب ولايكره سجوده فيه إذا كان قائمًا خارج المحراب. (هندية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها،الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره قديم زكريا ١/ ١٠٨، جديد زكريا ١/ ١٦٧)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٤٢٥، كوئٹه ١/ ٣٥٩۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، فصل في بيان ما يكره في الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٨٧-١٨٨۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ٣٦٠-٣٦١۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب:في الدر المختار: باب ما يفسد الصلوٰة ومايكره فيها، وقيام الإمام في المحراب لاسجوده فيه وقدماه خارجه. الخ (۱)

اس سے ثابت ہوا کہ محراب میں کھڑے ہوکر نماز پڑھانا مکروہ ہے گو محراب داخلِ مسجد ہے۔ (تتمہ اولیٰ ص ۱۸)

تین آیت کے بعد بھی امام کو لقمہ دینے سے نماز کا فاسد نہ ہونا

سوال (۳۴۳): قدیم ۱/۴۲۱- بعد پڑھے جانے تین آیت کے نماز فرائض میں امام کو اگر لقمہ لگے اور مقتدی لقمہ دیدے تو نماز فاسد یا مکروہ تو نہیں ہوتی اور اگر فاسد ہوئی تو کس کی ہوئی اب مکرر پڑھنی چاہئے؟

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۱۴، كراچي ۱/۶۴۶۔

عن إسماعيل بن إبراهيم بن المهاجر عن أبيه عن عليؓ: أنه كره الصلاة في الطاق. (المصنف لابن أبي شيبة، باب الصلاة في الطاق: مؤسسة علوم القرآن بيروت ۳/۵۰۷، رقم:۴۷۲۷)

قال محمدؒ: لابأس بأن يكون مقام الإمام في المسجد ورأسه في السجود في الطاق، ويكره أن يقوم في الطاق. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فيما يكره للمصلي ومالايكره، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۱۰، رقم:۲۱۹۲)

ويكره قيام الإمام وحده في الطاق وهو المحراب ولايكره سجوده فيه إذا كان قائمًا خارج الصلاة. (هندية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها،الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره قديم زكريا ۱/۱۰۸، جديد زكريا ۱/۱۶۷)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۴۲۵، كوئٹه ۱/۳۵۹۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، فصل في بيان ما يكره في الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۱۸۷-۱۸۸۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۳۶۰-۳۶۱۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: فوراً بتلا دینا یا امام کا منتظر رہنا کہ مجھ کو کوئی بتلا دے تو بہتر نہیں ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ دوسری جگہ سے پڑھنا شروع کردے یا اگر بقدر کافی پڑھ چکا ہو تو رکوع کردے لیکن پھر بھی اگر مقتدی نے بتلا دیا اور امام نے لے لیا تو نماز میں کسی کی خلل نہیں۔

في الدر المختار، باب مايفسد الصلوٰة، بخلاف فتحه على إمامه فإنه لا يفسد مطلقا لفاتح وآخذ بكل حال وفي ردالمحتار قوله بكل حال أي سواء قرأ الإمام قدر ماتجوز به الصلوٰة أم لا انتقل إلى اٰية أخرى أم لا تكرر الفتح أم لاهو الأصح نهر، ثم قال بعد أسطر تتمة يكره أن يفتح من ساعته كما يكره للإمام أن يلجئه إليه بل ينتقل إلىٰ اٰية أخرىٰ لا يلزم من وصلها ما يفسد الصلوٰة أو إلىٰ سورة أخرىٰ أويركع إذا قرأ قدر الفرض كما جزم به الزيلعي وغيره وفي رواية قدر المستحب كما رجحه الكمال بأنه الظاهر من الدليل وأقره في البحر والنهر (۱). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۵/ شعبان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۵ ج ۱)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۳۸۲/۲، كراچي ۶۲۲/۱۔

ويفسد أيضًا فتحه على غير إمامه (كنز) وفي النهر: قيد به لأن فتحه على إمامه غير مفسد سواء قرأ قدر ما تجوزبه الصلاة أم لا انتقل إلى آية أخرىٰ أم لا كرره أم لا هو الأصح ...... ويكره الفتح من ساعته كما يكره للإمام أن يلجئه إليه؛ بل ينتقل إلى آية أخرىٰ لايلزم من وصلها ما يفسد الصلاة وإلى سورة أخرىٰ أو يركع إذا جاء أوانه كذا في المحيط واختلف في أوانه ففي رواية إذا قرأ القدر المستحب وفي أخرىٰ إذا قرأ قدر الفرض وعليها اقتصر الشارح والأولىٰ هي ظاهر الدليل كما في الفتح. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲۶۹/۱)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/۲، كوئٹه ۶/۲۔

حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه أشرفيه ديوبند ۴۴۰/۱-۴۴۱، كوئٹه ۳۴۸/۱-۳۴۹۔

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۴۱۰/۱-۴۱۱، كوئٹه ۳۴۸/۱-۳۴۹۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۳۳۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۳۴۴): قدیم ۱/۴۲۲ - اگر امام تین آیت سے زیادہ پڑھ کر بھول جائے مقتدی اس کو لقمہ دے تو امام لے لے یا نہ لے مشہور یہ ہے کہ اگر امام لقمہ لے لے تو نماز نہیں ہوتی پھر دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے اگر امام نے لقمہ نہیں لیا تو بتانے والے کو پھر دوبارہ نماز پڑھنا چاہئے میں نے کہا نماز ہو جاتی ہے ایک صاحب بولے کہ شافعی مذہب میں ہو جاتی ہوگی حنفی مذہب میں نہیں ہوتی۔ کیا حنفی مذہب میں اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے؟

الجواب: ہاں اختلاف ہے مگر صحیح یہی ہے کہ نہ مقتدی کی نماز فاسد ہوگی نہ امام کی۔

فی العالمگیریة باب مفسدات الصلوٰة ومکروهاتها وإن فتح علی إمامه لم تفسد إلی قوله قالوا هذا إذا ارتجّ علیه قبل أن یقرأقدرما تجوز به الصلوٰة أوبعد ما قرأولم یتحول الیٰ اٰیة أخری وأما إذا قرأ أوتحول ففتح علیه تفسد صلوٰة الفاتح والصحیح أنه لا تفسد صلوٰة الفاتح بکل حال ولاصلوٰة الإمام لوأخذ منه علی الصحیح هکذا في الکافي.(۱)

۵/ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۵۷)

---

(۱) هندیة، کتاب الصلاة، الباب السابع فیما یفسد الصلاة ومایکره فیها، الفصل الأول فیما یفسدها قدیم ۱/ ۹۹، جدید زکریا ۱/ ۱۵۷۔

ویفسد أیضًا فتحه علی غیر إمامه (کنز) **وفي النهر: قید به لأن فتحه علی إمامه غیر مفسد سواء قرأ قدر ما تجوزبه الصلاة أم لا، انتقل إلی آیة أخریٰ أم لا، کرّره أم لا، هو الأصح لإطلاق الحدیث أعني قوله علیه الصلاة والسلام إذا استطعمک الإمام فأطعمه.** (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة ومایکره فیها، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۲۶۹)

بخلاف فتحه علی إمامه فإنه لا یفسد مطلقاً لفاتح وآخذ بکل حالٍ (در مختار) **وفي الشامیة: قوله: بکل حال: أي سواء قرأ الإمام قدر ما تجوزبه الصلاة أم لا، انتقل إلي آیة أخریٰ أم لا، تکرر الفتح أم لا، هو الأصح.** (الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۳۸۲، کراچي ۱/ ۶۲۲)

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة ومایکره فیها، مکتبه زکریا دیوبند ۱/ ۴۱۰ - ۴۱۱، کوئٹه ۱/ ۳۴۸ - ۳۴۹۔

حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، مکتبه دار الکتاب دیوبند ص: ۳۳۴۔

مجع الأنهر، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة ومایکره فیها، دار الکتاب العلمیة بیروت ۱/ ۱۸۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نماز میں تحسین صوت کے لئے کھنکھارنا

سوال (۳۴۵)قدیم ۱/۴۲۲: نماز میں مطلقاً تنحنح جائز بلا کراہت ہے یا نہیں اور تحسین صوت کے لئے امام اور مقتدی تنحنح کریں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: **في الدر المختار والتنحنح بحرفين بلا عذر أما به بأن نشأ من طبعه فلا أوبلا غرض صحيح فلو لتحسين صوته أوليهتدى إمامه أو للإعلام أنه في الصلوٰة فلا فساد على الصحيح** (جلد اول ص۶۴۶ باب المفسدات) (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر تنحنح بلا اختیار ہو تو بھی جائز ہے اور اگر تحسین صوت کے لئے ہو تو بھی درست ہے اور امام اور غیر امام اس میں برابر ہیں۔ واللہ اعلم، ۲۰/ رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۶ ج ۱)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۷۶، كراچي ۱/ ۶۱۸۔

والتنحنح بلاعذر (كنز) أي يفسدها أيضًا التنحنح بلا عذر قيد بعدم العذر؛ لأنه لو كان بعذرٍ بأن كان مبعوث الطبع لم تفسد بلا خلاف وإن وجدت الحروف، والأنين والتأوّه كالتنحنح أورد أنه لو تنحنح لإصلاح صوته وتحسينه لا تفسد على الأصح، وكذا لاهتداء الإمام عن خطئه أو لإعلام أنه في الصلاة فلو قال: وغرض صحيح لكان أشمل.
(النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۶۸)

ويفسدها التنحنح بلا عذر لما فيه من الحروف، وإن كان لعذر كمنعه البلغم من القراءة لا يفسد، ومن العذر التنحنح لإصلاح الصوت وتحسينه أو ليهتدي إمامه من خطئه أوللإعلام بأنه في الصلاة على الصحيح كما في الفتح. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۳۲۴)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۷ - ۸، كوئٹه ۲/ ۴ - ۵۔

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۰۸، كوئٹه ۱/ ۳۴۶۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۷۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نماز میں آہ، اوہ، ہائے کہنے کا حکم

سوال (۳۴۶) قدیم ۱/۴۲۳: گزارش یہ ہے جناب والا بہشتی زیور کی ایک جگہ میں ایک مسئلہ کم فہمی کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آتا مہربانی فرما کر اس کا مطلب تحریر فرماویں۔ بہشتی زیور حصہ دوم صفحہ تین میں مسئلہ: نماز میں آہ یا اوہ یا اُف یا ہائے کہے یا زور سے روئے تو نماز جاتی رہتی ہے البتہ اگر جنت، دوزخ کو یاد کرنے سے دل بھر آیا اور زور سے آواز نکل پڑی تو نماز نہیں ٹوٹی ۱۲۔ اس عبارت کے معنی میں یہ سمجھتا ہوں اگر نماز میں آہ یا اُف یا ہائے کہے یا زور سے روئے تو نماز جاتی رہتی ہے اور جنت دوزخ کو یاد کرنے سے دل بھر آیا اور زور سے رونے کی آواز نکل پڑی تو نماز نہیں ٹوٹی اور آہ یا اُف یا ہائے کہے تو بھی نماز جاتی رہتی ہے۔ میری یہ سمجھ صحیح ہے یا غلط، تحریر فرماویں؟

الجواب: في الدرالمختار: والأنين والتأوّه والتأفيف والبكاء بصوت يحصل به حروف لوجع أومصيبة قيد للأربعة إلا لمريض لا يملك نفسه عن أنين وتأوه؛ لأنه حينئذٍ كعطاس وسعال وجشاء وتثاؤب وإن حصل حروف للضرورة لالذكرجنة أو نار وفی ردالمحتار لالذكر جنة أو نار لأن الأنين ونحوه إذا كان يذكرهما صار كأنه قال اللهم إنی أسئلک الجنة وان كان من وجع أومصيبةصار كأنه يقول أنا مصاب فعزّونی، كذا فی الكافی اه ملخصاً ج ا ص۶۴۷ (۱)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۷۷-۳۷۸، كراچي ۱/۶۱۹۔

التأفيف والأنين والتأوّه وارتفاع بكاءه وهو أن يحصل به حروف مسموعة من وجع أومصيبة كذا قيّده في الفتح، والسراج وشروح الكنز، ومرادهم بالجمع ما فوق الواحد وفيه إشارة إلى أن مجرد الصوت غير مفسد خلافًا لظاهر البحر، ومحل الفسادبه عند حصول الحروف إذا أمكنه الامتناع عنه أما إذا لم يمكنه الامتناع عنه فلا تفسد به عند الكل كما في الظهيرية كالمريض إذا لم يمكنه منع نفسه عن الأنين والتأوّه؛ لأنه حينئذ كالعطاس والجشاء إذا حصل بهما حروف لا من ذكر جنة أو نار اتفاقًا لدلالتها على الخشوع. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص:۳۲۴-۳۲۵) ←

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جنت ودوزخ کی یاد سے اگر آہ یا اُف وغیرہ بھی منہ سے نکل جاوے تب بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ پس عبارت بہشتی زیور کی صاف نہیں ہے جہاں اس میں یہ ہے کہ زور سے آواز نکل پڑے وہاں یہ بھی بڑھانا چاہئے تھا کہ یا آہ وغیرہ نکل گیا۔ (ترجیح خامس ص ۱۳۱)

نماز میں کھجلانے کا حکم

سوال (۳۴۷) قدیم ۱/۴۲۳: نماز میں کھجلانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: **في الدرالمختار: وكره كفه أي رفعه ولولتراب كمشمركمّ أوذيل وعبثه به أي بثوبه وبجسده للنهى إلا لحاجة وفي ردالمحتار قوله لحاجة كحك بدنه لشيء أكله واضره وسلت عرق يؤلمه ويشغل قلبه وهذا لوبدون عمل كثير قال في الفيض الحك بيدواحدة في ركن ثلاث مرات يفسد الصلوٰة إن رفع يده في كل مرة اه وفي الجوهرة عن الفتاوىٰ: اختلفوا في الحك هل الذهاب والرجوع مرة أوالذهاب مرة والرجوع أخرى.** (جلد ۱ ص ۶۶۹ مکروہات) (۱)

← وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ١/٢٦٧-٢٦٨۔

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ١/٤٠٧، كوئٹه ١/٣٤٥۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ١/١٧٨-١٧٩)

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها قبيل مطلب في الخشوع، مكتبه زكريا ٢/٤٠٧، كراچي ١/٦٤٠۔

ولوحك المصلي جسده مرة أو مرتين متواليتين لاتفسد صلاته للقلة، وكذا لاتفسد إذا فعل ذلك الحك مرارًا غير متواليات..... ولو فعل ذلك مرارًا متواليات أي في ركن واحد تفسد صلاته؛ لأنه كثير، هذا إذا رفع يده في كل مرة أما إذا لم يرفع يده في كل مرة فلاتفسد صلاته لأنه حك واحد. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، باب ما مفسدات الصلاة، مكتبه أشرفيه ديوبند ص:٤٤٨) ←

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ضرورت سے کھجلانا جائز ہے؛ جبکہ عمل کثیر تک نوبت نہ پہنچ جاوے اور عمل کثیر کی تفسیر میں اختلاف مشہور ہے(*)(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰؍رمضان ۱۳۲۸ھ (امداد ص ۵۷ ج ۱)

(*) ’’عمل کثیر‘‘ کی تعریف میں پانچ قول ہیں، اصح قول یہ ہے کہ ’’دور سے دیکھنے والا اس نمازی کو یہ خیال کرے کہ یہ نماز میں نہیں ہے‘‘ ←

← البناية ، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/ ۴۴۹ ۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس ما يفسد الصلاة و مايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۳۵، رقم: ۲۲۶۸ ۔

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس ما يفسد الصلاة و ما لا يفسد، المجلس العلمي ۲/ ۱۶۵، رقم: ۱۴۸۱ ۔

هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد وما لا يفسد، قديم زكريا ۱/ ۱۰۴، جديد زكريا ۱/ ۱۶۲- ۱۶۳ ۔

(۱) **والعمل الكثير يفسد الصلاة والقليل لا، واختلفوا في الفاصل بينهما على ثلاثة أقوال: الأول: أن ما يقام باليدين عادةً كثيرٌ...... ومايقام بيد واحدة قليلٌ...... والثاني: أن يفوض إلى رأي المبتلىٰ به......وهذا أقرب الأقوال إلى رأي أبي حنيفةؒ. والثالث: أنه لو نظر إليه ناظر من بعيد إن كان لا يشك أنه في غير الصلاة فهو كثير مفسد وإن شك فليس بمفسد و هذا هو الأصح.** (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها، قديم زكريا ۱/۱۰۲، جديد زكريا ۱/ ۱۶۰)

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، مفسدات الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۵۳، كراچي ۱/ ۲۴۱ ۔

خانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة، قديم زكريا ۱/ ۱۲۸ تا ۱۳۰، جديد زكريا ۱/ ۸۰ ۔

عمدة الرعاية على شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها، مكتبه بلال ديوبند ۱/ ۱۶۵) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

نماز کے دوران دامن سمیٹنا

سوال (۳۴۸): قدیم ۱/۴۲۴- تشمیر ذیل یا پائجامہ بحفاظت دریدگی از تنگی یا عموماً جائز ہے یا نہ؟

الجواب: غالباً سوال کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بعضے آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ اکثر سجدہ میں جاتے ہوئے یا اس سے کھڑے ہوتے ہوئے پائینچے دامن وغیرہ کو سمیٹتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں پس اگر یہی مطلب ہے تو جواب یہ ہے کہ اگر عمل کثیر تک نوبت نہ پہنچے تو مکروہ ہے؛ البتہ اگر حاجت شدید ہو تو کراہت نہیں۔ **دليله ما مر في الجواب عن السوال السابق.** (۱)

اور اگر کچھ اور مطلب ہے تو بیان کرنے پر جواب ممکن ہے۔ واللہ اعلم

۲۰/ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۷۵ ج ۱)

گندے اور خراب کپڑے میں نماز کا حکم

سوال (۳۴۹): قدیم ۱/۴۲۵- جو اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس قمیص اور ازار اور عمامہ موجود ہو تو اُس کو صرف ازار یا صرف قمیص سے نماز پڑھنا مکروہ ہے یہ مسئلہ فقہ حنفی میں موجود ہے یا نہیں؟

← **ويفسدها كل عمل كثير......وفيه أقوال خمسة أصحها: مالا يشك بسببه الناظر من بعيد في فاعله أنه ليس فيها** (در مختار) **صححه في البدائع وتابعه الزيلعي والولوالجي. وفي المحيط: أنه الأحسن. وقال صدر الشهيد أنه الصواب. وفي الخانية والخلاصة إنه اختيار العامة. وقال في المحيط وغيره رواه الثلجي عن أصحابنا حلية.** (رد المحتار ۱/۵۸۴، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ۲/۳۸۵، كراچي ۱/۶۲۴) ۱۲ سعید احمد

---

(۱) **وكره كفه أي رفعه ولو لتراب كمشمر كُمٍّ أو ذيل وعبثه به أي بالثوب أو بجسده للنهي إلا لحاجة كحك بدنه لشيء أكله وأضره وسلت عرق يؤلمه ويشغل قلبه وهذا لوبدون عمل كثير.** (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۰۶، كراچي ۱/۶۴۰)

ويكره للمصلي أن يعبث بثوبه أو لحيته أو جسده وأن يكف ثوبه بأن يرفع ثوبه من بين يديه أو من خلفه إذا أراد السجود كذا في معراج الدراية. (هندية، كتاب الصلاة، ←

الجواب:في الدر المختار وصلا ته في ثياب بذلة يلبسها في بيته ومهنة أي خدمة إن لـه غير ها وإلا لا وفسر ها في ردالمحتار عن شرح الو قاية بما يلبسه في بيته ولا يذهب به إلى الأكا بر والظاهر أن الكراهة تنز يهية (١).

← البـاب السـابـع، الـفـصـل الثـانـي فيـمـا يـكـره فـي الصلاة ومالا يكره، قديم زكريا ١/ ١٠٥، جديد زكريا ١/ ١٦٤)

شـرح وقاية، كتاب الصلاة، بـا ب مـا يـفسـد الـصلاة ومايكره فيها،مكتبه بلال ديوبند ١/ ١٦٧ـ

التـاتـارخـانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره للمصلي ومالا يكره، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٠٢، رقم: ٢١٤٥ـ

الـمـحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع مايكره في الصلاة وما لا يكره، المجلس العلمي ٢/ ١٣٩، رقم: ١٤١٨)

(١) الـدر الـمـختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ٢/ ٤٠٧، كراچي ١/ ٦٤١ـ

(وكـره الـصلاة) فـي ثيـاب البـذلة وهـي مـا يـلبـس في البيت ولا يذهب به إلى الأكـابـر لأنهـا لا تـخـلـو عن النجاسة القليلة وعن الأوساخ الكريهة. (مـجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ١٨٧)

شـرح الـوقـاية، كتـا ب الـصلاة، با ب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه بلال ديوبند ١/ ١٦٩ـ

هـندية، كتاب الـصلاة، البـا ب السـابـع فيـمـا يـفسد الصلاة ومايكره فيها، الفصل الثاني قديم زكريا ١/ ١٠٧، جديد زكريا ١/ ١٦٥ـ

وكـذلك يـكـره الـصـلاة في ثياب البذلة وروي أن عمر رضي الله تعالىٰ عنه رأي رجلاً فـعـل ذلك، فـقال: أرأيت لو كنت أرسلتك إلي بعض الناس أكنت ثمه في ثيـابك هـذه، فـقـال لا: فـقـال عـمـر رضي الله تعالىٰ عنه: الله أحق أن تتزين له.

(الـمـحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الـفـصـل الـرابـع ما يكره في الصلاة وما يكره، المجلس العلمي ٢/ ١٣٩، رقم: ١٤٢٠)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جیسے لباس سے اہل وجاہت لوگوں کے پاس کوئی جا سکتا ہے، اُس سے نماز پڑھنا مکروہ نہیں اور اس سے کم حیثیت میں کراہت ہے لیکن تنزیہی ہے۔ واللہ اعلم

۲۱ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۲ ج ۱)

نماز میں استعانت بالرکب کا حکم

سوال (۳۵۰): قدیم ۱/ ۴۲۵- **عن أبی هریرةؓ قال اشتکی أصحاب النبی صلی الله علیه وسلم إلی النبی صلی علیه وسلم مشقة السجود علیهم إذا تفرجوا فقال استعینوا بالرکب. رواه الترمذي ص: ۶۸، مطبوعة أصح المطابع.** (۱)

حنفیہ اس کو نوافل پر محمول کرتے ہیں اس کی کیا دلیل ہے؟

← الفتاوی التاتار خانیة، کتاب الصلاۃ، الفصل الرابع مایکره للمصلي وما لا یکره، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۲۰۲، رقم: ۲۱۴۸۔

البحرالرائق، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکره فیها، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۵۷، کوئٹه ۲/ ۳۳۔

وتکره الصلاة في ثیاب البذلة.....ثوب لا یصان عن الدنس ممتهن وقیل مالا یذهب به إلی الکبراء. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاۃ، مکروهات الصلاۃ، مکتبه دار الکتاب دیوبند ص: ۳۵۹)

حلبي کبیري، کتاب الصلاۃ، باب کراهیة الصلاۃ، مکتبه أشرفیه دیوبند ص: ۳۴۹۔

شرح النقایة، کتاب الصلاۃ، فصل فیما یفسد الصلاۃ ومایکره فیه، مکتبه اعزازیة دیوبند ۱/ ۱۶۹)

(۱) ترمذي شریف، أبواب الصلاۃ، باب ما جاء في الاعتماد في السجود، النسخة الهندیة ۱/ ۶۴، دار السلام رقم: ۲۸۶۔

أبوداؤد شریف، کتاب الصلاۃ، باب الرخصة في ذلك، النسخة الهندیة ۱/ ۱۳۰، دار السلام رقم: ۹۰۲۔

صحیح ابن حبان، دار الفکر بیروت ۳/ ۱۵۱، رقم: ۱۹۱۴۔

الجواب: روى مسلم عن البراء بن عازبؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجدت فضع كفيك وارفع مرفقيك وعن (*) عائشةؓ قالت كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا سجد لو شاءت بهمة أن تمر بين يديه لمرت مشكوة؛ باب السجود. (۱)

یہ دونوں حدیثیں صاف نفی کررہی ہیں استعانت بالرکب کی پس تطبیق کے لئے واجب ہوگا کہ نوافل پر محمول کیا جاوے یا ضرورت ومشقت پر چنانچہ خود حدیث (**) میں اس کا قرینہ واضح ہے۔ فقط

۱۵ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداص ۸۷ ج ۱)

دونوں سجدوں کے بعد قیام سے قبل جلسۂ استراحت کا حکم

سوال (۳۵۱): قدیم ۱/ ۴۲۶- جلسۂ استراحت مبطل نماز ہے پس حنفی کی نماز جلسۂ استراحت کرنیوالے کے پیچھے ہوگی یا نہ؟

الجواب: اس کا مفسد نماز ہونا میری نظر سے نہیں گزرا لہٰذا مانع صحت اقتداء نہیں البتہ جولوگ اس وقت تارک تقلید ائمہ ہیں بوجہ عدم مراعات خلافیات کے نواقض وضو میں (***)

(*) یہ تسامح ہے، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نہیں ہے؛ بلکہ حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے (دیکھئے مسلم شریف ۱/۱۹۴ و مشکوۃ شریف ۱/۸۳) ۱۲ سعید احمد پالنپوری

(**) یعنی اس حدیث میں جس کا سائل نے حوالہ دیا ہے۔ ۱۲ منہ

(***) ونیز اس لئے کہ یہ حضرات اکثر پیشاب کر کے کلوخ نہیں لیتے اور بوجہ ضعف قوت ماسکہ کے قطرہ آجانا غالب ہے جس کی بعض اوقات خبر بھی نہیں ہوتی، پس چار پانچ بار میں ظن غالب یہ ہے کہ نجاست قدر درہم سے زیادہ پائجامہ میں لگ جاتی ہوگی، جو مانع صلاۃ ہونے کی وجہ سے منافی صحت امامت بھی ہے۔ ۱۲ منہ

---

(۱) مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب الاعتدال في السجود ووضع الكفين على الأرض ورفع المرفقين عن الجنبين، النسخة الهندية ۱/ ۱۹۴، بيت الأفكار رقم: ۴۹۴-۴۹۶.

مشكوة شريف، كتاب الصلاة، باب السجود وفضله، الفصل الأول، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۸۳۔

أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب صفة السجود، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۰، دار السلام رقم: ۸۹۸۔

صحيح ابن حبان، دار الفكر بيروت ۳/ ۱۵۰، رقم: ۱۹۱۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ونیز تعدیۂ فساد (*) کے عوام میں ان کی اقتداء خلاف مصلحت وخلاف احتیاط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔
۲۱ شوال ۱۳۳۳ھ (امداد ص ۶۶ ج ۱)

نوٹ: مسئلہ کراہت فصل بسورۃ قصیرہ، وقرأت خلاف ترتیب بلا لزوم سجدۂ سہو سوال نمبر ۲۲۹ پر آچکا ہے۔

نماز میں بے ترتیب قرآن پڑھنے کا حکم

سوال (۳۵۲): قدیم ۱/ ۴۲۶- مسند احمد بن حنبلؒ میں ہے۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال كان رسول اللہ ﷺ يوتر بتسع سور من المفصل قال أسود يقرأ في الركعة الأولى؛ الهاكم التكاثر وانا انزلناه في ليلة القدر واذا زلزلت الأرض. وفي الركعة الثانية والعصر واذا جاء نصر اللہ والفتح وانا اعطيناك الكوثر وفي الركعة الثالثة؛ قل يا ايها الكافرون وتبت يدا أبي لهب وقل هو اللہ احد (۱).

جس ترتیب سے اس میں سورتیں ذکر کی گئی ہیں اس ترتیب سے پڑھنا درست ہے یا مقدم اور مؤخر کرنا درست ہے اس طور پر کہ پہلی میں نمبر ۲، ۳، ۱ دوسری ۴، ۶، ۵ تیسری میں موافق حدیث یا اسی طرح پڑھنا مسنون رہے گا؟

الجواب: قبل جمع قرآن ترتیب سور اختیاری تھی یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں اس میں اختلاف تھا یہ خود دلیل ہے کہ کسی خاص ترتیب کی رعایت واجب نہ تھی ورنہ صحابہ اس کو نہ چھوڑتے اس کے ترتیب موجودہ پر صحابہ کا اجماع ہو گیا اور اجماع کا اتباع ضروری ہے اب اس کی مخالفت نہ چاہئے اور مقرر ہے کہ عمل مرفوع کے خلاف پر اجماع ہونا علامت ہے اس مرفوع کی منسوخیت کی اس لئے اب اگر یہ سورتیں پڑھیں بہ ترتیب حال پڑھیں۔

۲۹/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۰۶)

(*) یعنی اگر غیر مقلدین کی اقتداء کی جائے تو عوام کو اشتباہ اور دھوکا ہوگا، وہ ان لوگوں کو حق پر سمجھنے لگیں گے، پس ان کی اقتداء کرنے کی وجہ سے فساد (خرابی) بڑھ کر عوام تک پہونچ جائے گا (غیر مقلدین کی اقتداء کا مفصل حکم سوال نمبر ۱۳۰/ کے جواب میں ملاحظہ فرماویں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۸۹، رقم: ۶۷۸. شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

صرف لنگی یا چادر پہن کر نماز کا حکم

سوال (۳۵۳): قدیم ۱/ ۴۲۷- ایک استفتاء کے متعلق مدرسہ سبحانیہ جو یہاں ایک مدرسہ ہے اس کے مدرسین نے عجیب باتیں تحریر کی ہیں سائل نے یہ سوال کیا کہ چادر اور لنگی پہن کر نماز پڑھنا باوجودیکہ پاجامہ وغیرہ موجود ہو نماز درست ہے یا نہیں؟ جواب یہ لکھا گیا کہ مکروہ ہوگی جب عمدہ لباس موجود ہے اور امراء کے یہاں تو عمدہ لباس پہن کر جاویں اور خدا کے سامنے ردی لباس یہ نہ ہونا چاہئے۔ جناب مولانا منیر الدین صاحب نے جو میرے مدرسہ میں ہیں اس کا جواب تحریر فرمایا کہ یہ لباس فعل رسول ہے جب کپڑا صاف ہو تو یہ ثیاب بذلہ جس کو فقہاء رحمہم اللہ نے مکروہ لکھا ہے نہ ہوگا ثیاب بذلہ وہی ہوگا جو ردی ہو جس میں بدبو وغیرہ موجود ہو۔ چادر اور لنگی جب صاف ہے تو یہ عمدہ لباس ہے اس سے نماز مکروہ نہیں ہوسکتی جناب مولانا محی الدین صاحب نے اس کی تصدیق کی جس کو مولانا منیر الدین صاحب نے تحریر فرمایا تھا اور مولانا ولایت حسین صاحب نے بھی اسی کی تصدیق کی کہ نماز مکروہ نہیں ہوسکتی اس کا رد مدرسہ سبحانیہ کے مدرسین نے بڑے زور وشور سے کیا۔ رد یہ تھا کہ فقہاء رحمہم اللہ نے ثیاب بذلہ کی عام تعریف کی ہے وہ یہ ہے ”لایذھب بتلک الثیاب إلی الأمراء“ جب عادت لوگوں کی اس طرح پر ہے کہ چادر اور لنگی پہن کر امراء کے پاس نہیں جاتے معیوب سمجھتے ہیں تو بالضرور یہ ثیاب بذلہ ہوگا اور نماز مکروہ ہوگی اور ہر فعل رسول اللہ ﷺ سے جواز بلا کراہت پر استدلال کرنا جائز نہیں اور جہاں کہیں فقہ میں خدمت کا کپڑا ہو یا بدبودار ہو یہ لکھا ہے وہ فرد ثیاب بذلہ ہے تعریف عام وہی ہے جو ”لایذھب بتلک الثیاب إلی الأمراء“ سے ثابت ہے۔ آنحضور اس کے متعلق کچھ تصریح کے ساتھ تحریر فرمائیں کہ ”لایذھب بتلک الثیاب إلی الأمراء“ کا کیا مطلب ہے محض رواج یا عادت سے لوگوں کی چادر اور لنگی ثیاب بذلہ میں جاوے گا اور نماز مکروہ ہوگی اور حضور ﷺ نے اس لباس کو ہمیشہ پہنا یا نہیں پاجامہ وغیرہ یہ فعل رسول اللہ ﷺ ہے یا نہیں یا صرف پسند فرمایا تھا؟

الجواب: میرے نزدیک محقق اس میں تفصیل ہے کہ جس شخص نے رداء و ازار سے نماز پڑھی آیا سنت سمجھ کر پڑھی ہے یا لباس معتاد کے پہننے سے کسل کر کے پڑھی ہے اول صورت میں کراہت نہیں کیونکہ ایسا شخص اس لباس سے دوسرے مجمع میں بھی بے تکلف چلا جاوے گا کہ وہ اس کو لباس محترم سمجھتا ہے اور دوسری صورت میں کراہت ہوگی کہ خود وہ لباس اس کی نظر میں غیر وقیع ہے(۱) اس تفصیل سے متنازعین

---

(۱) يَا بَنِيْ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ. [سورة الأعراف: ۳۱] ←

کے سب دلائل درست رہے اور نزاع لفظی ہو گیا موضوع کے بدلنے سے محمول بدل گیا۔ اشرف علیؒ

۲۵ رشعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۷)

بین الساریتین اور دروں میں نماز کا حکم

سوال (۳۵۴): قدیم ۱/ ۴۲۸- (۱) باب الإمامة فتح القدیر اور ردالمحتار کی اس عبارت سے **الأصح ماروی عن أبي حنيفة أنه قال أكره للإمام أن يقوم بين الساريتين**

← **والسنة أن يأخذ الرجل أحسن هيئته للصلاة لأن الصلاة مناجاة للرب فيستحب لها تزيين.** (أحكام القرآن للجصاص، مكتبه دار الفكر بيروت، سورة الأعراف ٤/ ١٢٣، تفسير خازن، سورة الأعراف ٢/ ٨٣)

وكذلك يكره الصلاة في ثياب البذلة وروي أن عمر رضي الله تعالىٰ عنه رأي رجلاً فعل ذلک، فقال: أرأيت لو كنت أرسلتک إلي بعض الناس أكنت ثمه في ثيابک هذه؟ فقال: لا، فقال عمر رضي الله عنه: الله أحق أن تتزين له. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع مايكره في الصلاة وما لايكره، المجلس العلمي ٢/ ١٣٩، رقم: ١٤٢٠)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع مايكره للمصلي و مالايكره، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٠٢، رقم: ٢١٤٨ ـ

وفي ثياب البذلة وهي ما يلبس في البيت ولا يذهب به إلى الكبراء. (شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه بلال ديوبند ١/ ١٦٩)

شرح النقاية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوة و مايكره فيها، مكتبه اعزازيه ديوبند ١/ ٩٥ـ

وتكره الصلاة في ثياب البذلة...... ثوب لا يصان عن الدنس ممتهن وقيل ما لا يذهب به إلى الكبراء. (حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ٣٥٩)

شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٠٧، كراچي ١/ ٦٤١ ـ

البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٥٧، كوئٹه ٢/ ٣٣ ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

أوزاوية أوناحية المسجد أوإلى سارية لأنه بخلاف عمل الأمة اھ (۱)

بقول وتحقیق حضرت امام ابوحنیفہؒ بلاضرورت امام کا بحالت امامت مسجد کے درمیں جو بین الساریتین ہو کھڑے ہونے کی کراہت ثابت ہوتی ہے یانہیں؟

(۲) بصورت ثبوت حکم کراہت صحیحین وغیرہما کی وہ حدیثیں قول امام اعظمؒ کے معارض ہوسکتی ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کا بقول حضرت بلالؓ کعبہ کے اندر بین العمودین کھڑے ہو کرنماز پڑھنا ثابت ہے (۲) یا بوجہ منفرد ہونے حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معارضہ مذکورہ قیاس مع الفارق وباطل ہوگا۔

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۱۰، كراچي ۱/ ۵۶۸-

فتح القدير، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۶۷، كوئٹه ۱/ ۳۰۹-

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۴۶-

(۲) **عن سالم عن أبيه أنه قال دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم البيت هو وأسامة بن زيد وبلال، وعثمان بن طلحة فأغلقوا عليهم الباب فلما فتحوا كنت أول من ولج فلقيت بلالاً فسألته هل صلى فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: نعم! بين العمودين اليمانيين.** (بخاری شريف، كتاب المناسك، باب إغلاق البيت ويصلي في أي نواحي البيت شاء، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۷، رقم: ۱۵۷۴، ف: ۱۵۹۸)

عن نافع عن ابن عمر قال قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الفتح، فنزل بفناء الكعبة و أرسل إلى عثمان بن طلحة فجاء بالمفتاح ففتح الباب قال: ثم دخل النبي صلى الله عليه وسلم، وبلال وأسامة بن زيد، وعثمان بن طلحة وأمر بالباب فأغلق فلبثوا فيه مليا، ثم فتح الباب قال عبد الله فبادرت الناس فلقيت رسول الله صلى الله عليه وسلم خارجًا وبلال على أثره فقلت لبلال هل صلى فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: نعم! قلت أين قال بين العمودين تلقاء وجهه قال ونسيت أن أساله كم صلىّٰ.

(مسلم شريف، كتاب الحج، باب استحباب دخول الكعبة للحاج و غيره والصلاة فيها، النسخة الهندية ۱/ ۴۲۸، بيت الأفكار رقم: ۱۳۲۹)

(۳) بدائع کی یہ عبارت: **الأفضل للإمام أن يقف في مقام إبراهيم.** (جس کو شامیؒ نے حواشی درمختار کے باب الإمامة، وباب الصلوة في الكعبة میں نقل کیا ہے) (۱) معارض قول اِمام اعظم ابوحنیفہ (بوجہ وقوع مقام ابراھیم بین الساریتین) ہے یا نہیں بصورت ثانی تعارض ظاہری کے دفع کی کیا تقریر وتنقیح ہے؟

الجواب: (۱) کراہت ثابت ہوتی ہے کما ہو ظاہر۔

(۲) قیاس مع الفارق ہے للوجہ المذکور فی السوال۔

(۳) یہ مقام ابراھیم کہنا ایسا ہے جیسا **باب الإمامة** میں اس کے ذرا قبل کی عبارت میں **السنة أن يقوم في المحراب الخ** (۲)، فی المحراب کہنا، مگر دوسری دلیل سے فی المحراب یقیناً مقید ہے خروج قدمین کے ساتھ **في مكروهات الصلوٰة من الدر المختار وقيام الإمام في المحراب لاسجوده فيه وقدماه خارجه** (۳).

پس اسی طرح فی مقام ابراھم بھی مقید ہے اسی قید کے ساتھ اس لئے کچھ تعارض نہ رہا۔

(۲۱/ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولی ص ۲۳)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۱۰، كراچي ۱/ ٥٦٨۔

والأفضل للإمام أن يقف في مقام إبراهيم صلوات الله عليه. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الصلاة بمكة، مكتبه زكريا ۱/ ۳۱۳)

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۱۰، كراچي ۱/ ٥٦٨۔

(۳) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٤١٤، كراچي ۱/ ٦٤٥۔

عن علي رضي الله عنه: أنه كره الصلاة في الطاق. (المصنف لابن أبي شيبة، باب الصلاة في الطاق، مؤسسة علوم القرآن ۳/ ۵۰۷، رقم: ٤٧٢٨)

وإنما لم يكره سجوده في المحراب إذا كان قدماه خارجه لأن العبرة للقدم في مكان الصلاة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٤٦، كوئٹه ۲/ ۲٦) ←

امام کا محراب کی سیدھ میں صحن میں کھڑا ہونا اور دروں میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال (۳۵۵): قدیم ۱/۴۲۰ - کیا فرماتے ہیں علمائے احناف اس مسئلہ میں کہ (۱) مسجد کے صحن میں یا آگے کے درجہ میں یا سائبان میں محراب کی سیدھ میں امام کا کھڑا ہونا مکروہ ہے یا نہیں؟ اور محراب سے علیحدہ ہونا کب متصور ہوتا ہے اور مکروہ ہونے پر فرض اور تراویح اور وتر وغیرہ کا حکم ایک ہے یا الگ الگ اور کیوں؟

(۲) مقتدی کو یا منفرد کو یا امام کو مسجد کے دروں میں یا سائبان کے ستونوں کے درمیان کھڑا ہونا خواہ وہ ستون لکڑی کے یا لوہے کے یا پتھر کے یا پختہ عمارت کے ہوں اور ان پر گول ڈاٹ ہو یا نہ ہو جیسے کہ محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے ان میں بھی مکروہ ہے یا نہیں اور سب کا ایک حکم ہے یا الگ الگ؟

الجواب: (*) (۱) ردالمحتار جلد ا ص ۵۹۳ و ۵۹۴ (۱) میں اول معراج سے

(*) حاصل جواب: امام کے لئے محراب میں کھڑا ہونا کوئی سنت نہیں ہے، سنت یہ ہے کہ امام وسط صف میں کھڑا ہو، اور چونکہ محراب وسط صف میں بنائی جاتی ہے؛ اس لئے عموماً محراب میں کھڑے ہونے سے یہ سنت ادا ہو جاتی ہے، پس اگر باہر کے درجہ میں جماعت ہوتو وہاں بھی وسط صف میں محاذی محراب کے کھڑا ہو؛ البتہ اگر صحن ایک طرف بڑھا ہوا ہو، تو صحن کے وسط کا لحاظ رکھنا چاہئے اور امام ابوحنیفہؒ کی روایت کا مطلب صرف یہ ہے کہ مابین الساریتین کھڑا نہ ہو؛ بلکہ در سے باہر کھڑا ہو جیسا کہ محراب میں بھی یہی حکم ہے کہ بالکل محراب کے اندر نہ کھڑا ہو؛ بلکہ قدم باہر ہونے چاہئیں وہی حکم در میں جاری ہوگا اور زاویہ اور ناحیۂ مسجد میں امام کا کھڑا ہونا؛ اس لئے مکروہ فرمایا کہ اس میں وسط نہیں رہتا اور اصل یہ ہے کہ وسط میں کھڑا ہو جہاں کہیں بھی کھڑا ہو۔

اور شامی کے قول ''والظاهر الخ'' کا مطلب یہ ہے کہ امام کا وسط مسجد میں کھڑا ہونا بھی اس وقت مسنون ہے کہ جماعت کثیرہ ہو کہ دونوں طرف کنارہ مسجد تک نمازی بھر جاویں تا کہ دونوں طرفوں میں مساوات رہے، اور اگر نمازی پوری صف کے قدر نہیں ہیں، تو پھر ناحیۂ مسجد میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے؛ کیونکہ مقتدی دونوں طرف مساوی کھڑے ہو سکتے ہیں۔ (فتاوی دارالعلوم قدیم ۱/۱۸۵ و ۱۶۳، فتاوی دارالعلوم جدید ۳/۳۶۱) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **قال محمدؒ: لا بأس بأن يكون مقام الإمام في المسجد ورأسه في السجود في الطاق، ويكره أن يكون في الطاق.** (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فيما يكره للمصلي وما لايكره، مكتبه زكريا ۲/ ۲۱۰، رقم: ۲۱۹۲) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة مطلب في الكلام في الصف الأول، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۱۰، كراچي ۱/ ۵٦۸۔

السنة أن يقوم في المحراب اوراس کی علت یہ بیان فرمائی ہے **ليعتدل الطرفان** اس کے بعد امام صاحب کا قول نقل کیا ہے **أكره أن يقوم بين الساريتين أو في زاوية أوفي ناحية المسجد أوإلىٰ سارية لأنه خلاف عمل الأمة** اوراس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے **توسطوا الإمام** (۱)۔

اس کے بعد اس کی تائید اس طرح کی ہے **ألاترى أن المحاريب ما نصبت إلاوسط المساجد وهى قدعينت لمقام الإمام** اس سبب سے ظاہر ہے کہ مقصود محراب نہیں بلکہ توسط امام ہے اور ترک محراب سے جبکہ ایک ناحیہ زاویہ میں ہو توسط کا ترک لازم آتا ہے یہی وجہ ہے کہ کراہت میں قیام بین الساریتین وقیام فی زاویہ وقیام فی ناحیۃ کا ذکر کیا قیام فی الصحن کا ذکر نہیں کیا کیونکہ قیام فی الصحن مستلزم ترک توسط کو نہیں ہے چنانچہ اس کے بعد تصریح کردی۔

والظاهر أن هذا في الإمام الراتب لجماعة كثيرة لئلا يلزم عدم قيامه في الوسط فلولم يلزم ذلک لا يكره تامل.

اوران احکام کو مطلقاً امام کے لئے کہا گیا ہے فرض وغیر فرض میں کسی نے فرق نہیں لکھا اور اگر کسی کو ردالمحتار کی اس عبارت سے شبہ واقع ہو۔

وفي التاتارخانية ويكره أن يقوم في غير المحراب إلا لضرورة. اھ، ومقتضاه أن الإمام لوترک المحراب وقام في غيره يكره ولوكان قيامه وسط الصف لأنه خلاف عمل الأمة.

اس کا جواب یہ ہے کہ غیر محراب سے مراد غیر وسط مسجد ہے چنانچہ اس سے اوپر کی عبارت اس کا قرینہ ہے۔

السنة أن يقوم الإمام بإزاء وسط الصف ألا ترى أن المحاريب ما نصبت إلا وسط المساجد وهى قد عينت لمقام الإمام ص۵۶۷ ج۱۔(۲)

---

(۱) اس سلسلہ میں حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم توسطوا الإمام وسدوا الخلل الحديث. (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب مقام الإمام من الصف (بلفظ وسطوا) النسخة الهندية ۱/۹۹، دار السلام رقم:۶۸۱)

السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الصلاة، جماع أبواب موقف الإمام، باب مقام الإمام من الصف، مكتبه دار الفكر ۴/۲۶۴، رقم:۵۳۰۵۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۱۴، كراچي ۱/۶۴۶۔ ←

وجہ یہ کہ وسط مسجد کو چھوڑ نے سے جب مسجد میں پوری صف ہوگی تو ایک طرف مقتدی کم ہوں گے دوسری طرف زیادہ۔

(۲) امام کو مکروہ ہے **لاشتراک العلة** اور مقتدی کو انقطاع صف کی حالت میں اور منفرد کو مکروہ نہیں۔ **لانتفاء علة الكراهة۔**

۲۰ رمضان ۱۳۴۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۶۹)

صفوں کے درمیان ستون کا آڑ ہونا

سوال (۳۵۶): قدیم ۱/ ۴۳۱- (*) در دیار پنجاب وخراسان بوقت ساختن مساجد در صفی وشتوی زیر صف میان ہر دو جدار ستون مید ہند و بوقت صف بستن مصلیان آں ستونہا میان صف می آیند وجائے یک مصلی میگیر ند بعض علماء فرمایند کہ ایں حائل کعدم الحائل ست پس فرجات الشیطان متحقق شد ویدخل فیہ الشیاطین کانہا خذف برو مطلق وبعض می سرایند کہ حیلولت ستون درمیان صف مثل ایستادن مصلے شدو درفرجات شیطان داخل نہ شد چہ دخول شیطان برآں صورت است کہ قصداً فرجہ در صف میان دو کس گزاشتہ شودوایں آمدن ستون حالت اضطراری ست نہ اختیاری چہ ایں قدر دراز چوب کہ سربسر برجدران نہادہ شودنادر الوجودست والضرورات تبیح المحظورات دریں امر ہر چہ ارشاد شود واجب العمل خواہد شد اگر قول بعض اول درست شود تا ستونہا را از مساجد کشیدہ صورتے دیگر کردہ شود، واگر قول بعض ثانی درست شود ما ازوسواس وعید ایمن باشیم امادریں صورت جزئیہ نوشتہ شود بحوالہ کتاب وصفحہ وباب تا کہ برمخالف حجت قوی گردد؟

(*) **خلاصۂ سوال**: پنجاب اور خراسان کے علاقوں میں مساجد بناتے وقت چھت کے نیچے دونوں دیواروں کے درمیان ستون رکھتے ہیں، جو صف بندی کے وقت درمیان میں پڑتے ہیں اور ایک آدمی ←

← **وينبغي للإمام أن يقف بإزاء الوسط فإن وقف في ميمنة الصف أو ميسرته فقد أساء لمخالفته السنة ألاترىٰ أن المحاريب لم تنصب إلا في الوسط وهي معينة لمقام الإمام.** (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة والحدث في الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۵۱، امدادية ملتان ۱/ ۱۳۶)

الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام قديم زكريا ۱/ ۸۹، جديد زكريا ۱/ ۱۴۷) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب (*) : ایں (**) جزئیہ تصریحاً از نظر نہ گزشتہ و نہ ذخیرہ کتب نزدخود دارم کہ دراں تتبع نمایم لیکن انچہ از کلیات و نظائر فہمیدہ ام آن ست کہ اگر از آمدن ستونہا میان صف تحرز بوجہی ممکن باشد تحرز باید کرد زیرا کہ مراصۃ درصفوف مامور بہ است وحیلولۃ سواری مفوت مراصۃ است و اگر تحرز ممکن نباشد پس امر واسع است ۔

← کی جگہ گھیرتے ہیں، بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حائل (آڑ) کالعدم ہے؛ لہٰذا ’’فرجات شیطان‘‘ کی وعید کا محمل ہے اور بعض کا خیال یہ ہے کہ ستونوں کا درمیان صف ہونا مانند ایک نمازی کے کھڑا ہونے کے ہے اور ’’فرجات شیطان‘‘ کی وعید میں داخل نہیں ہے؛ کیونکہ شیطان کا صف کے درمیان گھسنا اس وقت ہے کہ بالقصد صف کے درمیان فرجہ (کشادہ جگہ) چھوڑا جائے اور یہاں ستونوں کا صف کے درمیان واقع ہونا اضطراری حالت ہے، اختیاری نہیں ہے؛ کیونکہ ایسی لمبی لکڑی جو ایک دیوار سے دوسری دیوار تک دراز ہو اور درمیان میں ستون نہ رکھنے پڑیں نادر الوجود ہے؛ لہٰذا ضرورت کی وجہ سے یہ جائز ہوگا۔

اس معاملہ میں جو آپ ارشاد فرمائیں گے، وہ واجب العمل ہوگا، اگر اول حضرات کی رائے صحیح ہے، تو مسجد میں سے ستون نکال کر کوئی اور صورت اختیار کی جائے گی اور اگر دوسرے حضرات کا قول درست ہے تو ہم اندیشۂ وعید سے مطمئن ہو جائیں گے؛ لیکن بصورت ثانی جزئیہ مع قید کتاب وصفحہ و باب تحریر فرمائیں تا کہ مخالف پر حجت قوی ہو۔ ۱۲ سعید احمد پالنپوری

(*) **ترجمۂ جواب** : یہ جزئیہ صراحۃً نظر سے نہیں گذرا، نہ کتابیں پاس ہیں کہ ان میں تلاش کروں، کلیات و نظائر سے جو کچھ سمجھا ہوں وہ یہ ہے ’’اگر صف کے درمیان ستونوں کے واقع ہونے سے بچنا کسی طرح بھی ممکن ہو تو بچنا چاہئے؛ کیونکہ صف بندی میں مراصہ (ایک کو دوسرے سے جوڑنا، چمٹانا) مأمور بہ ہے، اور ستونوں کا صف کے درمیان آنا مراصہ کو ختم کرنے والا ہے، اور اگر بچنا ممکن نہ ہو تو گنجائش ہے‘‘ ۱۲ سعید احمد پالنپوری

(**) مولوی خلیل احمد صاحب مدظلہم العالی نے تنشیط الاذان میں مبسوط سرخسی ۳۵/۲ سے نقل فرمایا ہے:

والاصطفاف بين الاسطوانتين غير مكروه لأنه صف في حق كل فريق، وإن لم يكن طويلا وتخلل الاسطوانة بين الصف كتخلل متاع موضوع أو كفرجة بين رجلين وذلك لا يمنع صحة الاقتداء ولايوجب الكراهة آه. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبه دار الفكر بيروت ۳۲/۲، دار الكتب العلمية بيروت ۳۵/۲)

اس عبارت کے ظاہر سے ضرورت وعدم ضرورت دونوں میں عدم کراہۃ کا حکم مفہوم ہوتا ہے لاشتراک العلۃ لیکن حدیث انسؓ اس کی معارض ہے۔ (**فالحق هو التفصيل المذكور فی الجواب** ۱۲ تصحیح الاغلاط ۱۳)

كما في ردالمحتار المجلد الأول ص ٥٩٥. (***) قال في البحر تكلموا في الصف الأول قيل هو خلف الإمام في المقصورة و قيل مايلى المقصورة وبه أخذ الفقيه أبو الليث لأنه يمنع العامة عن الدخول في المقصورة فلا تتوصل العامة إلى نيل فضلية الصف الأول. اه، ثم قال: ويعلم منه بالأولىٰ أن مثل مقصورة دمشق التى هى في وسط المسجد

(***) اس نقل میں اختصار مخل ہے؛ اس لئے اول پوری عبارت نقل کی جاتی ہے، اس کے بعد ضروری تحقیق لکھی جائے گی شامی ۵۹۵/ میں ہے۔

قال في البحر في اٰخر باب الجمعة تكلموا في الصف الأول قيل هو خلف الإمام في المقصورة وقيل ما يلى المقصورة وبه أخذ الفقيه أبو الليث لأنه يمنع العامة عن الدخول في المقصورة فلا تتوصل العامة إلى نيل فضيلة الصف الأول آه أقول والظاهر أن المقصورة في زمانهم اسم لبيت في داخل الجدار القبلي من المسجد كان يصلى فيها الأمراء الجمعة ويمنعون الناس من دخولها خوفا من العدو فعلى هذا اختلف في الصف الأول هل هو ما يلى الإمام من داخلها أم ما يلى المقصورة من خارجها فأخذ الفقيه بالثاني توسعة على العامة كي لاتفوتهم الفضيلة ويعلم منه بالأولىٰ أن مثل مقصورة دمشق التي هى في وسط المسجد خارج الحائط القبلي يكون الصف الأول فيها ما يلى الإمام في داخلها وما اتصل به من طرفيها خارجًا عنها من أول الجدار إلى اٰخره فلا ينقطع الصف ببنائها كما لا ينقطع بالمنبر الذي هو داخلها فيما يظهر و صرح به الشافعية وعليه فلو وقف في الصف الثاني داخلها قبل استكمال الصف الأول من خارجها يكون مكروها ويؤخذ من تعريف الصف الأول بما هو خلف الإمام أي لا خلف مقتد اٰخر أن من قام في الصف الثاني بحذاء باب المنبر يكون من الصف الأول، لأنه ليس خلف مقتد اٰخر والله تعالىٰ اعلم. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الكلام على الصف الأول، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٣١١، كراچي ١/٥٦٩)

اس عبارت میں علامہ شامیؒ نے اولاً تعیین صف اول میں علماء کا اختلاف دکھلایا ہے کہ بعض اس صف کو اول کہتے ہیں جو کہ امام کے پیچھے مقصورہ کے اندر ہوتی ہے اور بعض اس صف کو جو کہ مقصورہ کے قریب اس کے باہر ہوتی ہے اس کے بعد علامہ موصوف نے ابو اللیثؒ کی رائے ظاہر کی ہے کہ وہ ...... اس غرض سے کہ عوام صف اول کی فضیلت سے محروم نہ ہو جائیں قول ثانی کو اختیار کرتے ہیں؛ اس کے بعد انہوں نے استنباط کیا ہے اور کہا ہے کہ امام ابو اللیثؒ کے فتوے سے یہ امر بالاولیٰ معلوم ہوتا ہے کہ جامع دمشق جس میں مقصورہ حائط قبلے سے باہر ←

خارج الحائط القبلي يكون الصف الأول فيهامايلي الإمام في داخلهاوما اتصل به من طرفيها خارجا عنها من أول الجدار الیٰ آخره فلا ينقطع الصف ببنائها كما لاينقطع بالمنبر الذى هوداخلها فيما يظهر وصرح به الشافعية (۱) آه قلت وقد ثبت

← اور مسجد کے درمیان میں واقع ہے اس میں صف اول وہ ہے جو کہ مقصورہ کے اندر واقع ہے اور جو لوگ مقصورہ سے باہر صف مذکور کے دونوں پہلوؤں میں کھڑے ہیں وہ صف اول میں داخل ہیں اور مقصورہ کی دیواروں کے بیچ میں حائل ہونے سے صف منقطع نہیں ہوتی جیسا کہ مقصورہ کے اندر منبر کے حائل ہونے سے صف منقطع نہیں ہوتی اور گو علامہ موصوف نے اس استنباط کی وجہ نہیں بیان کی ہے، مگر میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ جب امام ابواللیث عوام کی فضیلت صف اول کو حاصل کرنے کے لئے اس صف کو صف اول کہتے ہیں جو کہ صف واقع فی المقصورہ کے پیچھے ہے تو جو صفیں کہ اس کے دونوں پہلوؤں میں ہیں، وہ تو بالاولیٰ صف اول میں داخل ہوں گی اور جب کہ وہ صف اول میں داخل ہوئیں تو اب پچھلی صف کو صف اول کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ لہٰذا صف اول وہ صف ہوگی جو کہ مقصورہ کے اندر اور اس کے دونوں پہلوؤں میں واقع ہے اور جبکہ صف اول صف مذکورہ قرار پائی تو اب دیوار ہائے مذکورہ قاطع صف نہ ہوں گی۔ یہ تقریر تھی وجہ استنباط کی لیکن مجھے اس میں کلام ہے، اولاً اس لئے کہ حصول فضیلت صف اول کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ صف ثانی کو صف اول کہا جاوے؛ بلکہ اس کے لئے قرب امام کی امکانی کوشش کافی ہے کما لایخفی علی العارف بقواعد الشرع اور ثانیاً اس لئے کہ اگر صف خارج مقصورہ کو صف اول مان بھی لیا جاوے اور یہ بھی مان لیا جاوے کہ جو لوگ صف واقع فی المقصورہ کے پہلوؤں میں ہوں وہ صف اول میں داخل ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مقصورہ کی دیواریں قاطع صف نہ ہوں یہ ممکن ہے کہ نمازیوں کو قطع صف کا گناہ نہ ہو؛ کیونکہ اس سے بچنا ان کے اختیار سے باہر ہے، مگر بانیان مقصورہ کا گناہ سے محفوظ رہنا دشوار ہے؛ کیونکہ وہ اس قطع کا سبب اپنے اختیار سے بنے ہیں اور ثالثاً اس لئے کہ امام ابواللیث کے صف خارج مقصورہ کو صف اول کہنے سے یہ لازم بھی نہیں آتا کہ صف واقع فی المقصورہ دمشق صف اول ہو اور جو لوگ اس کے پہلوؤں میں کھڑے ہیں وہ صف اول میں داخل ہوں؛ کیونکہ جس ضرورت سے امام ابواللیثؒ نے صف خارج کو صف اول کیا تھا وہ ہنوز موجود ہے؛ اس لئے کہ انہوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی تھی ←

---

(۱) الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۳۱۱، کراچي ۱/ ۵۶۹۔

البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، قبیل باب العیدین، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۲۷۵، کوئٹه ۲/ ۱۵۷۔

بهذه الرواية أن القاطع في محل الضرورة ليس بقاطع ويؤيده ماروى الترمذى في باب كراهية الصف بين السوارى عن عبدالحميد بن محمود قال صلينا خلف أمير من الأمراء فاضطرنا الناس فصلينا بين الساريتين فلما صلينا قال انس بن مالک كنا نتقى هذا على عهد رسول الله ﷺ الحديث (۱) فلينظر في قوله اضطرنا وقوله نتقى يحصل التفصيل الذى ذكر. (امداد ص ۸۰ ج ۱)

← کہ اگر صف مقصورہ کو صف اول کہا جاوے گا تو عوام فضیلت صف اول سے محروم ہوجاویں گے؛ کیوں کہ عوام حجرے میں داخل نہیں ہوسکتے، اب میں کہتا ہوں کہ اگر جامع دمشق میں صف اول صف واقع فی المقصورہ کو کہا جاوے گا، تو وہ لوگ فضیلت صف اول سے محروم ہوجاویں گے؛ کیونکہ مقصورہ میں داخل ہونے سے حکومت مانع ہے اور اس کے پہلوؤں میں کھڑے ہونے سے شریعت مانع ہے للزوم القطع، پس ضرور ہے کہ صف خارج کو صف اول کہا جاوے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نہ امام ابواللیثؒ کا مسلک قوی ہے نہ علامہ شامی کا اس سے یہ استنباط کرنا کہ جامع دمشق میں صف اول فی المقصورہ ہوگی اور جولوگ اس کے دونوں پہلوؤں میں کھڑے ہیں وہ صف اول میں داخل ہوں گے اور جدران مقصورہ قاطع صف نہ ہوں گے، جب یہ تمہیدی مضمون معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ غالبًا اس روایت سے استدلال کی وجہ یہ تھی کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حائل بوقت ضرورت کالعدم ہے سو یہ مضمون صحیح ہے اور مدعی پر اس سے استدلال درست ہے گو یہ امر کہ جامع دمشق میں دیوار ہائے مقصورہ قاطع صف نہیں ہیں محل کلام ہے۔

كما تبين ويؤيد ما قلنا تصريح ابن الحاج المالكى بلزوم قطع الصفوف ببناء المقاصر.

لیکن اس کا اثر اصل مقصود پر کچھ نہیں پڑتا، پس یہ عبارت برمحل ہے اور اس کی بے تعلقی سے مقام کا شبہ مندفع ہوگیا جو کہ اول نظر میں احقر کو ہوگیا تھا۔ (تصحیح الاغلاط ص: ۱۲)

---

(۱) ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في كراهية الصف بين السواري، النسخة الهندية ۱/۵۳، دار السلام رقم: ۲۲۹۔

عن عبد الحميد بن محمود قال: صليت مع أنس بن مالک يوم الجمعة فدفعنا إلى السواري فتقدمنا وتأخرنا فقال أنس: كنا نتقي هذا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم. (أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب الصفوف بين السواري، النسخة الهندية ۱/۹۸، دار السلام رقم: ۶۷۳)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

گریبان کی گھنڈیاں اور بٹن وغیرہ کے کھلے ہونے کی حالت میں نماز کا حکم

سوال (۳۵۷): قدیم ۱/ ۴۳۶ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں (۱) کرتہ اور اچکن کی گھنڈیاں یا بوتام اور انگرکھا کا بند کھول کر نماز پڑھنا یا پڑھانا مکروہ ہے یا نہیں؟

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے کرتہ کی گھنڈی کھول کر نماز پڑھنا ثابت ہوا ہے یا نہیں؟

(۳) بہشتی گوہر کے صفحہ ۵۸ باب مکروہات نماز میں یہ مسئلہ ہے (حالت نماز میں کپڑے کا خلاف دستور پہننا یعنی جو طریقہ اس کے پہننے کا ہو اور جس طریقہ سے اس کو اہل تہذیب پہنتے ہوں اس کے خلاف اس کا استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے) اس میں یہ صورت داخل ہوتی ہے یا نہیں کیونکہ تمام مہذب لوگ گھنڈی اور بوتام لگانے اور بند باندھنے کو عملاً داخل تہذیب سمجھتے ہیں؟

الجواب: عن الثالث وهو يغني عن الجواب عن الأولين. اصل میں کراہت کا حکم سدل میں منقول ہے اور اس کی تفسیر ارسال ثوب بلا لبس معتاد ہے۔ کذا فی الدر المختار وحواشیہ خواہ کل ثوب میں ہو یا جزو میں مثل آستین وغیرہ بعض نے اس میں توسع کر کے مطلق لبس غیر معتاد کو بھی اس میں داخل کر دیا۔ چنانچہ رد المحتار میں ہے۔

قال في الخزائن بل ذكر أبو جعفر انه لو أدخل يديه في كميه ولم يشد وسطه أو لم يزرّ أزراره فهو مسيئ لأنه يشبه السدل اھ.

عجب نہیں علم فقہ میں جو کہ اصل ہے بہشتی گوہر کی (جس کے انتخاب کی کیفیت اس کے خطبہ میں مذکور ہے جس کی بناء پر مسئلہ کی نسبت میری طرف تام بھی نہیں) اس قول کو لے لیا ہو لیکن خود شامی ہی نے اس قول کا رد بھی اس کے بعد ہی نقل کر دیا ہے۔

ونصه قلت لكن قال في الحلية فيه نظر ظاهر بعد أن يكون تحته قميص أو نحوه مما يستر البدن الخ. جلد ۱ ص ۶۶۸ وص ۶۶۹ ـ (۱)

---

(۱) وكره سدل ثوبه تحريما للنهي أي إرساله بلا لبس معتاد وكذا القباء بكم إلى وراء ذكره الحلبي، كشدو منديل يرسله من كتفيه (در مختار) وفي الشامية: وفي الخلاصة: المصلى إذا كان لا بسًا شقة أو فرجيٰ ولم يدخل يديه اختلف المتأخرون في الكراهة ←

اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ عدم لبس معتاد سدل کی حقیقت نہیں۔ بلکہ ایک قید ہے اس کی حقیقت یعنی ارسال کی اور وجود قید مستلزم نہیں وجود مقید کو نیز اسکا لبس غیر معتاد ہونا بھی مسلم نہیں۔ صدہا صلحاء ومتواضعین میں یہ معتاد ہے۔ اس لئے جتنی ناتمام نسبت اس مسئلہ کی میری طرف ہے اس بناء پر میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔

ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ (ترجیح ج ۵ ص ۱۴۸)

← **والمختار أنه لا يكره ولم يوافقه علي ذلک أحد سوى البزازي والصحيح الذي عليه قاضيخان والجمهور أنه يكره لأنه إذا لم يدخل يديه في كميه صدق عليه اسم السدل؛ لأنه إرسال للثوب بدون أن يلبسه، قال في الخزائن: بل ذكر أبو جعفر أنه لو أدخل يديه في كميه ولم يشد وسطه أو لم يزرأز راره فهو مسيء لأنه يشبه السدل، قلت: لكن قال في الحلية: فيه نظر ظاهر بعد أن يكون تحته قميص أو نحوه مما يستر البدن؛ بل اختلف في كراهة شد وسطه إذا كان عليه قميص ونحوه ففي العتابية أنه يكره لأنه صنيع أهل الكتاب، وفي الخلاصة: لايكره و جزم في نور الإيضاح بعدم الكراهة.** (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۰۵، كراچي ۱/ ۶۳۹)

عن أبي هريرة رضـ قال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن السدل في الصلاة. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في كراهية السدل في الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۸۷، دار السلام رقم: ۳۷۶)

ويكره السدل في الصلاة، وتفسيره أن يضع ثوبه على كتفيه ويرسل طرفيه و في القدوري: يقول في تفسيره أن يجعل ثوبه على رأسه أو كتفيه، ثم يرسل أطرافه من جوانبه، ومن صلى في قباء أو المطرف أو في الباراني، ينبغي أن يدخل يديه في كميه ويشد القباء بالمنطقة احترازًا عن السدل وعن الشيخ الإمام أبي جعفر: إذا صلىٰ مع القباء وهو غيرمشدود الوسط فهو مسيء. وفي الخلاصة والنصاب: المصلى إذا كان لا بس شقة أوفرجىٰ ولم يدخل يديه في كميه اختلف المتأخرون في الكراهة والمختار أنه لايكره. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع مايكره للمصلي وما يكره، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۰۱، رقم: ۲۱۴۱-۲۱۴۲)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع مايكره في الصلاة ومالايكره، المجلس العلمي بيروت ۲/ ۱۳۸، رقم: ۱۴۱۶۔

حلبي كبير، كتاب الصلاة، كراهية الصلاة، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۳۴۷-۳۴۸۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نماز میں عورتوں کا کہنیوں تک ہاتھ کھولنے یا ٹخنے کھولنے کا حکم

سوال (*) (۳۵۸): قدیم ۱/ ۴۳۷ - کشف دست زنان تامرفق درنماز ونیز کشف کعبین ایشاں مفسد آن نماز است یا نہ؟

الجواب (**): ذراع تامرفق عضو کامل است کشف او را مفسد است اگر بقدر سہ تسبیح باشد وکعبین عضو کامل نیست کشفش مفسد نیست۔ (ردالمحتار ج اص ۴۲۳ و ۴۲۴، حصہ اخیر)(۱)

(۱۱/ صفر ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۳۰)

(*) ترجمۂ سوال: نماز میں عورت کے ہاتھ کا کہنیوں تک کھولنا اور اس کے ٹخنوں کا کھولنا مفسد نماز ہے یا نہیں؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) ترجمۂ جواب: ذراع (ہاتھ) کہنی تک ایک کامل عضو ہے، اس کا کھلنا مفسد ہے، اگر تین تسبیح کے بقدر کھلا رہے اور ٹخنے کامل عضو نہیں ہیں؛ لہٰذا ان کا کھلنا مفسد نماز نہیں ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) **وأعضاء عورة الأمة ثمانية أيضا: الفخذان مع الركبتين والإليتان والقبل مع ماحوله والدبر كذلك والبطن والظهر مع ما يليهما من الجنبين وفي الحرة هذا الثمانية ويزاد فيها ستة عشر: الساقان مع الكعبين، والثديان المنكسران، والأذنان، والعضدان مع المرفقين، والذراعان مع الرسغين، والصدر والرأس، والشعر، والعنق، وظهر الكفين.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۸۳، كراچي ۱/ ۴۰۹)

ويمنع حتى انعقادها كشف ربع عضو قدر أداء ركن بلا صنعه وذلك قدر ثلاث تسبيحات. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۸۱-۸۲، كراچي ۱/ ۴۰۸)

وذراعاها عورة كبطنها في ظاهر الرواية عن اصحابنا الثلاثة وروي في غير ظاهر الرواية: عن أبي يوسفؒ أنه روي عن أبي حنيفةؒ أن ذراعيها ليسا بعورة؛ ولكن القول الأول وهو ظاهر الرواية هو الصحيح ...... وعلى هذا لوصلي رجل وركبتاه مكشوفتان والفخذ مغطي جازت صلاته لأن الركبتين لا يبلغان قدر ربع الفخذ من الركبة قال ابن الهمام: وكعب المرأة ينبغي أن يكون كذلك يعني تبعا لساقها لا عضوًا مستقلاً ←

نماز میں رونے کا حکم

سوال (۳۵۹): قدیم ۱/ ۴۳۸- ایک شخص جماعت میں نماز پڑھ رہا ہے اور وہ یک بیک از خود رو پڑا یا بآواز بلند لفظ اللہ یا حق یا اہ یا ھوھو کہہ کر کانپ اٹھا اور ہم کو یہ علم نہیں کہ یہ بذوق الٰہی کہتا ہے یا بغیر ذوق الٰہی کے۔ دریں صورتہائے مرقومہ شخص مذکور کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اور قرب وجوار کے آدمیوں کی نماز ہوگی یا فاسد ہو جائے گی؟

الجواب: في الدرالمختار: مفسدات الصلوٰة، والأنين والتأوه والتأ فيف و البكاء بصوت لوجع أو مصيبة قيد للأربعة الالمريض لا يملك نفسه عن أنين أوتأوه إلى قوله لالذكرجنة أو نار. الخ (١)

← لأنه ملتقي عظم الساق والقدم فعلى هذا لوصلت وكعباها مكشوفة تجوز صلاتها؛ لأن الكعاب لا تبلغ ربع الساق مع الكعبين فافهم. إمرأة صلت وربع ساقها مكشوف تعيد صلاتها عند أبي حنيفة، ومحمدؒ إن استمر على ذلک قدر أداء ركن ...... وإن انكشف عضو فستر من غير لبث لا يضره وإن ادى معه أي مع الانكشاف ركناً كالقيام إن كان فيه أو الركوع أو غيرهما يفسد ذلک الانكشاف صلاته، وإن لم يؤدي مع الانكشاف ركنًا ولكن مكث مقدار مايؤدي فيه ركنا بسنته وذلک مقدار ثلاث تسبيحات فلم يستر فسدت صلاته عند أبي حنيفةؒ. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، شرائط الصلاة، الشرط الثالث، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٢١١ - ٢١٥)

الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض، مكتبه زكريا ديوبند ٢ /٢٣، رقم: ١٥٤٦-١٥٤٧۔

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات والسنن، المجلس العلمي ٢ /١٤، رقم: ١٠٩٤-١٠٩٥۔

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٧٧-٣٧٨، كراچي ١/ ٦١٩۔ ←

وفيه باب الإمامة أما ما تعارفوه (عن رفع المؤذنين أصواتهم) في زماننا فلا يبعد أنه مفسد إذا الصياح ملحق بالكلام فتح وبسط القول فيه في ردالمحتار ج۱ص ۶۱۶۔(۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگراس نے شوق ومحبت الٰہی میں ایسا کیا تو اس کی نماز درست ہوگئی ورنہ نہیں۔ یہ تفصیل تو خود اس کی نماز میں ہے؛ لیکن پاس والوں کی نماز میں کسی حال میں فساد نہیں آتا۔

(۲۸/ذی الحجہ ۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۳۲)

←والأنين والتأوه وارتفاع بكاءه من وجع أو مصيبة هذا الجار والمجرور قيد في الثلاثة وإنما أفسد لأن فيه إظهار التأسف والوجع فكان من كلام الناس لا من ذكر جنة أو نار لدلالة ذلک على الخشوع المطلوب في الصلاة. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۶۷-۲۶۸)

والتأفيف والأنين والتأوّه وارتفاع بكاءه من وجع أو مصيبة.....إذا أمكنه الامتناع عنه، أما إذا لم يمكنه الامتناع عنه فلا تفسد به عند الكل كما في الظهيرية كالمريض إذا لم يمكنه منع نفسه عن الأنين والتأوّه؛ لأنه حينئذ كالعطاس، ولجشاء إذا حصل بهما حروف لامن ذكر جنة أو نار اتفاقاً لدلالتهما على الخشوع. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص:۳۲۴-۳۲۵)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۴۰۷، كوئٹه ۱/۳۴۵

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۱۷۸-۱۷۹۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۳۷، كراچي ۱/۵۸۹۔

وإنما كان أبو بكر مبلغا للناس تكبيره وبه يعرف جواز رفع المؤذنين أصواتهم في الجمعة، والعيدين وغيرهما كذا في الدراية قال في الفتح: ومقصوده حصول أثر الرفع لاخصوص المتعارف في زماننا بل لا يبعد أنه مفسد لاشتماله على مد همزة أكبر أوبآية وكذا إن لم يشتمل لأنهم يبالغون في الصياح زيادة على الحاجة والصياح يلحق بالكلام وسيأتي في المفسدات أنه لو ارتفع بكاءه من وجع أو مصيبة فسدت لأنه لو صرح بذلک ←

چوتھائی عضو کھلے رہنے کی حالت میں نماز کا حکم

سوال (۳۶۰): قدیم ۱/ ۴۳۹ - کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کس قدر ستر مصلی اندر نماز کے مکشوف ہوجاوے تو نماز باطل ہوتی ہے؟

الجواب: ربع عضو اگر کھل جاوے اور بقدر ادائے ایک رکن کے کھلا رہے نماز باطل ہوجاتی ہے۔ یہ تو جب ہے کہ ایک جگہ سے اس قدر کھل جائے اور اگر دو جگہ سے تھوڑا تھوڑا کھل جائے تو اگر ایک عضو میں دو جگہ کھلا ہے تو اگر دونوں کو ملا کر بقدر ربع اس عضو کے ہوجاوے تب بھی نماز باطل ہوجائے گی اور اگر ایک عضو میں ایک جگہ سے دوسرے عضو میں دوسری جگہ سے تھوڑا تھوڑا کھل رہا ہے تو ان دونوں عضو میں چھوٹا عضو ہے اگر اس کے ربع کی برابر دونوں جگہ ملا کر ہوگئی تب بھی نماز باطل ہوگئی۔

ویمنع کشف ربع عضو قدر أداء رکن بلاصنعه وتجمع بالأجزاء لوفي عضو واحد وإلا فبالقدر فإن بلغ ربع أدنا ها كأذن منع. (درمختار، مختصراً، واللہ اعلم (امداد ص ۱۰۱ ج ۱) (۱)

← **قال: وامصيبتاه أو أدر كوني فسدت فكذا ما هو بمنزلته.** (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۵٤)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۸۰ - ۳۸۱، كوئٹه ۱/ ۳۲۱)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۸۲-۸۳، كراچي ۱/ ٤۰۹.

امرأة صلت وربع ساقها مكشوف تعيد صلاتها عند أبي حنيفةؒ، ومحمدؒ إن استمر على ذلك قدر أداء ركن وإن كان أقل من ذلك أي من الربع لا تعيد اتفاقًا؛ لأن القليل عفو لاعتباره عدمًا باستقراء قواعد الشرع بخلاف الكثير...... وذكر في الزيادات لو أن امرأة صلت وهي تقدر على الثوب الجديد فلبست ثوبًا خلقًا فانكشف من شعرها شيئ ومن فخذها شيئ ومن ساقها شيئ وكان المنكشف بحيث لو جمع جميعه بلغ ربع الساق لاتجوز صلاتها فكأنه بنا على أن الساق أصغرها وهو اختيار البعض أن جمع المتفرق يعتبر بأصغر الأعضاء المنكشفة واختار شارح الكنز الزيلعي قول من قال المعتبر الجمع ←

نماز میں عینک لگانے کا حکم

سوال (۳۶۱): قدیم ۱/ ۴۳۹- حالت نماز میں عینک لگائے رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ تقدیر ثانی کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی فقہائے متقدمین میں سے کسی نے اس مسئلہ کی تصریح کی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا؟

الجواب: عینک لگانے کی عادت مستحدث (نئی) ہے اس لئے امید نہیں کہ کسی کے کلام میں اس کی تصریح ملے مگر قواعد سے یہ جواب ہے کہ في نفسہ جائز ہے لیکن فعل عبث ہے اور عبث نماز میں مکروہ ہے اس عارض کے سبب یہ فعل مکروہ (*) ہوگا۔(۱) (تتمہ اولیٰ ص ۴۱)

(*) البتہ جو لوگ عینک کے عادی ہیں یعنی بینائی کی کمزوری کی وجہ سے ''نمبری عینک'' لگاتے ہیں؛ چونکہ انہیں بغیر عینک کے طمانیت وسکون نہیں رہتا؛ اس لئے ان کے لئے یہ فعل عبث نہیں ہے اور مکروہ نہ ہوگا۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **بالأجزاء حتى لو كان المنكشف من الأذن ثمنها ومن الفخذ ثمنها أو من الأذن ثلث ربعها ومن الفخذ ثلثي ربعها ونحو ذلک يمنع وإن كان المنكشف من كل تسعها لا يمنع لأن التسعين أقل من الربع الخ.** (حلبي كبير، كتاب الصلاة، الشرط الثالث، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۲۱۳-۲۱۴)

ستر العورة شرط من شروط صحة الصلاة كما تقدم فلا تصح الصلاة إلا بسترها، وقد اتفق الفقهاء على بطلان صلاة من كشف عورته فيها قصدًا، واختلفوا فيما لو انكشفت بلاقصد متى تبطل صلاته؟ فذهب الحنيفة إلى أن الصلاة تبطل لوانكشف ربع عضو قدر أداء ركن بلا صنعه ويدخل في أداء الركن سنته أيضًا وهذا قول أبي يوسفؒ واعتبر محمدؒ أداء الركن حقيقة، قال ابن عابدين: والأول المختار للاحتياط وعليه لو انكشف ربع عضو أقل من أداء ركن فلا يفسد باتفاق الحنفية......وهذا كله في الانكشاف الحادث في إثناء الصلاة، أما المقارن لابتداء ها فإنه يمنع انعقادها مطلقا اتفاقاً بعد أن يكون المكشوف ربع العضو. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲۸/۲۷)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۱۸۳-۱۸۴۔

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۶۷، كوئٹه ۱/ ۲۲۶۔

(۱) نظروالا چشمہ اور عینک کو علی الاطلاق فعل عبث نہیں کہا جا سکتا؛ کیونکہ جن لوگوں کی نگاہ کمزور ہیں ←

جاندار کی تصویر والے مصلیٰ پر نماز کی کراہت

سوال (۳۶۲): قدیم ۱/۴۳۹- اگر کسی سجادہ پر سجدہ کی جگہ تصویر انسانی یا حیوانی ہو مذہب امام شافعی وحنفی کے علماء اس پر نماز کا حکم دیتے ہیں یا نہیں ہر دو مذہب کے مسئلہ کے حل سے بحدیث صحیح وبآیات قرآنیہ یا بہ نص پورے طور سے وضع وخلاصہ تحریر فرماویں کہ اس سجادہ پر نماز درست یا مکروہ یا واجب جو کچھ حل وحرمت سے ہو بنظر عنایت رحمت آگاہی بخشیں؟

الجواب: **في الدر المختار مكروهات الصلوٰة وأن يكون فوق رأسه وبين يديه أوبحذائه يمنة أو يسرة أومحل سجوده تمثال الخ(۱) وفيه أولها وكره هذه تعم التنزيهية**

← ان کے لئے فعل عبث کہنا مشکل ہے؛ اس لئے کہ بہت سے لوگ عینک اور چشمہ لگائے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتے؛ لہٰذا حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ نے قواعد کے پیش نظر جو حکم تحریر فرمایا ہے وہی اصل اور وہی زیادہ صحیح ہے کہ فی نفسہ جائز ہے، ہاں البتہ اگر شوقیہ طور پر محض زینت کے لئے عینک لگا رکھا ہے، جس میں نظر کی کمی کوئی پریشانی نہیں ہے تو اگرچہ قواعد سے فی نفسہ جائز ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے اگر سجدہ صحیح طور پر نہیں ہوتا ہے، تو کراہت آجائے گی اور اگر سجدہ میں کسی قسم کی پریشانی نہیں ہے تو اس کے ساتھ نماز بلا کراہت جائز ہے۔

وكمال السنة في السجود وضع الجبهة و الأنف جميعًا و لو وضع أحدهما إن كان من عذر لا يكره. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، قديم زكريا ۱/۷۰، جديد زكريا ۱/۱۲۷)

ويسجد على أنفه وجبهته هذا هو السنة وإن وضع جبهته وحدها دون الأنف جاز وكذا لو وضع أنفه و بالجبهة عذر فإنه يجوز ولايكره. (الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ۱/۶۳) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۱۶، كراچي ۱/۶۴۸۔

ويكره السجود على صورة ذي روحٍ لأنه يشبه عبادتها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص:۳۵۵)

ولا يسجد على التصاوير لأنه يشبه عبادة الصورة، وأطلق الكراهة في الأصل ←

التی مرجعها خلاف الأولی فالفارق الدلیل فإن نهیا ظنی الثبوت ولاصارف فتحریمیة وإلا فتنزیهیة. (۱)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں نماز مکروہ ہوگی اور کراہت بھی تحریمی ہوگی جو حکم حرام میں ہے اور میرے پاس مذہب شافعیؒ کی کتاب نہیں ہے۔

(۲۷؍شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۸۱)

← **لأن المصلي معظم (هداية) وفي الفتح قوله: واطلق الكراهة في الأصل أي يكره أن يسجد على الصورة أولا، وقيدها في الجامع بأن يكون في موضع سجوده فإن كانت في موضع قيامه وقعوده لا يكره لما فيه من الإهانة، وجه ما في الأصل أن المصلىٰ أي السجادة التي يصلي عليها معظم فوضع الصورة فيه تعظيم لها حيث ما كانت منه بخلاف وضعها على البساط الذي لم يعد للصلاة.** (فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل ويكره للمصلى الخ، مكتبه زكريا ۱/۴۲۷، كوئٹه ۱/۳۶۲)

اتفقت كلمة الفقهاء على أن من صلىّ وفي قبلته صورة حيوان محرمة فقد فعل مكروها لأنه يشبه سجود الكفار لأصنامهم وإن لم يقصد التشبه، أما إن كانت الصورة في غير القبلة كأن كانت في البساط أو علىٰ جانب المصلى في الجدار أو خلفه أو فوق رأسه في السقف فقد اختلفت كلمتهم في ذلك فقال الحنفية كما في الدر وحاشية الطحطاوي يكره للمصلي لبس ثوب فيه تماثيل ذي روحٍ وأن يكون فوق رأسه أو بين يديه أو بحذائه يمنة أو يسرة أو محل سجوده تمثال. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/۱۲۶)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۶، كوئٹه ۲/۲۷۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، مطلب مكروهات الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۰۴، كراچي ۱/۶۳۹۔

وعند محمدؒ المكروه كراهة تحريم حرام ثبتت حرمته بدليل ظني؛ لأنه يرى أن ما لزم تركه إن ثبت ذلك بدليل قطعي يسمىٰ حرامًا وإلا يسمّىٰ مكروها كراهة التحريم. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/۳۷۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

قبر اطہر کے نقشہ کے سامنے نماز کا حکم

سوال (۳۶۳): قدیم ۱/۴۴۰ - مسئلہ مدینہ منورہ کا نقشہ جس میں حضور ﷺ کے مزار کا قبہ بھی ہے اگر نماز میں سامنے لٹکا ہو تو نماز میں کچھ خرابی تو نہ ہوگی؟

الجواب: **في ردالمحتار عن لحلية وتكره الصلوٰة عليه (اى على القبر) وإليه لورودالنهى عن ذلك ج ا ص ۹۴۵. (۱) وفي الدرالمختار أو لغير ذى روح لا يكره لأنها لاتعبد وفي ردالمحتار فعلى هذا ينبغي أن يكره استقبال عين هذه الاشياء (اى الشمس والقمر والكواكب والشجرة الخضراء) معراج لأنها عين ما عبدبخلاف مالوصورها واستقبل صورتها. (ج ا ص ۶۷۸) (۲)**

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي صلى الله عليه وسلم، مكتبه زكريا ديوبند ۱۵٤/۳، كراچي ۲٤٥/۲ ـ

عن أبي مرثد الغنوي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تجلسوا على القبور ولاتصلوا إليها. (مسلم شريف، كتاب الجنائز، باب النهي عن الجلوس على القبر والصلاة عليه، النسخة الهندية ۳۱۲/۱، بيت الأفكار رقم: ۹۷۲)

أبوداؤد شريف، كتاب الجنائز، باب في كراهية القعود على القبر، النسخة الهندية ٤٦٠/۲، دار السلام رقم: ۳۲۲۹ ـ

ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب في كراهية الوطي والجلوس عليها، النسخة الهندية ۲۰۳/۱، دار السلام رقم: ۱۰٥۰ ـ

ويكره الجلوس على القبر وكذا النوم والصلاة والبول والغائط. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة على الميت، مكتبه زكريا ديوبند ٤۰٤/۱)

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٤۱۸/۲، كراچي ٦٤۹/۱ ـ

إلا أن تكون صغيرة أو مقطوعة الرأس لأنها لا تعبد بلا رأس أو تكون لغير ذي روحٍ كالشجرة لأنها لا تعبد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۳٦۲) ←

اس سے معلوم ہوا کہ اگر چہ قبر کا نمازی کے سامنے ہونا مکروہ ہے لیکن قبر کے نقشہ کا سامنے ہونا کچھ حرج نہیں کیونکہ نقشۂ قبر کی کوئی پرستش نہیں کرتا البتہ اگر کسی قوم کی یہ رسم بھی ثابت ہوجاوے تو پھر اس میں بھی کراہت ہوجاوے گی۔

۷؍شوال ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۷۳)

نماز میں یکبارگی دو صفوں تک پیدل چلنے سے فساد نماز کا حکم

سوال (۳۶۴): قدیم ۱/۴۴۰- امام نے اپنے مقتدیوں سے کہا کہ دیکھو اگر پانی برسنے لگے تو میں مسجد کے اندر ہولوں گا اور تم لوگ میرے پیچھے آجانا مگر رُخ قبلہ سے نہ پھرنے پاوے چنانچہ امام اور مقتدیوں نے ایسا کیا بھی تو ایسی صورت میں نماز میں فساد آویگا یا نہیں؟ خصوصاً جبکہ فاصلہ امام کے پہلے مقام اور دوسرے مقام کا اس مقدار سے کہیں زیادہ ہے جتنے میں دو صفیں قائم ہوسکتی ہیں شامی میں تلاش کیا عذر مطر کی تخصیص ایسی صورت میں تو ملی نہیں اگر بحوالہ شامی جواب عنایت ہوتو زیادہ سہولت ہوگی حدث وخوف کے علاوہ اعذار میں بشرط عدم تحویل قبلہ تو عدم فساد صلوٰۃ کی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے مگر شبہ یہ ہے کہ مطر عذر بھی ہے یا نہیں کیونکہ معمول علماء کا ایسا نہیں دیکھا کہ پانی برسنے کے وقت نماز ہی میں مسجد کے اندر چلے جاتے ہوں خیر دلیل شرعی ہونا ضروری ہے؟

الجواب: حدیث میں نص ہے۔ **اقتلوا الأسودين في الصلوٰة الحية والعقرب.** (۱)

← **إلا أن تكون صغيرة أو مقطوعة الرأس أو لغير ذي روحٍ أي أو كانت الصورة صورة غير ذي الروحِ مثل أن تكون صورة النخل أو غيرها من الأشجار لأنها لا تعبد عادةً وعن ابن عباسؓ أنه رخص في تمثال الأشجار.** (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۴۱۵، امداية ملتان ۱/۱۶۶)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۸۴-۲۸۵۔

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۰، كوئٹه ۲/۲۸) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۱) أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة، النسخة الهندية ۱/۱۳۳، دار السلام رقم: ۹۲۱۔ ←

اور باوجود اس کے اس قتل کو عمل کثیر مفسد صلوٰۃ علی الاصح کہا گیا ہے۔

کما في الشامی قوله لکن صحح الحلبی الفساد حیث قال تبعاً لابن الهمام فالحق فیما یظهر هو الفساد والامر بالقتل لایستلزم صحة الصلوٰة مع وجوده کما في صلوٰة الخوف بل الأمر في مثله لإباحة مباشرته وإن کان مفسد الصلوٰة. اھ ونقل کلام ابن الهمام في الحلیة والبحر والنهر واقروه علیه وقالوا إن ماذکره السرخسی (من أنه عمل رخص فیه للمصلی فهو کالمشی بعد الحدث بحر). رده في النهایة بانه مخالف لما علیه عامة رواة شروح الجامع الصغیر ومبسوط شیخ الإسلام من ان الکثیر لا یباح. اھ ج ا ص ۶۸۱. (۱)

←عن أبي هریرةؓ أن النبي صلی الله علیه وسلم أمر بقتل الاسودین في الصلاة العقرب والحیة. (ابن ماجة شریف، إقامة الصلاة، کتاب الصلاة، باب ماجاء في قتل الحیة والعقرب في الصلاة، النخسة الهندیة ص:۸۸، دارالسلام رقم:۱۲٤۵)

ترمذي شریف، کتاب الصلاة، باب ماجاء في قتل الأسودین في الصلاة، النسخة الهندیة ۷۵/۱، دار السلام رقم: ۳۹۰۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة ومایکره فیها، مکتبه زکریا دیوبند ٤۲۲/۲، کراچي ۶۵۱/۱۔

قوله: لأنه مع الأمن یکره العمل الکثیر أما إذا کان بعمل قلیل کأن وطئهما بنعله وهو في الصلاة فلا کراهة؛ ثم الکراهة عند الأمن مع عدم الفساد روایة الحسن عن الإمام وکذا قال السرخسي: أنها لا تفسد بقتلهما ولو بعمل کثیر ولو بانحراف عن القبلة وصحح الحلبي الفساد، وهو ما علیه عامة شروع الجامع الصغیر وروایة مبسوط شیخ الاسلام قال الکمال الحق الفساد فیما یظهر؛ لکن لا إثم بمباشرته في الصلاة. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فیما لا یکره للمصلي، مکتبه دار الکتاب دیوبند ص:۳۷۰)

حلبي کبیر، کتاب الصلاة، کراهیة الصلاة، مکتبه أشرفیه دیوبند ص:۳۵٤۔

البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة ومایکره فیها، مکتبه زکریا دیوبند ۵٤/۲، کوئٹه ۳۰/۲۔

اور مطرتو ہرطرح اس سے اخف ہے کہ نہ اس میں کوئی ایسی نص ہے اور نہ اس میں ایسا خوف ضرر ہے اس لئے اس کے سبب سے مشی بدرجہ اولیٰ مفسد صلوٰۃ ہوگی البتہ اگر درمیان میں وقفات ہوتے جائیں تو اس کو عمل کثیر نہ کہا جاویگا۔

کمافي العالمگيرية: المشى في الصلوٰة إذا كان مستقبل القبلة لا يفسد إذا لم يكن متلاحقا إلى قوله لو مشى في صلاته مقدار صف واحد لم تفسد صلوته ولو كان مقدار صفين إن مشى دفعة واحدة فسدت صلوٰته وإن مشى إلى صف ووقف ثم إلى صف لاتفسد. كذا في فتاوىٰ قاضي خان (ج ١ ص ٦٥) (١)

۲۷؍رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۸۲)

ننگے سر نماز کا حکم

سوال (۳۶۵): قدیم ۱/۴۴۲- ٹوپی کے اوپر دستار باندھی اور دستار کے بیچ کے درمیان سے ٹوپی نظر آوے یعنی سر کی سطح اعلیٰ پر جو ٹوپی ہے وہ نظر آوے اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ہوگی یا نہ یا کہ ننگے سر پر دستار باندھی اور سر کی سطح اعلیٰ دیکھی گئی نماز اس صورت میں مکروہ ہوگی؟ اس بارہ میں بھی اختلاف بہت ہو رہا ہے جواب باصواب ارقام فرماویں؟

---

(١) الفتاوى الهندية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، قديم زكريا ١/١٠٣، جديد زكريا ١/١٦١۔

خانية على الهندية، فصل فيما يفسد الصلاة، قديم زكريا ١/١٣٤، جديد زكريا ١/٨٤.

إن المشي لا يخلوا: إما أن يكون بلا عذرٍ أو بعذر فالأول إن كان كثيراً متوالياً تفسد وإن لم يستدبر القبلة وإن كان كثيرًا غير متوال؛ بل تفرق في ركعات أو كان قليلاً فإن استدبرها فسدت صلاته للمنافي بلا ضرورة وإلا فلا، وكره لما عرف أن ما أفسد كثيره كره قليله بلا ضرورة وإن كان بعذرٍ فإن كان للطهارة عند سبق الحدث أو في صلاة الخوف لم يفسدها ولم يكره قل أو كثر استدبر أولا وإن كان لغير ما ذكر فإن استدبر معه فسدت قل أو كثر وإن لم يستدبر فإن قل لم يفسدها ولم يكره وإن كان كثيرًا متلا حقًا أفسد.

(الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٣٨٩، كراچي ١/٦٢٨) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: في الدر المختار مكروهات الصلوٰة وصلوٰته حاسرا أي كاشفا رأسه للتكاسل ولا بأس به للتذلل واما للإهانة بها فكفر ولو سقطت قلنسوته فاعادتها افضل إلا إذا احتاجت لتكوير أو عمل كثير مع ردالمحتار. (ج ۱ ص ۶۷۰)(۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر ٹوپی نظر آوے تو کراہت نہیں ہے۔

لأنه ليس بحاسر كيف واذاجاز الاكتفاء بالقلنسوة كمايدل عليه قوله ولوسقطت قلنسوته الخ فكيف اذا كانت على بعضها العمامة ایضاً اور اگر سر نظر آوے تو کراہت ہے۔ لأنه حاسر۔ فقط ۱۶؍شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۸۹)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۰۷، كراچي ۱/۶۴۱۔

ويكره الصلاة حاسرًا رأسه تكاسلاً أو تهاونًا وفي الذخيرة: إذا كان يجد العمامة، ولابأس إذا فعله تذللا وخشوعًا؛ بل هو حسن...... وفي الحجة: سئل صاحب الكتاب عمن سقطت قلنسوته أو عمامته في الصلاة كيف يصنع؟ فقال: رفع القلنسوة بعمل قليل بيد واحدة أفضل من الصلاة مع كشف الرأس وأما العمامة، فإن أمكنه رفعها ووضعها على رأسه معقودة كما كانت فستر الرأس أولىٰ بيد واحدة، وإن انحلت العمامة ويحتاج إلى تكويرها فالصلاة مع كشف الرأس أولى من عقد العمامة و قطع الصلاة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره للمصلي و ما لا يكره، مكتبه زكرياديوبند ۲/۲۰۲-۲۰۳، رقم: ۲۱۴۷-۲۱۵۱)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره في الصلاة ومالا يكره، المجلس العلمي ۲/۱۳۹، رقم:۱۴۱۹۔

وتكره الصلاة حاسراً رأسه إذا كان يجد العمامة وقد فعل ذلك تكاسلا أو تهاونًا بالصلاة ولا بأس به إذا فعله تذللاً وخشوعًا بل هو حسن. (هندية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره قديم زكريا ۱/۱۰۷، جديد زكريا ۱/۱۹۰)

وصلاته حاسرًا رأسه للتكاسل أو للتهاون بها، ليس المراد بالتهاون الإهانة بالصلاة فإنها كفر؛ بل المراد قلة رعايتها ومحافظة حدودها. (شرح وقاية، ←

امام سے قبل مقتدی کا سلام اول کو ختم کرنا مفسد صلوۃ ہے یا نہیں؟

سوال (۳۶۶): قدیم ۱/۴۴۲ - قطب الاقطاب حضرت مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ایک فتویٰ مولوی عاشق الٰہی صاحب میرٹھی تذکرۃ الرشید جلد اول میں ارقام فرماتے ہیں وہ یہ ہے "کہ اگر مقتدی اپنے پہلے سلام کو امام سے پہلے ختم کرے تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی اکثر لوگ اس سے غافل ہیں سننے والا دوسروں کو سنادے" اس عبارت میں اور درمختار کی اس عبارت میں تعارض ہے۔

ولو اتمه قبل إمامه فتكلم جاز وكره فلو عرض مناف تفسد صلوٰة الإمام فقط.

درمختار ج ۱ ص ۷۸، (۱) مطبوعه مطبع مجتبائی دهلی صاحب درمختار کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز فاسد نہیں ہونے کی۔ قول فیصل اس بارہ میں کیا ہے۔ فقط؟

الجواب: یہی شبہ مجھ کو بھی ہوا تھا اور ہے میرا گمان یہ ہے کہ حضرتؒ نے کراہۃ فرمایا ہوگا ناقلین نے فساد نقل کر دیا۔ اگر خود جامع تذکرہ سے تحقیق کی جاوے شاید وہ کچھ زیادہ تفصیل لکھ سکیں۔

فقط ۲۴ / صفر ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۸۲)

← كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه بلال ديوبند ۱/۱۶۸)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه دار الكتب العلمية بيروت ۱/۱۸۷۔

شرح النقاية، كتاب الصلاة، فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه اعزازية ديوبند ۱/۹۵۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۴۰، كراچي ۱/۵۲۵۔

عن عبد الله بن عمرؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذا جلس الإمام في آخر ركعة، ثم أحدث رجل من خلفه قبل أن يسلم الإمام فقد تمت صلاته. (سنن الدار قطني، كتاب الصلاة، باب من أحدث قبل التسليم، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۳۶۸، رقم: ۱۴۰۷)

وكره سلام المقتدي بعد تشهد الإمام قبل سلامه الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۳۱۱) ←

کیا چادر ورضائی کا لٹکانا اسبال میں داخل ہے؟

سوال (۳۶۷): قدیم ۱/۴۴۳- کرتا، انگرکھا، پائجامہ ٹخنے سے نیچے لٹکانا مردوں کو جائز نہیں۔ آیا اس میں چادر رضائی داخل ہوگی جبکہ اس کا آنچل کندھے پر ڈالا جاوے اور ٹخنوں سے نیچے لٹک جاوے اوڑھنے کی حالت میں؟

الجواب: چادر رضائی کا لٹک جانا اس میں داخل نہیں کیونکہ وہ موضوع اس لئے نہیں ہیں کہ ٹخنے سے نیچے رہے محض اتفاقی امر ہے۔(۱)

جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۸)

← **والقعدة في آخر الصلاة مقدار التشهد أي من قوله التحيات إلى عبده ورسوله هو الصحيح حتى لو فرغ المقتدي قبل فراغ الإمام فتكلم فصلاته تامة قال في المحيط لو فرغ المقتدي قبل فراغ الإمام فسلم أو تكلم فصلاته تامة.** (الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ۱/ ۵۹، الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، قديم زكريا ۱/ ۷۱، جديد زكريا ۱/ ۱۲۸)

(۱) چادر، کمبل، ہلکی رضائی جو چادر کی طرح اوڑھی جاتی ہے، وہ سب ٹخنے سے نیچے لٹکائی جائے اور ان کو اوپر کرنے کی کوشش نہ کیجائے ،تو اسی طرح وعید میں شامل ہوں گے، جس طرح پائجامہ اور لنگی لٹکانے کی ہوتی ہے۔

”من جرّ ثوبه“ يدخل فيه الإزار، والرداء، والقميص، والسراويل، والجبة، والقباء وغير ذلك مما يسمىٰ ثوبًا. (عمدة القاري، كتاب اللباس، باب من جر إزاره من غير خيلاء، قديم ۲۱/ ۲۹۵، جديد مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۵/ ٤، رقم: ۵۷۸۳)

من جرّ ثوبه ظاهره أن هذا الحكم عام للرداء، والقميص، والإزار جميعًا فيمنع من إسبال كل واحد منهما. (تكملة فتح الملهم، مكتبه أشرفيه ديوبند ٤/ ۱۲۰)

وكذا أطلق في الترجمة لم يقيده بالإزار كما في الخبر إشارة إلى التعميم في الإزار، والقميص وغيرهما. (فتح الباري، كتاب اللباس، باب ما أسفل من الكعبين في النار قديم ۱۰/ ۲۵٦، جديد مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۰/ ۳۱۵، رقم: ۵۷۸۷) ←

عطاء کی جگہ عذاب اور عذاب کی جگہ عطاء کے الفاظ پڑھنے سے فساد نماز کا حکم

سوال (۳۶۸): قدیم ۱/۴۴۳- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لفظ ''عطاء'' جو قرآن میں آیا ہے وہ موقع انعام و جزائے اعمال صالحہ میں آیا ہے اگر کوئی شخص اس لفظ کو غلطی سے موقع عذاب میں پڑھے تو نماز فاسد ہوگی یا نہ یا اعادۂ نماز مستحب ہوگا یا نہ؟

الجواب: **في فتاویٰ قاضی خان: وإن تغير المعنى بأن قرأإنّ الابرارلفي جحيم وإن الفجار لفي نعيم أو قرأ إنّ الذين اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت اولٰئک هم شر البرية أو قرأ وجوه يومئذٍ عليها غبرة أولٰئک هم المؤمنون حقا، تفسد صلوته؛ لأنه أخبر بخلاف ما اخبر اللّٰه به.** (۱)

← **ومن جرّ ثوبه خيلاء والثوب يعم الإزار، والقميص، والرداء، والعمامة، والطيلسان.** (بذل المجهود، كتاب اللباس، باب ما جاء في إسبال الإزار قديم ۵/۵۳، جديد دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱۲/۱۱۳)

وعن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من جرّ ثوبه وهو شامل لإزاره، وردائه وغيرهما. (مرقاة المفاتيح، مكتبه أشرفيه وامدادية ملتان ۸/۱۳۸)

(۱) خانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة قديم زكريا ۱/۱۵۳، جديد زكريا ۱/۹۶-

صحیح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ وعدہ کی جگہ وعید اور وعید کی جگہ وعدہ کے الفاظ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وإن تغير المعنى نحو أن يقرأ إن الأبرار لفي جحيم وإن الفجار لفي نعيم فأكثر المشايخ على أنها تفسد وهو الصحيح، هكذا في الظهيرية. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري قديم زكريا ۱/۸۰، جديد زكريا ۱/۱۳۸)

وإن كان اختلافاً متباعدًا نحو أن يختم آية الرحمة بآية العذاب أو آية العذاب بآية الرحمة...... فعلیٰ قول أبي حنيفةؒ، ومحمدؒ تفسد صلاته. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني مسائل زلة القاري، مكتبه زكريا ۲/۹۶، رقم: ۱۸۴۳)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات، المجلس العلمي ۲/۶۷، رقم: ۱۲۵۵) ←

چونکہ صورت مسئولہ میں بھی ظاہراً تغیر فاحش ہوگیا لہٰذا اقتضاء قاعدہ کا فساد ہے لیکن احقر کے نزدیک اس کی یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ اس کو تہکم پر محمول کیا جاوے جیسے: **فبشرهم بعذابٍ اليمٍ**، اور اس کا مقتضاء عدم فساد ہے اول کا مقتضاء وجوب اعادہ ہے نہ کہ ثانی کا والاول احوط والثانی اوسع۔

(۲۱/رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۲ ج ۱)

مسجد کی چھت پر نماز کا حکم

سوال (۳۶۹): قدیم ۱/۴۴۴- ہم مصلیان مسجد میر محمود صاحب مرحوم مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر دریافت کرتے ہیں کہ مسجد کی چھت پر نماز جماعت سے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں (۱) مسجد پست بنی ہے (۲) در چھوٹے اور موٹے کولوں کے ہیں اور اندرون مسجد ہوا کی آمد ورفت کم ہے جس کے باعث نماز میں گرمی کی شدت سے طبیعت پریشان ہوتی ہے (۳) مسجد کی وضع قطع کے ماتحت یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ مسجد بناتے وقت چھت پر نماز پڑھنا بھی مقصود تھا زینہ بہت عرصہ کے بعد بنالیا گیا ہے (۴) کسی مکان کی بے پردگی نہیں ہوتی ہے؟

الجواب: **في العالمگيرية الباب الخامس من الكراهية الصعود على سطح كلمسجد مكروه ولهذا إذا إشتد الحر يكره أن يصلوا بالجماعة فوقا إلا إذا ضاق المسجد**

← **كما لو بدل كملة بكلمة وغير المعنى نحو إن الفجار لفي جنات** (در مختار) **وفي الشامية قوله: كما لو بدل الخ، هذا على أربعة أوجه لأن الكلمة التي أتىٰ بها، إما أن تغير المعنىٰ أو لا وعلى كل فإما أن تكون في القرأن أو لا فإن غيرت أفسدت اتفاقًا في نحو فلعنة الله على المؤحدين الخ.** (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۳۹۷/۲، كراچي ۶۳۳/۱)

لوغير المعنى تفسد نحو إن قرأ إن الذين آمنوا وكفروا وعملوا الصالحات أولئك هم خير البرية أو قرأ إنما نملي لهم ليزدادوا إثما وجمالاً وكذا لو قرأ فأما من طغىٰ و آمن وآثر الحياة الدنيا فإن الجحيم هي المأوى الخ. (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثاني عشر في زلة القاري، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱۱۷/۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فحينئذ لايكره الصعود على سطحه للضرورة كذا في الغرائب. (۱)

اس میں تصریح ہے کہ صورت مسئولہ عنہا میں چھت پر جماعت کرنا مکروہ ہے۔ (*) (۲)

(۱۴/صفر ۱۳۵۴ھ (النور محرم ۱۳۵۵ھ ص ۹)

نوٹ: ہوا اور گرمی کا علاج دیوار قبلہ یا یمین وشمال میں دریچہ کھولنے سے ہوسکتا ہے۔ اشرف علیؒ

(*) مسجد کی چھت پر تنہا یا باجماعت نماز پڑھنے کی کراہت کا مدار چھت پر چڑھنے کی کراہت پر ہے؛ چنانچہ عالمگیریہ میں غرائب سے جو کراہت صلوۃ نقل کی ہے، وہ کراہت صعود علی السطح پر متفرع ہیں؛ لیکن شامیؒ نے درمختار کے قول وکرہ تحریما الوطء فوقہ کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

أي الجماع ''خزائن'' أما الوطء فوقه بالقدم فغير مكروه إلا في الكعبة لغير عذر، لقولهم بكراهة الصلوة فوقها.

اور جب صعود علی السطح مکروہ نہیں تو چھت پر نماز پڑھنا بھی مکروہ نہیں، پھر شامیؒ نے قہستانی سے کراہیۃ صعود علی السطح کا جزئیہ بھی نقل کیا ہے اروا س پر کراہیۃ صلوۃ علی سطح المسجد متفرع کی ہے؛ لیکن علامہ شامیؒ کواس پر اطمینان نہیں ہے؛ اس لئے فلیتأمل فرمایا ہے۔ (رد المحتار ار۶۱۴، شامی، کتاب الصلاۃ، مکتبہ زکریا ۲/ ۴۲۸، کراچی ۱/ ۶۵۶)

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی شرح منیہ اور شامی کی مذکورہ عبارت نقل کرکے فرماتے ہیں: خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ بعض عبارت سے جواز نماز فوق مسجد معلوم ہوتا ہے اور بعض سے کراہت معلوم ہوتی ہے۔ (فتاوی دارالعلوم جدید ۴/ ۱۵۰، سوال ۱۶۲۱)

پس تطبیق کی صورت ذہن میں یہ آتی ہے کہ نفی کراہت تحریمی کی ہے اور اثبات کراہت تنزیہی کا: لہٰذا مسجد کی چھت پر تنہا یا جماعت نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے؛ البتہ عذر کے وقت مثلاً نیچے جگہ نہ ہو یا گرمی شدید ہو اور دریچوں سے بھی علاج نہ ہو سکے اور دیگر کوئی محظور شرعی بھی نہ ہو مثلاً قرب وجوار کے مکانوں کی بے پردگی تو چھت پر تنہا یا جماعت نماز پڑھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف الخ قديم ۳۲۲/۵، جديد زكريا ۳۷۲/۵۔

ثم رأيت القهستاني نقل عن المفيد كراهية الصعود على سطح المسجد ويلزمه كراهة الصلوة أيضًا فوقه فليتأمل. (الدر المختار مع الشامي، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۲۸، كراچي ۱/ ۶۵۶) ←

مواضع غضب وعذاب میں ممانعت نماز اور اس کی حکمت

سوال (۳۷۰): قدیم ۱/۴۴۵- کئی ایام سے ایک شبہ دل میں واقع ہو رہا ہے۔ اب تک بدستور رہے اس لئے عرض کر کے حل چاہتا ہوں وہ یہ کہ بندہ چونکہ ضعیف وناتواں ہے ایک ضد سے تاثر کے وقت دوسری ضد

← (۲) اس مسئلہ میں سائل نے چھت پر باجماعت نماز کے لئے جو عذر پیش کئے ہیں، ان کی بناء پر چھت پر نماز پڑھنے میں آس پاس کے گھروں کی بے پردگی کا خطرہ نہ ہو، تو چھت پر باجماعت نماز پڑھنا بلاکراہت جائز اور درست ہے، ہندیہ کی عبارت جو حضرت والا تھانویؒ نے نقل فرمائی ہے جس میں مسجد کی چھت پر باجماعت نماز کو مکروہ کہا گیا ہے، یہ اس وقت ہے کہ جب آس پاس کے گھروں کی بے پردگی کا خطرہ ہو؛ اس لئے نہیں کہ چھت مسجد سے خارج ہے؛ اس لئے حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی نے توجیہات کر کے مسجد کی چھت پر جماعت سے نماز کو اپنے حاشیہ میں جائز لکھا ہے۔ نیز فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/۲۰۱، جدید ڈابھیل ۱۴/۵۳۱، میرٹھ ۲۲/۳۲۱، فتاوی دار العلوم جدید ۴/۱۵۰، کفایت المفتی قدیم ۳/۱۱۶، جدید ۳/۱۴۶، جدید مطول ۴/۳۰۳ وغیرہ میں صراحۃً یا اشارۃً مسجد کی چھت پر نماز باجماعت کو بلا کراہت جائز لکھا ہے۔

نیز یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ کئی منزلہ مسجد کے اوپر کی منزلوں کو چھوڑ کر نیچے کی منزل میں جس طرح باجماعت نماز پڑھنا بلاکراہت جائز ہے اسی طرح نیچے کی منزل کو چھوڑ کر اوپر کی منزلوں میں باجماعت نماز پڑھنا بلاکراہت جائز اور درست ہے، نیز کئی منزلہ مسجد میں کسی ایک منزل کو مستقل جماعت خانہ بنا لیا جائے تو اسطرح بلاکراہت جائز ہے، جس طرح مجمع کثیر ہونے کی صورت میں ہر منزل میں نماز پڑھنا بلاکراہت جائز ہوجاتا ہے؛ اس لئے کہ ہر منزل مسجد شرعی میں شامل ہے؛ کیونکہ جب مسجد بن گئی تو **من تحت الثریٰ إلی عنان السماء** سب مسجد ہی کے حکم میں ہیں اسی طرح کسی بھی منزل میں اعتکاف کرنا بھی بلاکراہت جائز ہے اور معتکف کا چھتوں پر جانا بھی بلاکراہت جائز ہے جیسا کہ اوپر اکابر کی کتابوں کا حوالہ پیش کیا جاچکا ہے۔

چند روایات وجزئیات ملاحظہ فرمایئے:

عن صالح مولیٰ التوأمة قال: كنت أُصليّ أنا وأبو هريرةؓ فوق ظهر المسجد نصلي بصلاة الإمام للمكتوبة. الحديث. (سنن كبرى للبيهقي، مكتبه دار الفكر، كتاب الصلاة، ٤/٢٧٧، رقم: ٥٣٤٥، مكتبه دار الحديث القاهرة ٣/٤٠١، رقم:٥٢٤٤)

عن ابن عباسؓ قال: لا بأس بالصلوة في رحبة المسجد والبلاط لصلوة الإمام الحديث. (سنن كبرى للبيهقي ٤/٢٧٧، رقم: ٥٣٤٤، مكتبه دار الحديث القاهرة ٣/٤٠٠، رقم:٥٢٤٣) ←

کے تحمل نہیں کرسکتا۔ مگرحق تعالیٰ چونکہ قادر مطلق ہیں وہ متاثر ومنفعل نہیں ہوتے۔ پھر مواضع غضب وعذاب میں جانے آنے یا نماز پڑھنے سے نہی کیوں فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ اصحاب حجر کے متعلق ارشاد ہے:

لاتدخلوا على هٰؤلاء القوم المعذبين إلا أن تكونوا باكين فان لم تكونوا باكين فلاتدخلوا عليهم أن يصيبكم مثل ما أصابهم الحديث. (۱) اس کی حکمت ارشاد فرمادی جاوے؟

الجواب: ایک توجیہ یہ خیال میں آئی تھی مگر اس احتمال پر کہ شاید کسی نے اس سے اچھی توجیہ لکھی ہو کتابوں کا مطالعہ کیا بحمداللہ تعالیٰ فتح الباری میں بتغییر الفاظ وہی توجیہ نکلی جو خیال میں آئی تھی اس میں شبہ مذکورہ فی السوال کا جواب بھی ہے اس لئے اس کو نقل کردینا کافی سمجھتا ہوں۔

← **والوطأ فوقه أي فوق المسجد والبول والتخلى لأن سطح المسجد إلى عنان السماء ولهذا يصح اقتداء من بسطح المسجد بمن فيه إذا لم يتقدم على الإمام ولا يبطل الإعتكاف بالصعود إليه ولا يحل للجنب، والحائض، والنفساء الوقوف عليه ولو حلف لايدخل هذه الدار فوقف على سطحها يحنث فإذا ثبت أن سطح المسجد من المسجد يحرم مباشرة النساء فيه الخ.** (تبيين الحقائق للزيلعي جديد ۱/۴۱۹، قديم ۱/۱۶۸، شامي، زكريا ديوبند ۲/۴۲۸، كراچي ۱/۶۵۶)

سطح المسجد له حكم المسجد حتى يصح الإقتداء بمن تحته الخ. (مجمع الأنهر، بيروتي ۱/۱۹۰، البحرالرائق جديد ۲/۲، كراچي ۲/۳۴)

قال محمدؒ يكره المجامعة والبول فوق المسجد، وهذا لما عرف أن حكم المسجد ثابت في الهواء والعرصة جميعًا؛ ولهذا أن من قام على سطح المسجد مقتديًا بإمام في المسجد وهو خلف الإمام يجوز والمعتكف إذا صعد سطح المسجد لاينقص اعتكافه ولايحل للجنب، والحائض، والنفساء صعود سطحه الخ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية ۱۸/۶۴، رقم: ۲۸۰۳۶، فتاوى قاسمية ۶/۱۲۲ تا ۱۲۴) میں مفصل جواب موجود ہے وہاں سے مراجعت فرمایئے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ ۹؍رجب المرجب ۱۴۳۷ھ

(۱) مسلم شريف، كتاب الزهد والرقاق، باب لاتدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم إلاأن تكونوا باكين، النسخة الهندية ۲/۴۱۰، بيت الأفكار رقم: ۲۹۸۰۔

بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب الصلاة في مواضع الخسف والعذاب، النسخة الهندية ۱/۶۲، رقم: ۴۲۹۔

فقال وجه هذه الخشية أن البكاء يبعثه على التفكر والاعتبار فكأنه أمر لهم بالتفكر في أحوالٍ توجب البكاء من تقدير اللّٰه تعالیٰ على أولئک بالكفر مع تمكينهٖ لهم في الأرض وإمهالهم مدة طويلة ثم إيقاع نقمته بهم وشدة عذابهٖ وهو سبحانه مقلب القلوب فلا يأمن المؤمن أن تكون عاقبته إلى مثل ذلک والتفكر أيضاً في مقابلة اولئک نعمة اللّٰه بالكفر واهما لهم أعمال عقولهم فيما يوجب الإيمان بهٖ والطاعة له فمن مرّ عليهم ولم يتفكر فيما يوجب البكاء اعتباراً بأحوالهم فقد شابههم في الإهمال ودلّ على قساوة قلبه وعدم خشوعه فلا يامن أن يجره ذلک إلى العمل بمثل أعمالهم فيصيبه ما أصابهم وبهذا يندفع اعتراض من قال كيف يصيب عذاب الظالمين من ليس بظالمٍ لأنه بهذا التقرير لا يأمن أن يصير ظالماً فيعذب بظلمهٖ. اھ. (۱) (جلد أول باب الصلوٰة في مواضع الخسف والعذاب)

میری توجیہ کے یہ الفاظ ہیں کہ جس طرح مواضع طاعت میں نور رہتا ہے اور وہ نور حامل ہوتا ہے طاعات پر۔ اسی طرح مواضع معصیت میں ظلمت ہوتی ہے اور وہ ظلمت حامل ہوتی ہے معاصی پر۔ تو ایسے مواضع سے تلبس سبب ہوسکتا ہے قساوت وغفلت ومعصیت کا۔ اور اس پر نزول عذاب مرتب ہوسکتا ہے اور بُکاء وخشیت اس اثر سے مانع ہو جاتا ہے پس یہ اصابت متلبین کو اپنے اعمال سے مسبب ہوگی۔ کہ ان کے اعمال سے ولعل هذا العنون السهل فكان في قولهٖ عليه السلام أن يصيبكم مثل ما أصابهم دون أن يقول يصيبكم ما أصابهم إشارة واضحة الیٰ ذلک. (۲) والله اعلم

اشرف علیؒ (۶ رمحرم ۱۳۵۶ھ) النورص ۸ ربیع الثانی ۵۷ھ

---

(۱) فتح الباري، كتاب الصلاة، باب الصلاة في مواضع الخسف والغذاب، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/۶۹۸، رقم:۴۳۳، مكتبه دار الريان للتراث بيروت ۱/۶۳۳۔

(۲) قوم ثمود کی بستی پر سے گذرتے ہوئے حضرت سید الکونین علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ان معذبین کے علاقہ سے روتے ہوئے گذر جاؤ اور خود آپ ﷺ سر مبارک پر چادر ڈال کر تیزی سے گذر گئے۔ ملاحظہ فرمایئے:

عن عبد الله بن عمرؓ ان رسول الله صلى الله قال: لا تدخلوا على هؤلاء المعذبين إلاأن تكونوا باكين فإن لم تكونوا باكين فلا تدخلوا عليهم لا يصيبكم ما أصابهم الحديث.

(بخاري شريف، ۱/۶۲، رقم:۴۲۹، ف:۴۳۳، ۲/۶۳۷، رقم:۴۲۴۲، ف:۴۴۲۰) ←

نماز میں دونوں پاؤں پر برابر زور دے کر کھڑا ہونا مکروہ ہے یا ایک ایک پیر پر زور دیکر کھڑا ہونا

سوال (۳۷۱): قدیم ۱/ ۴۴۷- نحمده ونصلی علی رسوله الكريم. حضرت حکیم الامت، السلام علیکم، آج میں نے اعلاء السنن جلد خامس میں ایک حدیث دیکھی وہ اس بیان میں ہے کہ نماز میں دونوں پاؤں پر برابر زور دینا مکروہ ہے کبھی ایک پاؤں پر اور کبھی دوسرے پر زور دینا مستحب ہے۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے اور ہم کو ایسا ہی کرنا چاہئے؟ (یہ عبارت ترجمہ کی ہے)

عن ابن مسعود انه رأى رجلاً صافا اوصافنا قدميه فقال اخطأ هذا السنة. اخرجه سعيد بن منصور كذا في تخريج الإحياء للعراقى وسكت عنه واخرجه عبدالرزاق بلفظ مرابن مسعود برجل صاف بين قدميه فقال اما هذا فقد اخطاء السنة ولو راوح بينهما كان أحب إلى كذا في كنزالعمال وقال الطحاوى في معانى الاثار كمن قام في الصلوٰة امران يراوح بين قدمه وقدروى ذلک عن ابن مسعود اه ذكره محتجابه على ان تفريق الاعضاء اولى من الصاق بعضها ببعض واحتجاج المحدث الحافظ الناقد بحديث دليل على صلاحيته له. (علاء السنن جلد خامس صفحه ٨٦) (۱)

میں نے مولوی رونق علی صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اب سے پہلے یہ حدیث نہیں دیکھی تم حضرت حکیم الامت سے دریافت کرلو تب اس پر کاربند ہونا۔ فقط؟

← **عن ابن عمرؓ قال: لما مر النبي صلى الله عليه وسلم بالحجر قال لاتدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم أن يصيبكم ما أصابهم إلا أن تكونوا باكين ثم قنع رأسه وأسرع السير حتى جاز الوادي. الحديث.** (بخاري شريف، كتاب المغازي، تحت عزوة التبوك، باب نزول النبي صلى الله عليه وسلم الحجر ٢/ ٦٣٧، رقم: ٤٢٤١، ف: ٤٤٢٩)

(۱) اعلاء السنن، باب كراهة صف القدمين في الصلاة واستحباب التراوح بينهما، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ١٦٢-

الجواب :السلام علیکم، حدیث کا درجہ باعتبار سند کے تو اعلاء السنن میں بتلادیا گیا ہے کہ طحاویؒ نے اس سے احتجاج کیا ہے اور مذہب کے اعتبار سے حاشیہ میں بتلادیا گیا ہے کہ تراوح بین القدمین حنفیہ کے نزدیک افضل ہے طحطاوی نے ظہیریہ سے نقل کیا ہے نص الإمام علی ذلک امام صاحبؒ نے اس کی تصریح کی ہے (*)
اور بعض کتب فتاویٰ میں جو کراہت تراوح مذکور ہے اس میں محمل تمایل علی سبیل التعاقب بغیر تخلل سکون ہے (۱)۔ظفر احمد بامر سیدی حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب دام مجدہم از تھانہ بھون
۱۵/ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ

(*) یہ تسامح ہے، طحطاوی نے امام صاحب کی تصریح قیام میں دونوں پیروں کے درمیان چار انگشت فاصلہ رکھنے کے مسنون ہونے کے بارے میں کتاب الاثر سے نقل کی ہے اور ظہیریہ سے تراوح کے استحباب کی روایت نقل کی ہے طحطاوی کی پوری عبارت اس طرح ہے۔

قوله: ويسن تفريج القدمين في قدم القيام (أربع أصابع) نص عليه في ''كتاب الأثر'' عن الإمام ولم يحك فيه خلافًا، وفي الظهيرية أو روي عن الإمام التراوح في الصلوة أحب إلى من أن ينصب قدميه نصبًا اه. (طحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص:۲۶۲) *سعید احمد پالن پوری*

---

(۱) **قوله: عن ابن مسعود الخ قلت دلالته على كراهة صف القدمين ظاهرة ومعناه نصبهما جميعًا، والمراوحة بين القدمين أن يقوم على كل مرة كما في القاموس، قال الشرنبلالي: والتراوح أفضل من نصب القدمين، تفسير التراوح أن يعتمد على قدم مرة وعلى الأخرىٰ مرة لأنه أيسر وأمكن لطول القيام، وذكر الطحطاوي عن الظهيرية: نص الإمام على ذلک قال: فما في منية المصلي من كراهية التمايل يمينًا ويسارًا محمول على التمايل على سبيل التعاقب من غير تخلل سكون كما يفعله بعضهم حالة الذكر لا الميل على أحد القدمين بالاعتماد ساعة ثم الميل على الأخرىٰ كذلک بل هوسنة ذكره ابن أمير حاج وكذا ما في الهندية عن الظهيرية وما في البناية عن الكشف من كراهة التراوح محمول على ما تقدم.** (اعلاء السنن، أبواب أحكام الحدث في الصلاة، باب كراهة صف القدمين في الصلاة واستحباب التراوح بينهما دار الكتب العلمية بيروت ۵/۱۶۲)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص:۲۶۲۔

تنبیہ: اعلاء السنن میں **صف القدمین** کو مکروہ کہا گیا ہے اس سے مراد **وصل القدمین** ہے جو مقابل تفریج کا ہے جیسا آگے چل کر امام مالکؒ سے **قرن القدمین** کی کراہت نقل کی گئی ہے (۱) اور **نصب القدمین** جو مقابل تراوح بین القدمین کا ہے مکروہ نہیں کیونکہ **تراوح** کا صرف افضل ہونا منقول ہے اس کی ضد کا مکروہ ہونا منقول نہیں پس مؤلف اعلاء السنن کا **صف القدمین** کی تفسیر **نصب القدمین** سے کرنا مسامحت ہے۔

نیز تراوح کی افضلیت کو جس علت سے معلل کیا گیا ہے **وهو انه ايسر وامكن لطول القيام.** یہ علت قیام قصیر میں ظاہر نہیں پس قیام قصیر میں **تراوح** اور **نصب القدمین** دونوں برابر ہیں۔

قال الطحطاوی ثم إن هذه العلة لا تظهر فيما إذا كان القيام قصيراً (ص ۱۵۳ مراقی الفلاح)(۲)

تراوح اور صف میں فرق ہے۔ صف یہ ہے کہ ایک قدم پر زور دے کر دوسرے قدم کو اس طرح ڈھیلا چھوڑ دیا جائے کہ وہ کسی قدر مُڑ جاوے جیسا گھوڑا ایک پیر کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے یہ مکروہ ہے جیسا ابن مسعودؓ کے قول سے ظاہر ہے۔ تراوح میں ایک قدم پر زور دیا جاتا ہے دوسرے پر زور نہیں دیا جاتا مگر اس کو بالکل ڈھیلا بھی نہیں چھوڑا جاتا کہ مُڑ جاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ظفر احمد عفا اللہ عنہ

---

(۱) وفي المدونة الكبرىٰ، وسألناه أي مالكًا عن الذي يقرن قدميه فعاب ذلك ولم يره شيئًا أي مفسدًا قال وأخبرنا أنه كان في المدينة من يفعل ذلك فعيب عليه وقال: وسألنا مالكًا عن الذي يروح رجليه في الصلاة، قال لا بأس بذلك قلت قرن القدمين وصلهما وقدعاب ذلك علماء المدينة في زمان مالك وكان في زمان التابعين، فثبتت كراهته بكراهة التابعين له، وليس مستندهم في ذلك إلا أنهم لم يروا الصحابة يفعلونه. (اعلاء السنن، أبواب أحكام الحدث في الصلاة، باب كراهية صف القدمين في الصلاة واستحباب التراوح بينهما، دار الكتب العلمية بيروت ۱۶۳/۵)

(۲) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، مكتبه دارالكتاب ديو بند ص: ۲۶۳۔

وفي مجمع البحار كان يراوح بين قدميه من طول القيام أي يعتمد على أحدهما مرة وعلى الاخرى مرة ليوصل الراحة الى كل منهما ص۴۳ ج۲،(۱) وفيه ايضاً حديث نهى عن صلوٰة الصاف أي من يجمع بين قدميه وقيل من يثنى قدمه الى ورائه كفعل الفرس اذ اثنیٰ حافره (ص۲۵۴ ج۲)(۲)

ربیع الاول ۵۷ھ النور ص۱۰

مردار کے اُون سے بنائے ہوئے موزے پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال (۳۷۲): قدیم ۱/۴۴۹- اگر اُون غیر ذبیحہ سے موزہ بنایا جاوے تو اس کو پہن کر نماز جائز ہوگی یا نہیں خواہ جانور حلال ہو یا حرام؟

الجواب: نماز جائز ہے اور وہ طاہر ہے بجز خنزیر کے۔

في الدرالمختار وشعر الميتة غير الخنزير على المذهب وعظمها وعصبها وحافرها وقرنها الیٰ قوله طاهراه. (۳)

(۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص۵۹)

---

(۱) مجمع بحار الأنوار، مكتبه دار الايمان المدينة المنورة ۲/۳۹۶۔

(۲) مجمع بحار الأنوار، مكتبه دار الايمان المدينة المنورة ۳/۳۳۶۔

(۳) الدر المختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب المياه، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۵۹-۳۶۲، كراچي ۱/۲۰۶-۲۰۷.

وأما الأجزاء ه التي لا دم فيها فإن كانت صلبة كالقرن، والعظم، وسن الحافر، والخف، والظلف، والشعر، والصوف، والعصب، والأنفحة الصلبة فليست بنجسة عند أصحابنا. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، حكم الميتة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۱۹۹-۲۰۰)

وكل شيئ من أجزاء الحيوان غير الخنزير لايسري فيه الدم لا ينجس بالموت كالشعر، والريش المجزوز، والقرن، والحافر، والعظم مالم يكن به دسم. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل يطهر جلد الميتة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص:۱۶۹)

وشعر الميتة، وعظمها، وعصبها، وقرنها، وحافرها طاهر. (مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۵۲) ←

سنت یا تراویح میں قعدہ ترک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۳۷۳): قدیم ۱/ ۴۴۹- اگر سنت مؤکدہ کے قعدۂ اخیرہ کو فراموش کر کے پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو یہ سنت مؤکدہ مبدل بنفل ہو جاویں گی یا نہ جیسا کہ فرائض میں اگر قعدۂ اخیرہ بھول کر ایک رکعت اور پڑھ لی تو فرائض مبدل بنفل ہو جاتے ہیں اور اعادۂ نماز ضروری ہوگا یا مثلاً کسی نے دو تراویح میں قعدۂ اخیرہ نہ کیا بلکہ بھول سے تیسری رکعت ملا لی بعد کو یاد آیا اور چوتھی رکعت پڑھ کر سجدۂ سہو کیا تو اب یہ دو رکعت تراویح مبدل بنفل ہو جاویں گی اور ان کا اعادہ ہوگا یا نہ۔ مع حوالہ کتب فقہ ارقام ہو؟

الجواب : في فتاویٰ قاضي خان المجلد الأول صفحه ۱۱۵ ، إذا صلى الإمام أربع ركعات بتسليمة واحدة ولم يقعد في الثانية في القياس تفسد صلوته وهو قول محمد وزفر رحمهما الله ويلزمه قضاء هذه التسليمة وهو رواية عن أبي حنيفةؒ وفي الاستحسان وهو اظهر روايتين عن أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ لاتفسد وإذا لم تفسد اختلفوا في قول أبي حنيفة وأبي يوسف أنها تنوب عن تسليمة أوتسليمتين؟ قال الفقيه ابوالليثؒ تنوب عن تسليمتين لأن الأربع لما جازو جب أن تنوب عن تسليمتين كمن أوجب على نفسه أن يصلي أربع ركعات بتسليمتين فصلى أربعا بتسليمة واحدة ذكر في الامالى عن أبي يوسف أنه يجوز فكذا هٰهنا وكذا لوصلى الأربع قبل الظهر ولم يقعد على رأس الركعتين جاز استحسانا. اھ

(۱) قلت ويلزمه سجدتاالسهو.

←وشعر الميتة وعظمها طاهران أراد ماسوى الخنزير ولم يكن عليه رطوبة...... والريش، والصوف، والوبر، والقرن، والخف، والظلف، والحافر كل هذه طاهرة من الميتة سوى الخنزير. (الجوهرة النيرة، كتاب الطهارة، دار الكتاب ديوبند ۱/ ۱۹)

وشعر الإنسان، والميتة غير الخنزير وعظمهما طاهران لأن كل ما لاتحله حياة من أجزاء الحيوان لا ينجس بالموت. (النهر الفائق، كتاب الطهارة، قبيل فصل في الأبار، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۸۳)

(۱) خانية على الهندية، كتاب الصوم، باب التراويح، فصل في السهو قديم زكريا ۱/ ۲۳۹، جديد زكريا ۱/ ۱۴۸.

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سنت مؤکدہ اور تراویح ہر دو صحیح ہوگئیں۔ واللہ اعلم

۲۱؍ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ (امداد ج۱ ص۹۲)

←وإن صلى أربع ركعات بتسليمة واحدة والحال أنه لم يقعد على ركعتين منها قدر التشهد تجزئ الأربع عن تسليمة واحدة أي عن ركعتين عند أبي حنيفةؒ، وأبي يوسفؒ وهو المختار اختاره الفقيه أبو جعفر وأبوبكر محمد بن الفضل قال قاضيخان هو الصحيح لأن القعدة على رأس الثانية فرض في التطوع فإذا تركها كان ينبغي أن تفسد صلاته أصلاً كما هو قول محمدؒ وزفر وهو القياس وإنما جاز على قول أبي حنيفةؒ، وأبي يوسف استحسانًا فاخذنا بالقياس في فساد الشفع الأول وبالاستحسان في حق بقاء التحريمة وإذا بقيت صح شروعه في الشفع الثاني وقدا أتمه بالقعدة فجاز عن تسليمة واحدة، وقال الفقيه أبو الليث: تنوب عن تسليمتين والصحيح الأول. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، باب التراويح، مكتبه أشرفيه ديوبند ص:٤٠٨)

ولو صلىّ أربعًا بتسليمة واحدة ولم يقعد على رأس الركعتين ففي القياس وهو قول محمدؒ، وزفر وإحدىٰ الروايتين عن أبي حنيفةؒ أنه تفسد صلاته ويلزمه قضاء هذه الترويحة ، وفي الاستحسان وهو قول أبي حنيفةؒ في المشهور وقول أبي يوسف يجوز، لكن عن تسليمة واحدة أو عن تسليمتين؟ قال بعضهم عن تسليمتين وبه أخذ الشيخ أبو الليثؒ وفي الخانية: وكذا لو صلى الأربع قبل الظهر ولم يقعد على رأس الركعتين جاز استحسانًا، وكان الشيخ أبو جعفر يقول: يجزيه عن تسليمة واحدة وفي الخانية: هو الصحيح وبه كان يفتي الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل قال القاضي الإمام أبو على النسفي قول الفقيه أبي جعفرؒ، والشيخ الإمام أبي بكر أقرب إلى الاحتياط وكان الأخذ به أولىٰ وعليه الفتوى. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٣٠، رقم: ٢٥٧١)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر التراويح والوتر، المجلس العلمي ٢/ ٢٥٧، رقم: ١٧٠١۔

هندية، كتاب الصلاة، قبيل الباب العاشر في إدراك الفريضة، قديم زكريا ١/ ١١٨، جديد زكريا ١/ ١٧٨) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نماز میں اعرابی غلطی کا حکم

سوال (۳۷۴): قدیم ۱/ ۴۵۰- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نماز میں سبح اسم ربک میں اسم کے میم کو زیر پڑھ دیا۔ آیا نماز درست ہوئی یا فاسد؟

الجواب: جس غلطی سے قرآن کے معنی میں تغیر فاحش آجاوے اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے ورنہ نہیں ہوتی تو اسم کے میم کو زیر پڑھنے سے معنی میں کوئی فساد نہیں ہوا؛ اس لئے نماز درست ہوگئی۔

اذا لحن في الاعراب لحنًا لا يغير المعنى بان قرأ لاترفعوا اصواتكم برفع التاء لاتفسد صلوته بالإجماع. عالمگیری ج ا ص ۸۰(۱) فقط واللہ اعلم (امداد ج ا ص ۱۰۵)

---

(۱) هندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري قديم زكريا ۱/ ۸۱، جديد زكريا ۱/ ۱۳۸.

أما الخطأ في الإعراب إذا لم يغير المعنى لا تفسد الصلاة عند الكل كما لو قرأ إن المؤمنين والمؤمنات أو قرأ ولم يجعل له عوجًا بالنصب الخ. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة قديم زكريا ۱/ ۱۳۹، جديد زكريا ۱/ ۸۷)

إذا لحن في الأعراب إن كان لا يغير المعنىٰ لا تفسد صلاته كقوله تعالىٰ: لاترفعوا اصواتكم بكسر التاء أو الرحمن على العرش بنصب النون. (خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل الثاني عشر في زلة القاري، مكتبه أشرفيه ديوبند ۱/ ۱۱۳)

إذا ألحن في الإعراب لحنا وهو على وجهين: إما أن لا يتغير المعنى بأن قرأ لاترفعوا أصواتكم أو قرأ إن الذين يغضون أصواتهم أو قرأ الرحمن على العرش بنصب الرحمن ففي هذا الوجه لا تفسد الصلاة بالإجماع. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني مسائل زلة القاري، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۰۹، رقم: ۱۸۸۰)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات والسنن المجلس العلمي ۲/ ۷٦، رقم: ۱۲۷۰) *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

قنوت کی تکبیر میں امام کو لقمہ دینے کا حکم

سوال (۳۷۵): قدیم ۱/ ۴۵۰- تراویح پڑھنے کے بعد وتروں میں یہ واقعہ پیش آیا کہ امام تیسری رکعت میں بلا تکبیر کہے ہوئے اور رفع یدین کئے ہوئے دعائے قنوت پڑھنے لگا کسی مقتدی نے اسے اللہ اکبر کہہ کر آگاہ کیا چنانچہ اس نے اللہ اکبر کہہ کر اور رفع یدین کر کے پھر قنوت پڑھی اور نماز تمام کر کے سجدۂ سہو کیا تو نماز میں کوئی خرابی تو نہیں رہی؟

الجواب: **في الدر المختار في واجبات الصلوٰة وقراء ة قنوت الوتر وهو مطلق الدعاء وكذا تكبير قنوته في ردالمحتار أي الوتر قال في البحر في باب سجود السهو مما الحق به أي بالقنوت تكبيره وجزم الزيلعى بوجوب السجود بتركه إلى قوله وينبغي ترجيح عدم الوجوب الخ** ج:۱ ص:۴۸۸۔(۱)

پس روایت وجوب پر تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ بتلانا ٹھیک ہوا اور دوسری روایت یعنی عدم وجوب پر یہ بتلانا زائد ہوا مگر مفسد صلوٰۃ نہیں ہے اور نماز ہر حال میں صحیح ہوگئی جیسے قراءت میں بلا حاجت بتلانے سے نماز صحیح ہو جاتی ہے اگرچہ امام لقمہ لے لے (۲)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۶۳/۲، كراچي ۴۶۸/۱۔

ومما ألحق به تكبيره وجزم الشارح بوجوب السجود بتركها وذكر في الظهيرية أنه لو ترك تكبيرة القنوت فإنه لا رواية لهذا، قيل يجب سجود السهو اعتبارًا بتكبيرات العيد وقيل لا، وينبغي ترجيح عدم الوجوب لأنه الأصل ولا دليل عليه بخلاف تكبيرات العيد فإن دليل الوجوب المواظبة مع قوله تعالىٰ واذكروا اسم الله في أيام معلومات. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۱۶۹/۲، كوئٹه ۹۶/۲)

ولوترك التكبيرة التي بعد القراء ة قبل القنوت سجد للسهو لأنها بمنزلة تكبيرة العيد. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۴۷۵/۱-۴۷۶، امدادية ملتان ۱۹۴/۱)

(۲) **بخلاف فتحه على إمامه فإنه لا يفسد مطلقًا لفاتح وآخذ بكل حالٍ.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۳۸۲/۲، كراچي ۶۲۲/۱ ـ ←

اور چونکہ کوئی امر موجب سجدۂ سہو کا نہیں پایا گیا اس لئے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا ۔(۱)
۸؍ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۷۳)

←**وفتحه على غير إمامه أي يفسدها لأنه تعليم وتعلم لغير حاجة قيد به لأنه لو فتح على إمامه فلا فساد لأنه تعلق به إصلاح صلاته...... وفي المحيط ما يفيد أنه المذهب فإن فيه وذكر في الاصل والجامع الصغير أنه إذا فتح على إمامه يجوز مطلقًا لأن الفتح وإن كان تعليما؛ ولكن التعليم ليس بعمل كثير وأنه تلاوة حقيقة فلايكون مفسدًا وإن لم يكن محتاجًا إليه.** (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۰، كوئٹه ۲/۶)

ولو فتح على غير إمامه فسدت لا إن فتح على إمامه مطلقًا وهو الأصح (**ملتقي الأبحر) وفي المجمع: اي لا تفسد إن فتح على إمامه مطلقًا ...... وهو الأصح وعليه الفتوىٰ احترازًا عن قول بعض المشايخ...... لأن هذا الفتح لم يكن كلامًا استحسانًا لأنه مضطر إلى إصلاح صلاته فكان هذا من أعمال صلاته معنىً.** (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۸۰)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۱۰، كوئٹه ۱/ ۳۴۸ ۔

(۱) چنانچہ فقہاء نے جتنے اسباب سجود سہو بیان کئے ہیں ان میں سے صورت مسئولہ نہیں ہے؛ لہٰذا سجدۂ سہو واجب نہیں ۔

وذكر في الذخيرة أن سجود السهو يجب بستة أشياء: فيجب بتقديم ركن نحو أن يركع قبل أن يقرأ...... ويجب بتاخير ركن نحو أن يترك سجدة صلبية...... ويجب بتكرار الركن نحو أن يركع مرتين...... ويجب بتغيير الواجب نحو أن يجهر بالقراءة فيما يخافت فيه بها ...... ويجب بترك الواجب رأسًا نحو أن يترك القعدة الأولىٰ ......ويجب بترك السنة المضافة إلى جميع الصلاة نحو أن يترك قراءة التشهد في القعدة الأولى فإنه يقال تشهد الصلاة ولا يقال تشهد القعدة. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، مكتبه أشرفيه ديوبند ص:۴۵۶–۴۵۷)

الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۴۳ تا ۵۴۵، كراچي ۲/ ۸۰–۸۱ ۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جس کو سجدہ کی حالت میں قطرہ آجاتا ہو اس کی نماز کا حکم

سوال (۳۷۶): قدیم ۱/۴۵۱ - مجھ کو مرض ہے کہ اکثر قطرہ خطا ہو جاتا ہے جس وقت سجدہ میں جاتا ہوں اس وقت بھی اکثر ایسی حالت ہو جاتی ہے اس کے لئے کیا کیا جاوے؟

الجواب: اگر لنگوٹ باندھنے سے رک جاوے باندھنا چاہئے (۱) اور اگر اس سے نہ رکے تو دیکھنا چاہئے کہ سجدہ میں جانے سے اگر گاہ گاہ قطرہ آتا ہے تب تو جب آوے وضو کرے اور اگر ہمیشہ آتا ہے تو بجائے سجدہ کے اشارہ کر لیا کرے۔

وفي ردالمحتار عن الذخيرة رجل بحلقه خرّاج إن سجد سال وهو قادر على الركوع والقيام والقراءة الخ ج۱ص۷۹۳۔(۲)

۶/شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۶۲)

---

(۱) **إذا خاف الرجل خروج البول فحشا إحليله بقطنة ولو لا القطنة يخرج من البول فلا بأس به ولا ينتقض وضوءه حتى يظهر البول على القطنة.** (هندية، كتاب الطهارة، الباب الأول قديم زكريا ۱/۱۰، جديد زكريا ۱/۶۰)

وإذا احتشىٰ إحليله بقطنة خوفًا من خروج البول ولولا القطنة لخرج منه البول فلا بأس به ولا ينتقض وضوءه حتى يظهر البول على القطنة ويخرج منه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، ما يوجب الوضوء، مكتبه زكريا ۱/۲۳۹، رقم:۱۷۵)

شامي، كتاب الطهارة، باب الحيض، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۵۵۸، كراچي ۱/۳۴۵۔

(۲) **وفي الذخيرة: رجل بحلقه خرّاج إن سجد سال وهو قادر على الركوع والقيام والقراءة يصلي قاعدًا يؤمي، ولو صلىٰ قائمًا بركوعٍ وقعد، وأومأ بالسجود أجزأه والأول أفضل.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبه زكرياديوبند ۲/۵۶۷، كراچي ۲/۹۷)

رجل بحلقه جرح وهو لايقدر بأن يسجد وهو قادر على الركوع، والقيام صلى قاعدًا بالإيماء ......ولو كان بحال لو سجد سال جرحه ولو لم يسجد لا يسيل لا يسجد ويصلي قاعدًا بالإيما لأنه أقرب إلى الجواز بغير وضوءٍ. (الفتاوى الولوالجية، كتاب الطهارة، الفصل الخامس في النفاس والحيض، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۵۹) ←

کسی بھی حال میں امام کو لقمہ دینے سے نماز فاسد نہ ہوگی

سوال (*) (۳۷۷): قدیم ۱/ ۴۵۲- امام ومقتدی درحین نماز بودند یکے از مقتدی درقیام رکعت سوم کہ امام برخاست سبحان اللہ گفت بخیال آنکہ ایں رکعت چہارم است چونکہ امام رایقین بود کہ ایں رکعت سوم است گوش نہ کرد قیام فرمودہ رکعت چہارم راختم کردہ نماز خود ومقتدیان راتمام کرد دریں صورت نماز آں مقتدی کہ سبحان اللہ گفت بلاشبہ تمام شد یا بسبب کلام لغو نماز آں فاسد شد صورت مسئلہ چیست در مذہب حضرت امام اعظم چیست ودر مذہب حضرت امام شافعی چہ حکم دارد ودر مذہب امام شافعی کدام کتاب کہ مثل ایں مسئلہ جزئیات درآن بسیار باشد اگر بحضرتم معلوم باشد ایماء فرمائید؟

الجواب (**): في الدر المختار مفسدات الصلوٰة بخلاف فتحه على إمامه فإن

(*) **خلاصۂ سوال**: امام تیسری رکعت کے سجدے سے جوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہوا، ایک مقتدی نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ چار رکعتیں ہوگئی ہیں، سبحان اللہ کہہ کر امام کو بٹھانا چاہا، مگر چونکہ امام کو یقین تھا؛ اس لئے اس نے مقتدی کی بات کی طرف التفات نہ کیا اور چوتھی رکعت پڑھ کر نماز پوری کی، اس صورت میں اس مقتدی کی جس نے بلاضرورت لقمہ دیا نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ امام اعظم کے نزدیک کیا حکم ہے؟ اور مذہب شافعی کیا ہے؟ اور مذہب شافعی کی ایسی کتاب جس میں اس قسم کے کثیر جزئیات ہوں، اگر آپ کے علم میں ہوں تو مطلع فرمائیں۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) **ترجمۂ جواب**: صورت مسئولہ میں سبحان اللہ کہنا چونکہ امام کو بتلانے کی نیت سے ہے اور خود کلام ناس سے نہیں ہے؛ لہٰذا امام اور مقتدی دونوں کی نماز صحیح ہوگی اور مذہب شافعی مجھے معلوم نہیں اور نہ ان کے مذہب کی کتاب کا مجھے علم ہے۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **بحلقه جرح يسيل إذا سجد يصلي قاعدًا بالإيماء لأنه الصلاة بالإيماء أهون من الصلاة مع حدث أو نجس الخ.** (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، قبيل باب سجود التلاوة، مكتبه دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۳۱)

وكذا لو كان بحيث لو سجد سال بوله أو انفلت ريحه فإنه يصلي قاعدًا بالإيماء ويترك الركوع والسجود لما قلنا. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، فرائض الصلاة، الثاني القيام، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۲۶۷، النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۳۵) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

لایفسد مطلقا لفاتح واٰخذ بکل حال. (۱)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۳۸۳/۲، كراچي ۱/ ـ

وفتحه على غير إمامه أي يفسدها لأنه تعليم وتعلم لغير حاجة قيدبه لأنه لو فتح على إمامه فلا فساد لأنه تعلق به إصلاح صلاته...... وفي المحيط ما يفيد أنه المذهب فإن فيه وذكر في الأصل والجامع الصغير أنه إذا فتح على إمامه يجوز مطلقًا لأن الفتح وإن كان تعليما؛ ولكن التعليم ليس بعمل كثير وأنه تلاوة حقيقة فلايكون مفسدًا وإن لم يكن محتاجًا إليه. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/۲، كوئٹه ۶/۲)

ولو فتح على غير إمامه فسدت لا إن فتح على إمامه مطلقًا وهو الأصح (ملتقي الأبحر) وفي المجمع: أي لا تفسد إن فتح على إمامه مطلقًا سواء قرأ مقدار ما يجوزبه الصلاة أو لم يقرأ أوتحول إلى آية أخرىٰ أو لم يتحول وهو الأصح وعليه الفتوىٰ احترازا عن قول بعض المشايخ...... لأن هذا الفتح لم يكن كلامًا استحسانًا لأنه مضطر إلى إصلاح صلاته فكان هذا من أعمال صلاته معنىً. (مجمع الأنر، كتاب الصلاة، با ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۱۸۰/۱)

ويفسد أيضًا فتحه على غير إمامه (كنز) وفي النهر: قيد به لأن فتحه على إمامه غير مفسد سواء قرأ قدر ما تجوزبه الصلاة أم لا، انتقل إلى آية أخرىٰ أم لا، كرّره أم لا، هو الأصح.
(النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲۶۹/۱)

وإن فتح على إمامه لم يكن كلاما مفسدًااستحسانًا لأنه مضطر إلى إصلاح صلاته فكان هذا من أعمال صلاته معنىً. قوله: لم يكن كلامًا استحسانًا هذا أعم من كون الفتح بعد قراءة ماتجوزبه الصلاة أو قبله، وقيل إن قرأ الإمام ماتجوزبه تفسد لعدم الحاجة إليه والأصح الأول. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۴۱۰/۱، كوئٹه ۳۴۸/۱) ←

چوں درصورت مسئولہ ایں سبحان اللہ گفتن بہ نیت فتح علی الامام است وخود از کلام ناس نیست لذا نماز امام ومقتدی ہر دو صحیح است ومذہب شافعی مرا معلوم نیست ونہ کتابے در مذہب شاں مرا معلوم است (تتمہ اولیٰ ص ۳۱۲)

← حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ٣٣٤۔

حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٤٤٠۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

۷/ باب صلوٰۃ الوتر

نماز وتر میں مخصوص سورتوں کو متعین کر کے پڑھنے کا حکم

سوال (۳۷۸): قدیم ۱/۴۵۳- (۱) نماز وتر میں سورۂ قدر و کافرون و اخلاص واسطے مرض بواسیر کے مجرب بتلاتے ہیں اگر اس کو التزام کے ساتھ پڑھا جاوے تو کوئی قباحت تو نہیں؟

(۲) دانتوں کی پائیدار کے واسطے وتروں میں سورۂ نصر ولھب و اخلاص کا پڑھنا مجرب بتلاتے ہیں؟

الجواب: (عن کلا السوالین) اس میں منشاء سوال یہ ہے کہ طاعت مقصودہ کو ذریعہ بنایا گیا غرض دنیوی کا۔ سو اسمیں تفصیل یہ ہے کہ یہ ذریعہ بنانا دو قسم ہے ایک بلا واسطہ جیسے عاملوں کا طریقہ ہے کہ ادعیہ وکلمات سے خاص اغراض ومقاصد دنیویہ ہی ہوتے ہیں اور دوسری قسم بواسطہ برکت دینیہ کے کہ طاعات سے اولا برکت دینیہ مقصود ہوتی ہے پھر اس برکت دینیہ کو مؤثر اغراض دنیویہ میں سمجھا جاتا ہے احادیث میں جو قربات اور طاعات خاصہ کی بعض خاصیتیں از قبیل اغراض دنیویہ وارد ہیں وہ اس دوسری قسم سے ہیں جیسے سورۂ واقعہ کی خاصیت آئی ہے کہ لم تصبہ فاقۃ اور یہ دنیوی خاصیتیں جس طرح وحی سے معلوم ہوتی ہیں کبھی الہام سے بھی معلوم ہوتی ہیں پس عمل مذکورہ فی السوال بطریق اول نماز کی وضع کے خلاف ہے اور بطریق ثانی کچھ حرج نہیں۔(۱) ۱۶/ رمضان المبارک ص ۴۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۵۱۸)

---

(۱) جس ترتیب سے سائل نے سورہ قدر، کافرون اور اخلاص پڑھنے کی بات لکھی ہے، اس ترتیب سے وتر پڑھنے سے متعلق کوئی روایت دستیاب نہیں ہوسکی، اسی طرح سورہ نصر، سورۂ لہب اور سورۂ اخلاص پڑھنے سے متعلق بھی کوئی روایت دستیاب نہیں ہوسکی؛ ہاں البتہ مصنف عبد الرزاق میں سورۂ قدر، سورۂ زلزال اور سورۂ اخلاص پڑھنے سے متعلق روایت ملی ہے، مگر بواسیر وغیرہ کے تجربہ کی بات نہیں ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الرزاق عن علیؓ أنه كان يوتر إنا أنزلناه في ليلة القدر، وإذا زلزلت، وقل هو الله أحد الحديث. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب ما يقرأ في الوتر وكيف التكبير فيه، مكتبه دارالكتب العلمية عباس باز جديد ۲/ ۴۰۵، رقم: ۴۷۱۱-۱۲۵۸، مكتبه مجلس علمي قديم رقم: ۴۶۹۹) ←

رمضان میں وتروں کا تہجد کیساتھ پڑھنا افضل ہے یا جماعت کیساتھ تراویح کے بعد

سوال (۳۷۹): قدیم ۱/۴۵۳- جو شخص نماز تہجد میں وتر پڑھتا تھا وہ رمضان شریف میں وتروں کو بجماعت ادا کرے یا بوقت تہجد ادا کیا کرے؟

الجواب: جماعت کے ساتھ بہتر ہے جماعت کی رعایت اولویت وقت کی رعایت سے مقدم ہے۔ و نیز اعراض عن الجماعت کی صورت سے تحرز ضروری ہے۔ (۱)

۲۲ ر رمضان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اول ص ۳۸)

← علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کی درسی تقریر العرف الشذی علی ہامش الترمذی میں ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ الہٰکم التکاثر، سورۃ قدر، سورۃ زلزال اور دوسری رکعت میں سورۃ العصر اور سورۃ الکوثر، سورۃ النصر اور تیسری رکعت میں سورۃ الکافرون، سورۃ لہب، سورۃ الاخلاص پڑھنے کا ذکر ہے، گو اس سے معلوم ہوا کہ بطریق ثانی اور بغرض ثانی ان میں سے کوئی بھی سورت پڑھی جاسکتی ہے۔ اور سوالنامہ میں ذکر کردہ ترتیب سے بھی پڑھی جاسکتی ہے، مگر غرض اول کے لحاظ سے نہیں۔ عبارت ملاحظہ فرمایئے:

ومنها أن يقرأ في الأولىٰ ألهكم التكاثر، والقدر، وإذا زلزلت وفي الثانية العصر، والكوثر، والنصر. وفي الثالثة: الكافرون وتبت، وسورة الإخلاص الخ. (العرف الشذي على الترمذي تحت باب ما يقرأ في الوتر ۱/۱۰۷)

اور صحاح کی ساری کتابوں میں اور زوائد کی بھی ساری کتابوں میں پہلی رکعت میں سورۃ اعلی، دوسری میں کافرون اور تیسری میں اخلاص پڑھنے کی روایات موجود ہیں اور وہ بھی صرف بطریق ثانی پڑھنا ہے۔

عن أبي بن كعب قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الوتر سبح اسم ربك الأعلى وفي الركعة الثانية بقل يا أيها الكافرون، وفي الثالثة بقل هو الله أحد ولا يسلم إلا في آخرهن. الحديث. (نسائي شريف، نسخة الهندية ۱/۱۹۱، جديد رقم: ۱۷۰۲)

(۱) وصلاته أي الوتر مع الجماعة في رمضان أفضل من أدائه منفردًا آخر الليل في اختيار قاضي خان، قال قاضيخان: هو الصحيح لأنه لما جازت الجماعة كانت أفضل ولأن عمرؓ كان يؤمهم في الوتر وصحح غيره أي غير قاضيخان خلافه ...... وفي الفتح والبرهان ما يفيد أن قول قاضيخان أرجح لأنه صلى الله عليه وسلم أوتر بهم فيه، ثم بين عذر الترك وهو خشية ←

سوال (۳۸۰): قدیم ۱/۴۵۴- ایک امر دریافت طلب ہے کہ بعد نماز عشاء بیس رکعت تراویح پڑھنے کے بعد وتر پڑھ لئے جاویں اور پھر سحر کے وقت تہجد پڑھا جاوے یا نہیں؟

الجواب: ہاں یہی افضل ہے۔ (*)(۱) ۲۸ رشعبان ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۹۰)

(*) یعنی افضل یہی ہے کہ تراویح کے بعد وتر پڑھ لئے جائیں سحر کے وقت صرف تہجد پڑھا جائے۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **أن يكتب علينا قيام رمضان، وكذا الخلفاء الراشدون صلوه بالجماعة، ومن تأخر عن الجماعة فيه أحب صلاته آخر الليل، والجماعة إذ ذاك متعذرة فلا يدل على أن الأفضل فيه ترك الجماعة أول الليل.** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، قبيل فصل في بيان النوافل، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ٣٨٦)

اختلفوا أن أداء الوتر في رمضان بالجماعة أفضل أم الأداء في منزله وحده؟ الصحيح أن الجماعة أفضل لأن عمر بن الخطابؓ كان يؤمهم في الوتر ولأنه لما جاز الأداء بالجماعة كانت الجماعة أفضل اعتبارًا بالمكتوبة. (خانية على الهندية، كتاب الصوم، فصل في الوتر قديم زكريا ١/٢٤٤، جديد زكريا ١/١٥١)

ويؤتر أي يصلي الوتر بجماعة في رمضان فقط لانعقاد الإجماع عليه كما في الهداية ...... واختلفوا في الأفضل في وتر رمضان، فقال بعضهم: الجماعة كما في الخانية: وقال بعضهم الانفراد في المنزل كما في النهاية، وذكر صاحب الفتح مايرجح الأول فينبغي اتباعه لأنه أدق. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، دار الكتب العلمية بيروت ١/٢٠٤)

ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان وفيه أي رمضان يصلي الوتر وقيامه بها، وهل الأفضل في الوتر الجماعة أو المنزل تصحيحان (در مختار) وفي الشامية: رجح الكمال الجماعة بأنه صلى الله عليه وسلم كان أوتربهم، ثم بين العذر في تأخره مثل ما صنع في التراويح فالوتر كالتراويح فكما أن الجماعة فيها سنة فكذلك الوتر "بحر" وفي شرح المنية، والصحيح أن الجماعة فيها أفضل، إلا أن سنيتها ليست كسنية جماعة التراويح. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٠٠-٥٠٢، كراچي ٢/٤٨-٤٩، حلبي كبيري، كتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٤٢٠-٤٢١)

(١) وصلاته أي الوتر مع الجماعة في رمضان أفضل من أدائه منفردًا آخر الليل في اختيار قاضي خان، قال قاضيخان: هو الصحيح لأنه لما جازت الجماعة كانت أفضل ←

سوال (۳۸۱): قدیم ۱/۴۵۴ - ایک شخص تہجد کے وقت وتر کو ادا کرتا ہے اور رمضان شریف میں وتر کی جماعت ہوتی ہے سو وہ جماعت کو ترک کر کے پچھلے وقت اس کیلئے وتر کا ادا کرنا افضل ہے یا اس کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے اور جماعت کا ثواب ترک نہ کرنا چاہئے۔

← **ولأن عمرؓ كان يؤمهم في الوتر وصح غيره أي غير قاضيخان خلافه ...... وفي الفتح والبرهان مايفيد أن قول قاضيخان أرجح لأنه صلى الله عليه وسلم أوتر بهم فيه، ثم بين عذر الترك وهو خشية أن يكتب علينا قيام رمضان، وكذا الخلفاء الراشدون صلوه بالجماعة، ومن تأخر عن الجماعة فيه أحب صلاته آخر الليل، والجماعة إذ ذاك متعذرة فلا يدل على أن الأفضل فيه ترك الجماعة أول الليل.** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، قبيل فصل في بيان النوافل، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ٣٨٦)

اختلفوا أن أداء الوتر في رمضان بالجماعة أفضل أم الأداء في منزله وحده؟ الصحيح أن الجماعة أفضل لأن عمر بن الخطابؓ كان يؤمهم في الوتر ولأنه لما جاز الأداء بالجماعة كانت الجماعة أفضل اعتبارًا بالمكتوبة. (خانية على الهندية، كتاب الصوم، فصل في الوتر قديم زكريا ١/٢٤٤، جديد زكريا ١/١٥١)

ويؤتر أي يصلي الوتر بجماعة في رمضان فقط لانعقاد الإجماع عليه كما في الهداية ...... واختلفوا في الأفضل في وتر رمضان، فقال بعضهم: الجماعة كما في الخانية: وقال بعضهم: الانفراد في المنزل كما في النهاية، وذكر صاحب الفتح مايرجح الأول فينبغي اتباعه لأنه أدق. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في التواريح، دار الكتب العلمية بيروت ١/٢٠٤)

ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ...... وفيه أي رمضان يصلي الوتر وقيامه بها، وهل الأفضل في الوتر الجماعة أو المنزل؟ تصحيحان (در مختار) وفي الشامية: قوله تصحيحان: رجح الكمال الجماعة بأنه صلى الله عليه وسلم كان أوتر بهم، ثم بين العذر في تأخره مثل ما صنع في التراويح فالوتر كالتراويح، فكما أن الجماعة فيها سنة فكذلك الوتر، بحر. وفي شرح المنية، والصحيح أن الجماعة فيها أفضل إلا أن سنيتها ليست كسنية جماعة التراويح.

(شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٠٠ - ٥٠٢، كراچي ٢/٤٨ - ٤٩)

حلبي كبيري، كتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٤٢٠ - ٤٢١ ـ

حلبی کبیر، کتاب الصلاة، صلوة الوتر، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٤٢٠-٤٢١ ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: ہاں ایسا ہی چاہئے یعنی جماعت ترک نہ کرے اگرچہ تنہا بھی جائز ہے۔

فی الدر المختار وفیہ أي فی رمضان یصلی الوتر وقیامه بها وهل الأفضل فی الوتر الجماعة أوالمنزل وفی ردالمحتار رحج الکمال الجماعة إلیٰ قوله وفی شرح المنیة والصحیح أن الجماعة فیها أفضل إلا أن سنیتها لیست کسنیة جماعة التراویح.

(ج ا ص ۶۴۲)(۱)

۶/شوال ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۹۵)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٠١-٥٠٢، كراچي ٢/٤٨-٤٩ـ

وصلاته أي الوتر مع الجماعة في رمضان أفضل من أدائه منفردًا آخر الليل في اختيار قاضي خان، قال قاضيخانؒ: هو الصحيح لأنه لما جازت الجماعة كانت أفضل ولأن عمرؓ كان يؤمهم في الوتر وصح غيره أي غير قاضيخان خلافه ...... وفي الفتح والبرهان مايفيد أن قول قاضيخان أرجح لأنه صلى الله عليه وسلم أوتر بهم فيه، ثم بين عذر الترك وهو خشية أن يكتب علينا قيام رمضان، وكذا الخلفاء الراشدون صلّوه بالجماعة، ومن تأخر عن الجماعة فيه أحب صلاته آخر الليل، والجماعة إذ ذاك متعذرة، فلا يدل على أن الأفضل فيه ترك الجماعة أول الليل. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، قبيل فصل في بيان النوافل، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ٣٨٦)

اختلفوا أن أداء الوتر في رمضان بالجماعة أفضل أم الأداء في منزله وحده؟ الصحيح أن الجماعة أفضل لأنه عمر بن الخطابؓ كان يؤمهم في الوتر ولأنه لما جاز الأداء بالجماعة كانت الجماعة أفضل اعتبارًا بالمكتوبة. (خانية على الهندية، كتاب الصوم، فصل في الوتر قديم زكريا ١/٢٤٤، جديد زكريا ١/١٥١)

ويؤتر أي يصلي الوتر بجماعة في رمضان فقط لانعقاد الإجماع عليه كما في الهداية ...... واختلفوا في الأفضل في وتر رمضان، فقال بعضهم: الجماعة كما في الخانية: وقال بعضهم الانفراد في المنزل كما في النهاية، وذكر صاحب الفتح مايرجح الأول فينبغي اتباعه لأنه أدق. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، دار الكتب العلمية بيروت ١/٢٠٤)

حلبي كبير، كتاب الصلوة، صلوة الوتر، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٤٢٠-٤٢١ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رمضان میں نماز وتر کو جہر وعدم جہر دونوں طرح پڑھنے کا جواز

سوال (۳۸۲): قدیم ۱/۴۵۴- وتر جب اکیلا رمضان شریف میں پڑھتا ہو قراءت جہر سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دونوں جائز ہیں یعنی جہر بھی اور اخفا بھی۔ کیونکہ وتر رمضان میں جہریات میں سے ہے اور جہریات میں منفرد جہر وعدم جہر میں مخیّر ہوتا ہے۔

دليل المقدمة الأولىٰ مافى ردالمحتار أن الجهر يجب على الإمام فيما يجهر فيه وهو صلوٰة الصبح و الأوليان من المغرب والعشاء وصلوٰة العيدين والجمعة والتراويح و الوتر فى رمضان الخ. (ج ۱ ص ۴۸۸) (۱)

ودليل المقدمة الثانية ما فى العالمگيرية وإن كان منفردا إن كانت صلوٰة يخافت فيها يخافت حتما هو الصحيح وإن كانت صلوة يجهر فيها فهو بالخيار والجهر أفضل (ج ۱ ص ۴۴۰) (۲)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۶۳/۲، كراچي ۴۶۹/۱۔

ويجهر أيضًا بقراءة الجمعة، والعيدين، والتراويح، والوتر في رمضان للتوارث. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲۲۸/۱)

ويجب جهر الإمام بقراءة ركعتي الفجر وقراءة أولي العشاءين المغرب، والعشاء ولو قضاءً لفعله صلى الله عليه وسلم ويجب الجهر بالقراءة في صلاة الجمعة، والعيدين، والتراويح، والوتر في رمضان على الإمام للمواظبة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ۲۵۲-۲۵۳)

وجهر بقراءة الفجر وأولي العشاءين ولو قضاءً والجمعة والعيدين (كنز) وفي البحر: وألحق بالجمعة، والعيدين التراويح، والوتر في رمضان للتوارث المنقول. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۵۸۶/۱، كوئٹه ۳۳۵/۱)

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة قديم زكريا ۷۲/۱، جديد زكريا ۱۲۹/۱) ←

قلت: هذا هو المشهور وإن اختلف بعضهم في التقييد بقوله في رمضان كما فى ردالمحتار لكن يرد عليه أنه يقتضى أنه لو صلى الوتر جماعة فى غير رمضان لايجهر به وإن لم يكن على سبيل التداعى ويحتاج إلى نقل صريح وإطلاق الزيلعى يخالفه وكذا ما ياتى من أن المتنفل بالليل لو أم جهر فتأمل. (ج ا ص ۵۵۶) (۱)

لكنه لا يضر الحكم بجهر المنفرد فى رمضان وإنما يفيد عدم تخصيص هذا الحكم برمضان. واللہ اعلم،

۶/ رمضان ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ ص ۹۴)

وتر کی نماز تہجد کے بعد پڑھنا افضل ہے یا تراویح کے بعد

سوال (۳۸۳): قدیم ۱/ ۴۵۵ - اگر تہجد پڑھا جاوے گا تو وتروں کا بعد تراویح پڑھنا اچھا ہے یا بعد تہجد؟

← وأما إذا كان منفردًا إن كانت صلاة يخافت فيها يخافت، وإن جهر يكون مسيئًا، وإن كانت صلاة يُجهر فيها فهو بالخيار، إن شاء جهر وأسمع نفسه، وإن شاء أسر وقرأ في نفسه هكذا ذكر في عامة الروايات وذكر في رواية أبي حفص: أن الجهر أفضل. وفي السغناقي: هو الصحيح. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في القراءة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۶۰، رقم: ۱۷٤۱)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات والسنن، المجلس العلمي ۲/ ٤۱ - ٤۲، رقم: ۱۱۸۲ ـ

وخير المنفرد فيما يجهر كمتنفل بالليل أي إن شاء جهر وهو أفضل ليكون الأداء علىٰ هيئة الجماعة...... لكن لا يبالغ الجهر مثل الإمام؛ لأنه لا يسمع غيره وإن شاء خافت لأنه ليس خلفه من يسمعه، وقوله فيما يجهر إشارة إلى أنه لا يخير فيما لا يجهر فيه؛ بل يخافت فيه حتمًا وهو الصحيح لأن الإمام يتحتم عليه المخافتة فالمنفرد أولىٰ. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۲۷، امدادية ملتان ۱/ ۱۲۷)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۲۸ ـ ←

الجواب: بعد تراویح کیونکہ جماعت کی افضلیت زیادہ مہتم بالشان ہے وقت کی فضیلت سے۔(۱)

← حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص:٢٥٤۔

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٥٠، كراچي ١/ ٥٣٣)

(١) وصلاته أي الوتر مع الجماعة في رمضان أفضل من أدائه منفردًا آخر الليل في اختيار قاضي خان، قال قاضيخانؒ: هو الصحيح لأنه لما جازت الجماعة كانت أفضل ولأن عمرؓ كان يؤمهم في الوتر وصحَّحَ غيره أي غير قاضيخان خلافهٗ ...... وفي الفتح والبرهان مايفيد أن قول قاضيخان أرجح لأنه صلى الله عليه وسلم أوتر بهم فيه، ثم بين عذر الترك وهو خشية أن يكتب علينا قيام رمضان، وكذا الخلفاء الراشدون صلّوه بالجماعة، ومن تأخر عن الجماعة فيه أحب صلاته آخر الليل، والجماعة إذ ذاك متعذرة، فلا يدل على أن الأفضل فيه ترك الجماعة أول الليل. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، قبيل فصل في بيان النوافل، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ٣٨٦)

اختلفوا أن أداء الوتر في رمضان بالجماعة أفضل أم الأداء في منزله وحده؟ الصحيح أن الجماعة أفضل لأن عمر بن الخطابؓ كان يؤمهم في الوتر ولأنه لما جاز الأداء بالجماعة كانت الجماعة أفضل اعتبارًا بالمكتوبة. (خانية على الهندية، كتاب الصوم، فصل في بيان النوافل قديم زكريا ١/ ٢٤٤، جديد زكريا ١/ ١٥١)

ويؤتر أي يصلي الوتر بجماعة في رمضان فقط لانعقاد الإجماع عليه كما في الهداية ...... واختلفوا في الأفضل في وتر رمضان، فقال بعضهم: الجماعة كما في الخانية: وقال بعضهم الانفراد في المنزل كما في النهاية، وذكر صاحب الفتح مايرجح الأول فينبغي اتباعه لأنه أدق. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٢٠٤)

ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان وفيه أي رمضان يصلي الوتر وقيامه بها، وهل الأفضل في الوتر الجماعة أو المنزل تصحيحان (در مختار) وفي الشامية قوله تصحيحان: رجح الكمال الجماعة بأنه صلى الله عليه وسلم كان أوتربهم، ثم بين العذر ←

غیر رمضان میں وتر کی جماعت کیسی اور رمضان کی خصوصیت

سوال (۳۸۴): قدیم ۱/۴۵۵- نماز وتر بجماعت و جہر در ہر رکعت مخصوص در رمضان است یا نہ؟(*)

الجواب: (**) جماعت وتر بتداعی مخصوص بر مضان است وخارج آں مکروہ اگر تداعی نباشد احیاناً خارج رمضان ہم مکروہ نیست وزیادہ از سہ مقتدی داخل تداعی است (۱)

اگر جماعت کند جہر برامام واجب است ومنفرد مخیّر است خواہ رمضان باشد یا غیر رمضان۔

۱۶/ رمضان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۷۰)

(*) سوال: وتر با جماعت جہری قراءت سے رمضان کے ساتھ خاص ہے یا نہیں؟

(**) جواب: تداعی کے ساتھ وتر کی جماعت رمضان کے ساتھ مخصوص ہے، رمضان کے علاوہ دنوں میں مکروہ ہے؛ البتہ رمضان کے علاوہ دنوں میں بلا تداعی کبھی کبھار با جماعت پڑھ لی جاوے تو یہ بھی مکروہ نہیں ہے اور تین سے زیادہ متقدی تداعی کی حد میں داخل ہیں، اگر جماعت کریں- خواہ رمضان میں یا غیر رمضان میں، تو امام پر جہرا قراءت کرنا واجب ہے اور منفرد کو اختیار ہے (کہ چاہے جہرا قراءۃ کرے یا سرا کرے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **في تأخره مثل ما صنع في التراويح، فالوتر كالتراويح، فكما أن الجماعة فيها سنة فكذلك الوتر، بحر. وفي شرح المنية، والصحيح أن الجماعة فيها أفضل إلا أن سنيتها ليست كسنية جماعة التراويح**. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۰۰- ۵۰۲، كراچي ۲/ ۴۸- ۴۹)

حلبي كبيري، كتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۴۲۰- ۴۲۱۔

فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل في قيام شهر رمضان، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۸۷، كوئٹه ۱/ ۴۰۹- ۴۱۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) ويؤتر بجماعة استحبابًا في رمضان فقط عليه إجماع المسلمين لأنه نفل من وجه والجماعة في النفل في غير التراويح مكروه فالاحتياط تركها في الوتر خارج رمضان، وعن شمس الأئمة أن هذا فيما كان على سبيل التداعي أما لو اقتدىٰ واحد بواحد أو إثنان بواحد لا يكره وإذا اقتدىٰ ثلاثة بواحد اختلف فيه، وإن اقتدىٰ أربعة ←

تراویح کی جماعت ترک کرنے والوں کا وتر کی نماز بغیر جماعت کے پڑھنا

سوال (۳۸۵): قدیم ۱/ ۴۵۶- رمضان شریف میں اگر عشاء کی نماز جماعت کیساتھ پڑھی اورتراویح کو بالکل تمام آدمیوں نے ترک کردیا تو اس صورت میں وتر باجماعت جائز ہیں یا نہ؟

الجواب: **في الدرالمختار بقی لوترکها (أي جماعة التراويح) الکل هل يصلون الوتربجماعة فليراجع وفی ردالمحتار تحت قوله بقی الذی يظهر أن جماعة الوتر تبع لجماعة التراويح وإن کان الوترنفسه أصلا في ذاته لأن سنة الجماعة فی الوتر إنما عرفت بالأثر تابعة للتراويح علی أنهم اختلفوا فی أفضلية صلوٰتها بالجماعة بعد التراويح کما ياتی اھ(ج ا ص ۱ ۴۷) (۱)**

اس سے معلوم ہوا کہ قواعد سے اسی کو ترجیح ہے کہ اس صورت میں یہ جماعت وتر بھی فرادیٰ فرادیٰ پڑھیں۔

یکم محرم ۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۶)

← **بواحد کره اتفاقاً.** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، قبيل فصل في بيان النوافل، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۳۸۶)

ولو صلوا الوتر بجماعة في غير رمضان فهو صحيح مكروه كالتطوع في غير رمضان بجماعة، وقيده في الكافي بأن يكون على سبيل التداعي، أما لو اقتدیٰ واحد بواحد أو اثنان بواحد لا يكره، وإذا اقتدیٰ ثلاثة بواحد اختلفوا فيه، وإن اقتدیٰ أربعة بواحدٍ كره.
(البحر الرائق، کتاب الصلاة، قبيل باب إدراك الفريضة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۲۳، كوئٹه ۲/ ۷۰)

ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أي يكره ذلك لو على سبيل التداعي بأن يقتدی أربعة بواحد كما في الدرر (در مختار) وفي الشامية: أما اقتداء واحد بواحد أو اثنين بواحد فلا يكره وثلاثة بواحد فيه خلاف، بحر عن الكافي.
(الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، قبيل باب إدراك الفريضة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۰۰، كراچي ۲/۴۸)

(۱) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۰۰، كراچي ۲/۴۸۔

نماز وتر کی نیت میں لفظ واجب کہنے کا حکم

سوال (۳۸۶): قدیم ۱/ ۴۵۶ -عالمگیری میں لکھا ہے۔

وفی الوتر ینوی صلوٰة الوتر کذا فی الزاهدی وفی الغایة أنه لا ینوی فیه واجبا للاختلاف فیه کذا فی التبیین. (۱)

مولوی کرامت علی جونپوری ومولوی امانت اللہ غازیپوری نے اپنے رسالہ میں عربی نیت کے بیچ واجب اللہ تعالیٰ لکھا اب میں کیا کروں بندہ کے پاس کتابیں بھی زیادہ نہیں ہیں۔اور بنگالہ میں مولوی کرامت علی کا غلبہ زور وشور سے ہے۔سب واجب اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔فی الحال عرض فدوی کی یہ ہے کہ واجب کہنے سے نماز ہوگی یا نہ اور واجب کہنا افضل ہے یا نہ۔اور واجب کہنے سے نماز میں خلل ہوگا یا نہ حضور از روئے مہربانی تحریر فرماویں؟

الجواب: فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ایک مذہب کے مقلد کو دوسرے مذہب کی رعایت خلافیات میں اولیٰ ہے واجب نہیں پس غایۃ میں جو علت لکھی ہے اس کا حاصل یہی (*) رعایت مذہب نفاۃ وجوب ہے پس اس کی رعایت واجب نہیں؛ اس لئے واجب کہنے سے بھی نماز ہوجاوے گی اور نماز میں کچھ خلل نہ ہوگا۔

۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۱ ج ۱)

سوال (۳۸۷): قدیم ۱/ ۴۵۷ -نماز وتر کی نیت میں لفظ واجب کہا جاوے یا نہیں؟

الجواب: فی الدر المختار بحث النیة ولا بد من التعیین عند النیة لفرض وواجب أنه وتر الخ وفی ردالمحتار أي لا یلزم تعیین الوجوب ثم اعلم أن ما فی شرح العینی من قوله وأما الوتر فالأصح أنه یکفیه مطلق النیة مشکل لأن ظاهره أنه یکفیه نیة مطلق الصلوٰة کالنفل

(*) غایۃ البیان شرح ہدایہ (لقوام الدین امیر کاتب اتقانی متوفی ۷۵۸ھ) کی عبارت مذکورہ فی السوال کا حاصل یہ ہے کہ وتر کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، صاحبین سنت کہتے ہیں اور امام صاحب واجب؛ لہٰذا صاحبین کے مذہب کی رعایت کرتے ہوئے نیت میں لفظ ''واجب'' نہ کہا جائے۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الرابع في النیة

قدیم زکریا ۱/۶۶، جدید ۱/۱۲۳۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

إلا أن يحمل على ما ذكرناه عن الزيلعي من إطلاق نية الوتر الخ. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ نیت وتر میں اگر تعیین بعنوان واجب نہ ہو (*) تاہم یہ تعیین ضرور ہے کہ یہ وتر ہے اور مطلق صلوٰۃ کی نیت کافی نہیں۔ فقط

۲۰/صفر ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۶)

(*) یعنی حنفی کے لئے وتر کی نیت میں لفظ ''واجب'' کہنا مناسب ہے، **ليطابق اعتقاده (شامی عن البحر)** لیکن ضروری نہیں ہے؛ البتہ یہ تعین ضروری ہے کہ یہ وتر ہے الخ۔ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في حضور القلب والخشوع، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۹۵-۹۷، كراچي ۱/۴۱۸.

والذي ينبغي أن يفهم من قولهم إنه لا ينوي أنه واجب أنه لا يلزمه تعيين الوجوب لأن المراد منعه من أن ينوي وجوبه لأنه لا يخلوا إما أن يكون حنفيًا أوغيره، فإن كان حنفيًا فينبغي أن ينويه ليطابق اعتقاده، وإن كان غيره فلا تضره تلك النية، فإن من المعلوم أن انتفاء الوصف لايوجب انتفاء الأصل، فيبقىٰ الأصل وهو صلاة الوتر هنا، وقدكان يخرج به عن العهدة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۷۰، كوئٹه ۲/۴۰)

وينوي الوتر لا الوتر الواجب للاختلاف فيه. (الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية قديم ۱/۶۲)

وتعيين النذر والوتر وصلاة العيدين. وفي الغاية: أنه لا ينوي فيه أنه واجب للاختلاف فيه. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۶۳، امدادية ملتان ۱/۱۰۰)

وفي الوتر ينوي صلاة الوتر كذا في الزاهدي وفي الغاية: أنه لا ينوي فيه أنه واجب للاختلاف فيه كذ في التبيين. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الرابع في النية قديم زكريا ۱/۶۶، جديد زكريا ۱/۱۲۳) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

قنوت میں ونخلع ونترک من یفجرک پڑھنے کی تحقیق

سوال (۳۸۸): قدیم ۱/ ۴۵۷- ہم لوگ ہر روز قنوت میں پڑھتے ہیں ونخلع ونترک من یفجرک، اب فرمایئے اگر بیٹا فاجر ہے تو باپ کیا کرے اور اگر باپ فاجر ہے تو بیٹا کیا کرے؟ (*)

الجواب: یہ جملہ خبریہ نہیں بلکہ انشائیہ ہے پس اس میں کذب نہیں دوسرے فجور سے مراد کفر ہے اور ترک سے مراد مخالفت اعتقادی، وہو حاصل۔(۱)

۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۹)

قنوت نازلہ میں رفع یدین وغیرہ کا حکم

سوال (۳۸۹): قدیم ۱/ ۴۵۸- یہاں سے کانپور ایک سوال کے جواب میں قنوت نازلہ میں ارسال یدین پر عمل کرنے کو لکھا گیا تھا۔ وہاں سے ایک عالم کا ایک طویل خط وضع یدین کی ترجیح کے اثبات میں آیا جس کا خلاصہ خود جواب سے معلوم ہوسکتا ہے جو یہاں سے لکھا گیا۔ اور جو درج ذیل ہے؟

(*) قنوت کے اس جملہ کا مطلب یہ ہیکہ ’’ہم علیحدہ کرتے ہیں اور چھوڑ دیتے ہیں، اس شخص کو جو تیری نافرمانی کرے؛ حالانکہ باپ کا فاجر بیٹے سے کچھ نہ کچھ تعلق ہوتا ہی ہے، اسی طرح بیٹے کا بھی فاجر باپ سے تعلق ہوتا ہے؛ لہٰذا نخلع ونترک من یفجرک غلط دعوی ہوا؛ بلکہ جھوٹ بولنا لازم آیا، پس کیا کیا جائے؟ قنوت میں یہ جملہ پڑھا جائے یا نہ؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) ونخلع بثبوت حرف العطف أي نلقي ونطرح ونزيل ربقة الكفر من أعناقنا وربقة كل مالا يرضيک يقال خلع الفرس رسنه ألقاه: ونترک أي نفارق من يفجرک بجحده نعمتک وعبادته غيرک نتحاشي عنه وعن صفته بأن نفرضه عدمًا تنزيهًا لجنابک إذ كل ذرة في الوجود شاهدة بأنک المنعم المتفضل الموجود المستحق لجميع المحامد الفرد المعبود والمخالف؛ لهٰذا هو الشقي المطرود. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۳۷۹) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: مولانا! السلام علیکم، مسئلہ مجتہد فیہ ہے (۱)۔ دلائل سے دونوں طرف گنجائش ہے۔ اور ممکن ہے کہ ترجیح قواعد سے وضع کو ہو۔

كما هو مقتضىٰ مذهب الشيخينؒ.

لیکن عارض التباس وتشویش عوام کی وجہ سے ارسال کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔

كما هو مقتضى مذهب محمدؒ.

اور ثناء وصلوۃ جنازہ وقنوت وتر میں یہ عارض نہیں ہے اس لئے وہاں راجح پر عمل کیا گیا اور اس عارض کی قوت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مجمع عظیم میں سجود سہو کو باوجود اس کے وجوب کے ترک کردیا جاتا ہے۔ اور وضع تو درجہ میں سجود سہو سے بہت ادنیٰ ہے فھو احق بالترک اور التباس کا ارتفاع اخفاء قنوت سے اس لئے نہیں ہوسکتا کہ سہو پر محمول کیا جاسکتا ہے کہ جہر قراءت میں امام کو سہو ہوگیا۔ اور اسی طرح اس کے بعد سجدہ میں چلے جانے سے بھی اس کا ارتفاع نہیں ہوسکتا کہ اس سے پہلے التباس ہو چکے گا پھر سجدہ میں جانے سے تشویش بڑھے گی کہ رکوع کیوں نہیں کیا ورنہ ایسا ارتفاع تو سجدۂ سہو کے بعد تشہد میں بیٹھنے سے پھر بعد میں مکرر سلام پھیرنے سے بھی مرتفع ہوسکتا تھا مگر فقہاء نے اس کا اعتبار نہیں کیا اس لئے کہ عوام غلبۂ جہل سے ان قرائن سے کیا استدلال کرسکتے ہیں۔ اور اپنی نماز کو تباہ کرتے ہیں۔ واللہ اعلم، باقی دوسری جانب میں بھی مجھ کو تنگی نہیں۔

۲۴/ رمضان ۵۶ھ (النورص ۷ شعبان ۵۷ھ)

---

(۱) **والحاصل أنه يضع عند الشيخين في القنوت سواء كان قبل الركوع أو بعده وعند محمدؒ يرسل ...... بقي أنه لا دليل فيه و لا في أثر غيره على أنه صلى الله عليه وسلم كان يضع يديه بعد رفعهما حيال منكبيه أو يرسلهما، فمن أين قال أبوحنيفةؒ، وأبو يوسفؒ بالوضع في القنوت بعده؟ والجواب: أن الوضع والإرسال بعد الرفع مسكوت عنهما في الآحاديث فجرى محمدؒ في الأصل وهو الإرسال؛ لأن الوضع عمل حادث يحتاج إلى الدليل، وأخذ الشيخان بالقياس وقالا: إن إرسال اليدين زمانا طويلاً ينا في الخشوع الخ.** (اعلاء السنن، أبواب الوتر، باب إخفاء القنوت في الوتر وذكر ألفاظه الخ تتمة في بقية أحكام قنوت النازلة، دارالكتب العلمية بيروت ۶/۱۲۳-۱۲۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸/ باب النوافل

ظہر، مغرب، عشاء کے بعد کے نوافل کھڑے ہوکر پڑھنے کی فضیلت

سوال (۳۹۰): قدیم ۱/۴۵۹- عوام الناس بعد نماز ظہر اور بعد نماز مغرب اور بعد نماز عشاء دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور بیٹھ کر ادا کرنے کو بہ نسبت کھڑے ہوکر ادا کرنے کے افضل اور بہتر سمجھتے ہیں یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب: في الدر المختار عن البحر: أجر غير النبی ﷺ على النصف إلا بعذر .اھ (ص: ۶۵۳ ج ۱ أحكام النوافل). (۱)

اس روایت کے اطلاق سے سب نوافل کا کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ثابت ہوتا ہے اس لئے عوام الناس کا سمجھنا غلط ہے۔

۴/ جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۲ ج ۱)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۲/٤٨٤، كراچي ۲/۳۷۔

عن عمران بن حصينؓ، أنه سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الرجل يصلي قاعدًا؟ قال: من صلى قائمًا فهو أفضل، ومن صلىّ قاعدًا فله نصف أجر القائم، ومن صلىّ نائمًا فله نصف أجر القاعد. (ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم، النسخة الهندية ص: ۸٦، دار السلام رقم: ۱۲۳۱)

عن عمران بن حصينؓ قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلاة الرجل وهو قاعد؟ فقال: من صلىّ قائمًا فهو أفضل، ومن صلاها قاعدًا فله نصف أجر القائم ومن صلاها نائمًا فله نصف أجر القاعد. (ترمذي شريف، أبواب الصلاة، باب ما جاء أن صلاة القاعد النصف من صلاة القائم، النسخة الهندية، ۱/۸۵، دار السلام رقم: ۳۷۱)

يجوز النفل قاعدًا مع القدرة على القيام؛ ولكن له أي للمتنفل جالسًا نصف أجر القائم ←

وتر کے بعد کی دو رکعتیں کھڑے ہو کر پڑھنے کی فضیلت

سوال (*)(۳۹۱): قدیم ۱/ ۴۵۹- امدادالفتاویٰ دیکھتے ہوئے آجکل وتر کے بعد دو رکعتیں جالساً پڑھنے کو خطا قرار دیا ہے، اور حدیث ابن ماجہ کی جو سنن ابی داؤد میں بھی نقل کی ہے کہ آپ نفس قراءۃ جالساً کر کے پھر کھڑے ہو جاتے تھے (۱) حالانکہ سنن ابی داؤد میں دوسری روایت (اگر اس کی ضرورت ہوئی تو نقل کر کے بھیجدوں گا) حضرت عائشہؓ سے ہی یہ ہے کہ قراءت اور رکوع وغیرہ سب جالساً کرتے تھے یہاں تک کہ اس پر آپ کی وفات ہوگئی (۲)

(*) حضرت مجیب قدس سرہ کا سب سے پہلا جواب سوال ۳۹۲/ پر ہے، اس پر نقد اور اس کا جواب اس سوال ۳۹۱/ میں ہے، اور حضرتؒ کا سب سے آخری جواب سوال ۳۹۳/ پر ہے۔ سعید احمد پالن پوری

← **لقوله عليه السلام: من صلى قائمًا فهو أفضل الخ.** (طحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صلاة النفل جالسًا، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص:٤٠٢-٤٠٣)

ويتنفل قاعدًا مع القدرة على القيام ابتداءً وبناءً أما الابتداء فلقوله عليه السلام: من صلى قائمًا فهو أفضل، ومن صلى قاعدًا فله نصف أجر القائم، والمراد به النفل في غير حالة العذر. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ١/٤٣٧، امدادية ملتان ١/١٧٥)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٢١٠، كوئٹه ٢/٦٢-

(١) **عن أبي سلمةؓ قال: حدثتني عائشةؓ قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بواحدة، ثم يركع ركعتين يقرأ فيهما وهو جالس، فإذا أراد أن يركع قام فركع.** (ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الركعتين بعد الوتر جالسًا، النسخة الهندية ص:٨٣، دار السلام رقم:١١٩٦)

عن عائشةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوتر بتسع ركعات، ثم أوتر بسبع ركعات، وركع ركعتين وهو جالس بعد الوتر يقرأ فيها فإذا أراد أن يركع قام فركع، ثم سجد. (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، أبواب قيام الليل، باب في صلاة الليل، النسخة الهندية ١/١٩١، دار السلام رقم:١٣٥١)

(٢) **عن عائشةؓ في حديث طويل: ثم يقرأ وهو قاعد بأم الكتاب ويركع وهو قاعد،** ←

اس سے آخر تک کا عمل تصریحاً معلوم ہوتا ہے اور یہی اپنے اساتذہ سے اب تک سنا ہے، اور گو قاعدہ کے اعتبار سے اجر اس میں غیر نبی کریم ﷺ کے واسطے نصف ہونا چاہیے لیکن حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہ سے منقول ہے کہ اگر اس نیت سے بیٹھ کر پڑھے گا کہ آپ سے یونہی منقول ہے تو اس نیت سے انشاء اللہ تعالیٰ عجب نہیں کہ ثواب میں بھی کمی نہ رہے۔ واللہ اعلم۔

بہر حال مسئلہ کچھ ہو مگر معمول نبوی تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ قراءۃ اور رکوع کی تفریق میں فقط یہی ایک روایت ہے جس کے معارض دوسری روایت موجود ہے اور سنن کی ان روایات متعارضہ سے علیحدہ ہو کر دیکھا جائے تو صحیحین کی روایات میں مطلق **صلی جالساً** (۱) کا لفظ موجود ہے جس سے باطلاقہ متبادر یہ ہے کہ رکوع وغیرہ اور قراءۃ میں کوئی فرق نہ تھا شاید رواۃ سے اس ابن ماجہ کی روایت میں کچھ اختلاط وغیرہ ہوا ہو اور انہوں نے بعض رکعات تہجد کو جو آپ اس طرح پڑھتے تھے کہ قراءۃ تو بیٹھ کر اور رکوع کھڑے ہو کر ان دو رکعتوں کے ساتھ لگا دیا ہو بہر کیف معمول نبوی ﷺ کے متعلق بظاہر وہی راجح معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب؟

الجواب: مجھ کو تو تعارض نہیں معلوم ہوتا کہ ترجیح یا احتمال اختلاط کا قائل ہونا پڑے روایت ابن ماجہ کو مطلق **صلی جالساً** کی تفسیر کیوں نہ کہی جاوے اور جس روایت میں رکوع **جالساً** کی تصریح ہو اس کو محمول اختلاف اوقات پر کیا جاوے پھر قول مطلق ہے فعل کو اس پر منطبق کرنا اچھا ہے تخصیص کے قائل ہونے سے اور مسئلہ ظنیہ ہے جانبین میں گنجائش ہے۔

۲۳ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۱)

← **ثم يقرأ الثانية، فيركع ويسجد وهو قاعد، ثم يدعو ماشاء الله أن يدعو، ثم يسلم وينصرف فلم تزل تلك صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى بدّن فنقص من التسع ثنتين فجعلها إلى الست والسبع وركعتيه وهو قاعد حتى قبض على ذلك.** (أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، أبواب قيام الليل، باب في صلاة الليل، النسخة الهندية ۱/ ۱۹۰، دار السلام رقم:۱۳۴۶)

(۱) **عن أبي سلمةؓ، سئلت عائشةؓ عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: كان يصلى ثلاث عشرة ركعةً يصلي ثمان ركعات، ثم يوتر، ثم يصلي ركعتين وهو جالس الحديث.** (مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي صلى الله عليه وسلم في الليل، وأن الوتر ركعة الخ: (النسخة الهندية، ۱/ ۲۵۴، بيت الأفكار رقم:۷۳۸)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وتر کے بعد دو نفل

سوال (۳۹۲): قدیم ۱/۶۰-۴۶۰- وتر کے بعد نفل دو رکعتیں بیٹھ کر ادا کرنا افضل اور بہتر ہے یا کھڑے ہوکر اور ان دونوں میں سنت کیا ہے؟

الجواب: **فی سنن ابن ماجة باب ماجاء فی الرکعتین بعد الوتر جالسا عن أبي سلمة قال حدثتني عائشة قالت کان رسول الله ﷺ یوتر بواحدة ثم یرکع رکعتین یقرء فیهما وهو جالس فإذا أراد أن یرکع قام فرکع.** (۱)

اس حدیث سے بالتخصیص ان نوافل بعد الوتر میں قیام رسول اللہ ﷺ کا ثابت ہوا رہا یہ کہ رکوع کے قبل جلوس فرماتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ قراءۃ طویل پڑھتے تھے اور آخر عمر میں ضعف بڑھ گیا تھا یہ جلوس اس عارض کی وجہ سے تھا اور جب قرب رکوع کا ہوتا تھا چونکہ وہ عارض مرتفع ہوجاتا تھا تو پھر کھڑے ہوجاتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ مقصود اصل میں قیام تھا ورنہ جو لوگ بیٹھ کر پڑھنے کو افضل کہتے ہیں وہ اس قیام کے بھی قائل نہیں اور روایت مذکورہ کا اطلاق بھی اس کا مؤید ہے۔ غرض عوام بلکہ خواص میں جو اس کے خلاف مشہور ہے اس کی کوئی دلیل نہیں اور بعض رسائل اردو فارسی میں جو لکھ دیا ہے وہ کسی معتبر جگہ سے نقل نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

۴؍ جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ

سوال (۳۹۳): قدیم ۱/۶۱-۴۶۱- بعد وتر نماز عشاء کے نفلوں کا حضور نے بہشتی زیور میں تحریر فرمایا ہے کہ کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے اور ایک وعظ میں ارشاد ہے (وعظ عوذ العبد ص ۱۴) میں کہ بعض اکابر کا قول ہے چونکہ بعد وتر کے دو رکعت حضور ﷺ سے بیٹھ کر ہی پڑھنا منقول ہے اور قواعد شرعیہ سے بیٹھ کر

---

(۱) سنن ابن ماجة، کتاب الصلاة، باب ما جاء في الرکعتین بعد الوتر جالسًا، النسخة الهندیة ص: ۸۳، دار السلام رقم: ۱۱۹۶)

عن عائشة رضـ أن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یوتر بتسع رکعات، ثم أوتر بسبع رکعات ورکع رکعتین وهو جالس بعد الوتر یقرأ فیهما، فإذا أراد أن یرکع قام فرکع، ثم سجد. (أبوداؤد شریف، کتاب الصلاة، أبواب قیام اللیل، باب في صلاة اللیل، النسخة الهندیة ۱/ ۱۹۱، دار السلام رقم: ۱۳۵۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

پڑھنے میں نصف ثواب کا استحقاق ہوتا ہے مگر چونکہ حضور ﷺ نے بیٹھ کر پڑھی ہیں اس لئے ہم کو بیٹھ کر پسند ہے۔ خادم کے واسطے جس طرح ارشاد ہو تعمیل کرے؟

الجواب: یہ قول چونکہ مشعر اتباع تھا اس لئے نقل کیا چنانچہ اوپر کے مضمون کے ملانے سے یہ امر واضح ہے لیکن یہ عمل موقوف اس پر ہے کہ یہ ثابت بھی ہو۔ حالانکہ حضور ﷺ سے کھڑے ہوکر پڑھنا بھی منقول ہے۔ (۱) اس لئے اب افضل یہی ہے آپ کھڑے ہوکر پڑھئے۔ یہاں تو صرف بعض اکابر کے اس قول کا مبنیٰ بیان کیا تھا۔

۱۵؍محرم ۱۳۴۳ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۱۷)

فرض کی جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد فجر کی سنت پڑھنے کا حکم

سوال (۳۹۴): قدیم ۱/۴۶۱ - ایک شخص وضو کرکے آیا تو دیکھا کہ جماعت صبح کی کھڑی ہوگئی ہے اور مسجد اتنی بڑی نہیں ہے کہ اگر ایک گوشہ میں سنتیں پڑھی جاویں تو قراءۃ امام کی آواز نہ سنائی دے تاکہ تعمیل آیت و إذا قرئ القرآن، الأية کی ہو۔ اب اس آدمی کو کیا کرنا چاہئے ایک شخص کہتا ہے کہ حضرت امام محمدؒ نے یہ طریقہ بیان فرمایا ہے کہ اگر فجر کی سنتوں سے کسی کو بوجہ فضائل کثیرہ کے شوق ہو تو اسے چاہئے کہ حالت مذکورہ میں سنت کی نیت کرکے توڑ دے بعدہ جماعت میں داخل ہوجاوے بعد ادائے فرض فی الفور وہ سنتیں بوجہ فرض ہوجانے کے پڑھ لیوے آیا یہ کہنا ان کا غلط ہے یا صحیح اور حالت مذکورہ میں شخص مذکور کو کیا کرنا چاہئے؟

---

(۱) **عن أبي سلمة قال: حدثتني عائشةؓ قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بواحدة، ثم يركع ركعتين يقرأ فيهما وهو جالس، فإذا أراد أن يركع قام فركع.** (ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الركعتين بعد الوتر جالسًا، النسخة الهندية ص:۸۳، دار السلام رقم:۱۱۹۶)

عن عائشةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوتر بتسع ركعات، ثم أوتر بسبع ركعات وركع ركعتين وهو جالس بعد الوتر يقرأ فيهما، فإذا أراد أن يركع قام فركع، ثم سجد. (أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، أبواب قيام الليل، باب في صلاة الليل، النسخة الهندية ۱/۱۹۱، دار السلام رقم:۱۳۵۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: ایسی حالت میں اگر مسجد کے دو درجے ہوں تو امام جس درجہ میں ہو تو یہ شخص دوسرے درجہ میں ادا کرے اور اگر ایسا موقع بھی نہ ہو تو کسی علیحدہ جگہ میں جس قدر دوری صف سے ممکن ہو وہاں پڑھ لے اور یہ طریقہ جو سوال میں مذکور ہے بالکل ناجائز ہے اور امام محمدؒ پر تہمت ہے۔

فی ردالمحتار باب إدراک الفریضة والحاصل أن السنة فی سنة الفجر أن یاتی بهافی بیته وإلا فإن کان عندباب المسجد مکان صلاها فیه وإلاصلاها فی الشتوی أوالصیفی إن کان للمسجد موضعان وإلا فخلف الصفوف عندساریة اه وفی الدرالمختار الباب المذکور ثم ماقیل یشرع فیها ثم یکبر للفریضة أوثم یقطعها ویقضیها مردود بأن درء المفسدة مقدم علی جلب المصلحة وفی ردالمحتارتحت هذا القول أن ماوجب بالشروع لیس باقویٰ مما وجب بالنذر ونص محمد أن المنذور لایؤدی بعد الفجر قبل الطلوع اه. (۱) ۱۱/رجب ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۳)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۱۱، كراچي ۲/۵۷)

عن أبي مجلز قال: دخلت المسجد في صلاة الغداة مع ابن عمرؓ وابن عباسؓ والإمام يصلي، فأما ابن عمرؓ فدخل في الصف، وأما ابن عباس فصلى الركعتين، ثم دخل مع الإمام فلما سلم الإمام قعد ابن عمرؓ مكانه حتى تطلع الشمس، فقام فركع ركعتين، فهذا ابن عباسؓ قد صلى الركعتين في المسجد، والإمام في صلاة الصبح.

(شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب الرجل يدخل المسجد، والإمام في صلاة الفجر، مكتبة أشرفيه ديوبند ۱/۲۵۵-۲۵۶)

ثم السنة في سنة الفجر هو أن لا يأتي بها مخالطًا للصف بعد شروع القوم في الفريضة ولا خلف الصف من غير حائل وأن يأتي بها، إما في بيته وهو الأفضل أو عند باب المسجد إن أمكنه ذلک بأن كان ثمه موضع يليق للصلاة، وإن لم يمكنه ذلک ففي الخارج إن كانوا يصلون في الداخل أو في الداخل إن كانوا في الخارج إن كان هناک مسجد ان صيفيٌّ وشتوي، وإن كان المسجد واحدًا فخلف أسطوانة ونحو ذلک كالعمود والشجرة وما أشبهها في كونها حائلاً والاتيان بها خلف الصف من غير حائل مكروه ومخالطًا للصف ←

فجر کی جماعت کے دوران سنت پڑھنا

سوال (۳۹۵): قدیم ۱/۴۶۲- خالد مسجد میں نماز صبح پڑھنے آیا ہے آگے مسجد میں جماعت ہو رہی ہے خالد سنت پڑھ کر جماعت میں شامل ہووے یا امام کو جس رکن میں پاوے شامل ہو جاوے مفتی بہ مسئلہ بحوالہ فقہ ثقہ ومزین بمہر خود ابلاغ فرماویں؟

الجواب : ہم حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ اگر فرض ملنے کی توقع ہو تو سنت نہ چھوڑے۔ **كذا في الكتب المذهبية ۔(۱)**

۲۶/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۰۵)

← **كما يفعله كثير من الجهال أشد كراهة لما فيه من مخالفة الجماعة الخ.** (حلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل في النوافل، فروع لو ترك، مكتبة أشرفية ديوبند ص:۳۹۶)

ثم السنة في السنن أن يأتي بها في بيته أو عند باب المسجد وإن لم يمكن ففي المسجد الخارج، وإن كان المسجد واحدًا فخلف الأسطوانة ونحو ذلك أو في آخر المسجد بعيدًا عن الصفوف في ناحية منه وتكره في موضعين الأول أن يصليها مخالطًا للصف مخالفًا للجماعة، والثاني: أن يكون خلف الصف من غير حائل بينه وبين الصف والأول أشد كراهة من الثاني. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۱۳۱، كوئٹه ۲/ ۷٤)

وكذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۱۰-۳۱۱، وكذا في الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل جديد زكريا ۱/ ۱۷۲، قديم زكريا ۱/ ۱۱۳)

(۱) رجل انتهىٰ إلى الإمام والناس في صلاة الفجر، إن خشي أن تفوته ركعة من الفجر بالجماعة ويدرك ركعة صلى سنة الفجر ركعتين عند باب المسجد ثم يدخل المسجد ويصلي مع القوم، وإن خاف أن تفوته الركعتان جميعًا دخل مع القوم في صلاتهم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر مسائل التطوع، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۸، رقم: ۲۵۱۱) ←

سوال (۳۹۶): قدیم ۱/ ۴۶۳- سوال اول عرض یہ ہے کہ مندرجہ ذیل کتابوں کی عبارت کی وجہ سے مجھے تردد ہے کہ حضرت کے بہشتی گوہر مطبوعہ بلالی واقع ساڈھورہ میں جو مسئلہ موجود ہے وہ صحیح ہے یا ان مندرجہ ذیل کتابوں سے ظاہراً جو مسئلہ سمجھ میں آتا ہے وہ صحیح ہے اور وہ مسئلہ آپ کی کتاب بہشتی گوہر مطبوعہ مذکور کے عنوان (جماعت میں شامل ہونے نہ ہونے کے مسائل صفحہ ۱۷) میں درج ہے۔

← المحيط الرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر، التطوع قبل الفرض وبعده، المجلس العلمي ۲/ ۲۳۸، رقم: ۱٦٥٦۔

وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل وإلا بأن رجىٰ إدراك ركعة لايتركها؛ بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكانًا. (شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ۲/ ۵۱۰، كراچي ۲/ ۵۷)

ومن انتهىٰ إلى الإمام في صلاة الفجر وهو لم يصل ركعتي الفجر، إن خشي أن تفوته ركعة ويدرك الأخرىٰ يصلي ركعتي الفجر عند باب المسجد، ثم يدخل لأنه أمكنه الجمع بين الفضيلتين وإن خشي فوتها دخل مع الإمام لأن ثواب الجماعة أعظم والوعيد بالترك ألزم. (هداية، كتاب الصلاة، باب إدراك الفضيلة، مكتبة أشرفية ديوبند ۱/ ۱۵۲)

ومن انتهىٰ إلى الإمام في صلاة الفجر وهو لم يصل ركعتي الفجر إن خشي أن يفوته ركعة ويدرك الأخرىٰ يصلي ركعتي الفجر عند باب المسجد، ثم يدخل وإن خشي فوتهما دخل مع الإمام كذا في الهداية: ولم يذكره في الكتاب: أنه إن كان يرجو إدراك القعدة كيف يفعل؟ فظاهر ما ذكر في الكتاب أنه إن خاف أن تفوته الركعتان يدل على أنه يدخل مع الإمام، وحكي عن الفقيه أبي جعفرؒ أنه قال: على قول أبي حنيفةؒ، وأبي يوسف يصلي ركعتي الفجر لأنه إدراك التشهد عندهما كإدراك الركعة كذا في الكفاية. (هندية، كتاب الصلاة، الباب العاشر إدراك الفريضة، قديم زكريا ۱/ ۱۲۰، جديد زكريا ۱/ ۱۷۹)

وكذا في العرف الشذي على هامش الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس، النسخة الهندية ۱/ ۹۷۔

وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۴۵۲) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

مسئلہ : فرض ہونے کی حالت میں جو سنتیں پڑھی جائیں خواہ فجر کی ہوں یا اور کسی وقت کی وہ ایسے مقام پر پڑھی جائیں جو مسجد کے علیحدہ ہو اس لئے کہ جہاں فرض نماز ہوتی ہو پھر کوئی دوسری نماز وہاں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر کوئی ایسی جگہ نہ ملے تو صف سے علیحدہ مسجد کے کسی گوشہ میں پڑھ لے (درمختار وغیرہ)

لفظ (خواہ فجر کی ہوں یا کسی اور وقت کی) اس سے تعمیم معلوم ہوتی ہے اور مندرجہ ذیل کتب کی عبارتوں سے تخصیص بالفجر معلوم ہوتی ہے اس لئے آپ سے نہایت مؤدبانہ طور سے التجا ہے کہ آپ مجھے کافی شافی جواب سے اس ظلمت سے نکالیں جس میں اس وقت میں ہوں اور وہ عبارت موعودہ یہ ہے۔

في مراقي الفلاح ص ۳۴ (۱) مطبوعة مصر فصل في الأوقات المكروهة ويكره(التنفل) عند الإقامة لكل فريضة إلاسنة الفجر إذا أمن فوت الجماعة وفى الكتاب المذكور فى ص ۸٦ (۲) فى باب إدراک الفريضة ومن حضروكان الإمام فى صلوٰة الفرض اقتدى به ولايشتغل عنه بالسنة فى المسجد ولو لم يفته شئ وإن كان خارج المسجد وخاف فوت ركعة اقتدى والإصلى السنة ثم اقتدى لإمكان جمعه بين الفضيلتين إلا في الفجر فإنه يصلى سنته ولو فى المسجد بعيداً عن الصف إن أمن فوته ولو بإدراكه فى التشهد وقوله ﷺ إذا أقيمت الصلوٰة فلاصلوٰة إلا المكتوبة محمول على غير صلوٰة الفجر لما قد مناه في سنة الفجر، وفي الهداية: ومن انتهىٰ إلى الإمام في صلاة الفجر وهو لم يصل ركعتى الفجر إن خشى أن يفوته ركعة ويدرک الأخرى يصلى عند باب المسجد، ثم يدخل لأنه أمكنه الجمع بين الفضيلتين وإن خشى فوتها دخل مع الإمام لأن ثواب الجماعة أعظم والوعيد بالترک ألزم بخلاف سنة الظهر حيث يتركها فى الحالين لأنه يمكنه أداؤها فى الوقت بعد الفرض هو الصحيح. (۳)

---

(۱) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في الأوقات المكروهة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۱۹۰۔

(۲) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ٤٥٢۔

(۳) هداية، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة أشرفية ديوبند ۱/۱٥۲۔ ←

اور اسی طرح درمختار میں بھی موجود ہے عبارت کی طوالت کی وجہ سے انہیں دو کتابوں کی عبارت کونقل کیا ورنہ اور بہت سی کتابوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے؟

الجواب: اور کتابوں سے جو مفہوم ہوتا ہے وہی صحیح ہے۔ معلوم نہیں علم الفقہ میں جو کہ بہشتی گوہر کی اصل ہے تعمیم کیسے لکھدی۔ بہشتی گوہر اس سے اس طرح منتخب کیا گیا ہے کہ سرسری نظر سے مضامین کے اول وآخر پرنشان بنادیا کاتب نے نقل کرلیا ایک ایک لفظ نہیں دیکھا گیا بوجہ اعتماد کے۔ (ترجیح خامس ص ۱۴۲)

سنت کے دوران تکبیر شروع ہو جائے تو کیا کریں؟

سوال (*)(۳۹۷): قدیم ۱/۴۶۴- مردے نیت چہار رکعت سنت خواہ نفل نمودہ یک رکعت

(*) سوال: ایک شخص نے چار رکعت سنت یا نفل کی نیت کر کے نماز شروع کی جب دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہوا تو فرض نماز کی اقامت کہی گئی، پس یہ شخص چار رکعتیں پوری کرے یا دو پر سلام پھیر کر نماز میں شامل ہو جائے؟ اور جو دو رکعتیں باقی رہ گئی ہیں، ان کی قضا کرے یا نہ؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل وإلا بأن رجىٰ إدراك ركعة في ظاهر المذهب: وقيل التشهد واعتمده المصنف والشرنبلالي تبعًا للبحر؛ ولكن ضعفه في النهر، لايتركها؛ بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكانًا، وإلا تركها. الخ** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ٢/ ٥١٠، كراجي ٢/ ٥٧)

رجل انتهىٰ إلى الإمام والناس في صلاة الفجر، إن خشي أن تفوته ركعة من الفجر بالجماعة ويدرك ركعة، صلى سنة الفجر ركعتين عند باب المسجد، ثم يدخل المسجد ويصلي مع القوم، وإن خاف أن تفوته الركعتان جميعًا دخل مع القوم في صلاتهم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر مسائل التطوع، مكتبة زكريا ديوبند ٢/ ٣٠٨، رقم: ٢٥١١)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر، التطوع قبل الفرض وبعده، المجلس العلمي ٢/ ٢٣٨، رقم: ١٦٥٦۔

هندية، كتاب الصلاة، الباب العاشر في إدراك الفريضة قديم زكريا ١/ ١٢٠، جديد زكريا ١/ ١٧٩) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

باتمام رسانیدہ باداۓ رکعت دوم برخاست دریں ضمن کسے تکبیر نماز فرض گفت ادا کنندہ نفل وسنت ہر چہار رکعت تمام نماید یا بردو رکعت اکتفا سازد و دو رکعت باقی را قضا کند یا نے؟

الجواب: (*) اگر درا ثنائے سنت یا نفل تکبیر شد بر دو رکعت سلام دادہ در جماعت داخل شود راجح واشہر ہمین ست۔

والشارع في نفل لا يقطع ويتمه ركعتين وكذا سنة الظهر وسنة الجمعة إذا أقيمت أو خطب الإمام يتمها أربعا على القول الراجح لأنّها صلوٰة واحدة وليس القطع للاكمال بل للإبطال خلا فالمارجحه الكمال درمختار قوله خلا فا لما رجحه الكمال حيث قال وقيل يقطع على رأس الركعتين وهو الراجح لأنه يتمكن من قضائها بعد الفرض ولا إبطال فى التسليم على الركعتين فلايفوت فرض الاستماع والأداء على الوجه الأكمل بلاسبب الخ أقول وظاهر الهداية اختياره وعليه مشى فى الملتقىٰ ونور الإيضاح والمواهب وجمعة الدرر والفيض وعزاه فى الشرنبلالية إلى البرهان وذكر فى الفتح أنه حكى عن السغدى أنه رجع إليه لما رآه في النوادر عن أبي حنيفةؒ وانه مال إليه السرخسى والبقالى وفي البزازية انه رجع إليه القاضي النسفى و ظاهر كلام المقدسى الميل إليه ونقل فى الحلية كلام شيخه الكمال ثم قال وهو كما قال هذا ومارجحه المصنف صرح بتصحيحه الولوالجى وصاحب المبتغى والمحيط ثم الشمنى وفى جمعة الشرنبلالية وعليه الفتوىٰ شامى مجتبائى جلد اول ص ۴۷۹ (۱)

(*) جواب: اگر سنت یا نفل کے درمیان اقامت ہو تو دو رکعت پر سلام پھیر کر جماعت میں شامل ہو جائے راجح اور مشہور یہی ہے، پھر اگر وہ سنت تھیں تو فرض ادا کرنے کے بعد چاروں کی قضاء کرے اور اگر نفل تھیں تو کچھ بھی لازم نہیں۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ۵۰۶/۲-۵۰۷، كراچي ۵۳/۲-۵۴۔

بخلاف ما إذا كان في النفل لأنه ليس للإكمال، ولو كان في السنة قبل الظهر، والجمعة، فأقيم أو خطب يقطع على رأس الركعتين يروىٰ ذلک عن أبي يوسفؒ وقد قيل يتمها (هداية) وتحته في الفتح: قوله: يروى ذلک عن أبي يوسفؒ، وعن أبي حنيفةؒ أيضًا وحكي عن السغدي: كنت أفتى أنه يتم سنة الظهر أربعًا بخلاف التطوع حتى رأيت في النوادر ←

پس بعدنماز فرض اگر سنت بود ہر چہار قضا کند واگر نفل بود ہیچ لازم نیاید۔

وقضى ركعتين لو نوى أربعا غير مؤكدة على اختيار الحلبى وغيره ونقض فى خلال الشفع الأول أوالثانى أي وتشهد للأول وإلايفسد الكل اتفاقاً درمختار بالطحطاوى مصرى ج ١ ص ٢٩٠. (١) واللہ اعلم (امداد ج ا ص ۱۸)

← **عن أبي حنيفةؒ إذا شرع في سنة الجمعة، ثم خرج الإمام قال: إن كان صلى ركعة أضاف إليها أخرىٰ ويسلم فرجعت إليه، وإليه مال السرخسيّ و البقالي، وقيل يتمها وإليه أشار في الأصل أنها صلاة واحدة، والأول أوجه لأنه متمكن من قضائها بعد الفرض ولا إبطال في التسليم على رأس الركعتين فلا يفوت فرض الاستماع والأداء على وجه الأكمل بلا سبب.** (هداية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ١/٤٨٨ - ٤٨٩، كوئٹه ١/٤١١)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ٤٥١۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، دار الكتب العلمية بيروت ١/٢١٠۔

حاشية الچلپي على التبيين، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ١/٤٤٨ - ٤٤٩، امدادية ملتان ١/١٨١۔

(١) حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة كوئٹه ١/٢٩٠۔

وإن شرع في التطوع بنيّة الأربع، ثم قطع أي أفسد ما شرع فيه قبل إتمام شفع لا يلزمه إلا شفع أي الإقضاء شفع عند أبي حنيفةؒ، ومحمدؒ خلافًا لأبي يوسفؒ، فإن عنده يلزمه قضاء أربع في رواية وإنما قيدنا بقبل إتمام شفع لأنه لو أفسد بعد إتمامه فإن كان قبل القيام إلي الثالثة يلزمه شفع واحد عنده وعندهما لا يلزمه شيئ، وإن كان بعد القيام إليها لزمه قضاء شفع اتفاقًا ...... قالوا هذا الحكم المذكور في غير السنن الرواتب كسنة الظهر، والجمعة أما إذا شرع في الأربع التي قبل الظهر أو قبل الجمعة أو بعدها، ثم قطع في الشفع الأول أوالثاني يلزمه الأربع أي قضاء ها بالاتفاق؛ لأنها لم تشرع ←

قضاء نمازیں پڑھنا بہتر ہے یا نوافل

سوال (۳۹۸): قدیم ۱/ ۳۷۵- نوافل پڑھنا بہتر ہے یا قضا نمازیں؟

الجواب: في ردالمحتار عن المضمرات الاشتغال بقضاء الفوائت أولیٰ وأهم من النوافل إلا سنن المفروضة وصلوٰة الضحٰی وصلوٰة التسبیح والصلوٰة التی رویت فیها الاخبار اه أي كتحية المسجد والأربع قبل العصر والست بعد المغرب (ج ۱ ص ۷۶۸) (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ قضاء نمازیں پڑھنا نفل سے بہتر ہے بجز سنن مؤکدہ اوران نوافل کے جن کا ذکر اوپر کی عبارت میں ہے۔ فقط

۱۴/ محرم ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۳ ج ۱)

رہائش گاہ میں فجر کی سنت پڑھنے کے بعد مسجد میں جاکر تحیۃ المسجد پڑھنا

سوال (۳۹۹): قدیم ۱/ ۴۷۷- نماز سنت فجر مکان میں پڑھ کر مسجد میں نماز فجر کے لئے جاتا ہوں اس وقت نماز تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہوں یا نہیں؟

← **إلا بتسليمة واحدة فإنها لم تنقل عنه عليه السلام إلا كذلك فهي بمنزلة صلاة واحدة.** (حلبي كبير، فصل في النوافل، مكتبة أشرفية ۳۹۳- ۳۹٤)

(۱) **الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل، مكتبة زكريا وفي الحجة: الاشتغال بالفوائت أولیٰ وأهم من النوافل إلا السنن المعروفة وصلاة الضحیٰ وصلاة التسبيح، والصلوٰت التي رويت في الأخبار فيها سور معدودة وأذكار معهودة فتلك بنية النفل وغير بنية الفضاء كذا في المضمرات.** (هندية، كتاب الصلاة، قبيل الباب الثاني عشر في سجود السهو، قديم زكريا ۱/ ۱۲۵، جديد زكريا ۱/ ۱۸٤)

الاشتغال بقضاء الفوائت أولیٰ وأهم من النوافل إلا السنة المعروفة، وصلاة الضحیٰ، وصلاة التسبيح، والصلاة التي وردت في الأخبار، فتلك بنية النفل وغيرها بنية القضاء كذا في المضمرات عن الظهيرية. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ←

الجواب: اس وقت نہ تحیۃ الوضوء ہے(*) نہ تحیۃ المسجد ہے(۱) نیز ان(**) سنتوں کا

(*) اس لئے کہ صبح صادق کے بعد دو رکعت سنت فجر کے علاوہ نوافل پڑھنا مکروہ ہے، اور مکروہ وقت میں تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء پڑھنا جائز نہیں ہے۔

وقد حكي الإجماع على سنيتها، غير أن أصحابنا يكرهونها في الأوقات المكروهة تقديمًا لعموم الحاظر على عموم المبيح. (شامي، ۱/۶۳۵، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۵۸، كراچي ۲/۱۸)

(**) یعنی فجر کی سنتوں کا اصل مذہب یہ ہے کہ سنن مؤکدہ کا گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

والأفضل في عامة السنن والنوافل المنزل وهو المروي عن النبي صلى الله عليه وسلم الخ. (هداية، باب إدراك الفريضة، مكتبة أشرفية ديوبند ۱/۱۵۲)

لیکن اب مسجد میں پڑھنا بدووجہ افضل ہے، اول تشبیہ با اہل بدعت دوم لوگوں میں تہاون وسستی عام ہے، اور مشاغل روز افزوں ہیں؛ اس لئے اندیشہ ہے کہ گھر میں نہ پڑھ سکیں۔

قال في الفتح: وبه أي بأصل المذهب أفتى الفقيه أبو جعفر، قال: إلا أن يخشى أن يشتغل عنها إذا رجع، فإن لم يخف فالأفضل البيت الخ. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكرياديوبند ۱/۴۹۴، كوئٹه ۱/۴۱۶)

حضرت علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

ثم أفتىٰ أرباب الفتيا بأن الأفضل الأداء في المسجد كيلا يلزم التشبه بتركها بالروافض حيث لا يأتون بها ونظرًا إلى تهاون أهل عصرنا يمكن أن يفتى بأدائها في المسجد كيلاً يتشاغلوا عنها في البيوت الخ. (معارف السنن، شرح ترمذي شريف از علامه بنوری، كتاب الصلاة، باب ما جاء أنه يصليهما في البيت، مكتبة أشرفية ديوبند ۴/۱۱۱) *سعید احمد پالن پوری*

← باب قضاء الفوائت، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ۴۴۷)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل العشرون في قضاء الفوائت، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۴۵۸، رقم: ۲۹۸۹۔

(۱) عن يسار مولى ابن عمرؓ قال: رآني ابن عمرؓ وأنا أصلي بعد طلوع الفجر، فقال يايسار: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج علينا ونحن نصلي هذه الصلاة فقال: ←

مسجد میں پڑھنا افضل ہے بلکہ جمیع سنن مؤکدہ کا تا کہ اتہام یا تشبہ با اہل بدعت سے محفوظ رہے جو کہ تارکین ان سنن کے ہیں۔(۱)

۱۰؍رجب ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۷)

← **لیبلغ شاهدكم غائبكم لا تصلوا بعد الفجر إلا سجدتين.** (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب من رخص فيهما إذا كانت الشمس مرتفعة، النسخة الهندية ١/١٨١، دار السلام رقم: ١٢٧٨)

عن يسار مولى ابن عمرؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا صلاة بعد الفجر إلا سجدتين. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء لا صلاة بعد طلوع الفجر إلاركعتين، النسخة الهندية ١/٩٦، دار السلام رقم: ٤١٩)

عن ابن عمرؓ عن حفصةؓ قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا طلع الفجر لايصلي إلا ركعتين خفيفتين. (المعجم الكبير للطبراني، دار أحياء التراث العربي ٢٣/٢١٣، رقم: ٣٨٥)

وهو ما أجمع أهل العلم: كرهوا أن يصلي الرجل بعد طلوع الفجر إلا ركعتي الفجر ومعنى هذا الحديث إنما يقول: لا صلاة بعد طلوع الفجر إلا ركعتي الفجر. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء لا صلاة بعد طلوع الفجر إلا ركعتين، النسخة الهندية ١/٩٦)

ويكره النفل بعد طلوع الفجر بأكثر من سنته قبل أداء الفرض. (طحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في الأوقات المكروهة، دار الكتاب ص:١٨٨)

ومنع عن النفل بعد طلوع الفجر الصادق بأكثر من سنته. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، دار الكتب العلمية بيروت ١/١١١)

تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، في المواقيت، مكتبة زكريا ديوبند ١/٢٣٤، امدادية ملتان ١/٨٧۔

(١) أداء السنن في البيت سنة وأفضل كما في الهداية: وهذا أصل المذهب وأما أرباب الفتيا فأفتوا بأن الأفضل في المسجد لئلاَّ يلزم التشبه بالروافض فإنهم لا يأتون بالسنن ولو تركت في المسجد يتوهم الناظر أن أهل السنة أيضًا يتركون وأما في زماننا فيمكن الفتوى بأدائها في المسجد، فإن الناس متكاسلون ولا يأتون بها في البيوت إن فاتتهم في المسجد.

(العرف الشذي على الترمذي، النسخة الهندية ١/١٠٠) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عشاء کی دو رکعت سنت کے بعد نفل کا ثبوت

سوال (۴۰۰): قدیم ۱/ ۴۶۷- ہمارے علاقہ پنجاب میں عشاء کی دوسنتوں کے بعد جومؤکدہ ہیں دو رکعت نماز نفل اکثر لوگ بیٹھ کر پڑھتے ہیں اس دو رکعت نماز نفل کا کسی حدیث صحیح حسن یا ضعیف سے کچھ ثبوت ہے یا بدعت ہے؟

الجواب: عن عائشةؓ قالت ماصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم العشاء قط فدخل علیّ إلاصلّٰی أربع رکعات أوست رکعات (*). رواہ أحمد وأبوداؤد وإسنادہ صحیح کذا فی اٰثار السنن ص۲۳ ج۲۔(۱)

۲۲ رصفر ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالث ص۲۰)

تہجد کی نمازوں کی تعداد رکعات

سوال (۴۰۱): قدیم ۱/ ۴۶۷- شامی مصری جلد یکم ص۴۰۶ میں ہے۔

قولہ وأقلها علی ما فی الجوھرة ثمان إلی قولہ واللہ أعلم.(۲)

اس مجموعی عبارت سے نماز تہجد کا بارہ رکعت ہونا کہیں ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف آٹھ رکعتیں تو بہشتی زیور مدلل ومکمل حصہ دوم ص۴۳ کی عبارت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں اس کا کیا مطلب اور کہاں سے لکھا گیا کچھ پتہ نہیں لگتا؟

(*) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھ کر جب بھی میرے گھر میں تشریف لاتے تو چار یا چھ رکعت پڑھتے (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسئولہ دو رکعتیں سنت ہیں بدعت نہیں ہیں)۱۲سعید احمد پالن پوری

---

(۱) أبوداؤد شریف، کتاب الصلاة، باب الصلاة بعد العشاء، النسخة الهندية ۱/ ۱۸۵، دار السلام رقم: ۱۳۰۳)

(۲) الدرالمختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبة زکریادیوبند ۲/ ٤٦۸، کراچي ۲/ ۲٥.

الجواب: فی ما لابدمنه للقاضی ثناء اللّٰہ الپانی پتی المسلم فی التحدیث الملقب عند الشاہ عبدالعزیز الدھلویؒ ببیھقی الوقت ما نصه.

واز دواز دہ رکعت زیادہ ہم بہ ثبوت نہ پیوستہ الی قولہ پیغمبر علیہ السلام گاہے تہجد مع وتر ہفت رکعت خواندہ وگاہے یازدہ وگاہے سیزدہ وگاہے پانزدہ الخ۔(۱)

ویتأید بما فی صحیح البخاری عن ابن عباسؓ الحدیث بطوله وفیه ثم صلّٰی رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم أو تر الخ (۲). وفی ھامشه: فیه دلیل علی أن صلوٰۃ اللیل اثنا عشر رکعة اھ.

اور ثمان کو جنہوں نے اکثر کہا ہے وہ باعتبار اکثر عادت نبویہ کے ہے ورنہ اس قول کا صحاح کے خلاف ہونا لازم آوے گا اور اگر مقصود سوال سے اس کی تحقیق ہے کہ شامی کا حوالہ کیوں دیا گیا اس کا جواب اصل میں بذمہ حوالہ دہندہ ہے جن کا نام شروع کتاب میں ہے مگر تبرعاً جواب میں دیتا ہوں کہ حوالہ باعتبار اہم اجزاء کے ہے۔ ۱۹؍ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ (تتمہ خامسہ ص ۴۳۷)

حقیقت صلوٰۃ معکوس

سوال (۴۰۲): قدیم ۱/ ۴۶۸- بعض کتابوں میں نماز معکوس کی اصطلاح نظر سے گزری ہے لیکن اس کی تفصیل سمجھ میں نہیں آئی یعنی ایسی حالت میں رکوع وسجود وقعدہ وغیرہ ارکان نماز کیونکر ممکن ہوں گے دوسرے اس کا ثبوت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگی سے حدیث وسیر کی عام ومتداول کتابوں میں نظر سے نہیں گزرا حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات فوائد الفوائد کے شروع میں البتہ یہ تذکرہ موجود ہے کہ سلطان ابوسعید ابوالخیر نے اتباع سنت میں یہ نماز بھی پڑھی تھی اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے القول الجمیل میں اسے اشغال چشتیہ کے ذیل میں درج فرمایا ہے لیکن یہ بھی فرمادیا ہے کہ سنت سے اس کا ثبوت نہیں ملتا اس باب میں جناب کی تحقیق سے مستفید ہونا چاہتا ہوں؟

---

(۱) مالا بد منه، فصل نوافل، کتب خانه رحیمیه دیوبند ص: ٦٨ ـ

(۲) بخاري شريف، كتاب الصلاة، أبواب الوتر، النسخة الهندية ١/ ١٣٥، رقم: ٩٨٢، ف: ٩٩٢. ←

الجواب: اس کو صلوٰۃ مجازاً کہہ دیا جاتا ہے اصل میں یہ ایک مجاہدہ ہے اور مجاہدہ ایک معالجہ ہے اور معالجہ کے لئے منقول و ماثور رہنا ضروری نہیں ہاں منہی عنہ نہ ہونا ضروری ہے سو یہ منہی عنہ نہیں لیکن اس وقت امزجہ اس کے متحمل نہیں ہو سکتے لہٰذا مشائخ نے اس کو ترک فرما دیا ہے۔(۱) (تتمہ خامسہ ص ۶۵۸)

تاریخ ۳۰؍ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ

← **وأخرج الترمذي في شمائله عن ابن عباسؓ في حديث طويل، ثم قام إلى شن معلق فتوضأ منه فأحسن الوضوء، ثم قام يصلي قال عبد الله بن عباس: فقمت إلي جنبه فوضع رسول الله صلى الله عليه وسلم يده اليمنىٰ على رأسي، ثم أخذ بأذني اليمنىٰ ففتلها فصلى ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين قال: معن ست مرات ثم أوتر الحديث.** (شمائل ترمذي، باب ماجاء في عبادته صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ص:۱۸)

وفي هامشه: فيه دليل على أن صلاة الليل ثنتي عشرة ركعة كما هو المختار عند أبي حنيفةؒ. (هامش شمائل ترمذي، نسخة الهندية ۱۸، مسلم شريف، كتاب صلاة المسافر، باب الدعاء في صلاة الليل وقيامه، النسخة الهندية ۱/۲۶۰، بيت الأفكار رقم:۷۶۳)

(۱) دو چیزیں الگ الگ ہوتی ہیں:

(۱) باب احکام۔(۲) باب تربیت اور باب تربیت میں بہت سے ایسے عمل جائز ہو جاتے ہیں، جو باب احکام میں جائز نہیں ہوتے مثلاً دس سال کے نابالغ بچہ پر نماز فرض نہیں ہے، اگر نماز نہ پڑھے تو اللہ کے یہاں کوئی حساب و کتاب اور کوئی سزا نہیں دی جائے گی، یہ بات باب احکام میں سے ہے؛ لیکن باب تربیت کے اعتبار سے نماز نہیں پڑھے گا، تو ماں باپ کو اسے مارنے کا حکم ہے، یہ بھی حدیث سے ثابت ہے، مگر یہ باب احکام میں سے نہیں؛ بلکہ باب تربیت میں سے ہے۔

اسی طرح مثلاً بخاری کا سبق پڑھنا اور اس کی حدیثیں پڑھنا بہت بڑی فضیلت کا عمل ہے؛ لیکن ایک طالب علم درجۂ اول میں میزان، نحو میر میں داخل ہے اور وہ دورۂ حدیث کے درجہ میں جا کر بخاری کے سبق میں بیٹھتا ہے، تو اس کو منع کیا جائے گا نہیں مانے گا تو سزا بھی دی جا سکتی ہے؛ حالانکہ بخاری کی حدیث پڑھنا افضل عمل ہے؛ اس لئے کہ اس کی افضلیت باب احکام میں سے ہے اور باب تربیت میں درجۂ اول کے طالب علم کے لئے امر ممنوع ہے تو معلوم ہوا کہ باب احکام اور باب تربیت دو الگ الگ چیزیں ہیں، اسی طرح مشائخ کے یہاں جو صلوۃ معکوس تھی، وہ باب احکام میں سے نہیں تھی؛ بلکہ باب تربیت میں سے ایک چیز ہے؛ اس لئے حدیث وفقہ میں اس کی کوئی اصل نہیں مل سکتی۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عشاء سے پہلے چار رکعت سنت کی تحقیق

سوال (۴۰۳): قدیم ۱/ ۴۶۹- قبل از عشاء چار رکعت سنت کس حدیث سے ثابت ہیں شیخ دہلویؒ نے لمعات میں لکھا ہے کہ میں نے کوئی حدیث اس مضمون کی نہیں دیکھی فقہاء نے اس کو کہاں سے ثابت کیا؟

الجواب (*): شاید ظہر یا عصر پر قیاس کیا ہو۔(۱) فقط واللہ اعلم ۱۵/ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ

(*) اس تحریر کے بعد صغیری دیکھنے سے اس مسئلہ کا جواب جو عبارت ذیل منقولہ عن الصغیری سے ظاہر ہوتا ہے معلوم ہوا وہ عبارت یہ ہے:

قال الحلبيؒ في الغنية: أما الأربع قبل العشاء فلم يذكر في خصوصها حديث؛ لكن يستدل بعموم ماروا ه الجماعة أنه صلى الله عليه وسلم قال بين كل أذانين صلوة، بين كل أذانين صلوة، ثم قال بعد الثالثة لمن شاء فهذا مع عدم المنافي من التنفل قبلها يفيد الاستحباب؛ لكن كونها أربعا يتمشى على قول أبي حنيفةؒ لأنها الأفضل عنده. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل في النوافل، مكتبة أشرفية ديو بند ص:۳۸۵)

(۱) **وندب أربع قبل العشاء لما روي عن عائشةؓ، أنه عليه الصلاة والسلام كان يصلي قبل العشاء أربعًا، ثم يصلي بعدها أربعًا، ثم يضطجع.** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في بيان النوافل، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۳۹۰)

وأما التطوع قبل العشاء فإن تطوع قبلها بأربع ركعات فحسن. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر في مسائل التطوع، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۰، رقم:۲۴۸۸)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر، التطوع قبل الفرض وبعده، المجلس العلمي ۲/ ۲۳۳، رقم: ۱۶۴۱۔

وندب الأربع قبل العصر والعشاء. (هندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل قديم زكريا ۱/ ۱۱۲، جديد زكريا ۱/ ۱۷۲)

ويستحب أربع قبل العصر وقبل العشاء. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۴۵۲، كراچي ۲/ ۱۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۹ / باب التراویح

ایک مسجد میں متعدد تراویح کا حکم

سوال (۴۰۴): قدیم ۱/۴۶۹- ایک جامع مسجد کہ جس کا طول ۲۸ گز اور عرض ۲۱ گز ہے اگر چاہیں کہ قرآن شریف دو جگہ مسجد مذکور میں دو حافظ بیچ تراویح کے پڑھیں اور درمیان میں کوئی آڑ روک ایسی کردی جائے کہ ایک دوسرے کی آواز سے حرج واقع نہ ہو، آیا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ایک مسجد میں دو جگہ تراویح پڑھنا بشرطیکہ از راہ نفسانیت نہ ہو اور ایک کا دوسرے سے حرج نہ ہو جائز ہے مگر افضل یہی ہے کہ ایک ہی امام کے ساتھ سب پڑھیں۔

في البخاري عن عبدالرحمن ابن عبدالقارى أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة في رمضان إلىٰ المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلى الرجل لنفسه ويصلى الرجل فيصلى بصلوٰته الرهط فقال: إني أرى لوجمعت هولاء علىٰ قارئ واحد لكان أمثل ثم عزم فجمعهم على أبى بن كعب (الحديث) جلد أول ص ۲۶۹. (۱)

---

(۱) بخاري شريف، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، النسخة الهندية ۱/۲۶۹، رقم: ۱۹۶۵، ف:۲۰۰۹۔

تصحیح الاغلاط کے حوالہ سے مذکورہ حاشیہ میں واضح کیا گیا ہے کہ اس استنباط میں تامل ہے؛ اس لئے کہ یہ اس زمانہ کا عمل تھا کہ جب تک تراویح کی جماعت کا اہتمام شروع نہیں ہوا تھا، اور جب حضرت عمرؓ نے اس کا اہتمام شروع فرمادیا، تو اس کے بعد ایک مسجد میں ایک ساتھ متعدد جماعتیں تراویح کی نہیں کی گئیں؛ اس لئے حضرات فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے؛ اس لئے یہی صحیح ہے کہ ایک مسجد میں دو حافظ دو جماعتوں سے تراویح پڑھائیں مکروہ ہے۔ جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

ولو صلىٰ مرتين في مسجد واحد يكره. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، قبيل فصل في مقدار التراويح، قديم زكريا ۱/۲۳۴، جديد زكريا ۱/۱۴۵) ←

اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ نے تراویح متفرق پڑھنے والوں پر تشنیع نہیں فرمائی۔ پس معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے اور ایک امام کے ساتھ پڑھنے کو افضل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ افضل یہی ہے (*)۔ واللہ اعلم

۱۴/ ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ (امداد ص ۱۹ ج ۱)

عذر کی وجہ سے تراویح کی نماز ہاتھی کی سواری پر پڑھنا

سوال (۴۰۵): قدیم ۱/ ۴۷۰- رمضان شریف میں کوچ کے دن کوچ شب کو ہوگا تراویح کیوں کر پڑھیں آیا نوافل کی طرح سواری پر پڑھ سکتے ہیں۔ سواری ہاتھی کی ہوگی؟

الجواب: پڑھ سکتے ہیں **في ردالمحتار بخلاف سنة التراويح لأنّها دونها في التأكد فيصح قاعداً وإن خالف المتوارث وعمل السلف كما في البحر:** (۱)

(*) اس استنباط میں تامل ہے؛ کیونکہ یہ حالت اس وقت کی تھی جب کہ جماعت کا اہتمام نہ تھا اور وجہ عدم تشنیع کی بھی یہی عدم اہتمام تھا، اس سے حکم مذکورہ کا استنباط مشکل ہے بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ اس سے وہ مقصود فوت ہوتا ہو، جس کے لئے حضرت عمرؓ نے یہ اہتمام فرمایا ہو۔ (تصحیح الاغلاط ص: ۵)

← **ولو صلى التراويح مرتين في مسجد واحد يكره.** (هندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل قديم زكريا ١/ ١١٦، جديد زكريا ١/ ١٧٦)

صلوها بجماعة ثم أرادوا إعادتها بالجماعة يكره. (بزازية على الهندية، كتاب الصلاة، الثالث في التراويح، قديم زكريا ٤/ ٢٩، جديد زكريا ١/ ١٢٢)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٢١، رقم: ٢٥٤٣-

(١) شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٨٣، كراچي ٢/ ٣٦-

أطلق في التنفل فشمل السنة المؤكدة والتراويح؛ لكن ذكر قاضيخان في فتاوى من باب التراويح الأصح أن سنة الفجر لايجوز أداء ها قاعدًا من غير عذر، والتراويح يجوز أداءها قاعدًا من غير عذر، والفرق أن سنة الفجر مؤكدة لا خلاف فيها، والتراويح في التأكيد دونها ...... ثم قال: الصحيح أنه لايستحب في التراويح لمخالفته للتوارث وعمل السلف.

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١١١، كوئٹه ٢/ ٦٣)

قلت و أفادت المخالفة الكراهة وتجبر بالعذر وفي الدر المختار فهي صلوٰة على الدابة فتجوز حال العذر إلى قوله و ذهاب الرفقاء.(۱)

۱۵/شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۱ ص ۳۷)

سفر کی وجہ سے تراویح کی رکعتوں میں کمی کا حکم

سوال (۴۰۶): قدیم ۱/ ۴۷۰- اگر کوچ آٹھ نو بجے رات کو شروع کریں تو تراویح تعداد میں کم پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور کہاں تک کمی ہو سکتی ہے؟

الجواب: جب سواری پر جائز ہے پھر کم کرنے کی ضرورت نہیں (۲) جس قدر کوچ سے پہلے

← **اتفقوا على أنه لا يستحب بغير عذرٍ واختلفوا في الجواز، قال بعضهم: لا يجوز بغير عذرٍ ...... وقال بعضهم: يجوز أداء التراويح قاعدًا بغير عذرٍ، وفرّقوا بين التراويح وبين سنة الفجر، وهو الصحيح إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم، ووجه الفرق: أن سنة الفجر سنة مؤكدة لا خلاف فيها، والتراويح في التأكيد دونها فلايجوز التسوية بينهما.** (خانية على الهندية، كتاب الصوم، فصل في أداء التراويح قاعدًا، قديم زكريا ۱/ ۲۴۳، جديد زكريا ۱/ ۱۵۰)

الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، قبيل الباب العاشر في إدراك الفريضة قديم زكريا ۱/ ۱۱۸، جديد زكريا ۱/ ۱۷۷-۱۷۸۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۰۳۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۸۹، كراچي ۲/ ۴۰۔

(۲) **عن ابن عباسؓ أن رسول صلى الله عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر.** (مصنف ابن أبي شيبة، باب الصلاة، كم يصلي في رمضان من ركعة، مؤسسة علوم القرآن ۵/ ۲۲۵، رقم: ۷۷۷۴) ←

پڑھ سکیں اسکا بقیہ سواری پر پڑھ لیں (۱)۔ فقط

۱۵ / شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ج ا ص ۳۸)

اُجرت لے کر تراویح میں قرآن سنانے کا حکم

سوال (۴۰۷): قدیم ۱/ ۴۷۱- ہمارے ملک میں چندسال سے رواج ہوگیا ہے کہ اکثر حفاظ تراویح میں ختم پڑھنے کیلئے مساجد میں رمضان شریف میں مبلغ مقرر کر کے ختم کرتے ہیں اگر کسی جگہ پر زیادہ مبلغ ملنے کی امید ہے تو بلا مقرر پڑھ دیتے ہیں اور یہ معلوم ہو جاوے کہ یہاں زنہار مبلغ حاصل نہ ہوگا بالکل اقبال نہیں فرماتے ۔ یہ امر اجرت علی الطاعۃ جس کی حرمت ومنع شرع میں وارد ہے اس میں داخل ہے یا نہیں؟ اور بعض علماء فقط کراہۃً ہی کہتے ہیں اور بعض علماء جائز بتلاتے ہیں۔ فقہاء متاخرین امورار بعہ یعنی امامت واذان وتعلیم ووعظ میں ضرورۃً جائز ہی کہتے ہیں سواس ختم کو اسی باب امامت میں داخل کر کے امامت

← المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١١ / ٣٩٣، رقم: ١٢١٠٢۔

السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب ماروي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان، دار الفكر ٤ / ٦٠، رقم: ٤٧٢٠۔

فالمسنون عند أبي حنيفةؒ، والشافعيؒ، وأحمدؒ عشرون ركعة -إلى قوله- فإن السنة عندهم ما واظب عليه النبي صلى الله عليه وسلم أو الخلفاء الراشدون لتصريحهم بسنية الجماعة في التراويح وعشرين ركعة فيها بمواظبتهم على ذلك، وهذا هو متمسك الأئمة المجتهدين في المسئلة ......فقيام رمضان بعشرين ركعة هو السنة المؤكدة، يضلل تاركها ويلام من نقص عنها. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب التراويح، دار الكتب العلمية بيروت ٧ / ٨٤-٨٨)

التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء ......وهي عشرون ركعة هو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقًا وغربًا. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ٢ / ٤٩٣-٤٩٥، كراچي ٢ / ٤٣-٤٥) ←

تراویح بھی جس میں ختم ہوا مامت سے خارج نہیں کہتے ہیں فقہاء کی عبارات سے یا اور کتب سے حرمت اجرت ختم قرآن پر تراویح کی تصریح کہیں پائی نہ گئی سوائے قواعد وقیاس کے اگر نظر فیض منظر میں گزری ہے تو ترقیم فرمانا کیونکہ ایصال ثواب قراءۃ کے منع میں جو اجرت سے واقع ہو فقہاء نے اس کے منع میں تشدد کئے ہیں تراویح میں جو ایصال نہیں محل تامل ہے کہتے ہیں اور تعلیل فقہاء کی ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن کی جو تعلیم قرآن کی ہے حفظ قرآن میں بھی جاری ہے کہتے ہیں کیونکہ ختم تراویح ترک کریں تو حفظ میں فتور وقصور واقع ہوگا کبھی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ کے فتاویٰ سے جو تعلیم قرآن میں کہتے ہیں۔

درخانہ کسے رفتن واز صبح تا شام نشستن الخ کو محل اجارہ ٹھیرانے سے اس کی اجرت لینے میں کسی طرح کا خلاف نہیں کہتے ہیں اور کہتے ہیں گو کہ مبلغ کا دینا لینا واقع ہو مگر بطریق تبادل وتعارض نہ ہو بطریق صدقہ یا ہدیہ ہو جو چاہے سو دے سکتے ہیں اور یہ للہ پڑھ سکتے ہیں اور اس کو اس طرح سے زبان سے تصریح کر دینے میں دوسرے احتمالات منعدم ہو جاتے ہیں انتہیٰ۔

← تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۴۴۳، امدادیۃ ملتان ۱/۱۷۸۔

مجمع الأنہر، کتاب الصلاۃ، فصل في التراویح، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۲۰۲۔

(۱) **فهي صلاة على الدابة فتجوز في حالة العذر لا في غيرها ومن العذر المطر، وطين يغيب فيه الوجه و ذهاب الرفقاء.** (شامي، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۸۹، کراچي ۲/۴۰)

بخلاف سنة التراويح؛ لأنها دونها في التأكد، فتصح قاعدًا وإن خالف المتوارث وعمل السلف كما في البحر. (شامي، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۴۸۳، کراچي ۲/۳۶)

خانیۃ علی الهندیۃ، کتاب الصوم، فصل في أداء التراویح قاعدًا قدیم زکریا ۱/۲۴۳، جدید زکریا ۱/۱۵۰۔

مجمع الأنہر، کتاب الصلاۃ، فصل في التراویح، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۲۰۳۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ان صورتوں میں حق اور مطابق واقع اور صحیح وجہ مدلل مطلوب ہے اوران امور کے سوائے اکثر پڑھنے والوں کی عادت یہ ہے کہ ترتیل اور قواعد تجوید سے عاری جلد طے کرنے کی طالب اور متعدد مقاموں میں غلطی بتلانیوالے جابجا ٹوکتے ہیں تووے کبھی لیتے یا گڑبڑاتے یا وقفہ کر لیتے پھراپنے خیال میں آئے بعد مقام معین تک پڑھ لیکرنماز بلاسہو تمام کردینا اور اعراب والفاظ میں کلمات کفر کا لحاظ نہ رکھنا ایسے ختم میں امید اجر ہے یا موجب وزر۔ بینوا توجرا؟

تتمۂ السوال: الفصل الثالث أمور مبتدعة باطلة لا أصل لها في الشريعة أكب الناس عليها على ظن أنها قرب مقصودة وهذه كثيرة فلنذكر أعظمها منها وقف الأوقاف سيما النقود لتلاوة القراٰن العظيم في أجزاء قرآنية عين الواقف قرأتها في مكان مخصوص أولم يعين له مكانا أولأن يصلى نوافل أولأن يسبح أي يقول له سبحان اللّٰه كذا أولأن يهلل أولأن يصلى أو أطلق في ذلک كله ولم يذكر عدد أو يهدي ثوابها لروح الواقف أو لروح من أراده وأصل المسئلة صحيح فيمن قرأ القراٰن أو سبّح أو هلّل أو صلٰى كذا ركعة وأهدى ثواب ذلک لفلان الحى أوالميت قال الوالدؒ في شرحه على شرح الدرر في بيان الحج عن الغير اعلم أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة أوصوماً أو صدقة أو قراء ة قرآن أو ذكرًا أوطوافًا أوحجاً أو عمرة أوغير ذلک عند أصحابنا كذا في البحر:(۱) أما قوله عليه الصلوٰة والسلام لا يصلٰى أحد عن أحد ولا يصوم أحد عن أحد فهو في حق الخروج عن العهدة لا في حق الثواب فإن من صام أو صلٰى أوتصدق وجعل ثوابه لغيره للأموات والأحياء جاز ويصل إليهم ثوابه عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع(۲)

---

(۱) البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۱۰۵، كوئٹه ۳/۵۹۔

من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له، مكتبه زكريا ۳/۱۵۱، كراچي ۲/۲۴۳)

(۲) بدائع الصنائع، كتاب الحج، شرائط الأركان، الوقت، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۵۴۔

ثم في البحر وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أوحيا والظاهر أنه لا فرق بين أن ينوى به عند الفعل للغير أو يفعله لنفسه ثم بعد ذلک يجعل ثوابه لغيره لإطلاق كلامهم ولم أرحكم من أخذ شيئا من الدنيا فيجعل شيئا من عبادته للمعطى و ينبغى أن لا يصح ذلک (١) قال الوالد رحمه الله: ففيه نظربل إطلاق ما سبق يقتضى الصحة انتهىٰ ووجهه أن أخذ الدراهم صدقة من المعطى وأخذ الصدقة لا يمنع الثواب للمعطى ووجه الأول في المتن أن ثواب العبادة لايدخل تحت عقدالبيع لأن ذلک مخصوص بالأعواض الدنيوية بهذاالسبب يبطل الوقف المشروط فيه ذلک لأن بدل أخذ المعلوم من الوقف في مقابلة فعل الشرط الذى شرطها الواقف فهو كالبيع للثواب وإن اعتبرنا وجه كونه صدقة على من يقرأ الواقف القراٰن أو يصلى له إلىٰ اٰخره لا أن ذلک المعلوم عوض عن تلک القربة وثمن لثوابها ولكنه بمنزلة ما إذا كان الوقف على إمام الجامع أوالخطيب ونحوذلک فإنها شروط على من اتصف بذلک فهى صدقة من الواقف على صاحب هذه الوصف المذكورلأن الوقف ليفعل الموقوف عليه ذلک في مقابلة أخذه للمعلوم المعين له و منها الوصية باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته أوبعدها وبإعطاء دراهم معدودة لمن يطلب القراٰن لروحه أو يسبّح له أو يهلّل أو بأن يبيت عند قبره أربعين ليلة أو أكثر أو أقل أو بأن يبني على قبره بناء وكل هذه بدع منكرة أي أنكرها الشرع لمخالفتها لمقتضاه حيث اشتملت على بيع ثواب الطاعة وأخذ الشيئ من الدنيا في مقابلته والوقف والوصية باطلان والما خوذ منها حرام للأخذ وهو عاص بالتّلاوة والذكر لأجل الدنيا والمفهوم منه أن الذي يأخذ ذلک لوتلى القراٰن أوذكرالله تعالىٰ أو صلىٰ كذا ركعة أو هلّل أوكبّرو نحو ذلک من أنواع القربات لا لأجل مايأخذه من المعلوم المعين له في الوقف لمن فعل ذلک بل لوجه الله تعالىٰ وأخذ المعلوم صدقة عليه من الواقف جازوصحّ الوقف حينئذٍ وهو ماذهبنا إليه فيما تقدم في حق جميع الوظائف في الأوقاف كلها وليس الأمر مخصوصاً لهذا النوع منهما انتهىٰ. حديقة الندية شرح طريقة محمدية. ١٢ ـ

(١) البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ١٠٥، كوئٹہ ٣/ ٥٩ ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عالمگیری کی عبارت یہ ہے:

واختلفوا في الإستئجار على قراءة القرآن على القبر مدة معلومة قال بعضهم: لا يجوز، وقال بعضهم: يجوز كذا في السراج الوهاج. (جلد ثالث في كتاب الإجارة ص ١٣٥)(١)

(*) ردالمختار میں اس عبارۃ کی توجیہ علی قراءۃ القرآن کی جائے پر علی تعلیم القرآن کی ضروری ہے کہا ہے ورنہ جمیع فقہاء کی تصریح کے خلاف ہے کہا ہے۔

مدارس کے فاضل مولوی صاحب صورۃ جواز کی اس طرح ترقیم فرماتے ہیں۔ نزد فقہاء متقدمین حنفیہ اجارۂ عبادات باطل ست لیکن متاخرین دراذان وامامت وتعلیم قرآن وغیرہ جائز داشتہ اندوامامت شامل میشود امامت نماز پنجگانہ وعیدین وتراویح راو براخراج امامت تراویح سندی یافتہ نمی شود وآنچہ فقہاء درتعلیل جواز تعلیم قرآن میگویند کہ **لظهور التوانى في الأمور الدينية ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن** درامامت تراویح نیز جاری میشود کہ برائے امامت تراویح قرآن راخوب حفظ می کنند وبدون حفظ جید امامت آن نمی توانند ومعائنہ می شود کہ حفاظے کہ امامت تراویح نمی کنند یا ترک کردہ اند درحفظ آنہا قصوری باشد۔ پس از مانع جواز شوند ہرگز امامت تراویح نخواہند کرد وقصور درحفظ قرآن خواہند شد بلکہ ترک حفظ خواہند نمود ایں وقتیست کہ امامت براجارہ واقع شود لیکن اگر اجارہ برامور دیگر

(*) رد المختار جلد خامس ص:٤٧/ مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة. فتاوى عزيزي ١٢٢/١ (مجتبائي) . ١٢ سعید احمد پالن پوری

---

(١) الفتاوى الهندية، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، الفصل الرابع في فساد الإجارة قديم زكريا ٤٤٩/٤، جديد زكريا ٤٨٥/٤ ـ

واختلفوا في الإستئجار على قراءة القرآن مدة معلومة، قال بعضهم: لا يجوز وقال بعضهم: يجوز وهو المختار والصواب أن يقال على تعليم القرآن فإن الخلاف فيه كما علمت لا في القراءة المجردة، فإنه لا ضرورة فيها، فإن كان ما في الجوهرة سبق قلم فلا كلام، وإن كان عن عمد فهو مخالف لكلامهم قاطبة فلا يقبل. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ٧٧/٩، كراچي ٥٦/٦)

ورائے امامت واقع شود و امامت ضمناً واقع شود عدم جوازش وجہے ندارد و در فتویٰ (*) شاہ عبدالعزیز صاحبؒ واقع شدہ است قاعدہ اجارہ آن است کہ بر شئے واجب ومندوب منعقدنمی شود و تعلیم قرآن فرض کفایہ است ومندوب علی العین پس محل اجارہ نیست آرے درخانہ کسے رفتن از صبح تا شام نشستن و اطفال اورا شبانی کردن فعلیست ورائے تعلیم کہ براں اجارہ منعقدمی تو اند شد انتہی۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب اجارے کی دو قسم کرکے دوسری جہت میں تعمیم کا خیال ہے۔ واللہ اعلم اور ابھی اسی فتویٰ میں ہے۔ واگر درمیان آنہا عقد اجارہ واقع نشود گو کہ بقاعدہ المعروف کالمشروط محمول براجارہ خواہد شد لیکن دراں وقت نیت معاوضہ نداشتہ نیت صلہ وصدقہ دارد و براجارہ محمول نتو اند شد خصوصاً اگر تصریح کند ایں روپیہا بطور صلہ وتبرع است عبارت حدیقۃ الندیہ ہمین محمولست و در فتاویٰ عزیزیہ (**) واقع شدہ است شخصے طلب علم دینی یا حفظ قرآن یا اشتغال بطاعت دیگر میخواہد لیکن از راہ تنگدستی وفقدان وجہ معاش فراغت اشتغال بایں امور ندارد و مردے دیگر صاحب مایہ ذمہ دار وجہ قوت او شود تا بفراغ بال مشغول بطاعت گردد دریں صورت ہر دو را اجر کامل بر ہر طاعت او حاصل میشود۔

قال تعالیٰ: للفقراء الذین احصروا الخ، واعانت بر طاعت کہ در حدیث جا بجا ممدوح واقع شود ہمیں است لیکن ایں را اجرت گفتن مجازست (***)۔ انتہیٰ واللہ اعلم؟

الجواب: قاعدہ کلیہ فقہیہ ہے **کل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستيجار عليها عندنا**۔ (۱)

(*) فتاوی عزیزی جلد اول ص: ۱۲۲ (مجتبائی) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) فتاوی عزیزیہ جلد اول ص: ۹۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(***) اجرت دیکر خواہ مشروط ہو یا متعارف حافظ سے تراویح میں قرآن پاک سننے کے سلسلہ میں حضرت مجیب قدس سرہ کے فتاوی دو طرح کے ہیں: ایک علی الاطلاق ممنوع ہونے کے، دوسرے گنجائش ہونے کے حضرت مجیب کی آخری رائے علی الاطلاق ممنوع ہونے کی ہے (جیسا کہ سوال نمبر ۴۸ر کے جواب پر حاشیہ میں خود حضرت ہی نے تصریح فرمائی ہے۔

نوٹ: سوال نمبر ۴۲۶ و ۴۲۸ر بھی اسی مبحث سے تعلق رکھتے ہیں اور امداد الفتاوی جلد سوم ۳۷۶ (کتاب الاجارہ) میں بھی اس مبحث سے متعلق ایک فتوی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۷۶، كراچي ۶/ ۵۵۔ ←

اور دلیل نقلی اس کی یہ ہے:

لقوله عليه السلام اقرؤا القراٰن و لاتأكلوا به. (۱)

اور عقلی یہ ہے:

لأن القربة متى حصلت وقعت عن العامل ولهذا تتعين لأهليته فلايجوز له أخذ الأجرة من غيره كما في الصوم والصلوٰة هكذا في الشامية المجلد الخامس ص:۵۲۔(۲)

اور متاخرین نے چند فروع کو اس کلیہ سے استحساناً بعلت ضرورت **بقاء وحفظ شعائر دین** مستثنیٰ ومخصوص کرلیا ہے۔

في الدرالمختار باب الإجارة الفاسدة ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان اھ في ردالمحتار وقدذكرنا مسئلة تعليم القرآن على استحسان اھ. يعنى للضرورة آه جلد۵ص۵۳۔(۳)

← **والأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستئجار عليها عندنا (هداية) وتحته في العيني: أي الأصل الذي بني عليه حرمة الاستئجار على هذه الأشياء أن كل طاعة يختص بها المسلم لايجوز الاستئجار عليها عندنا؛ لأن هذه الأشياء قربة يقع على العامل. قال الله تعالىٰ: وأن ليس للإنسان إلا ماسعى، فلا يجوز أخذ الأجرة من غيره كالصوم والصلاة.** (بناية شرح هداية، مكتبه أشرفية ديوبند ۱۰/ ۲۷۸)

(۱) **عن أبي هريرةؓ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: اقرأوا القرآن ولاتأكلوا به، ولاتستكثروا به، ولاتغلوا فيه ولاتجفوا عنه. الحديث.** (المعجم الأوسط للطبراني، دار الكتب العلمية بيروت ۶/ ۲۹۴، رقم:۸۸۲۳، مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۵/ ۲۴۰، رقم:۷۸۲۵، مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۴۲۸، رقم:۱۵۶۱۴)

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۷۶، كراچي ۶/ ۵۵۔

(۳) الدر المختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/ ۷۶-۷۷، كراچي ۶/ ۵۵-۵۶۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مذہب حرمۃ استیجار علی الطاعۃ ہے اور استثناء بعض فروع کا خلاف اصل مذہب بعلت ضرورۃ مذکور ہے پس ماسوا ءفروع مذکور کے بقیہ طاعات کا حکم اپنی اصل پر رہے گا۔

قال في الشامية: بُعَيدِ العبارة الأولى المذكورة وقداتفقت كلمتهم جميعا على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز ثم استثنوا بعده ماعلمته فهذا دليل قاطع وبرهان ساطع على أن المفتى به ليس هو جواز الاستيجار على كل طاعة بل على ما ذكروه فقط مما فيه ضرورة ظاهرة تبيح الخروج عن أصل المذهب من طرد المنع فإن مفاهيم الكتب حجة ولو مفهوم لقب على ما صرح به الأصوليون بل هو منطوق فإن الاستثناء من أدوات العموم كما صرحوا به أيضاً اه.(۱)

عبارت ہذا سے معلوم ہوا کہ ختم فی التراویح کی تصریح بہ خصوصیت نہ پایا جانا (اگر مسلّم ہو) مضر حکم حرمۃ استیجار نہیں کیونکہ اولاً مفہوم مخالف روایات فقہیہ میں حجۃ ہے ثانیاً بوجہ عموم صدر کلام کے ماسوی المستثنیٰ کو اس ختم علی الأجرت کی حرمۃ منطوق ومنصوص ہے چنانچہ عبارت مذکورہ آنفاً اس پر دال ہے اور اگر قواعد کلیہ کے بعد بھی ہر جزئی کی تصریح خصوصیت کے ساتھ ضروری ہوا کرے تو کسی مسکر جدید الترکیب کی حرمۃ پر کل مسکر حرام سے استدلال جائز نہ ہوگا وہو باطل دوسرے تلاوۃ لایصال الثواب جس کی حرمۃ استیجار بالخصوص مصرح ہے اس کی تعلیل میں حرمۃ کی تقریر میں علامہ عینیؒ نے شرح ہدایہ میں فرمایا ہے:

ويمنع القارئ للدنيا والآخذ والمعطى آثمان فالحاصل أن ماشاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال فإذالم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستاجر ولولا الأجرة ماقرء أحد لأحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسباو وسيلة إلى جمع الدنيا إنا لله وإنا اليه راجعون اه كذا في الشامية ص ۵۳. من المجلد الخامس.(۲)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند۹/۷۶، كراچي ۶/۵۶۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/۷۷، كراچي ۶/۵۶، بناية شرح هداية، مكتبه أشرفية ديوبند ۱۲/۲۳۷۔

اور ظاہر ہے کہ یہ علت ختم فی التراویح میں جاری ہے پس اشتراک علت سے یہ ختم بھی بالخصوص مصرح ہوگیا کیونکہ ختم تراویح میں بھی مقصود ثواب ہی ہے ورنہ فی نفسہ شعائر دین سے نہیں اور لوگوں نے اس کو مکسبہ بنالیا ہے۔ پس اشتراک علت ثابت ہوگیا۔ بہرحال خصوصاً لیا جاوے یا عموماً پھر عموم میں مفہوماً لیا جاوے یا منطوقاً ہر طرح سے حرمت استیجار علی الختم ثابت ہوگئی اور اس سے زائد تصریح نہ ہونے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یہ اس وقت رسم فاسد نہ ہوگی ہر مصنف اپنے زمانہ کے مفاسد پر تنبیہ کیا کرتا ہے لیکن جب دلیل حرمۃ کی قائم ہے تو ثبوت حکم متیقن ہے۔ اب باقی رہا جواب تو جیہات جواز کا۔ سو جواز ہذا الختم کے لئے ضرورت کی یہ تقریر جو سوال میں مذکور ہے محض فاسد ہے جس کا منشاء سوء تدبر ہے اور بنا برضرورت مزعومہ کے اس کو تعلیم قرآن پر قیاس کرنا بناء الفاسد علی الفاسد ہے کیونکہ تعلیم قرآن خود باعتبار اصل وضع کے موقوف علیہ ہے تعلم کا جو موقوف علیہ ہے حفظ کا پس بحسب اس قاعدہ کے کہ موقوف علیہ کا موقوف علیہ موقوف علیہ ہوتا ہے تعلیم موقوف علیہ ہے حفظ کا اور باعتبار عارض عادۃ کے یہ تعلیم موقوف ہے اخذ اجرت پر پس اخذ اجرت موقوف علیہ ہوا حفظ کا بخلاف ختم مقیس کے کہ وہ باعتبار اصل کے موقوف علیہ نہیں ہے حفظ کا بلکہ معاملہ بالعکس ہے کہ خود حفظ موقوف علیہ ہے ختم کا؛ چنانچہ بدیہی ہے پس حفظ کا توقف ختم پر ثابت نہ ہوا غایت مافی الباب ختم بواسطہ حفظ کے موقوف ہوا، اس اجرت پر جو بعوض تعلیم لی جاتی ہے سو اس کا جواز مفتیٰ بہ ہے اور ختم بلا واسطہ حفظ گو اسی اجرت پر موقوف ہے جو بمقابلہ ختم لی جاتی ہے لیکن تعلیم پر قیاس اس لئے جائز نہیں کہ ختم مثل حفظ کے مہمات دین سے نہیں چنانچہ فقہاء نے اس کے سنت ہونے کی تصریح کی ہے بلکہ یہ بھی کہدیا ہے کہ اگر قوم پر ختم ثقیل ہو تو اس کا ترک افضل ہے۔

في الدر المختار: ورد المحتار: والختم مرة سنة ولا يترك لكسل القوم لكن في الاختيار الأفضل في زماننا قدر مالا يثقل عليهم وأقره المصنفؒ وغيره إلى قوله ومن لم يكن عالمًا بأهل زمانه فهو جاهل. قوله الأفضل في زماننا لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة إلى قوله: ولهذا قال في البحر: فالحاصل أن المصحح في المذهب أن الختم سنة لكن لا يلزم منه عدم تركه إذا لزم منه تنفير القوم وتعطيل كثير من المساجد خصوصاً في زماننا فالظاهر اختيار الأخف على القوم مجلد أول ص ٧٣٩.(١)

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٩٧-٤٩٨، كراچي ٢/٤٦۔

ان روایات سے اس کا ضروریات دین سے نہ ہونا ظاہر ہے پس جب ختم ضروریات سے نہ ہوا تو اس کا توقف جس اجرۃ پر بعارض عادت مثبت ومسلم ہو اس کا جواز علت ضرورۃ سے کیسے ثابت ہوسکتا ہے بلکہ ایسی حالت میں اس ختم ہی کا اہتمام چھوڑ دیا جاوے گا چنانچہ قاعدہ فقہیہ مقررہ ہے۔

إذا تردد الحكم بين سنة و بدعة كان ترك السنة راجحًا على فعل البدعة كذا في الشامية المجلد الأول صفحه ٦٧١.(١)

پس جب اس سنت کے ادا سے ایک بدعت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے تو اس سنت ہی کو ترک کردیں گے اور اگر کوئی شخص توقف حفظ علی الختم الموقوف علی الاجرۃ کی یہ توجیہ کرے کہ مراد توقف الحفظ علی تصور الختم بالاجرۃ وتوقعہ ہے سو اولاً اس عادۃ کا فاشی اور شائع ہونا غلط ہے۔ ثانیا تحصیل قرآن وحفظ کے وقت اکثر محصلین کو اس کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا اسی طرح اگر یہ توجیہ کی جاوے کہ بدون اجرت کے ختم نہ کریں گے اور بدون ختم کے محفوظ نہ رہے گا سو اس کا بھی اولاً عادۃ فاشیہ ہونا غلط ہزاروں بندگان خدا سامعین کو دیکر اپنے بقاء حفظ کیلئے پڑھتے ہیں۔ ثانیاً یہ توقف دونوں توجیہوں میں باعتبار اصل وضع کے نہیں ہے جیسا تعلیم میں تھا بلکہ اپنی سوء طمع سے ہے اگر اس کا اعتبار کیا جاوے تو صوم وصلوٰۃ میں بھی اگر کسی زمان یا مکان میں اشتراط اجرت ہونے لگے اور بدون اس کے کوئی نہ پڑھے تو چاہئے کہ اسی تقریر سے وہاں بھی اخذ اجرت کے جواز کا حکم کردیا جاوے۔

وهو باطل بالإجماع والتنصيص من الشارع والفقهاء.(٢)

اور تعلیم میں اس عادۃ کا اعتبار اسلئے کیا کہ تعلیم میں اس قدر مشغولی ہوتی ہے کہ دوسرے طریق سے اکتساب معاش نہیں کرسکتا اور ہر شخص فارغ البال ومرفہ الحال نہیں بخلاف ختم متنازع فیہ کے کہ اس سے معیشت کے دوسرے طرق مختل نہیں ہوتے اس لئے عادۃ متعلقہ تعلیم شرعاً معتبر ومخفف حکم ہوگی اور عادۃ متعلقہ ختم معتبر ومخفف حکم نہ ہوگی فافہم۔

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، مكتبه زكرياديوبند ٤٠٩/٢، كراچي ٦٤٢/١-

(٢) والأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستئجار عليها عندنا (هداية) وتحته في العيني: أي الأصل الذي بني عليه حرمة الاستئجار على هذه الأشياء ←

اسی طرح اس ختم کو باب امامت میں داخل کرنے کا دعویٰ اور اس بناء پر اس کو مستثنیٰ سمجھنا محض باطل ہے کیونکہ ختم نہ عین امامت ہے نہ اس کا موقوف علیہ جزئیۃً یا لزوماً ہے کیونکہ امامت بلا ختم بھی متحقق ہوتی ہے کما ہو مدرک بالحس پس دعویٰ استثناء کی اس بناء پر گنجائش نہ ہوئی اور شاہ صاحبؒ کے فتویٰ اولیٰ کو اس سے کچھ بھی مس نہیں کیونکہ یہ توجیہ جس کی مخصوص ہے صورۃ ضرورۃ کے ساتھ اور جہاں ضرورۃ مذکورہ نہ ہو وہاں یہ تاویل مقبول نہیں ورنہ طاعت کی ایک فرد بھی نہ رہے گی جس پر حرمت استیجار کا حکم کیا جاوے کیونکہ یہ تاویل ہر جگہ چل سکے گی علیٰ ہذا فتویٰ ثانیہ کو اس سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ اعانۃ علی الطاعۃ اور چیز ہے گو اس کو مجازاً اجرت کہا جاوے اور اجرت علی الطاعۃ اور چیز ہے اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ اس وقت جو رسم ہے وہ حقیقۃ اجرت ہے کما ہو ظاہر و سیاتی **قرینته عن الإمام الأستاذ** و نیز اجرت کو مأول باعانت کرنا معلل ہے ضرورت کے ساتھ اور یہاں ضرورت نہیں کما مر اور یہ تاویل کہ یہ حسبۃً للہ پڑھتے ہیں وہ حسبۃ للہ دیتے ہیں الخ بالکل انکار حسیات اور تاویل العمل بما لا یرضی بہ العامل ہے جو شخص ان فاعلین کے معاملہ کو دیکھے گا اس کو ہرگز شبہ نہ رہے گا کہ مقصود اصلی اجرۃ ہے اور ایسی تصریح کہ فعل کیخلاف ہو اور متعاقدین کے نزدیک غیر مقصود ہو۔ ہزل محض ہے جو شرعاً بجز مستثنیات معدودہ کے قابل اعتبار نہیں۔

قال الإمام الأستاذ لایطیب والمعروف کالمشروط اھ قلت وھذا مما یتعین الأخذبه في زماننا لعلمهم أنهم لایذهبون إلابأجر البتة کذا في الشامية المجلد الخامس صفحه ۵۲ في تقریر مسئلة أخریٰ أو ردناها احتجاجاً بالعلة. (۱)

اور بعض بزرگوں سے جو یہ توجیہ نقل کی گئی ہے ان کے زمانے میں ممکن ہے کہ نیات میں اس قدر فساد نہ ہوگا ورنہ اس توجیہ کا غیر مقبول ہونا ظاہر و باہر ہے اور حدیقہ میں جو بحر کی عبارت منقول ہے اس کی نسبت شامی میں رداً منقول ہے۔

← **أن کل طاعة یختص بها المسلم لایجوز الاستئجار علیها عندنا؛ لأن هذه الأشیاء قربة یقع علی العامل. قال اللہ تعالیٰ: وأن لیس للإنسان إلا ما سعی، فلا یجوز أخذ الأجرة من غیرہ کالصوم والصلاۃ.** (بنایة شرح هدایة، مکتبه أشرفیه دیو بند ۱۰/۲۷۸)

(۱) **فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءۃ الأجزاء بالأجرة لا یجوز؛ لأنه فیه الأمر بالقراءۃ وإعطاء الثواب للآمر والقراءۃ لأجل المال، فإذا لم یکن للقارئ** ←

وقد اغتر بما في الجوهرة صاحب البحر في كتاب الوقف وتبعه الشارح في كتاب الوصايا حيث يشعر كلامهما بجواز الاستيجار على كل الطاعات ومنها القراءة وقد ردّه الشيخ خير الدين الرملي في حاشية البحر في كتاب الوقف حيث قال: أقول المفتى به جواز الأخذ استحساناً على تعليم القرآن لا على القراءة المجردة كما صرّح به في التاتارخانية الخ جلد خامس صفحه ۵۳. (۱)

اور حسب قواعد رسم المفتی چونکہ یہ قول مرجوح ہے لہٰذا اس پر عمل جائز نہ ہوگا اور عالمگیری میں جو عبارۃ ہے اس کے متعلق علامہ شامیؒ نے لکھا ہے۔

والصواب أن يقال على تعليم القرآن فإن الخلاف فيه كما علمت لا في القراءة المجردة فإنه لا ضرورة فيها فإن كان ما في الجوهرة سبق قلم فلا كلام وإن كان عن عمد فهو مخالف لكلامهم قاطبة فلا يقبل وقد أطنب في ردّه صاحب تبيين المحارم مستنداً إلى النقول الصريحة إلى آخر ماقال. جلد خامس صفحه ۵۲.(۲)

اسی طرح بعض نے جواز القراءۃ علی القبر سے جواز استیجار پر استدلال کیا ہے اس کی بھی تغلیط محققین نے کی ہے۔

قال الشامي: وفيه رد أيضاً على صاحب البحر حيث علل البطلان بأنه مبنى على القول بكراهة القرآن على القبر وليس كذلک بل لما فيه من شبهة الاستيجار على القراءة كما علمت وصرح به في الاختيار وغيره ولذا قال في الولوالجية: مانصه

← ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر، ولو لا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان؛ بل جعلوا القرآن العظيم مكسبًا ووسيلة إلى جمع الدنيا إنا لله وإنا إليه راجعون. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند ۹/۷۷، كراچي ۶/۵۶)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/۷۷، كراچي ۶/۵۶۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مكتبه زكريا ديوبند ۹/۷۷، كراچي ۶/۵۶۔

ولو زار قبر صديق أو قريب له وقرء عنده شيئاً من القراٰن فهو حسن أما الوصية بذلك فلا معنى لها ولا معنى أيضاً لصلة القارئ لأن ذلك يشبه استيجاره على قراءة القراٰن وذلك باطل ولم يفعل ذلك أحد من الخلفاء اھ جلد خامس صفحه ۵۳.(۱)

ایک مقام پر شامی نے کہا ہے:

ولا ضرورة في استيجار شخص يقرأ على القبر أوغيره اھ جلد خامس صفحه ۶۷۷.(۲)

اس غیرہ کے لفظ میں غیر قراءۃ علی القبر بھی داخل ہے جو تراویح کو بھی شامل ہے۔ حاصل جواب یہ ہوا کہ رواج مذکور فی السوال محض باطل اور مخالف شرع ہے اور ایسا ختم ہرگز موجب ثواب نہیں بلکہ موجب معصیت ہے۔ واللہ اعلم

رابع ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۴۰ ج ۱)

مختلف طریقہ سے اجرت لے کر حافظ صاحب کا تراویح میں قرآن سنانے کا حکم

سوال (۴۰۸): قدیم ۱/۴۸۱- سلام مسنون، سوالات ذیل بطور استفتاء روانہ خدمت ہیں جواب باصواب سے جلد مطلع فرمائیں:

(۱) اس قصبہ میں عام طور سے اکثر مساجد میں نماز تراویح باجماعت تمام رمضان المبارک ہوتی ہے۔ لیکن حافظ جوان تراویحوں میں امام بن کر ختم کلام شریف کرتے ہیں بدون عوض نقدی نہیں ملتے۔

(۲) حفاظ کو معاوضہ دینے کی یہاں دو صورتیں رائج ہیں اکثر تو قبل شروع تراویح معاملہ صاف صاف کر لیتے ہیں لیکن زیادہ تعداد ایسے حافظوں کی ہے جو تعیین عوض نہیں کرتے بلکہ جس روز کلام شریف ختم ہوتا ہے مقتدیان نماز تراویح بطیّب خاطر و برغبت حافظ صاحب کو نقدی ۸ر پیش کرتے ہیں جس کو حافظ صاحب حلوائے بے دودھ کی طرح ہضم کر جاتے ہیں۔

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسد، مكتبه زكريا ديوبند ۹/۷۷-۷۸، كراچي ۶/۵۶-۵۷۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الوصايا، باب العتق في المرض، مكتبه زكريا ديوبند ۱۰/۳۹۶، كراچي ۶/۶۵۱۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۳) ایک صورت یہ بھی مستعمل ہے کہ محلّہ کا رئیس یا کوئی ذی مقدرت شخص ایک حافظ کو محض ختم کلام شریف کے واسطے اپنی مسجد میں متعین کرتا ہے اور اس کی خدمت نقدی معاوضہ سے اپنی جیب خاص سے پوری کرتا ہے مقتدیوں کو کچھ نہیں دینا پڑتا ہے۔

(۴) رسالہ اصلاح الرسوم مؤلفہ آں مخدوم کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہے کہ طاعت الٰہی پر اجرت نہیں ہے لہٰذا مسئلہ بالا میں کونسی صورت بغرض جواز اقتداء امام ماجور اختیار کی جاسکتی ہے؟

(۵) جبکہ حفاظ ماجور کی وبا عالمگیر ہو تو محض بیس رکعت نماز تراویح باجماعت جن میں چند سورتیں کلام پاک کی پڑھ لی جایا کریں افضل اور انسب ہے بہ نسبت اقتداء ان حفاظ ماجور کے؟

(۶) اگر حافظ صاحب سے نہ قبل از تراویح معاملۃ کی جاوے اور نہ اختتام کلام پاک پر ان کو اجرت دی جاوے بلکہ تمام سال کے اندر بغیر تعین تاریخ ان کی کماحقہ نقدی سے خدمت کر دی جائے تو کیا یہ نقدی معاوضہ لینا حافظ کو جائز ہے اور ایسے حافظ کی اقتداء کی جاسکتی ہے۔

(۷) ایک محلّہ میں نماز تراویح باجماعت پڑھی جاتی ہے لیکن اس میں ختم کلام شریف حسب رواج نہیں ہوتا لیکن صرف الم ترکیف سے آخر تک کی سورتیں پڑھی جاتی ہیں بس ان دو شخصوں میں سے کس کا فعل افضل ہے آیا اس شخص کا جو اپنے محلّہ کی ایسی نماز تراویح میں شریک ہوتا ہے یا دوسرے شخص کا جو دوسرے محلّہ میں کرایہ دار حافظ کے پیچھے اقتدا کر کے ختم کلام شریف پر فخر کرتا ہے۔

(۸) اگر کسی شہر میں حسن اتفاق سے کسی خاص مسجد میں کوئی حافظ محض بہ نیت ثواب بلا کسی معاوضہ نقدی کے کلام پاک نماز تراویح میں ختم کرتا ہے تو ایسی حالت میں دوسری مساجد میں نماز تراویح صرف الم ترکیف سے باجماعت قائم کرنا جائز ہے یا نہیں (۱) جبکہ وہ مسجد اس محلّہ میں نہ ہو (۲) جبکہ وہ مسجد دوسرے محلّہ میں ہو؟

الجواب: چونکہ تراویح میں قرآن سننا منجملہ مقاصد دینیہ ہے اور سلف سے اس کا اہتمام متوارث ہے اور وہ آجکل بوجہ فساد زمان کے مخلص ختم سنانے والوں سے کم میسر ہوتا ہے اگر ایسے حفاظ کے ساتھ قرآن نہ سنا جاوے تو یقیناً بعض مقامات پر بعض لوگ عمر بھر استماع ختم قرآن سے محروم رہیں اسلئے سننے والوں کو مضطر سمجھا جاوے گا اور شرعی قاعدہ ہے کہ اضطرار جالبِ تیسیر ہے اس لئے اگر ممکن ہو تو ان سننے والوں کے حق میں اس فعل کی کچھ تاویل کرنا مناسب ہے اور یہاں یہ تاویل ممکن ہے (*) کہ اس اجرت کو

(*) اس کے بعد ۱۰ر رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ کو ایک فتویٰ اس کے علی الاطلاق ممنوع ہونے کا لکھا گیا ہے (یہ فتوی سوال ۴۰۹ر پر درج ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری) جس میں بناء تاویل کا جواب بھی ہے ←

(خواہ وہ مشروط ہو یا معروف ہو کہ وہ بھی حکم مشروط میں ہے) بمقابلہ امامت کے کہا جاوے گا جس کو متاخرین نے جائز رکھا ہے(۱) اور چونکہ ختم سنانے والا مضطر نہیں ہے اس کے حق میں اس تاویل کا اعتبار نہ کیا جاوے گا پس اس کے حق میں یہ اجرت بحالہا نادرست رہے گی اس تقریر سے سب سوالوں کا جواب ہو گیا اگر کسی خاص (سوال سے) اس کا انطباق ظاہر نہ ہو تو مکرر پوچھ لیا جاوے (مگر یہ پرچہ بھی واپس آوے)

۸ / رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۱۱۶)

توضیح مسئلہ مذکورہ از ترجیح الراجح ص ۲۳۴

حوادث الفتاویٰ ۱۳۳۱ھ ص ۱۱۸ میں استماع قرآن من الحافظ الاجیر کا مسئلہ ہے اس کی سطر ۹ پر ایک حاشیہ ہے وہ ملاحظہ فرمالیا جاوے اور تتمہ ثانیہ امداد الفتاوی ص ۱۶۲ میں بھی اس مسئلہ کی تحقیق ہے اس کو بھی دیکھ لیا جاوے۔ (ترجیح ثالث ص ۲۳۴) (*)

سوال (۴۰۹): قدیم ۱/۴۸۴- (۱) حافظ جو تراویح میں سنائے اس کو دینا بھی جائز ہے یا لینا دینا دونوں ناجائز؟

(۲) اور اگر بلا اجرت حافظ نہ ملے تو اجرت پر مقرر کرے یا الم ترکیف سے تراویح پڑھ لے؟

(۳) اور جب امامت پر اجرت جائز ہے تو تراویح میں ایک قرآن بھی تو سنت مؤکدہ ہے اس پر اجرت کیوں ناجائز؟

← اور وہ بناء اس ختم کا مقاصد دینیہ سے ہونا ہے اور وہ جواب جو کہ خلاصہ ہے اس فتوے کا یہ ہے کہ جہاں فقہاء نے ایک ختم کو سنت کہا ہے، جس سے ظاہرا سنت مؤکدہ مراد ہے، وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں لوگوں پر ثقیل ہو وہاں الم ترکیف سے پڑھ دے، پس جب تقلیل جماعت کے محذور سے بچنے کے لئے اس سنت کے ترک کی اجازت دے دی، تو استیجار علی الطاعۃ کا محذور اس سے بڑھ کر ہے، اس سے بچنے کے لئے کیوں نہ کہا جاوئے گا کہ الم ترکیف سے پڑھ لے آہ؛ چونکہ یہ فتوی بعد کا ہے، حضرت مجیب کے نزدیک عمل کے لئے یہی مستحسن ہے باقی فتوی سابق کا نقل کر دینا اس خیال سے ہے کہ دوسرے اہل علم بھی دونوں جوابوں کی بناؤں پر غور فرمالیں اور جو راجح ہو اس پر فتوی دیں ممکن ہے کہ مجیب احقر کی نظر قاصر رہی ہو۔ ۱۲ منہ عفی عنہ

(*) یہ سوال ۴۰۹ / ہے جو اس کے بعد درج کر دیا گیا ہے۔ ۱۲ مصحح

(۱) آگے سوال نمبر ۴۰۹ ر میں حضرتؒ نے واضح فرمادیا ہے کہ اگر بلا اجرت حافظ نہ مل سکے ←

الجواب: (۱) میں تو ناجائز سمجھتا ہوں (۲) میں تو الم ترکیف سے بتلادیتا ہوں (۳) جہاں فقہاء نے ایک ختم کو سنت کہا ہے جس سے ظاہراً سنت مؤکدہ مراد ہے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ جہاں لوگوں پر ثقیل ہو وہاں الم ترکیف وغیرہ سے پڑھ دے پس جب تقلیل جماعت کے محذور سے بچنے کیلئے اس سنت کے ترک کی اجازت دیدی تو استیجار علی الطاعت کا محذور اس سے بڑھ کر ہے اس سے بچنے کیلئے کیوں نہ کہا جاوے گا کہ الم ترکیف سے پڑھ لے(۱) اور اسی سے نمبر ۱، ۲ کی وجہ بھی معلوم ہوگئی ہوگی۔

۱۰ ر رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۶۲)

← تو اجرت پر حافظ کو نہ لائیں؛ بلکہ الم ترکیف سے تراویح کی نماز پڑھ لیا کریں اور سامعین کے لئے گنجائش کی بات حضرت والا تھانویؒ نے ۸ ر رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ میں لکھا تھا اور ۱۳۳۲ھ میں اس کے خلاف تحریر فرمایا ہے کہ بلا اجرت حافظ نہ مل سکے تو اجرت دے کر حافظ کو نہ لائیں؛ بلکہ الم ترکیف سے تراویح کی نماز اداء کی جائے؛ لہٰذا ۱۳۳۱ھ والا جواب ۱۳۳۲ھ والے کے جواب سے ساقط ہوگیا، عربی جزئیات اگلے جواب کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) والختم مرة (كنز) وفي النهر: هذه المسئلة لم تذكر في ظاهر الرواية إلا أن أكثر المشايخ قالوا: إن الختم سنة وهو الصحيح كذا في الخانية وغيرها: ......وفي الخلاصة: الختم سنة والختمان فضيلة؛ لكن في المحيط: الأفضل في زماننا أن يقرأ ما لايؤدي إلى تنفير القوم لأن تكثير الجمع أولىٰ من تطويل القراءة. وفي المجتبىٰ: والمتأخرون كانوا يفتون في زماننا بثلاث قصار أو آية طويلة لئلا يمل القوم ويلزم تعطيلها وهذا أحسن. فقد روي الحسن عن الإمام أنه لو قرأ ذلک في الفرض بعد الفاتحة فقد أحسن ولم يسئ فما ظنک بغيره "وفي التجنيس" واختار بعضهم سورة الإخلاص في كل ركعة وبعضهم سورة الفيل أي البداية منها، ثم يعيدها وهذا أحسن لأنه لا يشتغل قلبه بعدد الركعات لعدم اشتباهها عليه فيتفرغ للتكفر والتدبر. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۰۷)

والختم مرة سنة ومرتين فضيلة وثلاثا أفضل، ولا يترک الختم لكسل القوم لكن في الاختيار: الأفضل في زماننا قدر ما لايثقل عليهم لأنه تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة وأقره المصنف وغيره. وفي المجتبىٰ عن الإمام: لو قرأ ثلاثًا قصارًا أو آية طويلة في الفرض فقد أحسن ولم يسئ فما ظنک بالتراويح؟ وفي فضائل رمضان للزاهدي: أفتىٰ أبو الفضل الكرماني والوبري أنه إذا قرأ في التراويح الفاتحة، وآية أو آيتين لايكره. ←

تراویح میں ختم پر اجرت لینے کے لئے باطل حیلہ

سوال (۴۱۰): قدیم ۱/۴۸۴ - اگر زید کو کوئی شخص بغیر اجرت طے کئے ہوئے اپنی خوشی سے دس پانچ روپیہ دیوے یا ایک ماہ کیلئے امام مقرر کر کے کچھ اجرت دیوے اس طور سے عندالشرع اجرت حلال ہوگی یا نہیں اور امامت کی صورت میں تو حلال ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں معلوم ہوتا کیونکہ علماء متاخرین نے امامت کی اجرت پر فتویٰ دیا ہے آپ کی کیا رائے ہے تفصیل وار تحریر کیجئے؟

الجواب: یہ جواز کا فتویٰ اس وقت ہے جب امامت ہی مقصود ہو حالانکہ یہاں مقصود ختم تراویح ہے (*) اور یہ محض ایک حیلہ ہے، دیانات میں جو کہ معاملہ فی مابین العبد وبین اللہ ہے حیل مفید جواز واقعی کو نہیں ہوتے لہٰذا یہ ناجائز ہوگا۔ (۱) ۶ / شوال ۱۳۳۳ھ

(*) قاعدہ ہے ''الأمور بمقاصدها'' پس اگر کسی حافظ کو ختم قرآن شریف کے لئے تراویح کا امام بنایا جاوے تو ظاہر ہے کہ اس سے مقصود امامت نہیں ہے؛ بلکہ قرآن شریف کا ختم ہے۔ (فتاوی دار العلوم جدید ۴/ ۲۷۳)

لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے اس حیلہ کے جواز کا فتوی دیا ہے فرماتے ہیں ''اگر رمضان المبارک کے مہینہ کے لئے حافظ کو تنخواہ پر رکھ لیا جائے اور ایک دو نمازوں میں اس کی امامت معین کر دی جائے تو یہ صورت جواز کی ہے؛ کیونکہ امامت کی اجرت (تنخواہ) کی فقہاء نے اجازت دی ہے (دیباچہ فتاوی رحیمیہ ۲/ ۵) لیکن ظاہر ہے کہ یہ حیلہ ہی حیلہ ہے، مقصود واقعی ختم قرآن شریف ہے، امامت مقصود ہرگز نہیں ہے اور دیانات میں حیلے مفید جواز نہیں ہوتے فالحق ما افتی بہ المجیب قدس سرہ العزیز۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **وفي التجنيس: واختار بعضهم سورة الإخلاص في كل ركعة، وبعضهم سورة الفيل أي البداءة منها، ثم يعيدها وهذا أحسن لئلا يشتغل قلبه بعدد الركعات وعلى هذا استقر عمل أئمة أكثر المساجد في ديارنا.** (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۹۷-۴۹۸، كراچي ۲/ ۴۶-۴۷)

حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صلاة التراويح، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۴۱۴-۴۱۵۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۰۳-۲۰۴۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۱) **قال الله تعالیٰ: وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا**. [سورة البقر: ۴۱] ←

منفرد تراویح اور تہجد میں قرأت جہر یہ کرسکتا ہے

سوال (۴۱۱): قدیم ۱/ ۴۸۵- اسی طور پر جب اکیلا تراویح اور تہجد میں بھی پڑھتا ہو تو قراءت جہر سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

← **قال أبو العالية: أي لاتأخذوا عليه أجراً.** (تفسير ابن كثير، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۲۲)

عن عبد الله بن شبل قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرؤا القرآن ولاتأكلوا به، ولاتستكثروا به، ولاتجفوا عنه، ولاتغلوا فيه. الحديث. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، في الرجل يقوم بالناس في رمضان فيعطىٰ، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۵/ ۲۴۰، رقم: ۷۸۲۵)

مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۴۲۸، رقم: ۱۵۶۱۴۔

عن عمران بن حصين أنه مر علي قارئ يقرأ، ثم سأل فاسترجع ثم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من قرأ القرآن فليسأل الله به، فإنه سيجيئ أقوام يقرء ون القرآن يسألون به الناس. (ترمذي شريف، أبواب فضائل القرآن، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۹، دار السلام: ۲۹۱۷۔

مسند أحمد بن حنبل ۴/ ۴۴۹، رقم: ۲۰۱۸۶۔

المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۸/ ۱۶۶، رقم: ۳۶۰۔

عن سليمان بن بريدة رضؓ عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (شعب الإيمان، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۳۳، رقم: ۲۶۲۵)

عن عبد الله بن معقل أنه صلى بالناس في شهر رمضان فلما كان يوم الفطر بعث إليه عبد الله بن زياد بحلة وبخمس مأة درهم فردّها وقال: إنا لا نأخذ على القرآن أجرًا. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، في الرجل يقوم بالناس في رمضان فيعطىٰ، مؤسسة علوم القرآن ۵/ ۲۳۷، رقم: ۷۸۲۱) ←

الجواب: پڑھ سکتا ہے(۱) ودلیلہ مامر(*)۔ ۶ رشوال ۱۳۳۲ھ

(*) یہ اشارہ سوال نمبر ۳۸۲ر کے جواب میں درج شدہ دلیل کی طرف ہے، اصل میں یہ دونوں جواب ایک ساتھ تھے ترتیب میں الگ الگ مقاموں پر رکھے گئے ہیں۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **والمعروف عرفًا كالمشروط شرطًا.** (شامي، كتاب الوقف، مكتبه زكريا ديوبند ٦/٦٧٢، كراچي ٤/٤٥٠، المؤسوعة الفقهية الكويتية ٥/١١٣)

البناية شرح الهداية، كتاب الصلح في الدين، مكتبه أشرفيه ديوبند ١٠/٢٩

إن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة. (هندية، كتاب الحيل قديم زكريا ٦/٣٩٠/ جديد زكريا ديوبند٦/٣٩٣)

وقال النسفي في الكافي عن محمد بن الحسن، قال: ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلى إبطال الحق الخ. (عمدة القاري شرح البخاري، دار إحياء التراث العربي ٢٤/١٠٩، زكريا ديوبند ١٦/٢٣٩، رقم: ٦٩٥٣)

(١) **وخير المنفرد في نفل الليل حتى التراويح.** (الدر المنتقىٰ على ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ١/١٥٥-١٥٦)

وخير المنفرد فيما يجهر فيه بين الجهر والإخفاء أداء كان أو قضاءً هو الأصح كمتنفل أي كما خير المتنفل المنفرد بالليل بين الجهر والإخفاء، والجهر: أفضل ما لم يؤذ نائمًا ونحوه والتقييد بالمنفرد لا بد منه لوجوب الجهر في التراويح على الإمام. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/٢٢٨-٢٢٩)

فالحاصل أن الإخفاء في صلاة المخافتة واجب على المصلي إمامًا كان أو منفردًا وهي صلاة الظهر، والعصر والركعة الثالثة من المغرب والأخريان من صلاة العشاء وصلاة الكسوف والاستسقاء وهو واجب على الإمام اتفاقًا وعلى المنفرد على الأصح، وأما الجهر في الصلاة الجهرية فواجب على الإمام فقط وهو أفضل في حق المنفرد وهي صلاة الصبح والركعتان الأوليان من المغرب، والعشاء، وصلاة العيدين، والتراويح، والوتر في رمضان.

(البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/٥٢٧، كوئٹه ١/٣٠٢)

الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٥١، كراچي ١/٥٣٣۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

شبینہ متعارفہ سے متعلق دو مختلف فتاوی کے درمیان تحقیقی جائزہ

حکم شبینہ

سوال (۴۱۲): قدیم ۱/۴۸۵- حامداً و مصلیاً. دونوں فتوے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ درحقیقت دونوں میں لفظی اختلاف ہے کیونکہ حکم جواز کا تعلق نفس عمل کے بشرط خلو من المفاسد کے ہے اور حکم منع کا درصورت لزوم و اقتران مفاسد کے ہے اور دونوں حکم صحیح ہیں اور حکم واقعی نہایت ظاہر ہے کہ اگر مفاسد نہ ہوں تو جائز ہے اور اگر مفاسد ہوں تو جائز نہیں۔ اب صرف یہ امر باقی رہ گیا کہ آیا اس وقت مفاسد غالب ہیں یا نہیں سو یہ امر متعلق ہے مشاہدہ کے اور بنظر انصاف مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا شبہ مفاسد غالب ہیں مثلاً اگر تراویح کے بعد یہ عمل ہو تو نفل کی جماعت مجمع کثیر کے ساتھ ہونا جو کہ مکروہ ہے اور اگر تراویح میں ہو تو امام کو جو تخفیف صلوٰۃ کا حکم ہے اس کی مخالفت لازم آنا اور قراء کا ترتیل و تجوید کو جلدی کی وجہ سے ترک کرنا اور اکثر فخر و نمود کا قصد ہونا اور کہیں عوض مالی کی امید ہونا اور سامعین کا اکثر استماع قرآن کے آداب کو ضائع کرنا و مثل ذلک مما یطول ذکرہ اور قاعدہ فقہیہ ہے کہ جس امر جائز؛ بلکہ مندوب میں جو کہ شرعاً اہتمام کے ساتھ مطلوب نہ ہو مفاسد کا غلبہ ہو اس کو ترک کر دیا جاتا ہے خواہ وہ مفاسد فاعلین کے اعتبار سے ہوں یا دوسرے عوام ناظرین کے اعتبار سے ہوں اس لئے اس زمانہ میں اس عمل کا ترک کرنا مناسب بلکہ کہیں کہیں واجب ہے۔ روایات ذیل اس تقریر کی مؤید ہیں۔

في الدر المختار مکروهات الصلوٰة وترکها (أي القلب الحصى) أولى وفي ردالمحتار لأنه إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة راجحًا على فعل البدعة اھ (۱) وفي الدر المختار الأفضل في زماننا قدر ما لا يثقل عليهم (۲)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۰۹، كراچي ۱/۶۴۲۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۹۷، كراچي ۲/۴۷۔

وفيه أي يكره ذلك (أي التنفل بالجماعة) لو على سبيل التداعى بأن يقتدى أربعة بواحد إلى قوله وفي الأشباه عن البزازية يكره الاقتداء في صلاة رغائب وبراءة وقدر وبعيد هذا ولاينبغى أن يتكلف كل هذا التكلف لأمر مكروه وفي ردالمحتار: تحت هذا القول فلوترک أمثال هذه الصلوات تارک ليعلم الناس أنه ليس من الشعائر فحسن اهٰ وظاهره أنه بالنذر لم يخرج عن كونه أداء النفل بالجماعة (۱) وفي الدرالمختار بحث سجدة الشكر لأن الجهلة يعتقدونها سنة أوواجبة وكل مباح يؤدى إليه فمكروه اهٰ (۲) وفي هذا كفاية إنشاء الله تعالىٰ لمن كان له قلب أو ألقى السمع وهو شهيد. والله تعالىٰ أعلم بحقائق الأمور. فقط

۱۹؍رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۱ ج ۱)

سوال (۴۱۳): قدیم ۱/ ۴۸۷- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلام مجید شب بھر میں ختم کرنا جس کو عرف میں شبینہ کہتے ہیں خواہ ایک حافظ صرف ختم کرے خواہ چند حفاظ مجمع کر کے پورا کریں جائز ہے یا نہیں حسب الشرع موافق مذہب حنفیہ بیان فرماؤ مع سند عبارت فقہاء وغیرہم۔ بینوا توجروا؟

الجواب: ظاہر حدیث سے ممانعت معلوم ہوتی ہے کہ تین روز سے کم میں قرآن ختم کیا جاوے۔

في المشكوٰة عن عبدالله بن عمرو أن رسول الله ﷺ قال: لم يفقه من قرأ القراٰن في أقل من ثلٰث رواه الترمذى وأبوداؤد والدارمى.(۳)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۰۰-۵۰۱، كراچي ۲/ ۴۸-۴۹۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مطلب في سجدة الشكر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۹۸، كراچي ۲/ ۱۲۰۔

(۳) ترمذي شريف، أبواب القراءة، قبيل أبواب تفسير القرآن، النسخة الهندية ۲/ ۱۲۳، دار السلام رقم: ۲۹۴۹۔

أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب تحريب القرآن، النسخة الهندية ۱/ ۱۹۸، دارالسلام رقم: ۱۳۹۴۔ ←

اسی بناء پر بعض علماء نے اس شبینہ کو مکروہ فرمایا ہے لیکن عادت سلف کی ختم قرآن میں مختلف منقول ہوئی ہے حتی کہ بعض بزرگوں نے ایک شب وروز میں تین ختم کئے اور بعض نے آٹھ ختم کئے اس لئے مطلقا تین روز سے کم میں ختم کرنے کو مکروہ کہنا نامناسب ہے بلکہ اقرب الیٰ التحقیق یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر شبینہ میں قرآن صاف پڑھا جاوے اور حفاظ کو ریا مقصود نہ ہو کہ فلاں نے اس قدر پڑھا اور فلاں نے اس قدر۔ اور جماعت کسل مند نہ ہو اور حاجت سے زیادہ روشنی میں تکلف نہ کریں اور تراویح میں پڑھیں اور قصد حصول ثواب کا ہو جائز ہے (*) اور حدیث مذکور کے معارض نہیں کیونکہ علت منع عدم تفقہ ہے اور جب ایسا صاف پڑھا جائے کہ تفقہ وتدبر ممکن ہو تو ممنوع نہیں۔ چنانچہ عادت بعض سلف کی تحریر ہو چکی یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ ان کے فعل کو مکروہ کہیں چنانچہ حدیث مذکورہ کے حاشیہ پر مرقوم ہے۔

ظاهره المنع من ختم القراٰن في أقل من هذه المدة ولكنهم قالوا: قد اختلف عادات السلف في مدة الختم فمنهم من كان يختم في كل شهرين ختمةً واٰخرون في كل شهروفي كل عشروفي أسبوع إلى أربع وكثيرون في ثلٰث وكثيرون في يوم وليلة في جماعة ثلٰث ختمات في يوم وليلة وختم بعض ثمانى ختمات في يوم وليلة والمختار أنه يكره التاخير في الختمة أكثر من أربعين يوماً وكذا التعجيل من ثلٰثة أيام والأولىٰ أن يختم في الأسبوع والحق أن تختلف باختلاف الأشخاص ١٢. (١)

(*) یہ حکم ہے فعل کا فی نفسہ لیکن ہمارے زمانہ میں مفاسد عادۃً مثل لازم کے ہو گئے ہیں؛ لہٰذا منع ہی کرنا احوط ہے۔ ۱۲ منہ

← مسند دارمي، دار المغني بيروت ٢/ ٩٣٦، رقم: ١٥٢٤۔

مسند أحمد بن حنبل ٢/ ١٨٩، رقم: ٦٧٧٥۔

مشكوة شريف، كتاب فضائل القرآن، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ١٩١۔

(١) حاشية شكوة شريف، كتاب فضائل القرآن، مكتبه أشرفيه ديوبند ١/ ١٩١۔

ظاهره المنع ختمه في أقل من هذه المدة، ولكنهم قالوا: قد اختلفت عادات السلف في مدة الختم من ختمة في شهرين إلى ثماني ختمات في كل يوم وليلة، والمختار أنه يكره التأخير في ختمه أكثر من أربعين يومًا، وروي أنه يحاج القرآن لمن لم يختمه في أربعين يومًا، وكذا التعجيل من ثلاثة أيام لهذا الحديث ←

ط ولمعات مختصرا (*) اور اگر اتنی جلد پڑھیں کہ حرف تک سمجھ میں نہ آوے نہ زیر کی خبر نہ زبر کی نہ غلطی کا خیال نہ متشابہ کا اور فقط ریا کاری مقصود ہو اور جماعت بھی اِدھر اُدھر گری پڑی ہو یا حاجت سے زیادہ روشنی ہو یا تراویح پڑھ کر جماعت نوافل میں پڑھیں یہ بیشک مکروہ ہے۔

لقوله تعالیٰ: ورتل القراٰن ترتيلا. (۱) ولقوله: وإذا قاموا إلى الصلوٰة قاموا كسالیٰ يراؤن الناس الخ (۲)

(*) روي الطحاوي بسنده عن عبد الله بن زبیرؓ أنه قرأ القرآن في ركعة، وعن سعيد بن جبيرؓ أنه قرأ القرآن في ركعة في البيت انتهیٰ ۱۲ منه

← **والأولیٰ أن يختمه في الأسبوع يبدأ ليلة الجمعة ويختم ليلة الخميس، والحق أن ذلک يختلف باختلاف الأشخاص كما ذكره الطيبي.** (لمعات التنقيح، كتاب فضائل القرآن، مكتبه دار النوادر بيروت ۴/ ۵۹۵)

شرح الطيبي، كتاب فضائل القرآن، باب آداب التلاوة ودروس القرآن، مكتبه زكريا ديوبند ۴/ ۳۴۰-۳۴۱۔

ثم جرى على ظاهر الحديث جماعة من السلف فكانوا يختمون القرآن في ثلاث دائمًا وكرهوا الختم أقل من ثلاث ولم يأخذ به آخرون نظراً إلى أن مفهوم العدد ليس بحجة على ما هو الأصح عند الأصوليين، فختمه جماعة في يوم وليلة مرة، وآخرون مرتين وآخرون ثلاث مرات، وختمه في ركعة من لا يحصون كثرةً...... قال النووي: المختار أن ذلک يختلف باختلاف الأشخاص فمن كان يظهر له بدقيق الفكر اللطائف والمعارف فليقتصر على قدر يحصل كمال فهم ما يقرؤه ومن اشتغل بنشر العلم أو فصل الخصومات من مهمات المسلمين فليقتصر على قدر لايمنعه من ذلک ومن لم يمكن من هؤلاء فليستكثر ما أمكنه من غير خروج إلى حد الملالة أو الهذرمة وهي سرعة القراءة. (مرقاة المفاتيح، مكتبه امدادية ملتان ۵/ ۱۰)

(۱) **قال الله تعالیٰ: اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا.** [سورة المزمل:۴]

(۲) [سورة النساء:۱۴۲]

ولقوله: إن الله لا يحب المسرفين. (۱)

ولقول الفقهاء: إن جماعة النوافل مكروهة. (۲). والله اعلم،

۲۲ رجب روز جمعہ ۱۳۰۲ھ امداد ص ۱۰۳ ج ۱)

سوال (۴۱۴): قدیم ۱/۴۸۸- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد یا علاوہ جامع مسجد کے اور کوئی مسجد یا علاوہ مسجد کے اور کسی جگہ شبینہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: چند شرائط سے درست ہے مگر عادۃً یہ شرائط کم پائے جاتے ہیں ترتیل نہ چھوٹے! تراویح میں پڑھے "جماعت کے وقت تخلف نہ کریں۔ (۳)

۵ر شوال ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۶۵)

---

(۱) [سورة الانعام: ۱٤۱]

(۲) **والتطوع على سبيل التداعي مكروهة (در مختار) قال الطحطاوي: والتداعي أن يجتمع أربعة فأكثر على إمام ودون ذلك لا يكره إذا صلوا في ناحية من المسجد كذا في القهستاني، ونقله في البحر عن الصدر الشهيد وظاهر إطلاقه الكراهة أنها التحريمية.** (طحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كوئٹه ۱/ ۲٤۰، حلبي كبير، كتاب الصلاة، تتمات من النوافل، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٤۰۸)

(۳) شبینۂ مروجہ مختلف مفاسد وخرابیوں کی وجہ سے'' مثلاً حاضرین کا شروع سے جماعت میں شرکت نہ کرنا، دوران تلاوت باہم گفتگو کرنا، کھانے پینے کی چیزوں میں مشغول ہونا، قاری وحافظ کا اس قدر عجلت سے قرآن پڑھنا کہ حروف کی ادائیگی کما حقہ نہ ہو پائے'' ممنوع وناجائز اور قابل ترک ہے؛ چنانچہ خود حضرت والا تھانویؒ نے جواب مذکور میں شبینہ کو چند شرائط کے ساتھ جائز قرار دے کر اپنے قول'' مگر عادۃً یہ شرائط کم پائے جاتے ہیں'' کے ذریعہ شبینۂ مروجہ کے ممنوع اور قابل ترک ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتاوی قاسمیہ ۸/ ۳۹۷ تا ۴۰۶، رقم: ۳۲۱۵-۳۲۲۲۔

عن عبد الله بن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث. (ابن ماجه شريف، باب في كم يستحب يختم القرآن، النسخة الهندية ص: ۹٥، دار السلام، رقم: ۱۳٤۷، أبواب القراءة، قبيل أبواب تفسير القرآن، النسخة الهندية ۲/ ۱۲۳، دار السلام رقم: ۲۹٤۹) ←

کسی خاص شخص کی رعایت سے اس کے فوت شدہ قرآن کو تراویح میں لوٹانا

سوال (۴۱۵): قدیم ۱/۴۸۹- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امام کی نسبت کہ کسی خاص شخص کی رعایت سے قرآن شریف کی ترتیب پوری کرنی یعنی اگر اس شخص کا رمضان شریف میں قرآن شریف سننا ترک ہوگیا ہو تو پھر اس کو دوسرے روز انہیں بیس رکعت میں پڑھنا اس حالت میں مقتدیوں کو بار اور تکلیف اور وقت کی تنگی ہو اور امام اس شخص کی اکثر رعایت کرتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا؟

الجواب: نماز تو اس کے پیچھے جائز ہے مگر خود یہ فعل کہ ایک شخص کی رعایت کرے اور دوسروں کو گرانی ہو مکروہ تحریمی ہے البتہ اگر یہ شخص مفسد ہے کہ اس سے اندیشۂ ضرر ہے تو مکروہ بھی نہیں۔

في الدر المختار: وكره تحريماً إطالة ركوع أو قراءة لإدراك الجائي أي إن عرفه وفي رد المحتار: إلا إذا كان داعراً شريراً. وفي رد المحتار: وإن لم يعرفه فلابأس إلى قوله لكن يطول مقدار مالم يثقل على القوم ج۱ص۵۱۶ (۱)

سلخ جمادی الاولی ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۳۰)

← أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب تخريب القرآن، النسخة الهندية ۱/۱۹۷، دارالسلام رقم: ۱۳۹٤۔

مسند أحمد بن حنبل ۲/۱٤٦، رقم: ٦٥٣٥۔

ثم القراءة على ثلاثة أوجه...... وفي التراويح يقرأ بقراءة الأئمة بين التؤدة والسرعة.

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في القراءة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/٦٧، رقم: ۱٧٦۲)

تصحيح الحروف أمر لازم لا بد منه ولاتصير قراءة إلا بعد تصحيح الحروف.

(المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض، المجلس العلمي ۲/۳۸، امدادية ملتان ۱/۵۸)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي۔ مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۹۸، كراچي ۱/٤۹٤۔

ولو أطال الإمام الركوع لإدراك الجائي الركوع لاتقربًا به لله تعالىٰ فهو مكروه كراهة تحريم حتى قال أبو يوسفؒ سألت أبا حنيفةؒ عن هذا فقال أكره له ذلك وأخشىٰ عليه ←

تراویح میں دوسری رکعت پر بیٹھنے کا وجوب

سوال (۴۱۶): قدیم ۱/ ۴۸۹- تراویح میں اگر دوسری رکعت پر نہ بیٹھے اور کھڑا ہو جاوے تو سیدھا کھڑے ہونے کے بعد بیٹھے یا نہ اور چوتھی رکعت میں سجدۂ سہو کرے یا نہیں اور نماز تراویح ہوگی یا نفل اور اعادہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب: (*) جزئی نہیں دیکھی کلیہ کا مقتضایہ ہے کہ بیٹھنے کی ضرورت نہیں اخیر میں سجدۂ سہو کرے

(*) اس جواب میں تسامح ہوا ہے اور اس سلسلہ میں صریح جزئی موجود ہے جو آگے سوال نمبر ۴۳۷ / کے جواب میں آرہی ہے۔ نیز یہ مسئلہ پہلے بھی سوال نمبر ۳۷۵ / پر مجملاً گزرا ہے، اس سلسلہ میں تفصیل سوال نمبر ۴۳۷ / کے جواب اور اس پر حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **أمرًا عظيمًا...... وأكثر العلماء حملوا لكراهة وكذا المروي على ما إذا كان الإمام يعرف الجائي بعينه أما إذا كان لا يعرفه فقد قالوا لا بأس به لأنه إعانة على الطاعة؛ لكن يطول مقدار ما لا يثقل على القوم بأن يزيد تسبيحة أو تسبيحتين على المعتاد لأن الزيادة على ذلك سبب للتنفير كما تقدم وعلى هذا لو طول القراءة في الركعة الأولىٰ ليدرك الناس تلك الركعة لا بأس به إذا كان مقدار ما لا يثقل.** (حلبي كبير، كتاب الصلاة، صفة الصلاة، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٣١٧)

أطال الإمام الركوع أو السجود لإدراك الجائي قال الإمام: أخشىٰ عليه أمراً عظيمًا وقال أبو مطيع: لا بأس بذلك ليدرك الركعة ويؤجر وقيل إن عرف الجائي يكره وإلا لا وهو تاويل المروي ولا خلاف أنه لو ثقل على القوم لا يفعل. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢١٤)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب في صفة الصلاة، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ١٤٥۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، صفة الصلاة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ٢٦٥۔

البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٥٥١- ٥٥٢، كوئٹه ١/ ٣١٦ ۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اورتراویح ہوگئی اورحاجت اعادہ نہیں۔ (۱)

في الدرالمختار: والأصل أن كل شفع صلاة إلا بعارض اقتداء أونذر أوترک قعوداه مع ردالمحتار ج ا ص ۷۱۴، (۲) ووجوب سجدة السهو ظاهر. فقط

۱۱رشعبان ۱۳۲۱ھ (تتمہ اولیٰ ص ۳۷)

تراویح میں ترویحہ (جلسہ) کی مقدار

سوال (۴۱۷): قدیم ۱/۴۹۰- مقدارترویحہ جوجلسہ میں توقف کرنے کی مقدار ہے اس ترویحہ سے مراد کیا ہے آیا وہ چاررکعت جن میں قرآن پڑھا گیا ہے یا جتنی دیر میں چاررکعت نفل پڑھیں ادنی مایجوزبہ الصلوٰۃ سے؟

الجواب: **بعدكل أربعة بقدرها** سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاص رکعات جتنی دیر میں پڑھی گئی ہیں مگر قول قہستانی:

فيقال ثلاث مرات سبحان ذى الملك والملكوت الخ اورقول نہر، **وأهل المدينة يصلون أربعاً** سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق اربعہ مراد ہے۔

---

(۱) راجح اورمفتی بہ قول یہی ہے کہ ان میں سے صرف دوہی رکعت معتبر ہوگی اورآخری دونوں رکعتوں کا پڑھا ہوا قرآن معتبر ہوگا اورپہلی دونوں رکعتوں کا قرآن لوٹانا ہوگا۔

وعن الشيخ أبي بكر الاسكاف أنه سئل عن رجل قام إلى الثالثة في التراويح ولم يقعد على رأس الثانية قال إن تذكر في القيام ينبغي أن يعود إلى القعدة فيقعد ويسلم، في الخانية: ما لم يقيد الثالثة بالسجدة وإن تذكر بعد ما ركع للثالثة وسجد فإن أضاف إليها ركعة أخرىٰ كانت الأربعة عن ترويحة واحدة. وفي الخانية: يعنى عن الركعتين الخ. (الفتاوى التاتارخانية، ۲/ ۳۳۰، رقم: ۲۵۷۲)

ولو صلى أربعًا بتسليمة واحدة ويقعد على رأس الركعتين ففي القياس وهو قول محمدؒ، وزفرؒ وإحدى الروايتين عن أبي حنيفةؒ أنه يفسد صلوته ويلزمه قضاء هذه الترويحة الخ. (الفتاوى التاتارخانية، ۲/ ۳۳۰، رقم: ۲۵۷۱)

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۷۸، كراچي ۲/ ۳۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وهذا أيسر كذا في ردالمحتار بحث التراويح.(۱)

۲۵/رمضان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص۳۹)

تراویح کی نماز عورت ومرد دونوں پر سنت مؤکدہ ہے

سوال (۴۱۸): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح سنت کفایہ ہے یا نہیں۔ درمختار میں ہے تراویح سنت کفایہ ہے؟ (*)

(*) سائل کو دھوکہ ہوا ہے، درمختار میں تراویح کی ''جماعت کو سنت کفایہ لکھا ہے نہ کہ ''تراویح'' کو ۱۲ سعید پالن پوری

---

(۱) **يجلس ندبًا بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر، ويخيّرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادىٰ (در مختار) وفي الشامية: قوله: بين تسبيح قال القهستاني: فيقال ثلاث مرات سبحان ذي الملك والملكوت الخ. وقوله: صلاة فرادىٰ: أي صلاة أربع ركعات فيزاد ست عشرة ركعة......وفي النهر: وأما الصلاة فقيل مكروهة، وقيل سنة، وهو ظاهر ما في السراج وأهل مكة يطوفون وأهل المدينة يصلون أربعًا.** (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۹۷، كراچي ۲/۴٦)

والختم مرة بجلسة بعد كل أربع بقدرها (كنز) قوله بعد كل أربع بقدرها بيان لمقدار المسنون منها، قال الشارح: إلا أنها مستحبة فقط للتوارث...... ثم هو مخير في هذه الجلسة بين القراءة والتسبيح والسكوت، وأما الصلاة، فقيل مكروهة وقيل حسنة وهو ظاهر ما في السراج، وأهل مكة يطوفون وأهل المدينة يصلون أربعًا. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۰۷)

وجلسة بعد كل أربع بقدرها (ملتقى الأبحر) وفي المجمع: أي بقدر أربعة من ركعاته، لو قال: وانتظار بقدرها لكان أولىٰ فإن بعض أهل مكة يطوفون بين كل ترويحتين سبعًا، وأهل المدينة يصلون بدل ذلك أربع ركعات وأهل كل بلدة بالخيار يسبحون أويهللون أو ينتظرون سكوتًا. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۰۳)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب إدراك الفريضة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۲۲، كوئٹه ۲/٦۹۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: تراویح کا سنت کفایہ ہونا کہیں بھی مذکور نہیں اس میں صاف لکھا ہے سنة مؤكدة للرجال والنساء اجماعاً یہ صریح ہے سنت علی العین ہونے میں۔(۱)

۳۰رشوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۰)

دینی مصلحت کے پیش نظر تراویح کا سنت مؤکدة علی تعین ہونا

سوال (۴۱۹): قدیم ۱/۴۹۰- کیا فرماتے ہیں علمائے دین تراویح کے بابت تراویح کی جماعت سنت کفایہ ہے۔ از عالمگیری؟

الجواب: واقعی ایک قول یہ بھی ہے مگر دوسرا قول اسکے خلاف ہے۔

---

(۱) التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء إجماعاً. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۹۳، كراچي ۲/۴۳)

التراويح سنة كما في الخلاصة: وهي مؤكدة كما في الاختيار وروي أسد بن عمرو عن أبي يوسفؒ قال: سألت أبا حنيفة عن التراويح وما فعله عمرؓ فقال: التراويح سنة مؤكدة، ولم يتخرصه عمر من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعًا ولم يأمربه إلا عن أصل لديه وعهد من رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي سنة عين مؤكدة على الرجال والنساء. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في صلاة التراويح، مكتبه دار الكتاب ديوبند ۴۱۱-۴۱۲)

التراويح سنة مؤكدة للرجال والنساء جميعًا بإجماع الصحابة ومن بعدهم من الأئمة. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل فصل في التراويح، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۰۲)

حلبيي كبير، كتاب الصلاة، التراويح، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۴۰۰۔

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، صلاة التراويح، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۶۴۴۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

كما في رد المحتار: وقيل إن الجماعة فيها (أي التراويح) سنة عين فمن صلاها وحده أساء وإن صليت في المساجد وبه كان يفتي ظهير الدين ج۱ص۷۳۸،(۱)

اوراس وقت مصالح دین پر نظر کر کے اس پر فتویٰ ہونا چاہئے ۔۳۰/شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص۹۰)

تراویح کی ایک رکعت میں ''قل هو الله'' کے تکرار کا حکم

سوال (*)(۴۲۰): قدیم۱/۴۹۱- جناب کتابیکہ از تالیف حضور فیض گنجور است مسمیٰ بہ بہشتی گوہر وحصّہ یازدہم کہ بہشتی زیور است دراں مکتوب است کہ خواندن قل ہواللہ در نماز ختم تراویح بہ سہ مرتبہ مکروہ است چناں کہ حافظان ایں زمانہ بروزے کہ ختم آخری شود قل ھواللہ را بہ سہ مرتبہ در نماز خوانند ایں قسم خواندن مکروہ است یانہ اگر باشد بچہ وجہ۔

(*) خلاصہ سوال: بہشتی گوہر صفحہ ۳۶/ میں ہے ''مسئلہ صحیح یہ ہے کہ قل ہواللہ کا تراویح میں تین مرتبہ پڑھنا جیسا کہ آج کل دستور ہے مکروہ ہے'' کراہت کی کیا وجہ ہے؟ یعنی تکرار سورت کی وجہ سے کراہت ہے یا رواج کی وجہ سے؟ اور کراہت کونسی ہے؟ سعید احمد پالن پوری

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۹۵، كراچي ۲/۴۵۔

وصلاتها بالجماعة سنة كفاية فلا إثم على من لم يحضر الجماعة إلا أن يتركوها جميعًا أو يكون فقيهًا يقتدي به وقال المرغيناني: إنها سنة عين. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في صلاة التراويح، دار الكتاب ديوبند ۴۱۲)

التراويح سنة مؤكدة في كل ليلة من رمضان بعد العشاء قبل الوتر وبعده بجماعة أي إقامتها بالجماعة سنة فمن ترك التراويح بالجماعة وصلاها في البيت فقد أساء عند بعضهم والصحيح إن إقامتها بالجماعة سنة على الكفاية. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الوتر النوافل، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۰۲)

وسن في رمضان عشرون ركعة بعد العشاء قبل الوتر وبعده بجماعة في مسجد أوغيره إلا أنها في المسجد أفضل على ما عليه الإعتماد وهو ظاهر في أنها على الأعيان وهو قول المرغيناني: والصحيح الذي عليه العامة أنها على الكفاية. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۲۰، كوئٹه ۲/۶۸) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

آیا بوجہ تکرار سورہ یا بوجہ رواج گردانیدن؟ واگر مکروہ باشد کدام مکروہ؟ جناب ایں قسم خواندن در ملک بنگالہ رواج کثیر شدہ اگر کسے منع کند عالم وجاہل ہمکنان اور انفرت می کنند وگویند کہ ایں قسم خواندن از زمانہ جناب مولانا حافظ احمد صاحب جاری شدہ اگر منع بودے او نیز منع کردے آں منع نہ کردن دلیل است بر جواز و بسے مولوی انکار نمودہ و چند مولوی اقرار نمودہ اکنوں فساد برپا شد و در تحقیق آں مشغول شدہ بعد چند روز شخصے از کتاب مفید القاری کہ از تالیف مولوی عبد المنان است آوردہ کہ نزد فقیہ ابو اللیث خواندن قل ہو اللہ سہ بار جائز است و بعض مستحسن فہمید و بعضے غیر مستحسن و بعد ازاں نوشتہ کہ در شرح منیہ نوشتہ:

ویکره تکرار السورة في المکتوبة دون النوافل.(۱)

پس باقی ماند در نماز تراویح نفل است یا سنت اگر نفل است جائز است باتفاق واگر سنت باشد جائز شود یا نہ؟ واوشاں کتاب جناب دیدند و گفتہ اند کہ از کدام کتاب نقل کردہ آیا کہ معتبر است یا غیر معتبر۔

هل یجور تکرار السورة في السنة والواجب.

اگر معتبر باشد وعلمائے متین دستخط کند در گرفتن آں شکے نماند فلہٰذا امید نزد جناب ایں کہ از روئے شفقت ولرضاء اللہ دو قلم تحریر فرمودہ مکروہ است یا نہ؟ ثابت کردہ وہم از کتاب است عبارتش نوشتہ از چند علمائے فحول مسجل کنانیدہ ایں فساد را دور کنند وثواب دارین حاصل کنند۔ إن اللّٰه لایضیع أجر المحسنین؟

الجواب (*): بہشتی گوہر ملخص است از علم الفقہ کہ از تالیفات مولوی عبد الشکور صاحب لکھنوی است ندانم کہ از کجا نقل فرمودند وقت تلخیص بسبب وثوق بریشاں تفتیش ماخذ نہ نمودہ شد اگر دل خواہد از وشاں تحقیق نماید نشان اوشان لکھنؤ چوک مدرسہ مولانا عین القضاۃ صاحب کافی است لیکن تبرعاً برائے تحقیق دلیل بندہ ہم بکتب رجوع کردہ روایت ذیل در عالمگیریہ از نظر گزشت۔

(*) ترجمۂ جواب: بہشتی گوہر علم الفقہ (مؤلفہ مولوی عبد الشکور صاحب لکھنوی) سے ملخص کی گئی ہے، معلوم نہیں انہوں نے یہ مسئلہ کہاں سے نقل کیا ہے، تلخیص کے وقت ان پر اعتماد کی وجہ سے حوالہ کی تفتیش نہیں کی گئی، اگر دل چاہے تو ان سے تحقیق کرلیں۔ ان کا پتہ ''لکھنو چوک مدرسہ مولانا عین القضاۃ صاحب'' ہے۔

لیکن تبرعاً بغرض تحقیق بندہ نے بھی کتابوں کی مراجعت کی، عالمگیری میں مندرجۂ ذیل روایت نظر سے گزری ویکره تکرار السورة.........۔ ←

---

(۱) ویکره تکرار السورة في الفرض ولایکره في التطوع. (حلبي کبیري، کتاب الصلاة، کراهیة الصلاة، مکتبه أشرفیه دیو بند ص: ۳۵۵)

ويكره تكرار السورة في ركعةٍ واحدة في الفرائض ولا بأس في التطوع كذا في فتاوىٰ قاضيخان، وإذا كرر اٰية واحدة مراراً فإن كان في التطوع الذي يصلىٰ وحده فذلك غير مكروه، وإن كان في الصلوٰة المفروضة فهو مكروه الخ ج۱ص۶۸(۱)

← ظاہر ہے کہ تکرار سورت اور تکرار آیت متساوی الحکم ہیں اور نوافل میں آیت کے تکرار کی عدم کراہت کو **الذي يصلي وحده** سے مقید کیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ نوافل میں سورت کے تکرار کی عدم کراہت سے مراد بھی وہی نوافل ہیں، جو تنہا پڑھی جائیں اور تراویح جو فرائض کی طرح جماعت سے پڑھی جاتی ہے بحکم فرائض ہے؛ لہٰذا فرائض کی طرح تراویح میں بھی سورت کا تکرار مکروہ ہوگا۔

علاوہ بریں یہ التزام واصرار، جو لوگوں نے اختیار کرلیا ہے، یہ بھی کراہت کی مستقل دلیل ہے، دلیل اول کا متقضاء کراہت تنزیہی ہے اور دلیل ثانی کا مقتضاء کراہت تحریمی ہے۔ واللہ اعلم

اضافہ: بہشتی گوہر کے حاشیہ میں ہے، ''وجہ کراہت یہ ہے کہ آج کل عوام نے اس کو لوازم ختم سے سمجھ لیا ہے جیسا کہ ان کے طرز عمل سے ظاہر ہے؛ لہٰذا مکروہ ہے نہ یہ کہ اعادہ سورۃ فی نفسہ مکروہ ہے، جیسا کہ مولانا رحمۃ اللہ نے تتمۂ ثالثہ امداد الفتاوی ۱۱۸ر میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے (جو یہاں سوال ۴۲۱ر پر درج ہے ۱۲ سعید احمد) پس اعادہ سورۃ خواہ فی نفسہ جائز ہو یا مکروہ رسم ہذا قابل ترک ہے ۱۲ تصحیح الاغلاط ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) هندية، كتاب الصلاة، البا ب السابع، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لايكره قديم زكريا ۱/۱۰۷، جديد زكريا ۱/۱۶۶.

وفي المحيط: إذا كرر آية واحدة مرارًا إن كان في التطوع الذي يصليه وحده فذلك غير مكروه وإن كان في الفريضة فهو مكروه وهذا في حالة الاختيار أما في حالة العذر والنسيان فلا بأس به. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، تتمات فيما يكره من القرآن في الصلاة، وما لايكره، مكتبه أشرفيه ديوبند ص:۴۹۴)

المحيط البرهاني،، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات والسنن، المجلس العلمي ۲/۴۹، رقم: ۱۲۰۸۔

نفلوں میں تنہا پڑھنے کی بات اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔

عن أبي سعيد الخدريؓ، أن رجلا سمع رجلاً يقرأ قل هو الله أحد، يرددها فلما أصبح جاء إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له وكأن الرجل يتقالها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: والذي نفسي بيده أنها لتعدل ثلث القرآن الحديث. (بخاري شريف، ۲/۷۵۰، رقم: ۴۸۲۲، ف: ۵۰۱۳)

پس ظاہر است کہ تکرار سورت وتکرار آیت متساوی الحکم ہستند و در عدم کراہتہ تکرار آیت فی التطوع قید ''الذی یصلی وحدہ'' اضافہ فرمودہ پس واضح شد کہ مراد از تطوع در تکرار سورت نیز ہماں تطوع است کہ تنہا گزاردہ می شود وتراویح کہ مثل فرائض بجماعت ادا کردہ میشود دریں حکم مثل فرائض است پس مثل فرائض درآں ہم تکرار سورت مکروہ باشد وعلاوہ بریں ایں چنیں التزام واصرار کہ مردمان اختیار کردہ اند ہم دلیل مستقل است بر کراہت (۱) ومقتضائے دلیل اول کراہتہ تنزیہیہ است ومقتضائے دلیل ثانی تحریمیۃ۔ واللہ اعلم، (تتمہ ثانیہ ص ۱۷۸)

سوال (۴۲۱): قدیم ۱/۴۹۳- عرصہ چند ماہ کا ہوا کہ اس جگہ کچھ جھگڑا ہوا ہے در بارہ مسئلہ قراءۃ سورۂ اخلاص شریف تراویح میں تین مرتبہ مجوزین فرماتے ہیں کہ کوئی وجہ منع کی نہیں بلکہ یہ موجب ثواب ہے چونکہ تین مرتبہ سورت مذکور کو پڑھنا برابر ثواب میں کل قرآن شریف کے ہے اور مانعین فرماتے ہیں کہ تکرار نماز میں نہیں ہے؛ چنانچہ حضور والا کے بہشتی زیور کے گیارھویں حصہ بہشتی گوہر میں مرقوم ہے اصح یہ ہے کہ مکروہ ہے جیسا کہ آجکل رواج ہے پس وہ سوال کرتے ہیں کہ اس کے کیا معنی آجکل کا رواج کس طور پر ہے پس جناب والا تکلیف فرما کر جواب باصواب تحریر فرمائیں مع حوالہ کتب۔ فقط؟

الجواب: اس وقت خاص اس کا جزئیہ تو جلدی میں ملا نہیں لیکن درمختار کے اس قول پر کہ:

لابأس أن يقرأ سورة ويعيدها في الثانية.

---

(۱) **ومن أصر على أمر مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر على بدعة ومنكر.** (مرقاة المفاتيح، كتا ب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، مكتبه امدادية ملتان ۲/۳۵۳)

وقد مر أن الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع. (سعاية، كتاب الصلاة، الفصل في القراء ة، مكتبه أشرفيه ديوبند ۲/۲۶۵)

فكم من مباح يصير بالإلتزام من غير لزوم وبالتخصيص من غير مخصص مكروهًا. (مجموعة رسائل اللكهنوي، سباحة الفكر في الجهر بالذكر ۳/۳۴، بحواله محموديه ڈابهيل ۱۱/۲۰۳) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

علامہ شامی کا یہ قول ملا:

أفاد أنه يكره تنزيهاً وعليه يحمل جزم القنية بالكراهة ويحمل فعله عليه الصلوٰة والسلام لذلك على بيان الجواز ج۱ص۵۷۰۔(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک سورۃ کا دو رکعت میں اعادہ کرنا مکروہ ہے تو ایک رکعت میں اس کا اعادہ وتکرار تو بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا اور اگر شبہ ہو کہ اس کے بعد درمختار میں ہے:

ولا يكره في النفل شيء من ذلك.

اس کا جواب یہ ہے کہ ردالمحتار میں فتح سے اس پر نقل کیا ہے:

وعندي في هذه الكلية نظر الخ

پھر ردالمحتار ہی میں حلبی سے نقل کیا ہے:

إنهم نصوا بأن القراء ة الخ ج۱ص۵۷۱ (۲)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲٦۸، كراچي ۱/٥٤٦۔

ولابأس بأن يقرأ سورة ويعيدها في الثانية كما روي ذلك من فعله عليه الصلاة والسلام كذا في الشرح وجزم في القنية بالكراهة والظاهر أنها تنزيهية ولفظ لا بأس لاينافيها ويحمل فعله عليه الصلاة والسلام على بيان الجواز. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۳۷)

(۲) **ولايكره في النفل شيئ من ذلك (در مختار) وفي الشامية: عزاه في الفتح إلى الخلاصة، ثم قال: وعندي في هذه الكلية نظر، فإنه صلى الله عليه وسلم نهى بلالاً رضي الله عنه عن الإنتقال من سورة إلى سورة وقال له: إذا ابتدأت سورة فأتمها على نحوها حين سمعه ينتقل من سورة إلى سورة في التهجد، واعترض الحلبي أيضًا بأنهم نصوا بأن القراءة على الترتيب من واجبات القراءة، فلو عكسه خارج الصلاة يكره فكيف لايكره في النفل تأمل؟.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲٦۹، كراچي ۱/٥٤۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے اور بوجہ قوت دلیل کے ترجیح کراہت کی معلوم ہوتی ہے یہی حاصل ہے بہشتی گوہر کے مسئلہ کا چنانچہ یہ قول کہ صحیح یہ ہے الخ دال ہے اختلاف پر بھی اور بہشتی گوہر میں جو لکھا ہے کہ جیسا کہ آج کل دستور ہے اس کے معنی ظاہر ہیں کیوں کہ آج کل ایسا کرتے ہیں پھر بعد تحریر اس جواب کا جزئیہ بھی مل گیا جس سے جواب مذکور کی تائید ہوتی ہے اور وہ جزئیہ یہ ہے، درشرح منیہ می آرد۔

قراء ة قل هو الله أحد ثلٰث مرات عند ختم القران لم يستحسنها بعض المشايخ وقال الفقيه أبو الليث: هذا شيء استحسنه أهل القران وأئمة الأمصار فلا بأس به إلا أن يكون الختم في المكتوبة فلا يزيد على مرةانتهىٰ. (۱)

ودرہماں کتاب بجائے دیگر است

ويكره تكرار قراء ة السورة في الفرض ولا يكره تكرار السورة في التطوع لأن باب النفل أوسع ملخصاً .

فتاویٰ مولانا عبدالحی جلد سوم ص ۱۳۵۹ (۲) ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۱۱۸)

کمزوری کی وجہ سے تراویح کی بیس رکعت کی تعداد میں کمی کی ممانعت

سوال (۴۲۲): قدیم ۱/ ۴۹۵- اگر کوئی شخص بسبب شکایت ضعف جسمانی یا دیگر امراض تراویح کی بیس رکعتیں نہ پڑھ سکے اور ۸ یا ۱۲ پڑھ لے تو گنہگار تو نہ ہوگا۔؟

---

(۱) حلبي كبيري، كتاب الصلاة، القراء ة خارج الصلاة، مكتبه أشرفيه ديوبند ص:۴۹۶۔

قراءة "قل هو الله أحد" ثلاث مرات عقيب الختم لم يستحسنها بعض المشايخ، واستحسنها أكثر المشايخ لجبر نقصان دخل في قراء ة البعض الخ. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة و التسبيح الخ قديم زكريا ۵/ ۳۱۷، جديد زكريا ۵/ ۳۶۶)

(۲) **ويكره تكرار السورة في ركعة واحدة من الفرض، وقيد بالفرض لأنه لايكره في النفل لأن شأنه أوسع لأنه صلى الله عليه وسلم قام إلى الصباح بآية واحدة يكررها في تهجد.** (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص:۳۵۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب :بیس کو سنت موکدہ لکھا ہے اس سے کم کا پڑھنے والا سنت موکدہ کا تارک ہوگا پس جو عذر ترک سنت مؤکدہ کے لیے معتبر ہے وہ اس میں بھی معتبر ہوگا ورنہ اگر کھڑے ہوکر دشوار ہو تو بقدر دشواری کے بیٹھ کر پڑھ لے۔(۱)

۸ رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمۂ ثالثہ ص ۷۳)

تراویح میں دوسورتوں کے درمیان بسم اللہ جہراً پڑھنے کی تحقیق

سوال (۴۲۳): قدیم ۱/ ۴۹۵- اگر (مروجہ) حفص کی روایت میں قرآن مجید رمضان المبارک میں

---

(۱) تراویح کی نماز بیس رکعت سنت مؤکدہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بیس رکعت پڑھنے کا سلسلہ جاری تھا، مگر باضابطہ ایک امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ پڑھنے کا معمول نہیں رہا اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جماعت سے پڑھنے کا اہتمام شروع ہوا ہے اور حضرت عمرؓ نے تعداد میں کچھ بھی نہیں کیا؛ بلکہ بیس رکعت کی تعداد پہلے ہی سے جاری تھی، مگر صحابہ ان بیس رکعتوں کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے، تو حضرت عمرؓ نے صرف ان بیس رکعتوں کو جماعت سے پڑھنے کا اہتمام شروع فرمایا تھا، مگر رکعتوں کی تعداد میں کمی بیشی نہیں فرمائی؛ بلکہ جو رکعتیں صحابہ پڑھ رہے تھے، ان کو ایک امام کے پیچھے پڑھنے پر معمور فرمایا تھا؛ چنانچہ اس کے لئے حضرت ابی بن کعبؓ کو امام مقرر فرمایا۔ صحیح بخاری میں اس کی صراحت موجود ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

عن عبد الرحمن بن عبد القاري، أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة في رمضان إلى المسجد إذا الناس أوزاع متفرقون يصلى الرجل نفسه ويصلي الرجل فيصلى بصلاته الرهط، فقال عمر: إني أرىٰ لو جمعت هولاء على قارئ واحد لكان أمثل، ثم عزم فجمعهم على أبى بن كعب، ثم خرجت معه ليلة أخرىٰ والناس يصلون بصلوة قارئهم قال عمرؓ نعم البدعة هذه الخ. الحديث. (بخاري شريف، كتاب صلوة التراويح، باب فضل من قام رمضان ١/٢٦٩، رقم:١٩٦٦، ف:٢٠١٠)

مالک عن يزيد بن رومان أنه قال: كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه في رمضان بثلاث وعشرين ركعة. (موطأ إمام مالك، كتاب الصلاة، باب ماجاء في قيام رمضان، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٤٠)

عن حسن بن عبد العزيز بن رفيع قال: كان أبي بن كعبؓ يصلي بالناس ←

تراویح میں سنایا جائے تو بین السورتین بسم اللہ بآواز بلند پڑھنی چاہیے۔ یا کہ خفی۔ شاطبی میں لکھا ہے کہ قراء سبعہ میں سے ساڑھے تین قراء کے نزدیک **بین السور بسم اللہ** ہے اور ساڑھے تین کے نزدیک بین السورتین بسم اللہ نہیں فقط اول میں جبکہ حفص کے نزدیک بین السورتین بسم اللہ ہے تو بلند آواز سے نہ پڑھنے کی کیا وجہ امام کا تو قرآن مجید پورا ہوجائے گا لیکن سامعین کے قران مجید ختم ہونے میں ۱۱۳ آیات کی کمی رہے گی؟

الجواب (*) : بسم اللہ بین السورتین ہونے سے اس کی جزئیت تولازم نہیں آتی کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بسم اللہ مطلق قرآن کا جزو ہے کسی خاص سورت کا یا ہر سورت کا جزو نہیں (۱)

(*) اس سلسلہ میں مفصل بحث سوال نمبر: ۲۶۹-۲۷۰ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **في رمضان بالمدينة عشرين ركعة ويؤتر بثلاث.** (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، كم يصلي في رمضان من ركعة؟ مؤسسة علوم القرآن ٥/ ٢٢٤، رقم: ٧٧٦٦)

عن الحارث أنه كان يؤم الناس في رمضان بالليل عشرين ركعة ويؤتر بثلاث ويقنت قبل الركوع. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، كم يصلي في رمضان من ركعة، مؤسسة علوم القرآن ٥/ ٢٢٤، رقم: ٧٧٦٧)

عن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب في شهر رمضان بعشرين ركعة الحديث. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ٤/ ٦١، رقم: ٤٧٢٣)

ان تمام روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تراویح کا اطلاق بیس رکعت ہی پر ہوتا ہے؛ لہٰذا بیس رکعت سے کم تراویح نہیں ہوتی؛ اس لئے اگر کھڑے ہو کر پڑھنے میں عذر ہے، تو جس طرح آسانی ہو اس طرح بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ یا اشارہ سے پڑھ لے، عذر کی وجہ سے رکعتوں کی تعداد میں کمی نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا اگر بیس رکعت سے کم تراویح پڑھی جائے گی تو وہ تراویح نہیں ہوگی؛ بلکہ وہ الگ سے نفل ہوگی۔

(۱) **وهي آية واحدة من القرآن كله أنزلت للفصل بين السور.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب قراءة البسملة بين الفاتحة و السورة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١٩٣، كراچي ١/ ٤٩١)

ثم يأتي بالتسمية ويخفيها، وهي من القرآن آية أنزلت للفصل بين السور. (هندية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، قديم زكريا ١/ ٧٤، جديد زكريا ١/ ١٣١) ←

پس اس کا مقتضا یہ ہے کہ ایک جگہ ضرور جہر ہو ورنہ سامعین کا قرآن پورا نہ گا۔ گو قاری کا تو اخفاء بسم اللہ میں بھی ہوجاوے گا کیونکہ بعض اجزاء کا جہر بعض کا اخفاء جائز ہے۔(١) فن قرأت سے تو اس مسئلہ کا صرف اس قدر تعلق ہے آگے فقہ سے تعلق ہے اوراس میں بسم اللہ کا اخفاء ہے۔(٢)

٦ ذیقعدہ ١٣٣٥ھ (تتمہ خامسہ ص ٣٧)

← **وتسن التسمية أول كل ركعة أي باللفظ المخصوص لا مطلق الذكر كما في الذبيحة والوضوء وهي آية واحدة من القرآن.** (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب سنن الصلاة، مكتبه دار الكتاب، ديوبند ص: ٢٦٠)

أحكام القرآن للجصاص، القول في أنها من فاتحة الكتاب، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٩۔

(١) ولو قرأ تمام القرآن في التراويح ولم يقرأ البسملة في ابتداء سورة من السور سوا ما في النملة لم يخرج عن عهد السنية ولو قرأها سرًا خرج عن العهدة؛ لكن لم يخرج المقتدون عن العهدة. (أحكام القنطرة في أحكام البسملة ص:٢٧٣، بحواله فتاوى محموديه ميرٹھ ١١/ ٣٧٦، ڈابھیل ٧/ ٣٠١)

قوله: بناء على أنها آية من الفاتحة عنده الخ. اختلفوا فيه على أقوال تسعة ولكل وجهة هو موليها، فاختار الشافعيؒ أنها السور واختار المتأخرون من أصحابنا أنها آية من القرآن أنزلت للفصل؛ لكن لامن سورة وفرعوا عليه أن من لم يقرأ البسملة في صلاة التراويح في تمام القرآن مرة واحدة أيضًا لا تتأدى سنته وهذا هو الأصح كما حققه التفتازاني في حواشي الكشاف والزيلعي في نصب الراية لأحاديث الهداية وغيرها وتفصيل جميع المذاهب مع ذكر أدلتها والجواب عنها مذكور في رسالتي أحكام القنطرة في أحكام البسملة. (سعاية، كتاب الصلاة، صفة الصلاة، تحقيق إخفاء التسمية، مكتبه أشرفيه ديوبند ٢/ ١٧٠)

(٢) عن أنسؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسر بسم الله الرحمن الرحيم وأبوبكرؓ، وعمرؓ. (المعجم الكبير، دار إحياء التراث العربي ١/ ٢٥٥، رقم:٧٣٩)

عن أنسؓ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبوبكر، وعمر، وعثمان رضي الله عنهم يفتتحون القراءة بالحمد لله رب العلمين. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في افتتاح القراءة بالحمد لله رب العلمين النسخة الهندية ١/ ٥٧، دار السلام رقم:٢٤٦) ←

قرآن سننے پر اجرت لینے کا حکم

سوال (۴۲۴): قدیم ۱/ ۴۹۶ - سماعت قرآن کی اجرت اور قراءۃ قرآن کی اجرت میں کیا فرق ہے کہ ثانی حرام۔ اور اول حلال۔؟

الجواب: سماعت قرآن سے غرض یہ ہے کہ جہاں بھولے گا بتلاوے گا پس یہ تعلیم ہے اور تعلیم پر اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ ہے (۱) بخلاف قرأۃ کے اس میں تعلیم مقصود نہیں اس لئے کلیۃ حرمت اجر علی الطاعت میں داخل رہے گا۔ فقط واللہ علم

یکم رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۱ ج ۳)

←**العمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم والتابعين ومن بعدهم كانوا يستفتحون القراءة بالحمد لله رب العلمين.** (ترمذي شريف، النسخة الهندية ۱/ ۵۷، تحت رقم الحديث ۲۴٦)

عن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسر ببسم الله الرحمن الرحيم وأبابكر، وعمر، وعثمان وعليا رضي الله عنهم ومن تقدم من التابعين وهو مذهب الثوري وابن المبارك وهو قول ابن مسعود وابن الزبير وعمار بن ياسر وعبد الله ابن المغفل والحكم والحسن والشعبي، والنخعي، والأوزاعي، وقتادة، وعمر بن عبد العزيز، وأعمش، والزهري، ومجاهد، وحماد، وأبي عبيد، وأحمد، وإسحاق الخ. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۹۸، كوئٹه ۱/ ۲۵٤ - ۲۵۵)

حلبي كبيري، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ۳۰۷ - ۳۰۸ -

(۱) حضرت والا تھانویؒ نے سامع کے لقمہ کو تعلیم قرآن پر قیاس کر کے کسی زمانہ میں اس کی اجرت کے جواز کا فتوی دیا تھا؛ لیکن جب بعد میں اس مسئلہ پر تحقیق فرمائی تو یہ تعلیم قرآن کے مشابہ نہیں ہے؛ کیونکہ نماز میں امام کو تعلیم دے کر قرآن سکھایا نہیں جاتا؛ بلکہ وہ پہلے ہی سے تعلیم یافتہ اور سیکھا ہوا ہے؛ لہٰذا لقمہ دینا تعلیم نہیں ہے؛ بلکہ بھولنے پر تذکیر اور یاد دہانی ہے؛ اس لئے حضرت والا تھانویؒ نے ←

فوت شدہ تراویح کی رکعتیں وتر کے بعد اداء کریں

سوال (۴۲۵): قدیم ۱/۴۹۶- تراویح کی جماعت قائم ہوئی چار یا چھ رکعت گزارنے کے بعد ایک شخص آیا اور فرض پڑھ کر امام کے ساتھ جماعت تراویح میں داخل ہوگیا جب امام کی نماز تمام ہوجائے گی تو وہ شخص امام کے ساتھ وتر کی جماعت میں شامل ہوگا یا اپنی مافات کو ادا کرے گا۔؟

الجواب: **في العالمگيرية: وإذا فاتته ترويحة أو ترويحتان فلو اشتغل بها يفوته الوتر بالجماعة يشتغل بالوتر ثم يصل مافاته من التراويح وبه كان يفتي الشيخ الإمام الأستاذ ظهير الدين كذا في الخلاصة** ص۱۷۵ ج۱۔(۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ شخص وتر میں شریک ہوجاوے پھر بقیہ تراویح پڑھ لے۔

یکم محرم ۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص۶)

← اپنے اس فتوی سے رجوع فرما کر عدم جواز کا فتوی جاری فرمایا ہے، اور رجوع کا فتوی حضرت کی کتاب التذکیر والتہذیب ۳/۸۳ پر موجود ہے، وہاں سے ملاحظہ فرمائیے، اتفاق سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمۃ جس وقت امدادالفتاوی کی ترتیب دے رہے تھے، اس وقت رجوع والا فتوی ان کو دستیاب نہ ہوسکا تھا، اور امدادالفتاوی میں شامل کرنے سے رہ گیا تھا، اور امدادالفتاوی زیادہ متداول ہونے کی وجہ سے اس میں جو جواز کا فتوی ہے، وہ لوگوں کے درمیان مشہور ہوگیا اور التذکیر والتہذیب زیادہ متداول نہ ہونے کی وجہ سے رجوع والا فتوی پردۂ خفا میں رہ گیا اور سامع کی اجرت کے عدم جواز کا فتوی فتاوی رشیدیہ جدید مکتبہ زکریا دیوبند ص: ۳۷۱، قدیم ۳۹۲، جواہر الفقہ قدیم ۱/۳۸۲، جدید زکریا ۳/۵۲۲، احسن الفتاوی ۳/۵۱۶، فتاوی دارالعلوم دیوبند ۴/۲۹۵، میں موجود ہے اور اس بارے میں چند جوابات فتاوی قاسمیہ ۸/۴۶۵ تا ۵۵۱، رقم: ۳۲۸۷ تا ۳۲۹۲ میں موجود ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) هندية، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، قديم زكريا ديوبند ۱/۱۱۷، جديد زكريا ۱/۱۷۶۔

وإذا فاتت ترويحة أو ترويحتان، وقام الإمام في الوتر: تابع في الوتر أم يأتي بمافاته من الترويحات؟ فقد اختلف مشايخ زماننا، في واقعات الناطفي أنه يوتر مع الإمام.
(المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح والوتر، المجلس العلمي ۲/۲۶۳، رقم: ۱۷۱۷) ←

تراویح میں اجرت لے کر پڑھانے والے کے سامعین کو ثواب ملے گا یا نہیں؟

سوال (۴۲۶): قدیم ۱/ ۴۹۶- جس جگہ حافظ قرآن اجرت پر بلا کر اس سے کلام اللہ تراویح میں سنتے ہیں معین تو نہیں کرتے مگر رواج عام اس بات پر ہو رہا ہے کہ لوگوں سے چندہ وصول کر کے ختم کے روز حافظ کو دیتے ہیں تو اس صورت میں تراویح سننے کا ثواب ہوگا یا نہیں۔ اگر ثواب نہ ہو تو کیا کرے آیا گھر پر تنہا پڑھ لیا کرے مگر اس صورت میں جماعت سے محروم ہوگا بلکہ فرضوں کی جماعت کا ترک بھی غالب ہوگا۔؟

الجواب: سننا جدا عمل ہے(۱) اس میں کوئی امر مانع ثواب نہیں اس کا ثواب ہوگا۔(*)

۱۲ شعبان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ)

(*) اس میں شرط یہ ہے کہ سننے والا امام کو معاوضہ دینے والوں میں داخل نہ ہو۔ واللہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٣٣٦، رقم: ٢٥٨٧ -

فاتته ترويحة أو ترويحتان وقام الإمام إلى الوتر ذكر في واقعات الناطفي عن أبي عبد الله الزعفراني أنه يوتر مع الإمام ثم يقضي مافاته. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، صلاة التراويح، مكتبه أشرفيه ديوبند ص: ٤٠٩- ٤١٠)

فلو فاته بعضها وقام الإمام إلى الوتر أوتر معه ثم صلي ما فاته. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكرياديوبند ٢/ ٤٩٤، كراچي ٢/ ٤٥)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ١١٩، كوئٹه ٢/ ٦٧ -

(۱) سننا الگ چیز ہے اور لین دین دوسری چیز ہے؛ لہٰذا جو اجرت دینے میں شامل ہوں گے وہ سب گنہگار ہوں گے لینے والا تو ہے ہی اور دونوں اجرت وثواب سے بھی محروم ہو جائیں گے؛ لیکن وہ لوگ جو لینے دینے میں شریک نہیں ہیں؛ بلکہ وہ لوگ صرف قرآن سننے کے لئے آکر نماز تراویح میں شریک ہو جاتے ہیں تو ان کو قرآن سننے کا ثواب ملے گا، اسی کو حضرت والاؒ نے بیان فرمایا ہے۔

إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ وقال العيني: في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا والآخذ والمعطي آثمان الخ. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة، مكتبه زكريا ديوبند ٩/ ٧٧، كراچي ٦/ ٥٦) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

تراویح کی دو رکعت پر قعدہ نہ کر کے چار رکعت پڑھنا

سوال (۴۲۷): قدیم ۱/۴۹۶ - تراویح میں اگر دو رکعت کی جگہ امام چار پڑھ جاوے اور درمیان میں قعدہ نہ کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرے تو نماز تراویح ہوں گی یا نہیں۔ اور اگر ہوں گی تو دو ہوں گی یا چار۔ اور اگر دو ہوں گی تو اول کی دو یا آخر کی اور کون سی رکعات کے قرآن شریف کے اعادہ کی ضرورت ہوگی۔؟

الجواب (*): في الفتاویٰ: ولو صلی أربعاً بتسلیمة ولم یقعد في الثانیة ففي الاستحسان لا تفسد وهو أظهر الروایتین عن أبی حنیفة وابی یوسفؒ وإذا لم تفسد

(*) مسئلہ زیر بحث کے سلسلہ میں ایک مجمل جواب سوال نمبر ۳۷۳ / پر گذرا ہے اور دوسرا جواب سوال نمبر ۴۱۶ / پر گذرا ہے (جس میں تسامح ہے) صحیح مسئلہ اس طرح ہے۔

اگر تراویح میں دوسری رکعت پر قعدہ بھول کر کھڑا ہو جائے تو جب تک تیسری رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو بیٹھ جائے اور باقاعدہ سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرے، اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ کرلیا ہو تو چوتھی رکعت ملا کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیرے لیکن یہ چار رکعت صرف دو رکعت شمار ہوں گی اور پہلے شفعہ میں جو قرآن پڑھا گیا ہے، اس کا اعادہ کرنا ہوگا؛ کیونکہ پہلا شفعہ قعدۂ آخیرہ ترک کرنے کی وجہ سے فاسد ہو گیا ہے؛ لہٰذا تراویح میں محسوب نہ ہوگا اور اس میں پڑھے گئے قرآن کا اعادہ ضروری ہوگا؛ البتہ تحریمہ استحساناً باقی ہے؛ اس لئے دوسرا شفعہ صحیح ہو جائے گا اور اس میں پڑھا ہوا قرآن بھی معتبر ہوگا۔

اور اگر دوسری رکعت پر قعدہ بھول کر کھڑا ہوا تھا اور تیسری رکعت پڑھ کر قعدہ کر کے سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دیا تو تینوں رکعتیں بے کار گئیں، پہلا شفعہ بوجہ فاسد ہو جانے کے اور دوسرا شفعہ بوجہ ناتمام رہ جانے کے اور تینوں رکعتوں میں پڑھے ہوئے قرآن کا اعادہ ضروری ہوگا۔

اور اگر دوسری رکعت پر بقدر تشہد قعدہ کر کے کھڑا ہوا ہے اور چار رکعت پڑھ کر سلام پھیرا ہے، تو چاروں رکعتیں صحیح ہوں گی اور سب تراویح میں محسوب ہوں گی اور سجدۂ سہو کی حاجت نہیں ہوگی اور اگر تین پر قعدہ کر کے سلام پھیر دیا تو پہلا شفعہ صحیح ہو گیا اور تیسری رکعت بے کار گئی، اس کی قرأت کا اعادہ کرنا ہوگا تفصیل کے لئے دیکھئے فتاوی رحیمیہ ۱/۳۵۱، فتاوی دارالعلوم جدید ۴/۲۶۲ و ۲۷۵، کفایۃ المفتی ۳/۳۴۹ و ۳۶۰ و ۳۶۴۔

قال محمد بن الفضل: تنوب الأربع عن تسليمة واحدة وهو الصحيح كذا في السراج الوهاج وهكذا في فتاوىٰ قاضيخان وعن أبى بكر الاسكاف أنه سئل عن رجل قام إلى الثالثة في التراويح ولم يقعد في الثانية قال: إن تذكر في القيام ينبغي أن يعود يقعد ويسلّم وإن تذكر بعد ما سجد للثالثة فإن أضاف إليها ركعة أخرى كانت هذه الأربع عن تسليمة واحدة

← في شرح المنية: إن صلى أربع ركعات بتسليمة واحدة، والحال أنه لم يقعد على ركعتين منها قدر التشهد، تجزئ الأربع عن تسليمة واحدة أي عن ركعتين، عند أبي حنيفةؒ، وأبي يوسفؒ، وهو المختار اختاره الفقيه أبو جعفر، وأبو بكر محمد بن الفضل، قال قاضي خان: وهو الصحيح لأن القعدة على رأس الثانية فرض في التطوع، فإذا تركها كان ينبغي أن تفسد أصلاً، كما هو قول محمد وزفر، وهو القياس: وإنما جاز على قول أبي حنيفةؒ، وأبي يوسفؒ استحسانا فأخذنا بالقياس في فساد الشفع الأول وبالإستحسان في حق بقاء التحريمة، وإذا بقيت صح شروعه في الشفع الثاني، وقد أتمه بالقعدة فجاز عن تسليمة واحدة، وقال الفقية أبو الليث: تنوب عن تسليمتين، والأصح الأول، ولو قعد على رأس الركعتين جازت عن تسليمتين بالإتفاق. (حلبي كبيرى ۳۹۰، كتاب الصلاة، صلاة التراويح، مكتبه أشرفيه ديوبند ص:۴۰۸)

وفي الدر المختار: وهي عشرون ركعة ......بعشر تسليمات، فلو فعلها بتسليمة، فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة وإلانابت من شفع واحد به يفتى اه، وفي رد المحتار: قوله: به يفتى، لم أرمن صرح بهذا اللفظ هنا، وإنما صرح به في النهر عن الزاهدي فيما لو صلى أربعًا بتسليمة وقعدة واحدة اه. (شامي، ۶۶۰/۱، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۴۹۵/۲-۴۹۶، كراچي ۴۵/۲)

وفي العالمگيرية، وإذا فسد الشفع، وقد قرأ فيه، لا يعتد بما قرأ فيه، ويعيد القراءة ليحصل له الختم في الصلوة الجائزة، وقال بعضهم: يعتدبها، كذا في الجوهرة النيرة. (هندية قديم زكريا ۱۱۸/۱، فصل في التراويح، جديد زكريا ۱۷۷/۱) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

وإن قعد في الثالثة قدر التشهد اختلفوا فيه فعلى قول العامة يجوز عن تسليمتين وهوا لصحيح هكذا في فتاوىٰ قاضی خان آه عالمگيرية. ج ا ص ۵ ۷ ۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ قعدہ نہ کرنے سے شفعہ اولیٰ بھی فاسد نہ ہوگا۔ البتہ مجموعہ معتبر بھی نہ ہوگا۔ بلکہ دونوں شفعہ مل کر بجائے ایک شفعہ کے سمجھے جاویں گے اور جب مجموعہ شفعہ معتبر نہ ہوگا تو ایک شفعہ اور پڑھا جاوے گا۔ رہا یہ امر کہ کونسے شفعہ کا پڑھا ہوا قرآن معتدبہ ہوگا اور کونسے کا قابل اعادہ۔ تو یہ اس پر موقوف ہے کہ یہ متعین ہوجاویکہ کونسا شفعہ تراویح ہے کہ اس میں پڑھا ہوا قرآن معتدبہ ہو اور کونسا نفل کہ اس میں پڑھا ہوا قابلِ اعادہ ہو۔ سو اس میں مجھ کو تردد ہے۔ دوسرے علماء سے تحقیق کیا جاوے۔ اور میرے خیال میں اگر صرف اعادہ قرآن کے حق میں سہولت کیلیے دوسرے قول پر عمل کرلے جو دونوں شفعہ کو معتبر کہتے ہیں تو گنجائش ہے۔ پس شفعہ تو ایک اور پڑھ لے اور قرآن کا اعادہ نہ کرے۔

۲۵ رمضان المبارک ۲۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۰۹)

---

(۱) هندية، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، قديم زكريا ۱/ ۱۸۸، جديد زكريا ۱/ ۱۸۷ ۔

ولو صلى أربعًا بتسليمة واحدة ولم يقعد على رأس الركعتين ففي القياس وهو قول محمدؒ، وزفرؒ وإحدى الروايتين عن أبي حنيفةؒ أنه تفسد صلوته ويلزمه قضاء هذه الترويحة، وفي الإستحسان وهو قول أبي حنيفةؒ في المشهور وقول أبي يوسفؒ يجوز لكن عن تسليمة واحدة أو عن تسليمتين؟ قال بعضهم عن تسليمتين ...... وكان الشيخ أبو جعفر يقول يجزيه عن تسليمة واحدة، وفي الخانية: وهو الصحيح وبه كان يفتي الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل قال القاضي الإمام ابوعلى النسفي : قول الفقيه أبي جعفر، والشيخ الإمام أبي بكر أقرب إلى الاحتياط، وكان الأخذ به أولى وعليه الفتوىٰ: وعن الشيخ الإمام أبي بكر الإسكاف: أنه سئل عن رجل قام إلى الثالثة في التراويح ولم يقعد على رأس الثانية قال: إن تذكر في القيام ينبغي أن يعود إلى القعدة ويسلم، وفي الخانية: ما لم يقيد الثالثة بالسجدة، وإن تذكر بعد ما ركع للثالثة وسجد فإن أضاف إليها ركعة أخرىٰ كانت هذه الأربعة عن ترويحة واحدة، وفي الخانية: يعني عن الركعتين الخ . (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۳۰، رقم: ۲۵۷۱ - ۲۵۷۲)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، المجلس العلمي ۲/ ۲۵۷، رقم: ۱۷۰۱ - ۱۷۰۲ ۔

خانية على الهندية، كتاب الصوم، فصل في التراويح، قديم زكريا ۱/ ۲۳۹ - ۲۴۰، جديد زكريا ۱/ ۱۴۸ ۔ *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

تراویح میں ختم قرآن کے سنت ہونے پر دلائل

سوال (۴۲۸): قدیم ۱/ ۴۹۹- کل ایک صاحب نے مراد آباد میں یہ روایت بیان کی کہ حضوروالا نے ایک مجلس میں جس میں مولانا۔۔۔۔صاحب اور مولوی۔۔۔۔صاحب بھی تھے یہ فرمایا کہ مجھے آثار صحابہ وتابعین و تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے تراویح میں ختم قرآن شریف کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوا۔ اور اس رمضان میں میں نے تراویح میں ختم قرآن شریف تمام نہیں پڑھوایا۔ اس کے بعد انہی راوی صاحب کا بیان ہے کہ۔۔۔۔صاحب کی خدمت میں یہ روایت بیان کی گئی۔ اس پر ان صاحب نے فرمایا کہ اس صورت میں فتنہ عظیم کا اندیشہ ہے۔ لوگ کہیں گے کہ ان لوگوں کو ابھی مسائل کی بھی تحقیق نہیں ہوئی کیا معلوم ہے کہیں نماز کے متعلق جدید تحقیق نہ ہونے لگے۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ ہے کہ مراد آباد سے یہ روایت سیوہارہ پہنچی اور مخالفین نے اعتراضات شروع کیے۔ چونکہ صحیح واقعہ کا علم نہیں اس وجہ سے اپنے علم کے موافق معترضین کو خدام نے جواب دیا میں اس وقت اسی مسئلہ کی تحقیق میں کتابیں دیکھ رہا تھا۔ خوش قسمتی سے یہی مضمون حجت الاسلام سندالمحد ثین مولانا شاہ محمد عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ کے فتاویٰ میں نظر سے گزرا **فالحمد للّٰہ تعالیٰ علیٰ ذلک**۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ حضوروالا کے ہم خیال سلف صالحین میں بھی موجود ہیں۔ اب اگر حضور کی جانب فتنہ کی نسبت کی جائے گی تو پہلے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی طرف نسبت ہوگی۔ **نعوذ باللّٰہ تعالیٰ عن ذلک**.

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ ارقام فرماتے ہیں (*)۔ و نیز ختم قرآن رادریں نماز سنت می گویند ایں از کجا نعم درحدیث آمدہ کہ آنحضرت ﷺ درہر رمضان باجبرئیل علیہ السلام مدارست قرآن می کردد دررمضان اخیر دوبار کرد ازینجا سنت ختم دررمضان ثابت میشود لیلاً ونہاراً خارج الصلوٰۃ الخ ۱/ ۱۱۸ مجموعہ فتاویٰ عزیزی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی۔ امید کہ حضوروالا صحیح واقعہ سے مطلع فرمائیں گے۔؟

(*) یہ سائل کی شدید غلطی ہے، جو عبارت وہ حضرت شاہ صاحب دہلوی قدس سرہ کی طرف منسوب کر کے نقل کر رہا ہے، وہ حضرت شاہ صاحب کی عبارت نہیں ہے؛ بلکہ حضرت شاہ صاحب سے سوال کرنے والے سائل کی عبارت ہے دیکھئے فتاوی عزیزی ۱/ ۱۱۸، (مجتبائی) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

الجواب: مجھ کو اس معاملہ میں دو تردد تھے ایک یہ کہ آیا ختم کا سنت مؤکدہ ہونا اصل مذہب ہے یا صرف مشائخ کا قول ہے مراجعت کتب فقہیہ سے یہ ثابت ہوا کہ یہ علماء احناف میں مختلف فیہ ہے اکثر کا قول تو تأکد ہی ہے بعض کا قول عدم تأکد بھی ہے اور منشاء اختلاف کا یہ سمجھ میں آیا کہ امام حسنؒ نے امام صاحب سے اس کی سنیت نقل کی ہے **من غیر تصریح بتأکدھا او عدمہ** اکثر مشائخ نے اس کو سنت مؤکدہ سے مفسر کیا ہے اور بعض نے تأکد کی دلیل نہ ملنے سے مطلق سنت پر محمول کیا ولو مستحباً۔ اسی واسطے بعض متون میں اس کی سنیت کو لیا ہے اور بعض میں مثل قدوری کے نہیں لیا پھر قائلین بالتأکد میں بھی متاخرین نے عذر کی حالت میں تأکد کو ساقط کر دیا۔ **ومنه کسل القوم أو نحوه**۔ خانقاہ میں گاہ گاہ ختم نہ ہونا اسی قول عدم تأکد پر مبنی ہے خواہ یہ عدم تأکد اصل ہی سے ہو۔ خواہ کسی عذر سے ہو۔ اور عذر ہر ایک کا جدا ہے۔ دوسرا تردد یہ تھا اور ہے کہ قائلین بالتاکد کی دلیل کیا ہے سو اسی کو میں متعدد علماء سے استفسار کیا کرتا ہوں جس سے مقصود تاکد کی نفی نہیں بلکہ اس پر طلب دلیل ہے اگر اس پر بھی اعتراض ہے تو اس اعتراض کا حاصل تو یہ ہوا کہ جو امر معلوم نہ ہو اس کو طلب نہ کرنا چاہیے تو اہل انصاف خود ہی غور کر لیں کہ آیا دین میں طلب علم مقصود ہے یا بقاء علی الجہل۔ اشرف علی ۲۴ شوال ۴۳ھ (ترجیح ۵ ص ۱۶۰)

جن بلاد میں رات یا دن بہت بڑے ہوتے ہیں وہاں نماز، روزہ اور تراویح کے احکام

سوال (۴۲۹): قدیم ۱/۵۰۱- ایک کالج کے طالب علم نے ایک بددین کا اعتراض مجھ سے نقل کیا کہ مسلمان کہتے ہیں کہ ہماری شریعت بمقتضائے **وما أرسلنک إلا کافة للناس**. تمام انسانوں کے لیے ہے اور اگر ایسا ہوتا تو چاہیے تھا کہ جملہ مقامات کے انسانوں کے لیے اس میں احکام ہوتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قطبین کے رہنے والوں کے لیے جہاں چھ چھ ماہ کا رات و دن ہوتا ہے اس میں احکام نہیں۔ مثلاً روزہ ایسے مقام کے لوگ کیونکر رکھیں اگر چھ ماہ کا حکم دیا جائے تو ناممکن العمل۔ اور اگر اس سے کم تو قرآن وحدیث میں صاحب مذہب سے کہیں منقول ہونا چاہیے تھا۔ میں نے اس کا جواب یہ دیا کہ قانون اکثری حالت کے تابع ہوتے ہیں اور چونکہ قطبین پر اول تو آبادی کا ہونا ثابت نہیں اور اگر ہو بھی تو چونکہ اکثر حصص زمین کی یہ حالت نہیں اس لیے اکثری حالت کے موافق احکام مقرر ہوئے رہا نادر اور مستثنیٰ صورتیں ان کے لیے قیاس کے ذریعہ سے خاص احکام مستنبط کر کے حکم دیا جا سکتا ہے ہر ہر جزئی کا حکم صراحۃً قرآن وحدیث میں ہونا ضروری نہیں بلکہ کثیر الوقوع امور کا حکم صاحب شریعت سے منقول ہے جو بمنزلہ اصول کے ہو سکتا ہے

جیسا کہ ان مقامات کے لیے جہاں کہ شفق تمام رات غائب نہیں ہوتی (کتاب ہیئت دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ۲۲ مئی سے لیکر ۲۱ جولائی تک لندن کے افق سے ۱۸ درجے نیچے آفتاب نہیں جاتا لہٰذا اتنے عرصہ تک تمام رات شفق باقی رہتی ہے لندن کا عرض البلد ½۵۱ درجہ ہے) بعض فقہاء نے لکھا کہ وہاں عشاء کا وقت نہیں آتا اور ان سے عشاء کی نماز ساقط ہے بعض فقہاء نے اختلاف بھی کیا ہے ارض بلغار کے متعلق علامہ شامیؒ نے بھی اس کا حکم لکھا ہے میں نے یہ جواب تو دے دیا لیکن روزہ کے متعلق عالمگیری میں تلاش کرنے سے بھی کوئی جزئیہ نہیں ملا یعنی مثلاً لندن کے لوگ کس وقت تک سحور کھا سکتے ہیں اور تراویح جو تابع عشاء کے معلوم ہوتی ہے ادا کریں یا نہ ادا کریں؟ کیا جناب والا کی نظر سے کوئی جزئی ایسے مقامات پر روزہ اور تراویح کے متعلق گزری ہے یا قیاس کے موافق کیا حکم ہوسکتا ہے نیز میرا جواب غلط یا نامکمل تو نہیں ہے اگر ہو تو تصحیح و تکمیل فرماویں، اگر کوئی دوسرا جواب ہوسکتا ہو تو وہ بھی تحریر فرماویں کتاب ہیئت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لندن میں سب سے بڑا دن ½۱۰ گھنٹہ کا اور سب سے چھوٹی رات ½۳ گھنٹہ کی ہوتی ہے سینٹ پیٹرسبرگ دارالسلطنت روس ۶۰ درجہ شمال عرض البلد پر ہے۔ وہاں تقریباً ۱۹ گھنٹہ کا سب سے بڑا دن ہوتا ہے اتنا طویل روزہ ذرا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ بریں بعض ایسے مقامات آباد بھی ہیں جہاں سب سے بڑا دن ۲۴ گھنٹہ یا اس سے زائد ہوتا ہے یعنی آفتاب بغیر غروب کے حرکت رحوی کرتا نظر آتا ہے۔ چنانچہ ۶۵ درجہ ۵۴ دقیقہ عرض البلد شمالی پر سب سے بڑا دن ۲۴ گھنٹہ کا اور ۶۶ درجہ ۵۳ دقیقہ پر گرمیوں میں ۳۱ دن تک آفتاب غروب نہیں ہوتا یعنی ایک دن ۳۱ دن کے برابر ہوتا ہے وہاں روزہ کا کیا حکم ہوگا۔؟

الجواب: آپ نے جو جواب دیا بالکل کافی و مکمل ہے تمام سلطنتوں کے قوانین کلیہ پر مقامی حکام کو احکام جزئیہ کی تفریع کرنی پڑتی ہے جن میں سے بعض میں استنباط کی بھی حاجت ہوتی ہے اور وہ سب ان ہی کلیات کے تحت میں داخل اور ان قوانین کو ان کے لیے شامل سمجھا جاتا ہے ان جزئیات مقامیہ کے مصرحاً مذکور فی کتب القانون نہ ہونے سے ان مقامات کے خارج عن اثر السلطنت ہونے پر کوئی بھی استدلال نہیں کرتا جب کہ اس سلطنت کا احاطہ دلیل صحیح سے ثابت ہو اور اگر کوئی استدلال کرنے لگے تو محقق اس استدلال کو دلیل صحیح کے تابع بنادے گا اسی طرح جب دلائل قطعیہ سے عموم بعثت معلوم ہے تو معارض کو دفع کریں گے چنانچہ جیسا اشتمال مثال مذکور میں ہے ایسا ہی اشتمال کلیات شرعیہ میں متحقق ہے جس کی بناء پر فقہائے اسلام نے ان مقامات کے احکام سے تعرض بھی کیا ہے گو اس وجہ سے کہ کسی نے کسی کلیہ میں داخل سمجھا اور کسی نے کسی میں باہم اختلاف بھی ہوگیا لیکن یہ اختلاف ہمارے لیے اصل مقصود میں قادح نہیں

کیونکہ ان کلیات کی بنا پر حکم کرنے سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ شریعتِ محمدیہ ﷺ نے ایسے کلیات مقرر کئے ہیں (۱) جو ان مقامات کی ضرورتوں کو حاوی ہیں گو وجہ تطبیق میں آراء مختلف ہو جاویں جیسا ایک عدالت سے ایک حکم ایک قانون کی بناء پر ہوتا ہے اور عدالت اپیل سے دوسرے قانون کی بناء پر اس کے خلاف حکم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نماز سے فقہاء کا تعرض تو خود سوال ہی میں منقول ہے رہا روزہ اگر بالخصوص اس سے تعرض بھی نہ ہوتا تب بھی وہی دلائل نماز کے یہاں بھی باشتراک اصول روزہ کے لئے بھی کافی ہوتے لیکن فقہاء نے اس پر کفایت نہیں کی بلکہ روزہ سے بلکہ اس کے علاوہ اور اعمال ومعاملات سے بھی تعرض تصریحاً فرمایا ہے۔

في ردالمحتار عن الرملي في شرح المنهاج ويجرى ذلك فيما لومكثت الشمس عند قوم مدة اه ح و فيه عن إمداد الفتاح قلت و كذلك يقدر لجميع الاٰجال كالصوم والزكوٰة والحج والعدة وآجال البيع والسلم والإجارة وينظر ابتداء اليوم

---

(۱) حضرت والا تھانویؒ نے جس اصول وکلیہ کی طرف اشارہ کیا ہے، جس کی روشنی میں مذکورہ فی السوال جیسے مقامات کے لئے نماز وروزہ کا حکم مقرر کیا جائے گا، وہ حدیث دجال میں ''جو کہ مسلم شریف، ترمذی شریف وغیرہ میں نواس بن سمعان کلابیؓ سے مروی ہے'' موجود ہے، جس کا مختصر سا حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمائیں:

عن النواس بن سمعانؓ قال: ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم الدجال ذات غداة ...... قلنا يا رسول الله! ما لبثه في الأرض؟ قال: أربعون يومًا، يوم كسنة ويوم كشهر، ويوم كجمعة وسائر أيامه كأيامكم، قلنا يارسول الله! فذلك اليوم الذي كسنة أتكفينا فيه صلوة يوم قال لا، أقدروا له قدره الحديث. (مسلم شريف، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال وصفته، النسخة الهندية ۲/۴۰۱، بيت الأفكار رقم: ۲۹۳۷)

ترمذي شريف، النسخة الهندية ۲/۴۸، دار السلام رقم: ۲۲۴۰۔

ومعنىٰ أقدروا له قدره أنه إذا مضىٰ بعد طلوع الفجر قدر ما يكون بينه وبين الظهر كل يوم فصلوا الظهر، ثم إذا مضىٰ بعده قدر ما يكون بينها وبين العصر فصلوا العصر، وإذا مضىٰ بعد هذا قدر ما يكون بينها وبين المغرب فصلوا المغرب، وكذا العشاء والصبح، ثم الظهر، ثم العصر، ثم المغرب، وهكذا حتى يقضىٰ ذلك اليوم، وقد وقع فيه صلوات سنةٍ فرائض كلها مؤداة في وقتها. (شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ۲/۴۰۱)

فيقدر كل فصل من الفصول الأربعة بحسب مايكون كل يوم من الزيادة والنقص كذا في كتب الأئمة الشافعية ونحن نقول بمثله إذ أصل التقدير مقول به إجماعاً في الصلوٰت ا ه ج ا ص ۳۷۸. (۱) وفيه بعد نصف صفحة لم أرمن تعرض عندنا لحكم صومهم فيما إذا كان يطلع الفجر عندهم كما تغيب الشمس أو بعده بزمان لا يقدر فيه الصائم على أكل ما يقيم بنيته ولا يمكن أن يقال بوجوب موالاة الصوم عليهم لأنه يؤدى إلى الهلاك فإن قلنا بوجوب الصوم يلزم القول بالتقدير وهل يقدر ليلهم بأقرب البلاد إليهم كما قاله الشافعية هنا أيضاً أم يقدر لهم بما يسع الأكل والشرب أم يجب عليهم القضاء فقط دون الأداء كل محتمل فليتأمل ولا يمكن القول هنا بعدم الوجوب أصلاً كالعشاء عند القائل به فيها لأن علة عدم الوجوب فيها عند القائل به عدم السبب و في الصوم قدوجد السبب وهوشهود جزء من الشهر و طلوع فجر كل يوم هذا ما ظهر لى والله أعلم اه. ا / ۳۷۹ـ(۲)

اس تقریر سے اس اعتراض کا جواب تو ہوگیا۔اب یہ بات کہ ہمارے فقہاء کے اقوال میں کس کوکس پر ترجیح ہے اس تحقیق پر اصل جواب موقوف نہیں ہاں خود ایک مستقل تحقیق ہے جس کی ضرورت مسلم کے لیے ہوگی سو احوط نماز میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انداز کر کے سب نمازیں پڑھا کریں اور روزہ میں جومقامات ایسے ہیں جہاں بعض ازمنہ میں لیل شرعی نہیں ہوتی رمضان میں روزہ رکھیں کہ شہودشہر پایا گیا اور چونکہ افطار وسحر نہار شرعی میں واقع ہوا ہے اس لیے شبہ کے دوسرے زمانہ میں قضا بھی کرلیں اور جہاں لیل شرعی ہوتی ہے وہاں جس جگہ نہار کا طول بقدر تحمل صوم ہو اور فطرۃً ان کا تحمل ہم سے زائد ہوگا۔ **لأنهم معتادون بطول النهار وطول أكثر الأعمال فيه** وہاں روزہ رکھیں اور ادا بھی ہوجائے گا اور جہاں بقدر تحمل نہ ہو وہاں انداز کر کے عدد پورا کریں اور بعد اداء اگر ایسے ایام مل جاویں جس کا تحمل ہو سکے تو احتیاطاً قضا بھی کرلیں اور اگر ایسے ایام نہ ملیں تو وہی انداز کے روزے کافی ہوجاؤیں گے۔

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، قبيل مطلب في طلوع الشمس من مغربها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۲-۲۳، كراچي ۱/ ۳٦۵۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۳-۲٤، كراچي ۱/ ۳٦٦۔

وفي رد المحتار: في جواز فطر من لا يقدر ثم قضاء ه ما نصه وقال الرملي وفي جامع الفتاوىٰ و لو ضعف عن الصوم لا شتغاله بالمعيشة فله أن يفطر ويطعم لكل يوم نصف صاع ا ه . أي إذا لم يدرک عدة من أيام أخر يمكنه الصوم فيها وإلا وجب عليه القضاء وعلى هذا الحصاد إذا لم يقدر عليه مع الصوم و يهلک الزرع بالتاخير لا شک في جواز الفطر والقضاء الىٰ آخر ما قيده بما إذا لم يكن عنده ما يكفيه وعياله وإذا خاف هلاک زرعه أو سرقته ولم يجد من يعمل له بأجرة المثل وهو يقدر عليها ج۲ص۱۸۴۔(۱)

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۳۳)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ٤٠١، كراچي ۲/ ٤۲۰ ۔شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰/ باب إدراک الفریضة وقضاء الفوائت

صاحب ترتیب کی تعریف کی تحقیق

سوال (۴۳۰): قدیم ۱/ ۵۰۵- ایک شخص نے صاحب ترتیب کی تعریف کئی عالموں سے پوچھی جواب مختلف ملے جوابات حضور والا میں گزران کر اطمینان بخش جواب کا طالب ہے۔؟

الجواب: (نمبر۱) زید نے علی الاتصال چالیس روز تک نماز پڑھی اس کی کچھ نمازیں فوت ہوگئیں فائتہ کو ادا کرنے کے بعد زید صاحب ترتیب ہے۔ (نمبر۲) زید زمانۂ فرضیت سے نماز برابر پڑھتا رہا اس کی کچھ نمازیں قضا ہوگئیں قضا پوری کرنے کے بعد زید صاحب ترتیب ہوا۔ (نمبر۳) فقہ سے ثابت ہوا کہ زید کی پانچ یا کم پانچ سے نمازیں فوت ہوگئیں فائتہ کے ادا کرنے کے لیے زید پر ترتیب فرض ہے اس لیے زید صاحب ترتیب ہے یہاں تک کہ زید نے تمام عمر نماز نہیں پڑھی عشاء کے وقت سے نماز پڑھنا اپنے اوپر لازم کیا اسی عشاء کی صبح سے پھر پانچ یا پانچ سے کم نماز چھوٹ گئیں چھوٹی ہوئی نماز کو ترتیب سے پڑھنا زید پر فرض ہے اور زید اس صورت میں بھی صاحب ترتیب ہے جوابات ثلاثہ بحیثیت شبہات ہیں ملاحظہ فرماتے ہوئے صاحب ترتیب کی جامع و مانع وعام فہم لفظوں میں تعریف ارقام فرما کر مطمئن فرمایئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: في الدر المختار: لو فاتت ست اعتقادية إلی قوله ولو متفرقة أو قديمة على المعتمد لأ نه متى اختلف الترجيح يرجح إطلاق المتون بحر ووافقه الشامي ج۱ص۶۲۷۔(۱)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مكتبة زكريا ديوبند ٥٢٦/٢-٥٢٧، كراچي ٦٨/٢-٦٩۔

والحنفيّة يقولون بوجوب الترتيب بين الفوائت نفسها إلاّ أن تزيد الفوائت على ست صلوات فيسقط الترتيب فيما بين الفوائت نفسها كمايسقط بينها وبين الوقتيّة وحدُّ الكثرة عند هم أن تصير الفوائت ستًّا الخ. (المؤسوعة الفقية الكويتية ٣٢/٣٤)

ويسقط الترتيب بضيق الوقت والنسيان وصيرورتها ستًّا أي بصيرورة الفوائت ستا ←

اس سے معلوم ہوا کہ جس کے ذمہ چھ نمازیں ہوں (*) خواہ پرانی یا نئی مسلسل یا متفرق وہ صاحب ترتیب نہیں اور جس کے ذمہ یہ نہ ہوں اس پر ترتیب واجب ہے۔

۲۴ جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ (تتمۂ ثانیہ ص ۴۵)

قضاء کے وقت نماز کی تعیین کرنا

سوال (۴۳۱): قدیم ۱/۵۰۶- بہشتی زیور حصہ دوم میں مرقوم ہے کہ اگر کئی مہینے یا کئی سال کی نمازیں قضا ہوں تو مہینہ اور سال کا نام بھی لیوے اور کہے کہ فلانے سال کی فلانے مہینہ کی فلاں تاریخ کی فجر کی نماز پڑھتی ہوں بے اس طرح نیت کئے قضا صحیح نہیں ہوتی۔ کسی کو اس طرح نیت کرنے کا علم نہ تھا اور اس نے دوسال کی قضا نمازیں (صرف اتنا کہہ کر کہ نیت کرتا ہوں میں نماز قضائے عمری کی) پڑھیں تو اس کی نماز درست ہوئی یا نہیں اور اس پر صحیح نیت سے جو (بہشتی زیور حصہ دوم میں تحریر ہے) پھر از سرنو کل نمازیں پڑھنی واجب ہیں یا نہیں۔؟

الجواب: فی رد المحتار: قیل لا یلزمہ التعیین إلیٰ آخر ما قال و أطال ص ۷۷۰ ج ۱۔(۱)

(*) یعنی صاحب ترتیب وہ شخص ہے، جس کے ذمہ بلوغ سے اب تک چھ نمازیں قضا نہ ہوں (کفایۃ المفتی ۴۳۹/۳) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **وبکل واحد من هذه الثلاثة**. (تبیین الحقائق، الصلاة، باب قضاء الفوائت، مکتبه زکریا دیوبند ۱/۴۶۰، امدادیه ملتان ۱/۱۸۶)

"وصیرورتها ستًّا" أي یسقط الترتیب بصیرورة الفوائت ست صلوات. (البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مکتبه زکریا دیوبند ۲/۱۴۹، کوئٹه ۲/۸۴)

الفتاوی التاتارخانیه، کتاب الصلاة، الفصل العشرون قضاء الفائتة، مکتبه زکریا دیوبند ۲/۴۴۵، رقم ۲۹۲۹-۲۹۳۰۔

هندیة، الصلاة، الباب الحادي العشرفي قضاء الفوائت، قدیم زکریا ۱/۱۲۳، جدید زکریا ۱/۱۸۲۔

(۱) **کثرة الفوائت نوی أوّل ظهر علیه أو آخره (درمختار) و فی الشامیة**: ←

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے لہٰذا قضا پڑھی ہوئی نمازوں میں چونکہ وہ کثیر ہیں دفع حرج کے لیے اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔(*)

۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۶۴)

(*) یعنی اصل مسئلہ تو وہی ہے جو بہشتی زیور میں ہے؛ لیکن اگر کسی نے بلا تعیین تاریخ و دن قضاء نمازیں پڑھ لیں تو اس کا یہ حکم ہے کہ اگر اعادہ آسان ہو تو دہرا لے، اور اگر دشوار ہے تو وہی نمازیں کافی ہوں گی (از حاشیہ بہشتی زیور ۲/۱۵) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **قوله كثرة الفوائت الخ.) مثاله، لو فاتته صلاة الخميس و الجمعة و السبت فإذا قضاها لابد من التعيين، لأن فجر الخميس مثلا غير فجر الجمعة فإذا أراد تسهيل الأمر يقول: أول فجر مثلاً، فإنه إذا صلاه يصير ما يليه أوّلا، أو يقول آخر فجر، فإن ماقبله يصير آخراً ...... وقيل لايلزمه التعيين أيضاً كمافي صوم أيام من رمضان واحد، ومشىٰ عليه المصنف في مسائل شتىٰ آخر الكتاب تبعاً للكنز وصحّحه القهستاني عن المنية، لكن استشكله في الأشباه وقال: إنه مخالف لما ذكرهٗ أصحابنا كقاضيخان وغيره والأصح الاشتراط، قلت وكذا صححه في الملتقىٰ هناك وهو الأحوط وبه جزم في الفتح كما قدمناه في بحث النية وجزم به هناك صاحب الدرر أيضاً.** (شامي، كتاب الصلاة، قبيل باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٣٨-٥٣٩، كراچي ٢/٧٦)

ومن قضى الفوائت ينوي أول ظهر لله عليه أو آخر ظهر لله عليه احتياطاً ولو لم يقل الأول والآخر وقال نويت الظهر الفائتة جاز. (البحر الرائق، الصلاة، باب قضاء الفوائت، مكتبه زكريا ديوبند ٢/١٥٩، كوئٹه ٢/٩٠)

وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلاة فإذا أراد تسهيل الأمر عليه نوى أول ظهر عليه أو آخره ...... فيحصل التعيين ويخالف هذا ما قاله في الكنز في مسائل شتىٰ: أنه لا يحتاج لتعيين وهو الأصح على ما قاله في القنية: من يقضي ليس عليه أن ينوي أوّل صلاة كذا أو آخر فينوي ظهراً عليَّ أو عصراً أو نحوهما على الأصح، وإن خالفه تصحيح الزيلعي فقد اتسع الأمر باختلاف التصحيح ←

مرتد ہونے کی وجہ سے سقوط قضاء کی تحقیق

سوال (۴۳۲): قدیم ۱/ ۵۰۷- زید مسلمان تھا اس کے بعد مرتد ہوگیا اور پھر مسلمان ہوا ہے اور قبل مرتد ہونے کے حالت اسلام اول میں اس کی چند نمازیں اور روزے قضا ہوئے تھے تو اب بعد ارتداد جو اسلام لایا ہے ان نمازوں کی قضاء کریگا یا نہیں۔؟

الجواب (*) : فی ردالمحتار: عن البحر عن الخانیة إذا کان علیٰ المرتد قضاء صلوات وصیامات ترکھا فی الإسلام ثم أسلم قال شمس الأئمة الحلوانی علیه قضاء

(*) حاصل جواب قضاء کرنی ہوگی، دلیل شامی کا وہ جزئیہ ہے جو جواب میں نقل فرمایا گیا ہے؛ لیکن مختصر الطحاوی ص ۲۹ رمیں ہے:

ولا یقضی المرتد شیئا من الصلوٰت، ولا مما تعبد به سواھا (وفي نسخة : ولا شیئا یعبد به) ویکون بارتداد کمن لم یزل کافراً ۱ھ.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قضا نہیں ہے اور اگر چہ یہ بات صحیح ہے کہ ترک صلوۃ وصیام معصیت ہے اور ارتداد کے بعد بھی معصیت باقی رہتی ہے؛ لیکن جب دوبارہ مسلمان ہوا تو حسب ارشاد نبوی: **الإسلام یھدم ما کان قبله** وہ معصیت ختم ہوگئی۔ واللہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **فلیرجع للکنز فإنّه واسع واللہ رؤف رحیم واسع علیم.** (طحطاوي علی المراقي الفلاح، کتاب الصلاۃ، قضاء الفوائت، مکتبه دارالکتاب دیوبند ۴۴۶)

الفتاوی التاتارخانیة، الصلاۃ، الفصل العشرون قضاء الفوائت، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۴۵۴،رقم ۲۹۴۸ ۔

الأشباہ والنظائر قدیم ص ۶۰ ۔

خانیة الھندیة، الصلاۃ، باب قضاء الفوائت، قدیم زکریا ۱/ ۱۱۱، جدید ۱/ ۷۰ ۔

شبیر احمد قاسمي عفا اللہ عنه

ما ترک فی الإسلام لأن ترک الصیام والصلوٰۃ معصیۃ والمعصیۃ تبقی بعد الردۃ. آہ (۱) فافھم. ج ۱ ص ۷۶۹ (۲)

۱۳ محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۸)

---

(۱) ترجمہ جواب - ردالمختار میں خانیہ اور بحر سے نقل کیا گیا ہے مرتد کے اوپر زمانہ اسلام کی نمازوں اور روزوں کی قضا ہے یا نہیں؟ جن کو اس نے ترک کر رکھا تھا پھر اسلام قبول کر لیا ہے، تو شمس الائمہ حلوانیؒ فرماتے ہیں کہ زمانۂ اسلام میں جو نماز وروزہ چھوڑ رکھا تھا ان کی قضاء اس پر لازم ہے؛ اس لئے کہ ترک صوم وصلوۃ معصیت ہے اور بعد ردت معصیت اپنی جگہ باقی رہتی ہے۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، الصلاۃ، باب قضاء الفوائت، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۵۳۷، کراچي ۲/ ۷۵۔

فإن کان علی المرتد الذي تاب صلاۃً فائتۃً قبل ردّتہ أو صوم أو زکاۃ فھل یلزمہ القضاء؟ ذھب جمھور الفقھاء من الحنفیّۃ والشافعیّۃ والحنابلۃ إلی وجوب القضاء لأن ترک العبادۃ معصیۃ والمعصیۃ تبقیٰ بعد الردّۃ. (الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ ۲۲/ ۲۰۰)

رجل ارتدّ – والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ – وعلیہ قضاء صلوات أو صیامات ترکھا في حالۃ الإسلام، ثم أسلم بعد ذلک قال شمس الأئمۃ الحلوانيؒ یقضی ماترک في الإسلام لأن ترک الصیام والصلاۃ معصیۃ والمعصیۃ تبقیٰ بعد الردّۃ. (خانیۃ علی الھندیۃ، کتاب السیر، باب الردّۃ وأحکام أھلھا: قدیم زکریا ۳/ ۵۸۲، جدید زکریا ۳/ ۴۳۳)

ولذاقال في الخانیۃ: إذاکان علی المرتد قضاء صلوات أو صیامات ترکھا في الإسلام ثم أسلم قال شمس الأئمۃ الحلواني: علیہ قضاء ماترک في الإسلام لأن ترک الصلاۃ والصیام معصیۃ والمعصیۃ تبقیٰ بعد الردّۃ. (البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین مکتبہ زکریا دیوبند ۵/ ۲۱۴، کوئٹہ ۵/ ۱۲۷)۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فرض اور وتر کی قضاء لازم ہے سنتوں کی نہیں

سوال (۴۳۳): قدیم ۱/ ۵۰۷- کسی وقت کی نماز اگر قضاء ہو جاوے دوسرے وقت قضا کرتے ہوئے سنت کو ترک کر کے فقط فرض اور وتر پڑھنا بس ہے یا کہ مع سنت کے پڑھنی ہوگی۔

حضور نے بہشتی زیور کے دوسرے حصہ میں تحریر فرمایا ہے (قضا فقط فرض نمازوں اور وتر کی پڑھی جاتی ہے سنتوں کی قضاء نہیں ہے) اور عالمگیری ص ۱۹۹ میں لکھا ہے۔

والقضاء فرض فی الفرض وواجب في الواجب و سنة فی السنة. (۱)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنتوں کی قضا پڑھنا سنت ہے اور حضور فرماتے ہیں سنتوں کی قضا نہیں ہے اس میں کیا راز مخفی ہے بندے کی سمجھ ناقص میں نہیں آتا ہے حضور اس کا فیصلہ فرمادیویں۔؟

الجواب: بہشتی زیور کا مطلب یہ ہے کہ بعد خروج وقت کے سنت کی قضاء نہیں اور عبارت عالمگیری کا مطلب یہ ہے کہ وقت کے اندر سنت کی قضا ہے اور وہ بھی سب سنتوں کی نہیں بلکہ جن کی ہوتی ہے جیسے قبل ظہر والی سنت رہ گئی اور بعد فرض کے ادا کیں اس کو بھی مجازاً قضاء کہہ دیتے ہیں اس قضاء کو سنت میں قضا کہہ رہے ہیں چنانچہ صاحب درمختار کے اس قول پر۔

القضاء فعل الواجب بعد وقته وإطلاقه علی غیر الواجب کا لتی قبل الظهر مجاز. ا ه

علامہ شامی نے کہا ہے:

قوله وإطلاقه الخ أي کما فی قول المصنف الاٰتی: وقضاء الفرض والواجب والسنة الخ وقول الکنز: وقضی التی قبل الظهر فی وقته قبل شفعه إلی قوله: أما إذا أتی بها بعده فهی قضاء؛ إذلا شک أنه لیس وقتها وإن کانت وقت الظهر فافهم.

اس کے بعد درمختار کے اس قول پر:

وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض و واجب وسنة لف ونشرمرتب الخ.

---

(۱) هندیة، کتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، قدیم زکریا دیوبند ۱/۱۲۱، جدید زکریا ۱/ ۱۸۰۔

علامہ موصوف لکھتے ہیں:

قوله: والسنة يوهم العموم كالفرض والواجب وليس كذلك فلو قال: وما يقضى من السنة لرفع هذا الوهم. رملى ص ۴۵۹ ج ۱.(۱)

وفى الهداية: لهما أن الأصل فى السنة أن لا تقضى لا ختصاص القضاء بالواجب إلىٰ قوله وأما سائر السنن سواها لا تقضى بعد الوقت وحدها واختلف المشايخ فى قضائها تبعا للفرض وفى الحاشية عن العناية فقال بعضهم يقضيهاوقال بعضهم لايقضيها لا ختصاص القضاء بالواجب وهوالصحيح ص ۱۳۳ ج ۱. (۲)

ان روایات سے سب شبہات رفع ہوگئے۔ ۱۲/ ذی حجہ ۱۳۳۳ھ (تتمۂ ثالثہ ص۱۱۶)

---

(۱) درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۲۳-۵۲۴، كراچي ۲/۶۵-۶۶۔

وقوله: إسقاط الواجب يفيد أن السنّة لاتوصف بالقضاء وإذا أريد ماهوأعمّ أبدلنا الواجب بالعبادة فيقال: الأداء فعل العبادة في وقتها والإعادة فعل مثلها لخلل غير الفساد، وغير عدم صحة الشروع والقضاء فعلها بعد وقتها فتكون السنّة التي تفعل في وقتها أداءً وماأذن الشارع في فعله منها في غير وقته قضاءً كسنّة الفجر وأما سنة الظهر القبليّة إذاصليت بعد فإطلاق القضاء عليها مجاز على كل حالٍ لأنها مفعولة في وقتها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، باب القضاء الفوائت، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۴۴۰)

(۲) هداية مع حاشية، الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبه اشرفيه ديوبند ۱/۱۵۳۔

ولم تقض سنة الفجر إلا تبعاً لقضاء الفرض لأن الأصل في السنّة عدم القضاء لاختصاصه بالواجب ومن ثم قال في البناية: الأصح أنّها لاتقضىٰ إلاتبعًا لما قلنا ...... قيّد بالتبعيّة لأنها لاتقضىٰ وحدها عندهما وقال محمدٌ: أحبّ إليّ أن يقضيها إلى وقت الزوال ولاخلاف أن غيرها لايقضىٰ وحده واختلف في القضاء مع الفرض والصحيح أنها لاتقضىٰ كذافي العناية وغيرها: (النهرالفائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۱۱) ←

صرف توبہ سے قضاء نمازوں کا معاف نہ ہونا

سوال (۴۳۴): قدیم ۱/ ۵۰۸- ایک مسئلہ میں اشکال بظاہر معلوم ہوتا ہے توبہ سے تمام گناہ صغائر کبائر معاف ہوجاتے ہیں۔ اِلا حقوق العباد۔ مگر ہمارے فقہاء یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کی نماز یا روزہ قضا ہوگیا ہوتو وہ توبہ بھی کرے اور قضا بھی پڑھے۔ توبہ سے گناہ معاف ہوجاوے گا نماز معاف نہ ہوگی۔ اشکال یہ آن کر پڑتا ہے جب نماز حقوق اللہ سے ہے تو محض توبہ کی وجہ سے معاف کیوں نہیں ہوتی اور جبکہ توبہ سے گناہ معاف ہوگیا تو پھر قضا نہ پڑھنے پر گرفت کیسی اور گناہ کیسا؟ یہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ قضا نہ پڑھنے سے محروم رہے گا نماز کی فضیلت وتقرب الی اللہ سے مگر گناہ گار کیوں ہوگا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ نماز کے اندر دو حیثیت ہیں۔ ایک نماز کا ادا کرنا دوسرے اس کو عین وقت پر پڑھنا اور توبہ سے تاخیر نماز کا گناہ معاف ہوجاتا ہے نماز معاف نہیں ہوتی تب بھی اشکال وہی رہتا ہے کہ حقوق اللہ میں سے ہے نماز پھر توبہ سے معاف کیوں نہیں ہوتی۔ اور اگر یہ مانا جاوے کہ نماز من وجہ حقوق العباد سے ہے کیوں کہ اس کا نفع اسی کو پہنچتا ہے۔ اس لیے معاف نہیں ہوتی تو حضور والا اس طرح سے ہر معصیت میں دو حیثیت ہیں۔ مثلاً کذب ایک حیثیت سے حقوق اللہ سے ہے اور چونکہ اس کے گناہ سے اس کی ذات کو نقصان پہنچتا ہے اس لیے حقوق العباد ہوا؛ اس لیے وہ بھی توبہ سے معاف نہ ہونا چاہیے۔ مگر کذب معاف ہوجاتا ہے۔؟

← **ولاتقضىٰ إلاّ تبعاً للفرض وعند محمد تقضىٰ بعد الطلوع ويترك سنة الظهر في الحالين ويقضيها في وقته قبل شفعه وغيرهما وغير الفرائض الخمس والوتر لايقضىٰ أصلاً** (ملتقى الأبحر)

وفي المجمع: قوله غيرهما أي غير سنّة الفجر والظهر من السنن، وغير الفرائض الخمس والوتر لايقضي أصلاً أي لافي الوقت ولا بعده ووحدها بالإتفاق، ولاتبعيّة فرائضها إلاّعند بعض المشائخ فإنهم قالوا: يقضيها تبعاً لقضاء فرائضها، لكن الأول هوالأصح كمافي الدرر: (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، دارلكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۱۱- ۲۱۲) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

الجواب: حقوق اللہ کے معاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذنوب معاف ہوتے ہیں نہ کہ طاعات سونماز طاعات میں سے ہے۔ اوراس کا بدل ممکن اور مشروع ہے۔ لہٰذا قضاء واجب ہوئی پھر قضاء کا بدل فدیہ ہے(۱)۔ اگر قضا پر قدرت نہ ہوئی فدیہ واجب ہوگا یا اس کی وصیت۔ اگر اس پر بھی قدرت نہ ہوئی یا وسعت نہ ہوئی نہ اس کا کوئی بدل ہے اب یہ کوتاہی ذنب محض رہ گئی یہ توبہ سے معاف ہونیکی امیدگاہ ہے۔ اب سب اشکالات رفع ہوگئے۔

---

(۱) قال الفقيه رضي الله تعالیٰ عنه: الذنب على وجهين ذنب فيما بينک وبين الله وذنب فيما بينک وبين العباد. أمّا الذنب الذي بينک وبين الله تعالیٰ فتوبتهٗ الاستغفار باللسان، والندم بالقلب والإضمار أن لاتعود فإن فعل ذلک لايبرح من مكانه حتىٰ يغفر الله له إلاّ أن يترک شيئاً من الفرائض فلا تنفعه التوبة مالم يقض مافاته ثم يندم ويستغفر.
(تنبيه الغافلين، باب التوبة، دارالكتب العلمية بيروت ص:۷۸)

وعلى جميع الاعتبارات لابدّمن التنبيه على أن الإقلاع عن الذنب لايتم إلاّبردّ الحقوق إلى أهلها، أو باستحلا لهم منها في حالة القدرة وهذا كما يلزم في حقوق العباد يلزم كذلک في حقوق الله تعالیٰ. (المؤسوعة الفقهية الكويتية ۱۴/۱۲۱)

وأيضا قد نصّوا على أنّ أركان التوبة ثلاثة، الندامة على الماضي. والإقلاع في الحال والعزم على عدم العودفي الاستقبال فالأولیٰ أن يقال معنى الندم توبة أنّه عمدة أركانها كقوله عليه السلام: الحج عرفة، ثم هذاإن كانت التوبة فيما بينه وبين الله تعالیٰ كشرب الخمر وإن كانت عمّا فرط فيه من حقوق الله كصلوات وصيام وزكوات فتوبته أن يندم على تفريطه أوّلا ثم يعزم على أن لايفوت أبداً ولو بتأ خير صلاة عن وقتها ثم يقضي مافاته جميعا.
(شرح فقةأكبر، بيان أقسام التوبة، مكتبة اشرفية ص۱۹۴)

وفي شرح المقاصد قالوا: إن كانت المعصية في خالص حق الله تعالیٰ فقد يكفى الندم كما في ارتكاب الفرار من الزحف وترک الأمر بالمعروف وقد تفتقر إلى أمرزائد كتسليم النفس للحد في الشرب وتسليم ماوجب في ترک الزكاة ومثله في ترک الصلاة.(روح المعانی، سورة التحريم، آيت ۸/ مكتبة زكريا ديوبند جزء ۲۸، ۱۵/۲۳۵)

خلاصہ مختصر یہ ہوا کہ جس عبادت کا شرع میں بدل ہے بدل پر قدرت ہونے تک وہ توبہ سے معاف نہیں ہوتی۔ بعد عجز وہ بھی معاف ہو جاتی ہے (۱)۔

۹ شعبان المعظم ۲۴ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۸۷)

جس کو فساد نماز کا علم نہ ہو اس کے حق میں سقوط ترتیب کا حکم

سوال (۴۳۵): قدیم ۱/۵۰۹- کسی صاحب ترتیب نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی، پھر مغرب کے وقت معلوم ہوا کہ امام کی نماز صحیح نہیں ہوئی۔ تو یہ ظہر اور عصر کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں۔؟

الجواب: **فی البحر عن المحیط: لوصلیٰ العصر ثم تبین له أنه صلی الظهر بلا وضوء یعید الظهر فقط؛ لأنه بمنزلة الناسی. ردالمحتار باب الفوائت ج۱ص۷۶۱۔(۲)**

اس روایت سے معلوم ہوا کہ بعد کی نمازیں سب صحیح ہوگئیں۔ صرف صبح کی نماز قضا کرنا پڑے گی۔

۹ شعبان ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۸۸)

---

(۱) **لايُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إلَّا وُسْعَهَا.** (سورة البقرة آیت...... **ولو مات وعليه صلوات فائتة الخ.** (درمختار) **وفي الشامية: قوله ''وعليه صلوات فائتة الخ'' أي بأن كان يقدر على أدائها ولو بالإيماء فيلزمه الإيصاء بها وإلاّ فلا يلزمه وإن قلّت بأن كانت دون ست صلواتٍ لقوله عليه الصلاة والسلام فإن لم يستطع فالله أحق بقبول العذر منه.** (درمختار مع الشامي، الصلاة، باب قضاء الفوائت، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۳۲، كراچي ۲/۷۲)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، فصل في اسقاط الصلاة والصوم، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ۴۳۶۔

(۲) شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۲۶، كراچي ۲/۶۸۔

وقد ذكر في المحيط معزيا إلى النوادر: لو صلى الظهر على ظن أنّه متوضئ ثم توضأ وصلى العصر ثم تبيّن يعيد الظهر خاصة لأنّه بمنزلة الناسي في حق الظهر فلم يلزمه مراعاة الترتيب. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۴۹، كوئٹه ۲/۸۴) ←

تنہاءمغرب پڑھنے کے دوران جماعت کھڑی ہوجائےتو دورکعت پڑھنے پرنماز ختم نہ کرنا

سوال (۴۳۶): قدیم۱/۵۱۰- بہشتی گوہر میں جماعت میں شامل ہونے کے مسائل ہیں اوراس میں مغرب کے وقت دوسری رکعت کا سجدہ کرلیا ہوتو دورکعت پرسلام پھیر دے ہے مگر عالمگیر یہ ودرمختار میں لکھاہے کہ نماز پوری کرلے۔؟

الجواب: (بقلم المولوی عبدالکریم الگمتھلوی) صحیح یہی ہے کہ اگر مغرب کی دوسری رکعت کا سجدہ کرچکا ہوتو سلام نہ پھیرے بلکہ نماز تنہاہی پوری کرلےاور جماعت میں شامل نہ ہو۔

فی الشامي ص۴۵۷ج۱۔(۱) وإن فی غیر رباعی قطع واقتدی مالم یسجد للثانیة فإن سجد أتم ولم یقتد. آہ و ھکذا فی العالمگیریة.

← **ھذاالترتیب یسقط بعذر النسیان وفي الینابیع: وبما ھو في معنی النسیان کمن صلی الظھر علی ظن أنه علی طھارة وھو ذاکر للظھر، ثم صلی العصرعلی طھارة، وھو ذاکر للظھر ثم علم أنّه صلی الظھر علی غیر طھارة.** (الفتاوی التاتار خانیة، کتاب الصلاۃ، الفصل العشرون قضاء الفوائت، مکتبة زکریا دیوبند ۲/۴۴۲، رقم ۲۹۱۷)

وکذلک الرجل صلی الظھر بغیر وضوء تامٍ بأن ترک مسح الرأس ناسیاً وظن أن وضوءه تامٌّ فإنّه یجزئه العصر إذا مسح الرأس أوجدّد الوضوء للعصر لأنّه صلی العصر وظنّ أنّه لاظھر علیه فیجزئه کمالو ترک الظھر أصلاً. (المحیط البرھاني، کتاب الصلاۃ، الفصل العشرون: قضاء الفوائت،المجلس العلميٍ ۲/۳۵۲، رقم ۱۹۵۸)

ولوصلی الظھر علی ظن أنّه متوضئٍ ثم توضأ وصلی العصر، ثم تبیّن أنه صلیٰ الظھر من غیر وضوءٍ یعیدالظھر خاصةلأنّه بمنزلة الناسي في حق الظھر.

(ھندیة، کتاب الصلاۃ، الباب الحادي عشرفي قضاء الفوائت، قدیم زکریا ۱/۱۲۲، جدید زکریا ۱/۱۸۱)

(۱) شامي، کتاب الصلاۃ، باب إدراك لفضیلة، مکتبة زکریا دیوبند ۲/۵۰۵، کراچي ۲/۵۲۔ ←

اور بہشتی گوہر میں اگراس کے خلاف ہے وہ غلطی ہے؛ لیکن سوال میں جوعبارت بہشتی گوہر کی طرف منسوب کی ہے وہ عبارت اس میں نہیں، نقل میں احتیاط لازم ہے۔

۹؍شوال ۱۳۴۳ھ (ترجیح خامس ص:۱۵۸)

← **إن صلیٰ ركعة من الفجر أوالمغرب فأقيم يقطع ويقتدي وكذا يقطع الثانية مالم يقيد ها بالسجدة وإذا قيّد ها بها لم يقطعها.** (هندية، كتاب الصلاة، الباب العاشرفي إدراك الفريضة، قديم زكريا ١/١١٩، جديد ١/١٧٨)

فإن صلیٰ ركعة من الفجر أو المغرب فأقيم يقطع ويقتدي لأنّه لوأضاف إليها ركعة أخریٰ تفوته الجماعة لإتيانه بالكل في الفجرأوالأكثر، وكذايقطع الثانية مالم يقيدها بالسجدة وإذا قيّدها بها لما يقطعها لما ذكرنا. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتة زكريا ديوبند ١/٤٥٠، امداية ملتان ١/١٨١)

فإن صلى ركعة من الفجر أو المغرب فأ قيم يقطع ويقتدي لأنّه لو أضاف إليها أخریٰ لفاتته الجماعة لوجود الفرا غ حقيقة في الفجر أوشبهه في المغرب لأن للأكثر حكم الكل وشمل كلامه ما إذا قام إلى الثانية ولم يقيد ها بالسجدة وقيّد بالركعة احترازاً عمّا إذا قيّد الثانية بسجدة فإنّه لايقطعها ويتمّها. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/١٢٧، كوئٹة ٢/٧٢۔

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبة، زكريا ديوبند ١/٣٠٩۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، دارالكتب العلمية بيروت ١/٢٠٩۔

شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ

۱۱/ باب أحكام اللاحق والمسبوق

قعدہ اولیٰ یا اخیرہ میں شریک ہونے والے مسبوق کا تشہد مکمل کرنے کا حکم

سوال (۴۳۷): قدیم ۱/ ۵۱۰- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسبوق امام کے ساتھ قعدۂ اولیٰ میں ملا۔ اور قبل اس کے کہ مسبوق تشہد ختم کرے امام اٹھ گیا تو مسبوق امام کی متابعت کرے یا تشہد ختم کر کے اٹھے۔؟

الجواب: اس صورت میں مسبوق تشہد ختم کر کے اٹھے بدون ختم کرنے تشہد کے نہ اٹھے۔ (*)

(*) لیکن اگر تشہد ادھورا رکھ کر اٹھ گیا یا آئندہ سوال میں تشہد پڑھے بغیر اٹھ گیا تو حلبی رحمہ اللہ کی رائے میں نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ہوگی، علامہ شامی رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرف ہے؛ لیکن علامہ طحطاوی رحمہ اللہ بغیر کسی قسم کی کراہت کے نماز کو صحیح کہتے ہیں، صاحب درمختار کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، نیز فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔

ولوتم جاز (درمختار) قوله: جاز، اى من غير كراهة لأنه قد تعارض واجبان فيخير من غير كراهة. اھ (طحطاوي بردرمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة كوئٹة ١/ ٢٢٠)

قوله: وإن لم يتمه جاز لتعارض واجبين فيتخير بينهما وهذا هو المشهور في المذهب اھ. (طحطاوي على المراقي ص:١٦٩، كتاب الصلاة، فصل فيما يفعله المقتدي بعد فراغ إمامه، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ٣١٠)

قال ابن عابدين : ثم رأيته في الذخيرة ناقلاً عن أبي الليث والمختار عندى أنه يتم التشهد، وإن لم يفعل أجزاءه. اھ قوله: ولم يتم جاز أي مع كراهة التحريم كما أفاده "ح" ونازعه "ط" والرحمتي وهو مفاد ما في شرح المنية الخ. (شامي ١/ ٤٦٣، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبة زكريا ٢/ ٢٠٠، كراچي ١/ ٤٩٦)

نوٹ: اس سلسلہ میں ایک جواب س ۳۴۱ پر بھی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

هكذا فى رد المحتار: عبارته هذا قوله لا يتابعه الخ أي ولو خاف إن تفوته الركعة الثالثة مع الامام كما صرح به فى الظهيرية وشمل بإطلاقه ما لو اقتدىٰ به فى اثناء التشهد الأول أو الأخير فحين قعد قام إمامه أوسلم و مقتضاه أنه يتم التشهد ثم يقوم. فقط والله اعلم بالصواب. (۱) (امداد ص۲۱ ج۱)

سوال (۴۳۸): قدیم ۱/۵۱۱- مسبوق جو سلام پھیرنے کے قریب آکر داخل جماعت ہوا ہے التحیات کے دو تین کلمے پڑھنے پایا تھا کہ امام نے سلام پھیر دیا تو یہ مسبوق امام کے سلام پھیرتے ہی باقی نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے یا پوری التحیات پڑھکر کھڑا ہو۔؟

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة ، مطلب في إطالة الركوع للجائي، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۰۰ ، كراچي ۱/۴۹۶۔

إذا أدرك الإمام في التشهد وقام الإمام قبل أن يتم المقتدي أوسلّم الإمام في آخر الصلاة قبل أن يتم المقتدي التشهد فالمختار أن يتم التشهد. (هندية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل السادس فيمايتابع الإمام وفيما لايتابعه، قديم زكريا ۱/ ۹۰، جديد زكريا ۱/ ۱۴۷)

وإذا قام الإمام إلى الثالثة قبل أن يفرغ المقتدي من التشهد فإن المقتدي يتم التشهد ثم يقوم وكذا لوسلّم الإمام قبل أن يفرغ المقتدي من التشهد فإنّه يتم التشهد. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لايصح، قديم زكريا ۱/ ۹۶، جديد زكريا ۱/ ۶۲)

من أدرك الإمام في التشهد فقام الإمام أو سلّم في آخر الصلاة قبل أن يتم المقتدي تشهده، قال الفقيه أبو الليث المختار عندي أنه يتم تشهده لأن التشهد من الواجبات الخ. (الفتاوى تاتارخانية ، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۱۹۲، رقم: ۲۱۱۲)

حلبي كبير ، كتاب الصلاة، باب الإمامة، شروط المحاذات، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۲۷۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: پوری التحیات پڑھ کر کھڑا ہو۔

کذا فی الدر المختار: فصل شروع الصلوٰۃ بعد بیان کیفیۃ الرکوع. (۱)

یکم صفر ۱۳۲۹ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۳۳)

مسبوق کا امام کے ساتھ سلام پھیرنے کا حکم

سوال (۴۳۹): قدیم ۱/۵۱۲- مسبوق نے امام کے ساتھ بھول کر سلام دونوں طرف پھیر دیا اور اپنے یا دوسرے کے کہنے سے اسی وقت یا کچھ توقف کر کے کھڑا ہو گیا۔ ان چاروں صورتوں میں سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟

---

(۱) **بخلاف سلامه أوقيامه لثالثة قبل تمام المؤتم التشهد فإنّه لايتابعه بل يتمه لوجوبه، (درمختار) وفي الشامية، قوله : فإنّه لايتابعه الخ: وشمل بإطلاقه مالواقتدىٰ به في أثناء التشهد الأول أو الأخير فحين قعد قام إمامه أوسلّم ومقتضاه أنّه يتم التشهد ثم يقوم.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۹۹-۲۰۰ ، كراچي ۱/۴۹۶)

إذا أدرک الإمام في التشهد وقام الإمام قبل أن يتم المقتدي أوسلّم الإمام في آخر الصلاة قبل أن يتم المقتدي التشهد فالمختار أن يتم التشهد. (هندية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل السادس، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۹۰، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۴۷)

من أدرک الإمام في التشهد فقام الإمام أو سلّم في آخر الصلاة قبل أن يتم المقتدي تشهده قال الفقيه أبو الليث المختار عندي أنّه يتم تشهده؛ لأن التشهد من الواجبات الخ. (الفتاوى التاتار خانية ، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلاة، مكتبة زكريا ۲/ ۱۹۲، رقم ۲۱۱۲)

إذا قام الإمام إلى الثالثة قبل أن يفرغ المقتدي من التشهد فإن المقتدي يتم التشهد ثم يقوم وكذا لو سلّم الإمام قبل أن يفرغ المقتدي من التشهد فإنّه يتم التشهد. (خانية على الهندية ، كتاب الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به وفيمن لايصح، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۹۶، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۶۲) ←

الجواب: اگرامام سے پہلے یااس کے ساتھ سہواً سلام پھیراتو سجدۂ سہولازم نہیں جمیع صور مندرجۂ سوال میں؛ کیونکہ یہ ہنوز موتم ہےاورسہوموتم سے سجدہ لازم نہیں اوراگر بعدسلام امام کے پھیراتو سجدۂ سہولازم ہے۔

علی عموم الصور المذکورۃ ولاسجود علیه إن سلم سهوا قبل الإمام أو معه وإن سلم بعده لزمه لکونه منفردا حینئذٍ بحر. ۱۲ شامی فی بحث سجود المسبوق سهوا. ج ۱ ص ۴۹۹. (۱)

اوراس مسبوق کوقبل کلام وتحویل عن القبلۃ بناء جائز ہے۔

ویسجد للسهو ولو مع سلامه للقطع مالم یتحول عن القبلة أو یتکلم درمختار باشامی۔ ج۱ص۵۰۵۔(۲)

← حلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة، شروط المحاذات، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۲۷۔

طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل فيما يفعله المقتدي بعد فراغ إمامه: مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ۳۱۰۔

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵٤٦-۵٤۷، كراچي ۲/۸۲-۸۳۔

وعليه يفرَّع ماإذا سلم ساهياً فإن كان الإمام أو معه فلا سهو عليه وإن كان بعده فعليه كماذكرناهٗ. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۱۷۷، كوئٹه۲/۱۰۰)

ومنها أنّه لوسلّم مع الإمام ساهياً أوقبله لايلزمه سجود السهو وإن سلّم بعده لزمه كذافي الظهيرية هو المختار كذافي جواهر الأخلاطي. (هندية، كتاب الصلاة، قبيل الباب السادس في الحدث في الصلاة، قديم زكريا ۱/۹۱، جديد زكريا ۱/۱٤۹)

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۵۸، كراچي ۲/۹۱۔ ←

اور دوسرے کے کہنے سے کھڑے ہونے میں احتیاط یہ ہے کہ اس کے کہنے کے ذرا بعد کھڑا ہوتا کہ قیام اپنی رائے سے ہو اس کا امتثال نہ ہو؛ کیونکہ نمازی کو غیر نمازی کے امتثال کا مفسد وغیر مفسد ہونا مختلف فیہ ہے اگر چہ اصح عدم فساد ہے۔

حتی لو امتثل امر غیره فقیل له تقدم فتقدّم أو دخل فرجة الصف أحد فوسع له فسدت بل یمکث ساعة ثم یتقدم برأیه. قهستانی معزیاللزاهدی ومرویاتی قنیة ودرمختار. ۱۲ قوله ومرفی باب الامامة عند قوله ویصف الرجال وقد مناعن الشر نبلالی عدم الفساد وتقدم تمام الکلام هناک. ۱۲ شامی. ج۱ ص ۴۱۸.(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب و الیه المرجع والمآب. (الامداد ص ۲۲ ج۱)

← **وهل یلزمه سجود السهو لأجل سلامه، ینظر إن سلّم قبل تسلیم الإمام أوسلّما معاً لایلزمه لأن سهوه سهو المقتدي وسهو المقتدي متعطل وإن سلّم بعد تسلیم الإمام لزمه لأن سهوه سهو المنفرد فیقضي ما فاته ثم یسجد للسهو في آخر صلاته.**
(بدائع الصنائع، بیان من یجب علیه السهو، مکتبة زکریا ۱/ ۴۲۲)

ویسجد للسهو وجوباً وإن سلّم عامداً مریداً للقطع لأن مجرّد نیّة تغییر المشروع لاتبطله ولاتعتبر مع سلامٍ غیر مستحق وهو ذکر فیسجد للسهو لبقاء حرمة الصلاة مالم یتحول عن القبلة أو یتکلم. (طحطاوی علی المراقي، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبة دارالکتاب دیوبند ص:۴۷۲)

(۱) الدرالمختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة، ومایکره فیها، مکتبة زکریا دیوبند ۲/ ۳۸۱، کراچي ۱/ ۶۲۲۔

وذکر عن کتاب التجانس لوقیل للمصلي تقدّم فتقدم أو دخل فرجة الصف أحد فجانب المصلي فوسّعه له فسدت صلاته لأنه امتثل غیر أمر اللّٰه تعالیٰ في الصلاة وینبغي أن یمکث ساعة ثم یتقدم برأیه قال یعني نفسه فالإجابة بالرأس أو بالید مثله انتهیٰ.
(حلبي کبیر، کتاب الصلاة، باب مفسد الصلاة، مکتبة اشرفیة دیوبند ص:۴۴۵)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

امام کے سلام کے بعد مسبوق کے نماز پوری کرنے کا طریقہ

سوال (۴۴۰): قدیم ۱/۵۱۲- جوشخص فرض ظہر یا عصر کی چوتھی رکعت میں شریک ہوا وہ تین رکعت باقی کس طور سے ادا کرے۔ کس رکعت کے بعد جلسہ کریں۔ اور کن رکعتوں میں ختم سورۃ کرے، کے رکعت بدون سورۃ کے پڑھے۔ اور جوشخص تیسری رکعت میں شریک ہوا وہ دو رکعت باقی کس طور سے ادا کرے جومغرب کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوا وہ اپنی دو رکعت باقی کس طور سے ادا کرے جلسہ اور ختم سورۃ کن رکعت میں کرے۔ فقط؟

الجواب: جس کی کوئی رکعت امام کے ساتھ فوت ہوگئی ہو اس کو مسبوق کہتے ہیں اس کی باقی نماز حق قراءت میں اول ہوتی ہے اور حق تشہد میں آخر **ویقضی أول صلوٰۃ فی حق قراءۃ و آخرھا فی حق تشھد.** درمختار۔(۱)

پس جوشخص ظہر یا عصر میں چوتھی رکعت میں شریک ہوا بعد فراغ امام کے کھڑا ہو کر ثناوتعوذ پڑھ کر

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في أحكام المسبوق الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۴۷، كراچي ۱/۵۹۶)

وههنا من أحكام المسبوق أنّه يقضي أوّل صلاته في حق القرائة وآخرها في حق التشهد. (هندية، كتاب الصلاة، الفصل السابع في المسبوق واللاّحق، قديم زكريا ۱/۹۱، جديد زكريا ۱/۱۴۹)

والمسبوق فيما يقضي يقضي أوّل صلاته في حق القراءة وآخر صلاته في حق التشهد. (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مايتصل بمسائل الاقتداء مسائل المسبوق، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۶۵)

ومن أحكامه أنّه يقضي أوّل صلاته في حق القرءة وآخرها في حق التشهد. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۶۶۴، كوئٹه ۱/۳۷۹)

فاتحہ وسورۃ پڑھے اور یہ رکعت پوری کر کے قعدہ کرے پھر کھڑا ہو کر وہ رکعت بھی فاتحہ وسورۃ سے پڑھ کر پچھلی رکعت فقط فاتحہ سے پڑھ کر نماز تمام کرے اور جو تیسری میں شریک ہوا وہ دونوں رکعتیں فاتحہ وسورۃ سے پڑھے اور ان دونوں کے بیچ میں جلسہ نہ کرے دونوں کے بعد قعدۂ اخیرہ کر کے فارغ ہو(۱)۔

جو مغرب کی تیسری میں شریک ہوا وہ دونوں میں فاتحہ وسورۃ پڑھے اور ہر رکعت پر بیٹھے۔(۲)

واللہ اعلم۔ (امداد ص۲۲ ج۱)

---

(۱) **لوأدرک مع الإمام ركعة في ذوات الأربع فقام إلى القضاء قضىٰ ركعة يقرأفيها بفاتحة الكتاب وسورة ويتشهد ثم يقوم فيقضي ركعة أخرىٰ يقرأ فيها بفاتحة الكتاب وسورة وفي الثالثة هو بالخيار والقراءة أفضل على ماعرف۔** (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، حكم المسبوق، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۶۷)

ولوأدرک ركعة من الرباعية فعليه أن يقضي ركعة يقرأ فيها الفاتحة والسورة ويتشهد ويقضي ركعة أخرىٰ كذلک ولايتشهد وفي الثالثة بالخيار والقراءة أفضل. (هندية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل السابع في المسبوق واللّاحق، قديم زكريا ديوبند ۱/۹۱، جديد زكريا ديوبند ۱/۱۴۹)

شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۴۷، كراچي ۱/۵۹۶۔

(۲) **وإذا أدرک الرجل ركعة مع الإمام من المغرب، فلما سلّم الإمام قام يقضي، قال يصلى ركعة ويقعد وهذا استحسان والقياس يصلى ركعتين ثم يقعد.** (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، الحدث في الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۱۸۹)

حتى لوأدرک مع الإمام ركعة من المغرب، فإنّه يقرأ في الركعتين الفاتحة والسورة ويقعد في أولٰهما لأنها ثانية ولولم يقعد جاز استحساناً لاقياساً. (منحة الخالق على البحرالرائق، كتاب الصلاة، الحدث في الصلاة، مكتبة زكريا ۱/۶۶۴، كوئٹه ۱/۳۷۹)

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، حكم المسبوق، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۶۷ ۔شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مسبوق کے حق میں ثناء اور تعوذ پڑھنے کا حکم

سوال (۴۴۱): قدیم ۵۱۳/۱- فتاویٰ اشرفیہ میں ایک شخص نے سوال مسبوق کے متعلق کیا کہ جماعت سے رہی ہوئی باقی رکعتیں کس طرح پوری کرے۔ حضور نے جواب میں فرمایا کہ بعد سلام امام وہ مسبوق اٹھے اور ثناء وتعوذ و بسم اللہ پڑھ کر الحمد وسورۃ پڑھے نیز بہشتی گوہر کے تتمہ میں حضور نے اشاد فرمایا کہ بعد سلام امام وہ مسبوق کسی وقت یعنی بعد جماعت کے ثناء واعوذ و بسم اللہ نہ پڑھے ثناء ساقط ہوگئی اس میں کیا مصلحت ہے۔؟

الجواب: معلوم ہوتا ہے آپ نے بہشتی زیور کے ضمیمہ کو بالکل نہیں سمجھا اور افسوس ہے کہ عبارت بھی اس کی بعینہ نقل نہیں کی اپنی طرف سے غلط سمجھ کر خلاصہ نکال کر نقل کر دیا ایسا تصرف نقل میں گناہ بھی ہے۔ میں نے جو ثناء کا نہ پڑھنا لکھا ہے تو امام کے ساتھ شریک ہونے کی حالت میں لکھا ہے یعنی نہ نیت باندھ کر پڑھے اور نہ امام کی قراءت کے وقفات میں پڑھے یہ کہاں لکھا ہے کہ جب اپنی بقیہ نماز پڑھنے کھڑا ہو تب بھی نہ پڑھے سائل نے اس کو پوچھا ہی نہیں۔(۱)

۲۹ ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ (تتمۂ خامسہ ص ۲۲۷)

---

(۱) **ومنها: أنه إذا أدرک الإمام في القراء ة في الرکعة التي يجهر فيها لايأتي بالثناء كذا في الخلاصة هو الصحيح، كذا في التجنيس: وهو الأصح هكذا في الوجيز للكردري سواء كان قريباً أو بعيداً أو لا يسمع لِصممِه هكذا في الخلاصة فإذا قام إلى قضاء ماسبق يأتي بالثناء ويتعوذ للقراء ة كذا في قاضي خان والخلاصة**. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق، قديم زكريا ديوبند ۹۰/۱، جديد زكريا ديوبند ۱۴۸/۱)

أما المسبوق إذا أدرک الإمام في القراء ة في الرکعة التي يجهر فيها لايأتي بالثناء فإذا قام إلى قضاء ماسبق به يأتي بالثناء ويتعوذ للقرء ة...... ثم في الثناء سواء كان قريباً من الإمام أو بعيداً أو لايسمع لِصَممِه في صلاة الجهر يسكت. (خلاصة الفتاویٰ، كتاب الصلاة، مايتصل بمسائل الاقتداء مسائل المسبوق، مكتبة اشرفية ديوبند ۱۶۵/۱) ←

سوال (۴۴۲): قدیم ۱/۵۱۴- مسبوق رکعات جہریہ وخفیہ میں ثناء وتعوذ اور تسمیہ تینوں پڑھے یا نہیں اور جب بعد فراغت کے اپنی بقیہ رکعتیں ادا کرنے کے لیے کھڑا ہو تو اس وقت ثنا وتعوذ وتسمیہ تینوں پڑھے یا صرف تعوذ وتسمیہ پر قناعت کرے جو کچھ فرق اس مسئلہ کے متعلق رکعات جہری وسری میں ہو مطلع فرمائیے گا؟

الجواب: **في الدر المختار: قبل باب الا ستخلاف والمسبوق منفرد حتیٰ یثنی و یتعوذ ویقرء وإن قرء مع الإمام لعدم الا عتداد بها لکراهتهامفتاح السعادة فیما یقضیه مختصراً.**(۱)

← **المسبوق إذا أدرک الإمام في القراء ة التي یجهر فیها لایأتي بالثناء فإذا قام إلی قضاء ماسبق یأتي بالثناء ویتعوذ للقراء ة.** (خانیة علی الهندیة، کتاب الصلاة، فصل في المسبوق، قدیم زکریا ۱/۱۰۴، جدید زکریا ۱/۶۶)

الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثالث کیفیّة الصلاة، مکتبة زکریا دیوبند ۲/۱۹۵، رقم: ۲۱۲۰۔

المحیط البرهاني، کتاب الصلاة، الفصل الثالث فیما یفعله بعد الشروع في الصلاة، المجلس العلمي ۲/۱۳۳، رقم: ۱۴۰۴۔ *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

(۱) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبة زکریا دیوبند ۲/۳۴۶-۳۴۷، کراچي ۱/۵۹۶۔

وأقول: عبارته فیها المسبوق فیما یقضي له جهتان، جهة الانفراد حقیقةً حتی یثني ویتعوّذ ویقرأ وجهه الاقتداء حتی لایؤتم به وإن صلح للخلافة الخ. (النهر الفائق، کتاب الصلاة،باب الحدث في الصلاة، مکتبة زکریا دیوبند ۱/۲۶۴)

منحة الخالق علی البحر الرائق ، کتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، مکتة زکریا دیوبند ۱/۶۶۱، کوئٹه ۱/۳۷۷۔

والمسبوق، من سبقه الإمام بکل الصلاة أوببعضها وحکمه أنه کالمنفرد بعد البدء بقضاء مافاته، فیأتيبدعاء الثناء والتعوذ لأنّه للقراء ة ویقرأ لأنّه یقضي أول صلاته في حق القراء ة فلوترک القراء ة فسدت صلاته الخ. (الفقه الاسلامي وأدلته، کتاب الصلاة، أنواع الصلاة، مکتبة هدی انٹر نیشنل دیوبند ۲/۱۹۲) ←

اس روایت سے دو امر مستفاد ہوئے ایک یہ کہ مسبوق امام کے ساتھ ثناء وتعوذ وتسمیہ نہ پڑھے دوسرے یہ کہ بعد فراغ امام کے جب اپنی بقیہ نماز پڑھنے کھڑا ہو سب چیزیں اور قراءت پڑھے اور جہری وسری اس حکم میں دونوں برابر ہیں لاطلاق الدلیل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۶)

مسبوق کو رکعات فائتہ میں جہر کا حکم

سوال (۴۴۳): قدیم ۱/۵۱۴- مسبوق کو اپنی فوت شدہ رکعت نماز جہریہ کی جہر سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں اگر جہر سے پڑھنا جیسا جائز ہے (جیسا کہ مؤطا امام مالکؒ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے) تو ایک مسبوق ہو خواہ دس بیس ہوں سب کو جہر سے پڑھنا چاہیے یا نہیں۔؟

الجواب: مسبوق کو جہر جائز ہے خواہ ایک ہو یا متعدد۔

فی الدر المختار: کمن سبق بركعة من الجمعة فقام يقضيها يجهر (۱) قلت وهو بإطلاقه يعم الواحد والكثير. فقط واللہ اعلم

۷ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴)

← **المسبوق إذا أدرک الإمام في القرأة في الركعة التي يجهر فيها لايأتي بالثناء فإذا قام إلى قضاء ماسبق يأتي بالثناء ويتعوذ للقراءة.** (خلاصة الفتاویٰ، كتاب الصلاة، مايتصل بمسائل الاقتداء مسائل المسبوق، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/۱۶۵)

المسبوق إذا أدرک الإمام في القرءة التي يجهر فيها لايأتي بالثناء فإذا قام إلى قضاء ماسبق يأتي بالثناء ويتعوّذ للقراءة. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل في المسبوق، قديم زكرياديوبند ۱/۱۰۴، جديد زكريا ديوبند ۱/۶۶)

هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق، قديم زكريا ديوبند ۱/۹۰، جديد زكريا ديوبند ۱/۱۴۸۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في الكلام على الجهروالمخافتة، مكتبة زكرياديوبند ۲/۲۵۲، كراچي ۱/۵۳۴۔ ←

جواب سوالات اربعہ (*) متعلقہ بأحکام لاحق ومسبوق

سوال (۴۴۴): قدیم ۱/ ۵۱۵- السلام علیکم دعوات عبدیت کا حصہ مقالات ومجادلات کے مطالعہ سے مستفیض ہوا۔ خدا جزائے خیر دے جناب صدیق احمد صاحب اور دیگر مشیعین وضابطین کو کہ ان کی بدولت غائبین بھی فیض صحبت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس رسالہ مقالات کے صفحہ ۹ نمبر ۲۱ میں جو مسئلہ درج ہے اس کے دو جزؤں میں احقر کو کچھ شبہ ہے جس کی تحقیق کے لیے حضرت والا کو تکلیف دینا مناسب سمجھا کہ امر حق واضح ہو اور اسی کے متعلق دو امر اور بھی تحقیق طلب تھے اس لیے مکلّف خدمت ہوں کہ ان کو ملاحظہ فرما کر امر حق سے مطلع فرمایا جاوے۔

(*) **خلاصۂ بحث**:۔ یہاں زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ جب مقیم شخص چار رکعت والی نماز میں مسافر امام کے پیچھے دوسری رکعت میں یا قعدہ میں شریک ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر پہلی رکعت میں شریک ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلہ میں دو رائے ہیں۔

پہلی رائے یہ ہے کہ جب پہلی رکعت میں شریک ہوا ہو تو وہ صرف لاحق ہے، لہٰذا امام کے سلام پھیرنے پر اپنی بقیہ دو رکعتیں بغیر قراءت پڑھے اور جب دوسری رکعت یا قعدہ میں شریک ہوا ہو تو وہ مسبوق بھی ہے اور لاحق بھی؛ لہٰذا امام کے فارغ ہونے کے بعد پہلے وہ رکعتیں پڑھے جن میں لاحق ہے، یعنی آخر والی، اور ان میں نہ فاتحہ پڑھے نہ سورت، کیونکہ ان رکعتوں میں وہ حکماً امام کے پیچھے ہے پھر وہ رکعتیں پڑھے جن میں مسبوق ہے، یعنی پہلی ایک رکعت، یا دو رکعتیں، اور ان میں فاتحہ اور سورت دونوں پڑھے۔ (کفایۃ المفتی ۳/ ۳۸۷، فتاویٰ دارالعلوم جدید ۴/ ۴۸۹، فتاویٰ رشیدیہ ص: ۲۹۲) ←

← **لو سبق رجل یوم الجمعة ثم قام لقضاء ما فاته کان بالخیار: إن شاء جهر وإن شاء خافت کالمنفرد في صلاة الفجر هکذا في الخلاصة.** (هندیة، کتاب الصلاة، قبیل الباب السابع عشر في صلاة العیدین، قدیم زکریا ۱/ ۱۴۹، جدید زکریا ۱/ ۲۱۰)

وفي السّراج الوهّاج: ولو سبق رجل یوم الجمعة برکعة ثم قام لقضاء مافاته کان بالخیار إن شاء جهر وإن شاء خافت. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبة زکریا دیوبند ۱/ ۵۸۷، کوئٹه ۱/ ۳۳۶)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اول: رسالہ مذکورہ ص ۹ میں مقیم مقتدی بالمسافر کا دو رکعت کو بلاقراءت پڑھ کر اس رکعت کو جو فوت ہوگئی تھی پڑھنا افضل لکھا ہے اور میری فہم ناقص میں ترتیب واجب ہے اس کے ترک سے نماز صحیح تو ہو جائے گی

← پھر یہاں چند ذیلی ابحاث ہیں:

پہلی بحث: یہ ترتیب کہ پہلے دو رکعت بغیر قراءۃ پڑھے اور بعد کی رکعات قراءت سے واجب ہے، یا افضل؟ حضرت مجیب قدس سرہ نے دعوات عبدیت میں افضل قرار دیا ہے، سائل اس پر نقد کر رہا ہے اور ترتیب کا واجب ہونا ثابت کرتا ہے، حضرت رحمہ اللہ جواباً اپنے قول کی بنیاد فرماتے ہیں سائل اس پر بھی نقد کرتا ہے، تو حضرت رحمہ اللہ اپنے قول کی وجہ ''ابتلائے عوام'' بیان فرماتے ہیں۔

دوسری بحث: جب یہ مقیم مقتدی، دوسری رکعت میں شریک ہوا ہو تو امام کے فارغ ہونے پر باقی تین رکعات پڑھتے وقت پہلی دو رکعتوں کے درمیان قعدہ کرے یا نہ کرے؟ دعوات عبدیت میں حضرت رحمہ اللہ نے بغیر قعدہ کے پڑھنے کو فرمایا ہے جس پر سائل نے نقد کیا ہے وہ درمیان میں قعدہ کرنا ضروری ثابت کرتا ہے، حضرت نے اس کے نقد کا جواب دیا ہے، جسے سائل نے تسلیم کرلیا ہے۔

تیسری بحث: پہلی دو رکعتوں کے درمیان اگر قعدہ ہو تو، بقدر تشہد قعدہ ہوگا یا قعدۂ طویلہ؟ سائل کے خیال میں قعدۂ طویلہ ہونا چاہئے، حضرت رحمہ اللہ نے اس کو تسلیم نہیں کیا، اور تسلیم نہ ہونے کی وجہ بیان فرمائی ہے جس پر سائل نے نقد کیا اور حضرت نے اس کے نقد کا جواب عنایت فرمایا۔

چوتھی بحث: اصل مسئلہ میں اس پہلی رائے سے صلوۃ الخوف کے جزئیات متعارض ہیں، حضرت رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ شاید وہ جزئیات صلوۃ الخوف ہی کے ساتھ مخصوص ہوں جس پر سائل نے بحث کی تو حضرت نے دیگر علماء سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔

دوسری رائے: جب مقیم شخص مسافر امام کے ساتھ پہلی رکعت میں شریک ہو تو وہ صرف لاحق ہے، لہذا بقیہ دو رکعتیں بغیر قراءت کے پڑھے اور جب وہ دوسری رکعت میں یا امام کے قعدۂ اخیرہ میں شریک ہو تو وہ صرف مسبوق ہے، لہذا یہ شخص اٹھ کر پہلی رکعت میں ثناء، تعوذ فاتحہ اور سورت پڑھ کر قعدہ کرے اور پھر دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھے، اور آخری دونوں رکعتوں کے درمیان قعدہ نہ کرے، اور اگر وہ تمام رکعات کا مسبوق ہے (یعنی جب قعدہ میں فاتحہ کے ساتھ پڑھے)۔

یہ دوسری رائے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ (صاحب بذل المجہود) کی ہے، حضرت نے اس سلسلہ میں بہت ہی مفصل و مدلل فتاویٰ ارقام فرمائے ہیں جو ماہنامہ نظام کانپور (شمارہ مئی وجون ۱۹۶۴ء) ←

مگر تارک آثم ہوگا؛ اس لیے کہ مقتدی مذکور مسبوق ہونے کے ساتھ ہی علی الاصح لاحق بھی ہے اور لاحق مسبوق کو قضاء مالحق فیہ و ماسبق بہ میں ترتیب واجب یہ ہے کہ پہلے مالحق فیہ کو قضاء کرے پھر ماسبق بہ کو؛ اس لیے کہ محل قضاء ماسبق بعد الفراغ عن الاقتداء ہے اور وہ بعد قضاء مالحق فیہ ہے۔ اس لیے کہ لاحق تقدیراً خلف الامام اور حکماً مقتدی ہے پس جن رکعات میں لاحق ہے وہ رتبۃً ان رکعات سے جن میں مسبوق ہے مقدم ہوں گی اور ترتیب بین الرکعات واجب ہے۔ پس تقدم قضاء مالحق واجب ہوگا اور اس کا تارک آثم ہوگا نیز تاخیر قضا مالحق کا موجب آثم ہونا درمختار کی اس عبارت ''**ولو عکس صح وأثم لترک الترتیب**'' سے ثابت ہے ایسے ہی ردالمحتار ص: ۴۴۰ مطبوعہ مصر کی اس عبارت سے جو کہ تحت میں قول صح و آثم کے ہے وجوب قبلیت قضاء مالحق فیہ ثابت ہے۔

حیث قال لأن الترتیب بین الرکعات لیس بفرض لا نہا فعل مکرر فی جمیع الصلوٰۃ وإنّما ھو واجب. (۱)

دوم: رسالہ مذکورہ میں مقیم مقتدی بالمسافر کا بعد فراغ امام کے تین رکعت باقیہ میں سے دو پہلی رکعتیں بلاقعدہ درمیانی پڑھنے کو لکھا ہے؛ حالانکہ ردالمحتار سے مفہوم ہوتا ہے کہ لاحق قضاء مالحق فیہ

← اور احسن الفتاویٰ میں شائع ہوئے ہیں۔ احقر کے ناقص خیال میں یہ دوسری رائے ہی صحیح ہے اور وہی عمل وفتویٰ کے لئے متعین ہے اور اس کے لئے مشبع دلائل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کے آخری مفصل و مدلل جواب میں موجود ہیں۔ **فراجعه** ۱۲ سعید احمد پالنپوری

---

(۱) **ثم صلی مانام فیه بلاقراء ة ثم ماسبق به بها إن کان مسبوقاً أیضاً ولوعکس صحّ وأثم لترک الترتیب. (درمختار) وفي الشامیة: قوله صحّ وأثم أي خلافاً لزفر فعنده لایصح وعندنا یصح، لأن الترتیب بین الرکعات لیس بفرض لأنها فعل مکرر في جمیع الصلاة وإنما هو واجب.** (شامي، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبة زکریا دیوبند ۲/۳٤٦، کراچي ۱/۵۹۵-۵۹٦)

وهذا بناءً علی أن اللاّحق المسبوق یقضي أولاً مالحق فیه ثم ماسبق فیه وهذا عند زفر ظاهر وعندنا وإن صح عکسه لکن یجب هذا. (البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مکتبة زکریا ۱/٦۲٤، کوئٹه ۱/۳۵٦-۳۵۷)

میں بترتیب نماز امام بھی تقعد کرے اور بترتیب اپنی نماز کے بھی اس بناء پر صورت ہذا میں مقتدی بعد سلام امام کے پہلی رکعت میں بھی قعدہ کرے؛ اسلئے کہ وہ اس کی نماز کی ترتیب سے دوسری ہے۔ ملاحظہ ہو عبارت شامی ص ۴۳۹۔

تحت قوله ثم ماسبق به بها الخ فيصلي ركعة مما نام فيه مع الإمام ويقعد متابعة له لأنها ثانية إمامه ثم يصلي الأخرىٰ مما نام فيه و يقعد لأ نها ثانيته (ای المقتدی) الخ (۱)

سوم: پھر میری فہم ناقص میں آتا ہے کہ پہلی رکعت میں جو اس کی دوسری ہے تقعد بقدر تشہد ہو اور صرف التحیات پڑھے اور دوسری جو امام کی چوتھی ہے ایسی ہی تیسری جو اس کی چوتھی اس میں قعدہ طویلہ ہو اور درود و دعا بھی پڑھے اس لیے کہ لاحق جب کہ مقدار قیام و رکوع وسجود بلکہ جملہ امور میں امام کا تابع ہے حتیٰ کہ ترک تقعد ساہیاً میں تو مقدار و کیفیت تقعد میں بدرجہ اولیٰ تابع ہوگا پس جس رکعت میں امام نے قعدہ طویلہ کیا ہے اور تشہد کے ساتھ درود و دعا بھی پڑھا ہے اس میں اسے بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔ اس امر قیاسی کی کہیں صراحت نہیں دیکھی اس لیے استدعاء ہے جو اسمیں احقر کی غلطی ہو اصلاح فرمائی جاوے۔

چہارم: صلوٰۃ خوف میں طائفہ اولیٰ کو مطلقاً حکم عدم قراءت ہے اگرچہ بعض رکعات میں وہ مسبوق بھی ہو جیسے ظہر کی دوسری رکعات میں ملنے والا تینوں میں قراءت نہ کرے جیسا کہ ردالمحتار ص ۶۱۵ (۲) جو کہ تحت میں قول ''لا نهم لاحقون'' کے ہے **والمسبوق إن إدرك ركعة من الشفع الأول فهو من أهل الأولى وإلا فمن الثانية** سے مستفاد ہے ایسے ہی طائفہ ثانیہ کو مطلقاً حکم قراءت ہے اگرچہ بعض میں لاحق بھی ہو جیسے مقیم مقتدی بالمسافر صلوٰۃ خوف ذی رکعات اربعہ کی دوسری رکعت میں شریک ہو تو تینوں میں قراءت کرے باوجودیکہ دو رکعتوں میں وہ لاحق ہے جیسا کہ عالمگیری ص ۱۲۴ ج ۱۔ (۳)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۳۴٦، كراچي ۱/۵۹٦۔

(۲) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الخوف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۷۵، كراچي ۲/۱۸۷۔

(۳) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب العشرون في صلاة الخوف، قديم زكريا ديوبند ۱/۱۵۵، جديد زكريا ديوبند ۱/۲۱۵-۲۱٦۔

باب العشرون فی صلوٰۃ الخوف میں ہے وإن كان الإمام مسافرا والقوم مقيمين صلى بالطائفة التى معه ركعة، ثم انصرفوا بإزاء العدو و صلى بالطائفة الثانية ركعة وسلّم ثم يجيئ الطائفة الاولى فيصلون ثلث ركعات بغير قراءة الخ وتجيئ الطائفة الثانية الى مكان صلاتهم فيصلون ثلث ركعات الأولٰى بفاتحة الكتاب و سورة لأنهم مسبوقون فيها والأخريين بفاتحة الكتاب.

حالانکہ قیاس اس بات کو مقتضی ہے کہ طائفہ اولیٰ جن رکعات میں مسبوق ہے ان میں قراءۃ کرے اور طائفہ ثانیہ جن میں لاحق ہے ان میں قراءت نہ کرے تو اس اطلاق خلافِ قیاس کی کیا وجہ ہے تحریر فرمائی جائے؟

الجواب عن السوال المذكور: واقعی منقول تو وجوب ہی ہے اور اس ترتیب کو افضل کہنا میرا قیاس ہے جس کا مقیس علیہ تو مسبوق کا یہ مسئلہ ہے جو کہ درمختار اور ردالمحتار میں مذکور ہے۔

وهو منفرد فيما يقضيه أي بعد متابعته لإمامه الخ متعلق بقوله: يقضيه أي أن محل قضائه لما سبق به إنما هو بعد متابعته لإمامه فيما أدركه عكس اللاحق كمامرلكن هنا لوعكس بأن قضى ماسبق به، ثم تابع إمامه ففيه قولان مصححان إلى قوله: وفى شرح الشيخ اسمٰعيل عن جامع الفتاوىٰ يجوز عند المتأخرين وعليه الفتوىٰ آه و به جزم فى الفيض ج ۱ ص ۶۲۳. (۱)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۳۴۷، كراچي ۱/ ۵۹۶۔

ذهب الفقهاء إلى أنّ المسبوق إذا تخلف في صلاته بركعة أو أكثر فإنّه يتابع إمامه فيمابقي من الصلاة ثم يأتيبما فاته من صلاته وقال ابن عابدين: لوقضى المسبوق ماسبق به ثم تابع إمامه ففيه قولان مصححان، واستظهر في البحر القول بالفساد لقولهم: إن الانفراد في موضع الاقتداء مفسد ونقل عن البزازية أن عدم الفساد أقوىٰ لسقوط الترتيب وعن جامع الفتاوىٰ: يجوز عند المتأخرين وعليه الفتوىٰ وقالوا يكره له ذلك لأنه خالف السنة.

(الموسوعة الفقهيةالكويتية ۳۷/ ۱۶۱) ←

پس جس طرح اس جزئیہ میں باوجود لزوم ترتیب خاص کے اس کی تغییر کو متاخرین نے جائز کہا ہے اور اس پر فتویٰ بھی ہوگیا باوجودیکہ بعض اس صورت میں فساد صلوٰۃ کے بھی قائل ہیں تو مقیس بدرجہ اولیٰ اس حکم جواز کا مستحق ہے اس لیے کہ اول تو مقیس علیہ میں بعضے فساد کے بھی قائل ہیں یہاں فساد کا کوئی قائل نہیں تو مقیس میں وجوب اخف ہے بہ نسبت مقیس علیہ کے جب اس اشد میں وسعت ہوگئی تو اخف میں بدرجہ اولیٰ وسعت ہوسکتی ہے۔ دوسرے مقیس علیہ اقل وقوعاً ہے اور عام لوگ اس میں غلطی نہیں کرتے اور مقیس کثیر الوقوع ہے اور عام لوگ اس میں بہت غلطی کرتے ہیں تو یہاں وسعت کرنا احق ہونا چاہئے وجہ قیاس تو یہ ہے۔ اور وجہ اختیار یہ ہے کہ اس مسئلہ کو بہت کم لوگ جانتے ہیں اور اس غلطی میں ابتلائے عام ہے اس لیے فتویٰ میں آسانی مناسب ہے۔ پس یہ منشاء ہے میرے اس قول کا۔ چنانچہ عوام کو محض اس بے ترتیبی سے اعادہ کا حکم نہیں کرتا ہوں لیکن منقول کے سامنے میری رائے کوئی چیز نہیں دوسرے علماء سے رجوع کیا جائے اگر اس کو غلط بتاویں میں بھی غلط کہوں گا۔

جواب سوال دوم :سوالِ دوم: واقعی ردالمحتار میں اسی طرح ہے جس طرح سوال میں نقل کیا گیا ہے لیکن مدت ہوئی اس مقام پر میں نے ایک حاشیہ لکھا ہے اس وقت صرف اس کو نقل کیے دیتا ہوں اس کو بھی دوسرے علماء سے تحقیق فرمالیا جاوے۔

وھی ھذہ قلت ھذ الا یصح درایة ولا روایة. أما الأول فلأن اللاحق لما کان حکمه کمؤ تم فکیف یقعد فی الثانیة مع أنها ثالثة إمامه و مقتضاہ عدم القعود و أما الثانی فلعدم صحة النقل عن شرح المنیة: فإن عبارته کمارواہ بعض الثقات من احبابي وقال انه رآہ فی أصله ھکذا ثم یصلی الأخریٰ مما نام فیه ولایقعد لأنها ثالثته آہ وھکذا افتی. واللہ اعلم۔

←**ومن جملتها أنّه لوابتدأ بقضاء ماسبق به قیل تفسد صلاته والأصح أنها لاتفسد ولکن تکرہ.** (حلبي کبیري، کتاب الصلاة، مفسدات الصلاة، مکتبة اشرفیة دیوبند ص:٤٦٩)

إذاابتدأ المسبوق بقضاء ماسبق یکرہ وقیل یفسد لأنه عمل بالمنسوخ والأوّل أقویٰ لسقوط الترتیب. (بزازیة علی الهندیة، کتاب الصلاة، نوع في المسبوق، قدیم زکریا ٤/ ٦٠، جدید زکریا ١/ ٤١)

جواب سوال سوم: یہ قیاس میرے خیال میں نہیں آتا اس لیے کہ لاحق حکماً مؤتم ہے۔ اور حکمی مؤتم حقیقی مؤتم سے زیادہ نہیں ہوسکتا اور حقیقی مؤتم جبکہ اِمام کا قعدۂ اخیرہ ہو اور اس مؤتم کا قعدۂ اخیرہ نہ ہو صرف تشہد پر اکتفا کرتا ہے تو یہ لاحق کیسے درود و دعا پڑھے گا باقی نہ میں نے کہیں دیکھا اور نہ یہ دعویٰ کرسکتا ہوں کہ میری اس تقریر پر کوئی خدشہ نہیں ہے اس لیے اس کو بھی دوسرے علماء سے رجوع کرلیا جاوے۔

جواب سوال چہارم: صریح نقل ملنے سے تو مایوسی تھی وجوہ مختلفہ خیال میں آئے مگر ان کا درجہ نکات و لطائف سے زیادہ نہ معلوم ہوا سب سے اخیر میں جو وجہ ذہن میں آئی اور وہ اور وجوہ سے اقرب معلوم ہوتی ہے وہ عرض کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ یہ نماز خود خلاف قیاس مشروع و منقول ہوئی ہے اس لیے احکام قیاسیہ کا چلنا اس میں ضرور نہیں اور نص قرآنی سے کہ اس باب میں بوجہ اضطراب احادیث کے وہی نص ماخوذ بہ ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ طائفہ اولیٰ لاحق ہے اور طائفہ ثانیہ مسبوق۔

کما یدل علی الأول قوله تعالیٰ: (۱) فلتقم طائفة منهم معک الیٰ قوله فإذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم وعلی الثانی قوله تعالیٰ و لتأت طائفة أخری لم یصلوا فلیصلوا معک اور **فلیکونوا من ورائکم** کی ضمیر طائفہ اولیٰ کی طرف راجع ہونا ظاہر ہے اس میں جو شخص **یکونوا من ورائکم** کے ساتھ متصف ہوگا وہ طائفہ اولیٰ میں داخل ہے چنانچہ اگر ثنائی نماز ہو اور کوئی شخص بعد قومہ کے شریک ہو تو وہ بھی بعد سجدہ کے **یکون من ورائکم** کا مامور ہونے سے طائفہ اولیٰ میں داخل ہوگا ورنہ یہ شخص کسی طائفہ میں داخل نہ ہوگا اولیٰ میں تو اس لیے کہ رکعت اولیٰ نہیں ملی اور ثانیہ میں اس لیے کہ اس ثانیہ کے آنے سے پہلے یہ شخص سجدہ سے اٹھ کر **ورائکم** چلا گیا **لظاهر قوله تعالیٰ فإذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم فأمر بکونهم من ورائهم بعد السجدة.**

---

(۱) **قوله تعالیٰ: وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَآئِكُمْ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ الآية: سورة النساء آیت ۱۰۲.**

اورظاہر ہے کہ یہاں دو ہی طائفہ ہیں پس لامحالہ ایک میں داخل ہونا چاہئے اوراول میں داخل ہونا اس لیےاحق ہے کہ وہ یکون من ورائکم کیساتھ متصف ہے لمامر۔پس جس طرح ثنائی میں اس شخص کواس بناء پر طائفۂ اولیٰ میں داخل کیا کہ وہ مامور ہے یکون من ورائکم کا اسی طرح رباعی میں اس شخص کو جس کو مثلاً ایک رکعت ملی ہو یا بلکہ ایک رکعت بھی نہ ملی ہومگر تشہد میں مل گیا ہو اسی بناء مذکور پر طائفۂ اولیٰ میں داخل کہیں گے اور لاحق کا حکم دیں گے۔پس یہ شخص گو حقیقۃً لاحق نہیں مگر حکماً لاحق ہے اسی طرح لم یصلوا کی ضمیر کا طائفۂ اخریٰ کی طرف راجع ہونا بوجہ اسکے کہ وہ موصوف وصفت ہیں ظاہر ہے اس میں جو شخص لم یصلوامع الطائفة الاولیٰ کے ساتھ متصف ہوگا وہ طائفۂ اخریٰ میں داخل ہے پس اس بناء پر جس شخص کو رباعیہ کی اخیر ملے وہ حکماً بقیہ میں مسبوق ہوگا اور تینوں میں قراءت کرے گا اور عالمگیریہ کے ایک جزئیہ سے اس تقریر کی من وجہ تائید ہوتی ہے۔

ومن دخل فی قسم غیرہ صارحکمه حکم ذلک الغیر إلا إذا دخل بعد مافرغ من نفسه فإن صلی الظهر بالطائفة الأولیٰ رکعتین وانصرفوا إلا رجل بقی حتی صلی الثانیة ثم انصرف فصلوته تامة؛ لأنه وإن دخل فی قسم الثانیة لکن لم یصرمنها لأنها فرغ من قسم نفسه کذا فی محیط السرخسی آه۔(۱)

لیکن اس تقریر کی صحت موقوف ہے اس پر کہ جزئیات مذکورہ تقریر کا حکم اس کے خلاف کہیں نہ نکل آوے یا کوئی جزئی مستقل جو مستلزم ہو اس کلیہ مذکورہ تقریر کو منقول نہ نکل آوے؛ اس لیے اس میں بھی دوسرے علماء سے رجوع ضروری ہے۔اشرف علی یکم محرم ۱۳۳۲ھ

پھر سوالاتِ ذیل آئے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،صحیفۂ والا آیا جس سے بہت سی مفید باتیں معلوم ہوکر نہایت مسرت ہوئی لیکن ابھی چند شبہات اپنی کم استعدادی کی وجہ سے باقی ہیں جن کے جواب کیلئے دوبارہ جناب ہی کو تکلیف دینا مناسب سمجھا اگرچہ جناب کی تکلیف احقر کی کلفت کا باعث ہے اور آپ کے وقت عزیز کا بھی خیال ہے

(۱) هندیة، کتاب الصلاة، الباب العشرون في صلاة الخوف، قدیم زکریا ۱/۱۵۵، جدید زکریا ۱/۲۱۶۔

مگر شوق استفادہ غالب ہے اور صحیفہ والا کے مطالعہ سے لطف ملاقات بھی تکلیف جواب کی طرف آمادہ کرتا ہے؛ اسلئے عارض مدعا ہوں کہ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی دیکھی بیشک اس میں جیسا کہ جناب نے جواب نمبر۲ میں تحریر فرمایا ہے: **لایقعد لأنها ثالثته** اور ایک نسخہ میں **لأنها ثانیته** ہے جو دلیل منفی ہوسکتی ہے میں اس جزئیہ میں حکم قعود کو درایت و نیز اس اصل کے جو اس کی تعلیل میں خود علامہ شامیؒ نے شرح منیہ سے نقل کیا ہے خلاف ہونے سے متحیر تھا کہ بحمدہ حضرت کی تحریر سے امر حق واضح ہوگیا۔ اب باقی اجوبہ کے متعلق جو امور دریافت طلب ہیں عرض ہیں۔

شبہ بر جواب اول: قیاس میں تو مقیس علیہ کا حکم مقیس کو دیتے ہیں مگر قیاس ہذا میں ایسا نہیں؛ اسلئے کہ مقیس علیہ میں جو متاخرین نے حکم جواز دیا ہے اس سے مراد مع الکراہتہ التحریمہ ہے جیسا کہ کبیری ص ۴۶۱ شرح منیۃ المصلی میں ہے۔

لو ابتدأ بقضاء ما سبق به قيل تفسد صلوته والأصح أنها لا تفسد ولكن تكره. (۱)

اور مقیس میں جو جناب کا فتویٰ ہے وہ ترک اولیٰ ہے پس دونوں کے حکموں میں تغائر ہوگا۔ دوسرے مقیس علیہ میں جس قول یعنی کراہت تحریمیہ پر جو فتویٰ ہوا ہے اس کی اصحیت کے بعض قائل ہیں اور مقیس میں عدم کراہت کا کوئی قائل ہی نہیں جو مستحق توسیع ہو اور خلاف ہے بھی تو زفرؒ کا جو فساد کے قائل ہیں۔ تیسرے مقیس علیہ میں عدم فساد مع الکراہتہ کی علت ترک ترتیب واجب ہے اور یہی علت مقیس میں بھی موجود ہے پس یہ بھی حکم کراہت کا مستحق ہوگا۔

شبہ بر جواب نمبر ۳: اگر مؤتم حقیقی کو جبکہ مسبوق ہو بجائے درود و دعاء کے جس کے بعض قائل ہیں بنا بر قول صحیح ترسل کرنا چاہئے لیکن نفس تقعد زائد علی قدر التشہد میں سوائے چند مواضع عذر کے امام کا تابع ہے جیسا کہ درمختار، عالمگیری، رسائل الارکان میں ہے کہ مسبوق کا قبل سلام کے کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے پس لاحق کو بھی بوجہ اقتداء حکمی کے نفس تقعد زائد علی قدر تشہد الامام میں اتباع کرنا چاہئے اور اس میں تقعد طویل میں جیسا کہ مسبوق میں بعض درود و دعا کے پڑھنے اور بعض سکوت اور بعض تکرار کے قائل ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ ترسل کرے ایسے ہی اسمیں بھی ہوگا۔

---

(۱) حلبي كبير، كتاب الصلاة، مفسدات الصلاة، قبيل فروع سبق بركعة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۴۶۹۔

شبہ برجواب نمبر ٤: اول جواب آنے کے بعد عالمگیری کی اس عبارت:

وإن عادت الطائفة الثانية (أي الذين صلوا الركعة الثانية من الشفع الأول) صلوا الركعة الثالثة والرابعة بغير قراءة، ثم يقضون الركعة الأولى بقراءة ج۱ص۱۲۵(۱)

پرنظر پڑی جس سے بالکل مطابق قیاس کے ثابت ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز خوف کی دوسری رکعت میں ملنے والا لاحق مسبوق ہے؛ لہٰذا دو پچھلی رکعتوں میں قراءت نہ کرے اور ایک پہلی رکعت میں قراءت کرے ایسے ہی عالمگیری کے ان دو جزئیوں سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

ويقضون ركعتين إحداهما بغير قراءة والثانية بقراءة وتقضي الثانية ركعتين الركعة الثانية بغير قراءة. (۲)

لیکن عبارت ردالمحتار باب صلوٰۃ الخوف مندرجہ سوال نمبر۴:

والمسبوق إن أدرك ركعة من الشفع الأول فهو من أهل الأولىٰ وإلاّ فمن الثانية دلالة. (۳)

اس کے معارض ہے توان دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے۔ دوم **وإلا فمن الثانية** سے معلوم ہوا کہ قومہ یا تشہد قسم اول میں شریک ہونے والا طائفۂ ثانیہ سے ہے پس احکام طائفۂ ثانیہ کے اس پر جاری ہوں گے اور اسی قسم ثانی میں امام کیساتھ شریک ہونا اور بعد اتمام طائفۂ اولیٰ کے قسم اول کو بقراءت قضا کرنا ہوگا اور اگر ایسا نہیں تو پھر **وإلا فمن الثانية** کے کیا معنی ہوں گے اور اگر یہی مراد ہے جو عرض کیا گیا تو کیا اس کی تطبیق آیت قرآنی سے یوں صحیح ہوسکتی ہے کہ مراد **سجدوا** سے **أتموا ركعة** ہے اور امر بکونھم **من ورائهم** مشروط **بالسجدة أي الركعة** ہے پس ایک رکعت سے کم پانے والا

---

(۱) هندية، كتاب الصلاة، الباب العشرون في صلاة الخوف قديم زكرياديوبند ۱/۱۵۵، جديد زكرياديوبند ۱/۲۱۶۔

(۲) هندية، كتاب الصلاة، الباب العشرون في صلاة الخوف قديم زكريا ديوبند ۱/۱۵۵-۱۵۶، جديد زكرياديوبند ۱/۲۱۶۔

(۳) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الخوف، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۷۵، كراچي ۲/۱۸۷۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(یعنی رکوع رکعت اولیٰ ثنائی یا رکعت ثانیہ غیر ثنائی کے بعد ملنے والا) بوجہ فقدان شرط کے یکون من ورائکم کا مامور نہ ہوگا۔ اور لم یصلوا الرکعة مع الطائفة الأولیٰ کے ساتھ متصف ہونے سے فلیصلوا معک کا مامور ہوگا پس اُسے بعد ختم قسم اول صلوٰۃ کے مقابل عدو میں جانا ہوگا بلکہ قسم ثانی کو طائفہ ثانیہ کے ساتھ پڑھنا ہوگا۔ سوم تقریر جواب سے یہ سمجھ میں نہ آیا کہ مثلاً ظہر کی نماز خوف میں امام مسافر ہو اور مقیم دوسری رکعت میں ملے تو عالمگیریہ وشامی میں مصرح ہے کہ تینوں رکعتوں میں قراءت کرے حالانکہ صلوٰۃ امن میں ایسا نہیں اس نماز کا خلاف قیاس مشروع ہونے کا یہ نتیجہ ہوسکتا ہے کہ بعض امور میں جس میں نص وارد ہے جیسے اثنائے صلوٰۃ میں نماز سے علیحدگی وغیرہ ان میں قیاس کو مجال نہ ہو لیکن جن امور میں نص ساکت ہے اور وہ اسی نماز کی کسی صورت میں مثبت بالقیاس ہیں ان کو اسی نماز کی دوسری صورت میں باوجود اشتراک فی العلة کے بدون استحسان کے ترک کی کیا وجہ ہے مثلاً جو خلف المقیم ظہر کی دو پہلی رکعتوں میں شریک ہو اس کو دو پچھلی رکعتوں میں حکم ترک قراءت دیتے ہیں اور جو مقیم خلف المسافر ظہر کی دوسری رکعت میں شریک ہو اس کو تینوں رکعتوں میں حکم قراءت دیا ہے تو پہلی صورت میں جو حکم ترک قراءت فقہاء نے دیا ہے وہ نصی تو ہے نہیں قیاسی ہے جس کی علت اشتراک تقدیری فی الاداء ہے اور یہ علت صورت ثانیہ کی دو پچھلی رکعتوں میں بھی موجود ہے؛ اس لئے کہ اس نے اس کا التزام کیا تھا کہ باقی نماز امام کے ساتھ ادا کرے لیکن بوجہ عذر (قصر امام) کے یہ حاصل نہ ہوسکا اور یہی معنی اشتراک تقدیری فی الاداء کے ہیں پس جبکہ صلوٰۃ خوف کی ایک صورت میں اس قیاس کو چلایا گیا تو دوسری صورت میں فقہاء کا قیاس ہذا کے ترک کی کیا وجہ ہے اگر کوئی استحسان ہے تو وہ معلوم ہو اور اگر کوئی اور وجہ ہے تو وہ بیان فرمائی جاوے۔

نیاز مند سعید احمد مہتمم مدرسہ رفاہ المسلمین اٹکی محلہ، لکھنؤ

الجواب عن السوالات المتصلة

السلام علیکم ورحمة اللہ تائید وموافقت فی جواب السوال الاول سے مسرور ہوا۔ بقیہ سوالات کی نسبت عرض کرتا ہوں۔

الجواب عن الشبهة علی الجواب الاول

جواز مع الکراهۃ کا شبہ مجھ کو بھی ہوا تھا مگر مراجعت کتب کی فرصت نہ ملنے سے تحقیق نہ کر سکا اب اس شبہ کی قوت آپ کی نقل سے ثابت ہوئی۔ اصل میں میری رائے کا مبنیٰ ابتلائے عام ہے ایسے امر میں جو بہت سے خواص پر بھی خفی ہو باقی جزئیہ زیادہ تقویت کیلئے لکھدیا تھا اگر یہ مبنی سہولت کا ہوسکتا ہے جیسا فقہاء نے لکھا ہے ''**ماضاق امر الااتسع**'' تو میرا حکم صحیح ہے ورنہ غلط۔ اس سے زیادہ میرے پاس دلیل نہیں اور نہ اپنے فتویٰ پر اصرار ہے مگر جی چاہتا ہے کہ آسانی کی جاوے۔ (*)

(*) اس کے بعد یہ واقعہ ہوا کہ ایسی صورت کے متعلق کہ مقیم مقتدی نے ایک رکعت ہوجانے کے بعد خواہ دوسری رکعت میں اور خواہ اس کے بھی بعد مسافر امام کی اقتدا کی ہو مدرسہ سہارنپور میں ایک فتویٰ لکھا گیا کہ یہ شخص لاحق نہیں ہے صرف مسبوق ہے، تو یہ شخص اپنی نماز میں قراءت والی رکعتوں کو مقدم کرے اور مدرسہ دیوبند میں یہ فتویٰ لکھا گیا کہ یہ شخص لاحق و مسبوق دونوں ہے؛ اس لئے غیر قراءت والی رکعتوں کو مقدم کرے، پس جس ترتیب کو بندہ جائز غیر اولیٰ کہتا تھا، وہ فتویٰ سہارن پور میں واجب ہے اور جس کو بندہ اولیٰ کہتا تھا وہ اس فتوے میں ناجائز ہے، اور فتویٰ دیوبند موافق مشہور کے ہے، ناظرین اس کی مزید تحقیق اپنے موقع اطمینان سے کرلیں اور اگر بعد تحقیق کسی کی ترجیح ثابت نہ ہو تو مثل مسائل اختلافیہ کے کسی جانب پر قصداً یا بوجہ عدم تحقیق اتفاقاً عمل کرنے والے پر ملامت نہ کی جائے اور اس کے عمل پر صحت کا حکم لگا دیا جاوے اور یہ موافق ہوگا میرے قول اوّل یعنی ہر دو کے جواز کے جس کے متعلق اس فصل کے مباحث ہیں اور بعد تحقیق تو وہی شق عمل اور تعلیم کے لئے متعین ہوجاوے گی اور ادلہ جانبین کے بعض تو استنباطات میں جو بوجہ دوسری توجیہ کے احتمالات کے حجت نہیں اور بعض صریح ہیں چنانچہ فتویٰ مظاہر علوم کی دلیل عالمگیریہ کی صلوۃ الخوف کی وہ روایت ہے جو اس فصل کے سب سے اول کے سوال میں منقول ہیں جس میں یہ عبارت ہے۔

وتجئ الطائفة الثانية إلى مكان صلوتهم فيصلون ثلث ركعات الأولىٰ بفاتحة الكتاب وسورة لأنهم مسبوقون فيها والأخريين بفاتحة الكتاب۔ ←

ے قولہ قرأت والی رکعتوں کو الخ اقول یعنی جن میں قرأت فاتحہ مع السورۃ ضروری ہے، اُخریین میں صرف فاتحہ مندوب ہے۔ ۱۲، از بندہ رشید احمد مدرس دار العلوم کراچی۔

الجواب عن الشبهة على الجواب الثالث

چونکہ قعدہ زائد علی التشہد خود امام ہی پر واجب نہیں اسلئے اس کو لازم قرار دیکر درجۂ حکمی میں اس کی رعایت نہ کی جاوے گی جیسا خود قیام میں ضروری نہیں کہ فاتحہ کی قدر کھڑا ہو بلکہ بقدر تین تسبیح کے بھی کافی ہے گو امام کے لئے سنت بھی ہے کہ اخریین میں فاتحہ پڑھے۔

← جس سے معلوم ہوا کہ غیر اولیٰ میں ملنے والا مقیم خلف المسافر صرف مسبوق ہے اور صلوٰۃ الخوف کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں اور دار العلوم کی صریح دلیل شامی کی یہ روایت ہے۔

وقد يكون (أي المقيم المؤتم بالمسافر) مسبوقاً أيضاً كما إذا فاته أوّل صلوة إمامه المسافر ط ص ۲۲۱ ج ۱. أحكام المسبوق والمدرك واللأحق. (شامي كراچي ۱/ ۵۹۴، زكريا ۲/ ۳٤٤)

مگر مظاہر علوم کی دلیل میں نہر کے ایک جزئیہ سے جو فصل ہذا کے سب سے اخیر کے سوال میں منقول ہے جس میں یہ عبارت ہے۔

والمسبوق إن أدرك ركعة من الشفع الأول فهو من أهل الأولىٰ وإلا فمن الثانية (ج ۱/ ص ۸۸٦/، النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الخوف، زكريا ديوبند ۱/ ۳۷۸)

یہ شبہ پڑ گیا کہ جیسا نہر کا یہ حکم ہوا کہ شفعۂ اولیٰ کی رکعت ثانیہ پانے والا طائفۂ اولیٰ میں سے قرار دیا گیا اور اس لئے اس قراءت سے منع کیا گیا، چنانچہ طائفۂ اولیٰ بقیہ نماز میں قراءت نہیں کیا کرتا ہے۔

(لأنه لاحق حقيقةً كمدرك الركعة الأولىٰ حكما كمدرك الركعة الثانية من الشفعة الأولىٰ)

اس شخص کے عدم مسبوقیت حقیقیہ کو اور دوسرے مسبوقین کی طرف اس منع قراءت کے تعدیہ کو کسی کے نزدیک مستلزم نہیں ہوا اسی طرح عالم گیریہ کا حکم کہ رکعت ثانیہ کا پانے والا بقیہ میں قراءت کرے اس کے عدم لاحقیت کو اور دوسرے لاحقین کی طرف اس قراءت کے تعدیہ کو بھی مستلزم نہ ہونا چاہئے؛ بلکہ نہر کے جزئیۂ میں اس شخص کو حکم لاحق کہیں گے اور عالم گیریہ کے جزئیہ میں اس شخص کو حکماً مسبوق کہدیں گے اور جب نہر کا حکم صلوۃ الخوف کے ساتھ خاص ہوگا لعدم التعدیہ اسی طرح عالم گیریہ کے حکم کو بھی صلوٰۃ الخوف کے ساتھ خاص کہیں گے اور دونوں حکم کسی استحسان پر مبنی ہوں گے، جو ہم کو ظاہر نہیں ہوا اور یہ دونوں جزئیے مقیم خلف المسافر صلوٰۃ الخوف سے متعلق ہونے میں مشترک بھی ہیں، پس دونوں شقوں کی ایک حالت ہوگی، پس وہ مقدمہ کی صلوٰۃ خوف کی خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں مخدوش ہوگیا ۱۲۔

ے قوله والمسبوق إن أدرك الخ: اقول حضرت قدس سرہ نے اس جزئیہ کو مقیم خلف المسافر ←

الجواب عن الشبہۃ علی الجواب الرابع

چونکہ اس کے متعلق تقریر میں کچھ پہلے ہی سے شرح صدر نہ تھا اسلئے کہ اس وقت میں نے آپ کے شبہات کو دیکھنے کے قبل ہی وہ پہلا جواب تجویز کرلیا کہ اصل سوال ہی میں دوسرے علماء سے رجوع کرلیا جاوے۔ وما أنا من المتکلفین، ۲؍صفر ۱۳۳۲ھ (ترجیح ثانی ص: ۱۹۰)

طلوع آفتاب کے اندیشہ کے وقت مسبوق کا امام کے سلام کا انتظار نہ کرنے کا حکم

سوال (۴۴۵): قدیم ۱/ ۵۲۸- نماز فجر میں اگر کوئی شخص دوسری رکعت میں شریک ہوا تو امام کے ساتھ التحیات وغیرہ میں شریک ہوتا ہے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تب تو آفتاب نکلنے سے پہلے اپنی نماز پوری نہیں کرسکتا اور اگر امام کو قعدہ میں چھوڑ کر اپنی رکعت پوری کرتا ہے تو طلوع آفتاب سے پہلے فارغ ہوجاوے گا تو دوسری صورت مقتدی کے لئے جائز ہے یا نہ؟

← سے متعلق قرار دیا ہے، کمایدل علیہ قولہ ''اور یہ دونوں جملے مقیم خلف المسافر الخ''
اس میں حضرت قدس سرہ سے تسامح ہوا ہے؛ اس لئے کہ خلف المسافر شفعہ ثانیہ میں شرکت تو متصور ہی نہیں ہوسکتی، پس شبہ واقعہ ساقط ہوگیا اور ''فھو من الأولی''، میں یہ کچھ تصریح نہیں کہ یہ شخص رکعات ثلاثہ میں لاحق ہے؛ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ذہاب وایاب وغیرہ اعمال میں اور اخریین میں ترک قراءت کے حق میں طائفۂ اولیٰ کی طرح ہے نہ کہ رکعت مسبوقہ میں بھی، وہو ظاہر، علاوہ ازیں سہارن پور کے فتویٰ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ نے صلوٰۃ خوف کے جزئیہ کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے تحریر فرمائے ہیں جن کا جواب نہیں دیا گیا اور دارالعلوم کی دلیل کا جواب تحریر کیا گیا ہے، نیز مولانا مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی قدس سرہ کی تحقیق بھی سہارن پور کے فتوے کے مطابق ہے۔
اس مسئلہ کی پوری تفصیل بندہ کے فتاویٰ مسمیٰ باحسن الفتاویٰ ص: ۲۶۷ تا ص ۲۷۴ر میں ملاحظہ ہو۔
از بندہ رشید احمد، لدھیانوی، مدرس دارالعلوم کراچی۔

الجواب: قواعد سے تو جائز معلوم ہوتا ہے۔ (*) (۱)

۹ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۱۶)

(*) یعنی امام کے ساتھ قدر تشہد بیٹھنے کے بعد جائز ہے۔

فی شرح المنية: ولاينبغي للمسبوق أي لايباح له أن يقوم إلى قضاء ماسبق به قبل سلام الإمام، بل يكره تحريماً ...... إلا أن يكون القيام لضرورة صون صلاته عن الفساد، كما إذا خشى إن انتظره أن تطلع الشمس قبل تمام صلوته في الفجر ...... فلايكره أن يقوم قبل سلامه بعد قعوده قدرا لتشهد ولا يقوم قبل قعوده قدر التشهد أصلاً. (كبيرى ص ۴۳۹، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۴۶۶، وكذا في البحر ۱/ ۳۷۸، والعالمگيرية ۱/ ۹۱، في فصل المسبوق واللاحق، والدروالرد ۱/ ۵۵۹)

اور امام کے ساتھ قعدہ میں شریک ہوئے بغیر یا قدر تشہد بیٹھنے سے پہلے کھڑے ہونے میں تفصیل ہے جو شرح منیہ اور درمختار وشامی (حوالۂ بالا) میں ملاحظہ فرمایا جائے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) ومنها أنه لايقوم قبل السلام بعد قدرالتشهد إلاّفي مواضع: إذا خاف المسبوق الماسح زوال مدّته أوصاحب العذر خاف خروج الوقت أوخاف المسبوق في الجمعة دخول وقت العصر أو دخول وقت الظهر في العيدين أو في الفجر طلوع الفجر أوخاف أن يسبقه الحدث له أن لاينتظر فراغ الإمام ولاسجود السهو. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق قديم زكريا ديوبند ۱/ ۹۱، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۴۹)

ومن أحكامه أنه لايقوم المسبوق قبل السلام بعد قدر التشهد إلاّ في مواضع إذا خاف وهو ماسح تمام المدّه لوانتظر سلام الإمام أوخاف المسبوق في الجمعة والعيدين والفجر أو المعذور خروج الوقت أوخاف أن يبتدره الحدث أو أن تمرّ الناس بين يديه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۶۶۲، كوئٹه ۱/ ۳۷۸)

ولا يقوم المسبوق قبل سلام الإمام بعد قدرالتشهد إلاّ في مواضع: إذا خاف ←

....

....

← المسبوق الماسح زوال مدّته أوخاف صاحب العذر خروج الوقت أوخاف المسبوق في صلاة الجمعة دخول وقت العصر أو دخول الظهر في العيدين أو في الفجر طلوع الشمس أو خاف أن يسبقه الحدث فله أن لاينتظر فراغ الإمام ولاسجود السهو، وكذلک إذاخاف المسبوق أن يمرّ الناس بين يديه لو انتظر الإمام قام إلى قضاء ماسبق قبل فراغه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱٦۳/۳۷)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبة دارلكتاب ديوبند ص: ٤٦٤ـ

الدارالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة زكريا ديوبند ۳٤۹/۲، كراچي ۵۹۸/۱ـ *شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ*

۱۲/ باب السهو في الصلوٰة وأحكامه

قعدۂ اولیٰ میں سہواً تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے پر سجدہ سہو

سوال (۴۴۶): قدیم ۱/ ۵۲۸- اگر چار رکعت کے درمیان قعدہ میں سوائے التحیات کے اگر چند لفظ بھی درود شریف کے پڑھے جاویں تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سہو کا سجدہ واجب ہوگا اگر اس قدر پڑھ لیا۔ **اللّٰهم صل علیٰ محّمد**،(۱) فقط (امداد صفحہ ۳۵ ج ۱)

---

(۱) عن الشعبي قال: من زاد في الركعتين الأوليين على التشهد فعليه سجدتا السهو. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب قدر كم يقعد في الركعتين الأوليين، مؤسسة علوم القرآن ٣/ ٤٧، رقم: ٣٠٣٩)

ولايزيد في الفرض على التشهد في القعدة الأولىٰ إجماعاً فإن زاد عامدًا كره فتجب الإعادة، أو ساهيًا وجب عليه سجود السهو إذا قال: اللّٰهم صلى على محمد فقط على المذهب المفتى به. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكرياديوبند ٢/ ٢٢٠، كراچي ١/ ٥١١)

إذا شرع في الصلاة على النبي عليه الصلاة والسلام بعد الفراغ من التشهد في الركعة الثانية ناسيًا، ثم تذكر فقام إلى الثالثة قال السيد الإمام أبو شجاع والقاضي الإمام الماتريدي: عليه سجود السهو كما هو جواب مشايخنا غير أن السيد الإمام قال: إذا قال اللّٰهم صلى على محمد وجب. وفي المضمرات: وهو المختار. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٠٠، رقم: ٢٧٩٠)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، المجلس العلمي ٢/ ٣١٤، رقم: ١٨٦٩۔

ولو زاد في القعدة الأولىٰ على التشهد، وقال: اللّٰهم صل على محمد يلزمه السهو. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل في مايوجب السهو وما لا يوجب السهو، قديم زكريا ١/ ١٢١، جديد زكريا ١/ ٧٦) ←

تیسری رکعت میں سہواً بقدر تسبیح بیٹھنے پر سجدۂ سہو کا وجوب

سوال (۴۴۷): قدیم ۱/ ۵۲۹- منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ پہلی رکعت اور تیسری رکعت میں بیٹھنے سے سجدۂ سہو لازم ہے اور یہ عبارت ہے

ویجب سجدة السهو بمجرد الجلوس اور صاحب مفتاح الصلوٰۃ نے مقدار ایک تسبیح کی قید لگائی اور شامی میں مجرد جلوس موجب سہو نہیں لکھا ہے یعنی بقدر جلسہ استراحت اگر سہواً کوئی شخص جلسہ کرے تو سجدۂ سہو واجب نہیں کیونکہ یہ جلسۂ استراحت کا اختلاف **بين الشافعية والحنفية اختلاف في السنية وعدم السنية** ہے پس جس نے جلسہ استراحت کی مقدار جلسہ کیا اس نے سنت کے خلاف سہواً کیا اور سجدۂ سہو ترک واجب سے ہوتا ہے نہ ترک سنت سے پس جب اختلاف فقہاء کی عبارات میں ہوتا ہے تو یہاں بھی احتمال ہے اس لئے تحقیق کی درخواست کی خود مجھے ایسا اتفاق ایک مرتبہ ہو گیا میں نے شامی کی رائے کو راجح سمجھ کر اس پر عمل کر لیا تھا مگر پھر بھی اپنے جی کو اس مسئلہ میں پورا اطمینان نہیں اس دوسرے مسئلہ میں حضور کی کیا تحقیق ہے؟

الجواب: مجھ کو بھی مدت سے تردد ہے (*) مگر عمل اس پر ہے کہ بمجرد جلوس سجدۂ سہو کرتا ہوں۔

(*) اس مقام کی تحقیق پر ایک حاشیہ برخوردار مولوی محمد تقی سلمہ نے لکھا ہے جو میرے نزدیک صحیح ہے۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

أقول وبالله استعين: عبارات ذیل زیر بحث مسئلے میں قابل غور ہیں:

(۱) **قال في ملتقي الأبحر: ويجب إن قرأ في ركوع أو قعود أوقدم ركنًا أو أخره** ←

← **وكذا إذا زاد على التشهد الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم لأنه أخر ركنًا وهو القيام إلى الثالثة، واختلفوا في قدر الزيادة فقال بعضهم: يجب عليه سجود السهو بقوله: اللّٰهم صل على محمد، وقال آخرون لا يجب حتى يقول: وعلى آل محمد والأول أصح.** (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۷۴-۴۷۵، امدادية ملتان ۱/ ۱۹۳)

خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في السهو في الصلاة، جنس في القراءة والأذكار، **مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۱۷۷**۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

لا لأنه ترک السنة بل لان فيه التاخير فی القيام۔

اور ایک تسبیح کی قدر تو عادۃً جلوس ہو ہی جاتا ہے اس میں ذرا غور کیجئے۔

۲۰/ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۰۷)

← أو كرره أو غير واجبًا أو تركه، كركوع قبل القراءة وتأخير القيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد. وقال شارح العلامة شيخ زادہؒ: واختلفوا في مقدار الزيادة، فقال بعضهم: بزيادة حرف و كلام المصنف يشير إلى هذا وقال بعضهم: بقدر ركن وهو الصحيح كما في أكثر الكتب. (مجمع الأنهر ۱/ ۱٤۸، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۲۰-۲۲۱)

(۲) وقال تحته شارحه العلامة ابن عابدينؒ بقدر ركن. (الحوالة المستورة، الدر المنتقىٰ في شرح الملتقىٰ، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۲۰)

(۳) قال الإمام ظهير الدين المرغينانيؒ: لا يجب بقوله اللّٰهم صل على محمد وإنما المعتبر مقدار ما يؤدي فيه ركنًا كذا في الظهيرية. (برجندی شرح وقایہ ۱٤۹/۱، شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه بلال ديوبند ۱/ ۱۸۵)

(۴) قال ابن البزاز الكردري: سها في صلوته أنها الظهر أو العصر أو غير ذلك إن تفكر قدر ما يؤدي فيه ركن كالركوع لزم وإن قليلا فإن شك في صلوة صلاها الخ. (الجامع الوجيز على هامش الهندية، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في السهو، قديم زكريا ٤/ ۷۰، جديد زكريا ۱/ ٤۳)

ان تمام عبارات سے مشترکہ طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تاخیر واجب کی مقدار اکثر فقہاء نے یہ قرار دی ہے کہ اتنی دیر تاخیر ہو جائے، جس میں کوئی رکن نماز مثلاً رکوع یا سجدہ وغیرہ ادا ہو سکے، اور وہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے وقفہ میں ہوتا ہے۔

به صرح الطحطاويؒ في حاشيته على المراقي حيث قال ولم يبينوا قدر الركن وعلى قياس ما تقدم أن يعتبر الركن مع سنته وهو مقدر بثلاث تسبيحات (طحطاوي ص:۲۵۸)

اس قول کے علاوہ بھی بہت سے اقوال ذکر کئے گئے ہیں، جن میں سے یا تو مرجوح ہیں یا وہ کہ جن کا مآل یہی نکلتا ہے، صاحب تنویر الابصار نے اس مسئلہ کو دو جگہ ذکر کیا ہے، اور بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، باب صفة الصلاة میں ان کی عبارت یہ ہے۔ ←

اُولیین میں ضم سورت ترک ہونے پراُخریین میں ضم سورت کاحکم

سوال (۴۴۸): قدیم ۱/۵۳۱- فرض ظہر میں پہلے دونوں رکعتوں میں ضم سورہ نہیں کیا دونوں رکعت اخیرہ میں ضم سورت کرے یا کہ نہیں اور سجدۂ سہو کرے یا نہیں۔ فقط؟

← **(فإن زاد عامدًا كره) فتجب الإعادة (أوساهيا وجب عليه سجود السهو إذا قال: اللّٰهم صل على محمد) فقط (على المذهب) المفتى به لا لخصوص الصلوة بل لتأخير القيام.**
(شامی، ۱/۴۷۷، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۲۰، كراچي ۱/۵۱۱)
اس کے تحت علامہ شامیؒ نے کئی اقوال نقل کر کے بحر، زیلعی، شرح منیہ کبیری وغیرہ سے اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ رملیؒ اور شرح منیہ صغیری سے وعلی آل محمد کی زیادتی کا مرجّح ہوناذکر کیا ہے۔
اورباب **سجود السهو** میں صاحب تنویر فرماتے ہیں: **وتأخير قيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد بقدر ركن.**
صاحب درمختار نے لکھا:
وقيل بحرف وفي الزيلعي الأصح وجوبه باللّٰهم صلى على محمد۔
علامہ ابن عابدینؒ نے اس تعارض کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:
(قوله وفي الزيلعي الخ) جزم به المصنف في متنه في فصل إذا أراد الشروع، وقال أنه المذهب واختاره في البحر تبعًا للخلاصة والخانية والظاهر أنه لاينا في قول المصنف هنا بقدر ركن تأمل. (شامي، ۱/۶۹۴، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۴۴-۵۴۵، كراچي ۲/۸۱)
جس سے معلوم ہوا کہ **اللّٰهم صلى على محمد** اور بقدر رکن دونوں اقوال کا حاصل اورمآل ایک ہی نکلتا ہے تو گویا جس نے **اللّٰهم صل علیٰ محمد** کو مقدار تاخیر قرار دیا ہے، اس نے بقدر رکن کے قول کے منافی کوئی بات نہیں کہی، وبالعکس۔
رہی وہ عبارت جو منیۃ المصلی میں ہے کہ اگر کوئی شخص پہلی یا تیسری رکعت کے آخر میں بیٹھ جائے تو مطلق بیٹھ جانے ہی سے سجدۂ سہو واجب ہوجائے گا، خواہ مقدار رکن بیٹھا ہو یا نہیں، اسی طرح اس میں یہ بھی ہے کہ جلسۂ استراحت سے سجدۂ سہو لازم آجائے گا (کبیری ۴۳۲) سو اس بارہ میں تحقیق وہ ہے جو درمختار اور ردالمحتار میں لکھی گئی۔ ←

الجواب : کرنا جائز ہے اور واجب ہونے میں اختلاف ہے لیکن سجدۂ سہو ہر حال میں ہے کیونکہ واجب ترک ہوا۔

←(۱) قال العلامة الحصكفيؒ في واجبات الصلاة وترک قعود قبل ثانية أو رابعة وكل زيادة تتخلل بين الفرضين، وقال الشاميؒ: تحته وكذا القعدة في آخر الركعة الأولىٰ أو الثالثة فيجب تركها ويلزم من فعلها أيضًا تأخير القيام إلى الثانية أو الرابعة عن محله، وهذا إذا كانت القعدة طويلة أما الجلسة الخفيفة التي استحبها الشافعيؒ فتركها غير واجب عندنا؛ بل هو الأفضل.

(شامي، ۱/۴۳۸، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱٦٤، كراچي ۱/٤٦۹-٤۷۰)

(۲) قال في الدر المختار ويكبر للنهوض على صدور قدميه بلا اعتماد وقعود استراحة ولو فعل لابأس، وقال الشاميؒ تحته، قال شمس الأئمة الحلوانيؒ الخلاف في الأفضل حتى لو فعل كما هو مذهبنا لا بأس به عند الشافعيؒ، ولو فعل كماهو مذهبه لا بأس به عندنا كذا في المحيط الخ، قال في الحلية والأشبه أنه سنة أو مستحب عند عدم العذر فيكره فعله تنزيها لمن ليس به عذر الخ وتبعه في البحر- أقول ولاينا في هذا ما قدمه الشارح في الواجبات حيث ذكر منها ترک قعود قبل ثانية و رابعة لأن ذلک محمول على القعود الطويل. (رد المحتار ۱/٤۷۳، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۱۳-۲۱٤، كراچي ۱/۵۰٦)

اس لئے ان عبارات سے معلوم ہوا کہ دو رکعتوں کے درمیان جلسۂ خفیفہ عمداً جائز ہے اور شامیؒ کی تصریح کے مطابق ترک قعود جو واجب ہے وہ قعود طویل ہے قصیر نہیں روایت کا مقتضا بھی یہی ہے؛ کیونکہ یہ فعل عمداً جائز ہے تو سہواً بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہئے۔ نیز چونکہ یہ قول ''بقدر رکن'' کی تقدیر کے مطابق ہے؛ اس لئے اسی کو ترجیح ہونا چاہئے اور جب اس روایت کے ساتھ شامی کی یہ روایت مل گئی تو اس دعوے میں مزید قوت پیدا ہوگئی اور خود علامہ ابراہیم حلبی کی تصریح علامہ شامیؒ نے نقل فرمائی ہے کہ:

عن شرح المنية: أنه لا ينبغي أن يعدل عن الدراية أي الدليل، فإذا وافقتها رواية.

(شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۵۷، كراچي ۱/٤٦٤)

خلاصه: یہ کہ جو مقدار جلسۂ استراحت کی شوافع کے یہاں مسنون ہے، اس مقدار تک بیٹھنے سے سجدۂ سہو لازم نہ آنا چاہئے۔ هذا ما بدا لى والله سبحانه وتعالىٰ أعلم بالصواب۔ احقر محمد تقی عثمانی غفرلہ یکم محرم ۱۳۸۰ھ۔

أقول كذا في فتاوى دار العلوم ديوبند (جديد) ۴۰/۲۷۷، فهو الصحيح۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

في الدر المختار: بحث القراءة ولوترک سورة أوليي العشاء مثلا قرأها وجوباوقيل ندباوفى ردالمحتارويسجد للسهولوساهيا وليعم الرباعية السرية اهـ.(۱)

۱۷ محرم ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۶۹ ج ۱)

اسی قسم کا ایک مسئلہ ص ۱۲۹ ج ۱ اوپر گزر چکا ہے (امداد ص ۱۰۷ ج ۱) اسی قسم کا ایک مسئلہ ص ۵۸ ج اوپر گزر چکا ہے (تتمہ ثالثہ ص ۷۴)

بھول سے تعدیل ارکان ترک کرنے کا حکم

سوال (۴۴۹): قدیم ۱/ ۵۳۲- اگر سہواً تعدیل صلوٰۃ ترک شود برائے جبر نقصان فقط اعادہ واجب است یا خیار مابین سجدہ سہو اعادہ ہست بینوا توجروا؟ (*)

(*) ترجمہ سوال: اگر بھولے سے تعدیل ارکان نہ کیا تو نقصان کی تلافی کے لئے اعادہ ہی واجب ہے یا اعادہ اور سجدہ سہو میں اختیار ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۵٤، كراچي ۱/ ۵۳۵-۵۳٦)

ولو ترک المصلي قراءة السورة في أوليي العشاء مثلاً عمداً كان أو سهواً وخصهما وإن كان الظهر كذلک لقوله بعد جهرًا قرأها في الأخريين، تبع الجامع الصغير، بالإخبار الجاري من المجتهد مجرىٰ إخبار الشارع الذي هو آكد من الأمر دلالة على الوجوب وهو الأصح كما في غاية البيان، وصرح في الأصل بالاستحباب الخ. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۲۹)

فإن ترک سورة أوليي العشاء قرأها بعد فاتحة أخرييه (شرح الوقاية) وتحته في السعاية: "قال فإن ترک" ظاهر إطلاق المتون تعميم الترک عن العمد، والخطأ-إلى قوله – ويسجد للسهو بالإتفاق في الفصلين جميعًا إذا تركهما ناسيًا هذا إذا ترک بعد ما قيد الركعة بالسجدة وما قبله يعود إلى قراءة السورة، وينقض ما بينهما انتهى ملخصًا، فقوله: ويسجد للسهو صريح في أن وضع المسئلة في العمد والنسيان كليهما إلا أن في النسيان يسجد للسهو وفي العمد لا "قال سورة أوليي العشاء" خصه بالذكر وإن كان الحكم في المغرب ←

الجواب: (*) فی الدر المختار ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوبا فی العمد والسهو إن لم يسجد له وإن لم يعدها يكون فاسقا اٰثما. (۱) وفيه تعديل الأركان وفی ردالمحتار ج۱ ص۴۸۴ فيمكث فی الركوع والسجود وفی القومة بينهما حتى يطمئن كل عضو منه هذا هو الواجب عند أبي حنيفة ومحمد رحمهم اللّٰه تعالیٰ لو تركها أو شيئا منها ساهيا يلزمه السهو.(۲)

(*) **ترجمۂ جواب**: في الدرالمختار ولها واجبات ......اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ عنہا میں سجدۂ سہو واجب ہے، سجدہ اوراعادہ میں اختیار نہ ہوگا، ہاں اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو پھر متعین طور پر اعادہ ہی واجب ہے۔ واللہ اعلم ۔۱۲سعید احمد پالن پوری

← **أيضًا كذلك**......**قال في النهر خصهما وإن كان الحكم في الظهر أيضًا كذلك لقوله بعد جهر "قال قرأها أي وجوبًا كما هو مقتضیٰ الجامع الصغير لكنه صرح في الأصل بالاستحباب.**
(سعاية، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، مكتبه اشرفية ديوبند ۲/۲۷۲)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجبات الصلاة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۲۵٤۔

خانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل فيما يوجب السهو وما لا يوجب السهو قديم زكريا ۱/۱۲۱، جديد زكريا ۱/۷٦۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱٤٦، كراچي ۱/٤٥٦۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱٥۷، كراچي ۱/٤٦٤۔

حكم الواجب استحقاق العقاب بتركه عمدًا وعدم إكفار جاحده والثواب بفعله ولزوم سجود السهو لنقص الصلاة، بتركه سهوًا أو إعادتها بتركه عمدًا أي مادام الوقت باقيًا، وكذا في السهو إن لم يسجد له وإن لم يعدها حتى خرج الوقت تسقط مع النقصان وكراهة التحريم ويكون فاسقًا آثمًا. (طحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجبات الصلاة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص:۲٤۷-۲٤۸) ←

پس از یں روایات حاصل شد کہ درصورت مسئول عنہا سجدۂ سہو واجب باشد مخیّر درمیان سجدۂ سہو واعادہ نباشد آرے اگرسجدہ سہو نہ کرد اعادہ واجب ست علی التعیین ۔ واللہ اعلم

۲۶؍شوال ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۸۱ ج ۱)

خارج صلاۃ شخص کے کہنے پر امام کے عمل کرنے کا حکم اور حدیث ذوالیدین کی تحقیق

سوال (۴۵۰): قدیم ۱/۵۳۴- صلوٰۃ مغرب میں امام نے سہواً دورکعت پر سلام پھیرا اور سلام ہی پھیرنے میں اس کو شبہ ہوا کہ شاید دو رکعتیں پڑھیں مگر عدم تیقن اور اس شبہ کی مرجوحیت کے باعث توجہ نہ کی سلام پھیرنے کے بعد مقتدی نے کہا دو رکعت ہوئیں مقتدی کے اس قول سے اس کا شبہ راجح ہوا اور امام فوراً کھڑا ہوگیا سب مقتدی بھی کھڑے ہوگئے اور تیسری رکعت پر سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرلیا نماز ہوئی یا نہیں ۔اگر ہوئی تو اس مقتدی متکلم کی بھی ہوئی یا نہیں اسی میں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ تکلم عندالاحناف مطلق مفسد صلوٰۃ ہے خواہ لاصلاح الصلوۃ ہو یا نہیں ۔ ذوالیدین کی حدیث کس حدیث سے منسوخ ہے؟

الجواب: اس قسم کی جزئیات میں فروع مختلف لکھی ہیں ۔(*)

(*) یعنی تلقین من الخارج میں ۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **وذكر صدر القضاة وإتمام الركوع وإكمال كل ركن واجب عند أبي حنيفةؒ، ومحمدؒ، وعند أبي يوسفؒ، والشافعيؒ فرض، وكذا رفع الرأس من الركوع حتى ينتصب قائمًا ويطمئن كل عضو منه، وكذا في السجود ولو ترك شيئًا من ذلك ناسيًا يلزمه سجدتا السهو ولو تركها عمدًا يكره أشد الكراهة ويلزمه أن يعيد الصلاة.** (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۵۲۳، كوئٹه ۱/۳۰۰)

حلبي كبيري، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۲۹۴-۲۹۵ـ

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۱۳۲ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

کما یظهر من مطالعة الدر المختار و ردالمحتار صفحه ۵۹۶و۶۵۰و۶۷۳۔(۱)

لیکن اس باب میں طحطاوی نے خوب فیصلہ کیا ہے جس سے سب فروع بھی متفق ہوجاتی ہیں۔(۲)

---

(۱) وبهذا يعلم جهل من يستمسک عند دخول داخل بجنبه في الصف ويظن أنه رياء كما بسط في البحر؛ لكن نقل المصنف وغيره عن القنية وغيرها ما يخالفه، ثم نقل تصحيح عدم الفساد في مسألة من جذب من الصف فتأخر فهل ثم فرق؟ فليحرر (درمختار)

وفي الشامية: قوله: لكن نقل الصف الخ. استدراک على ما استنبطه في البحر والفتح من الحديث بأنه مخالف للمنقول في المسألة: وعبارة المصنف في المنح بعد أن ذكر لوجذبه آخر فتأخر الأصح لا تفسد صلاته وفي القنية: قيل لمصل منفرد تقدم فتقدم بأمره أو دخل رجل فرجة الصف فتقدم المصلي حتى وسع المكان عليه فسدت صلاته، وينبغي أن يمكث ساعة، ثم يتقدم برأي نفسه، وعلّله في شرح القدوري: بأنه امتثال لغير أمر الله تعالى:...... هذا وقد ذكر الشرنبلالي في شرح الوهبانية ما مر عن القنية وشرح القدوري، ثم رده بأن امتثاله إنما هو لأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يضر؛ لكن لا يخفىٰ أنه تبقي المخالفة بين الفرعين ظاهرة وكأن الشارح لم يجزم بصحة الفرق الذي أبداه المصنفؒ، فلهذا قال: فليحرر: وجزم في مكروهات الصلاة وفي مفسداتها بما في القنية تبعًا لشرح المنية. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ۲/۳۱۳-۳۱٤، كراچي ۱/۵۷۰، زكريا ۲/۳۸۱، كراچي ۱/٦۲۲، زكريا ۲/٤۱۲، كراچي ۱/٦٤٤)

(۲) قال السيد أحمد الطحطاوي: تحت قول الدر المختار "فليحرر" حرره الشرنبلالي في شرح الوهبانية فإنه بعد ما ذكر الحديث الذي ذكره الشارح قال: وبه يندفع ما نقل عن كتاب يسمىٰ المتجانس من أنه إذا قيل لمصل تقدم فتقدم أو دخل فرجة الصف أحد فتجانب المصلي توسعة له فسدت صلاته لأنه امتثل أمر غير الله في الصلاة، وينبغي أن يمكث ساعة، ثم يتقدم برأيه لأن امتثاله إنما هو لأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يضر الخ. ما للشرنبلالي: وما نقل عن القنية هو عين ما عن المتجانس الخ حلبي، أقول لو قيل بالتفصيل بين كونه امتثل أمر الشارع فلا تفسد و بين كونه امتثل أمر الداخل مراعاة لخاطره من غير نظر لأمر الشارع فتفسد لكان حسناً. (طحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه كوئٹه ۱/۲٤٦-۲٤۷)

شامی نے صفحہ ۵۹۶ میں اسطرح نقل کیا ہے۔ (۱)

وقال لوقيل بالتفصيل بين كونه امتثل امرالشارع فلاتفسدو بين كونه امتثل أمرالداخل مراعاة لخاطره من غير نظر لأمرالشارع فتفسد لكان حسنااه. (*)

پس جب امام کا شبہ راجح ہوگیا تو امر شارع کے سبب سے وہ کھڑا ہوا ہے: اسلئے اس کی اور مقتدیوں کی سب کی نماز ہوگئی بجز کلام کرنے والے مقتدی کے کہ اس کی نماز بوجہ کلام کے فاسد ہوگئی جیسا حنفیہ کا مذہب مشہور اور متون میں مذکور ہے (۲) اور حدیث کے متعلق بحث اس مسئلہ میں ہے کہ مسلم میں یہ تین حدیثیں نہی عن الکلام میں وارد ہیں ایک معاویہ بن حکم اسلمیؓ کی جس میں یہ ارشاد ہوا ہے:

إن هذه الصلوة لاتصلح فيها شئ من كلام الناس (۳) قلت عموم شئ لكونه نكرة ووقوعه تحت النفى يشمل كل كلام بأى وجه كان عامدا أوناسيا أولإصلاح الصلوٰة.

(*) اس مسئلہ میں مجھے شرح صدر نہیں ہوا غور کرلیا جائے ۔۱۲ تصحیح الاغلاط ص:۱۵ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۱٤، كراچي ۱/ ۵۷۱۔

(۲) **يفسد الصلاة مطلقًا التكلم: أي النطق بالحروف سمي كلامًا أولا.** (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲٦٦)

يفسدها أي الصلاة الكلام ولو ساهيًا. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۷۷، شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۷۰، كراچي ۱/ ٦۱۳)

(۳) **أخرج المسلم عن معاوية بن الحكم السلمي في حديث طويل - ثم قال: إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيئ من كلام الناس إنما هو التسبيح والتكبير وقراءة القرآن الحديث.** (مسلم شريف، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۳، بيت الأفكار رقم: ۵۳۷)

أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب تشميت العاطش في الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۱۳٤، دار السلام رقم: ۹۳۰۔

دوسری حدیث عبداللہ بن مسعودؓ کی نجاشیؓ کے پاس سے آنے کے وقت **فقلنا یارسول اللّٰہ کنا نسلم علیک في الصلوٰۃ قال إن في الصلوٰۃ شغلا (۱)** تیسری زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی **کنا نتکلم في الصلوٰۃ (إلی قولہ) فأمرنا بالسکوت ونھینا عن الکلام (۲) قلت إطلاق الکلام فی الحدیث الأخیر وکذا کونہ منافیا لشغل الصلوٰۃ کما فی الحدیث الذی قبلہ یعم کل کلام.**

اور یہ تینوں حدیثیں بوجہ اشتمال علی النہی کے حدیث ذوالیدین سے ظاہراً معارض ہیں۔ اب مسلک مشہور علمائے حنفیہ کا یہ ہے کہ قصہ ذی الیدین کو نہی عن الکلام سے مقدم کہتے ہیں اسلئے قصہ ذی الیدین کو منسوخ اور نہی عن الکلام کو ناسخ قرار دیتے ہیں اس پر شبہ مشہور ہے کہ رجوع عن الحبشۃ ابتداء میں ہوا ہے اور قصہ ذی الیدین میں حضرت ابوہریرہؓ موجود تھے اور ان کا اسلام بعد خیبر کے ہوا ہے پس حدیث نہی کی مقدم ہے اور حدیث کلام کی مؤخر ہے پس نسخ صحیح نہیں اور حنفیہ نے جواب دیا ہے کہ ابوہریرہؓ کا قصہ میں موجود ہونا مسلّم نہیں۔ اور سند منع یہ ہے کہ ذوالیدین بدر میں شہید ہوئے ہیں اور بدر خیبر سے بہت پہلے ہے تو ابوہریرہؓ اس قصہ میں کس طرح موجود ہوسکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ابوہریرہؓ کسی اور سے روایت کرتے ہیں پس ممکن ہے کہ یہ قصہ حدیث نہی عن الکلام سے مقدم ہو اور منسوخ ہو باقی ابوہریرہؓ کا یہ قول کہ **بینا أن أصلی یا صلی بنایا صلی لنا** محمول ہے معنی **صلی بالمسلمین** اور روایت بالمعنی پر پھر اس پر یہ شبہ ہوا ہے کہ مقتول بالبدر ذوالشمالین ہیں نہ کہ ذوالیدین پھر اس کا جواب دیا ہے کہ دونوں نام ایک ہی کے ہیں پھر اس پر شبہ ہوا کہ امکان تقدم سے وقوع تقدم لازم نہیں آتا جواب یہ ہے کہ مبیح اور محرم میں جب تعارض ہوتا ہے بدلیل مذکور فی الاصول مبیح کو مقدم رکھ کر منسوخ کیا جاتا ہے۔

---

(۱) أخرج المسلم عن عبد اللّٰہ قال کنا نسلم علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھو في الصلاۃ فیرد علینا فلما رجعنا من عند النجاشي سلمنا علیہ، فلم یرد علینا فقلنا یا رسول اللّٰہ کنا نسلم علیک في الصلاۃ، فترد علینا فقال: إن في الصلاۃ شغلاً. (مسلم شریف، النسخۃ الھندیۃ ۱/۲۰۴، بیت الأفکار رقم:۵۳۸)

(۲) عن زید بن أرقم قال: کنا نتکلم في الصلاۃ یکلم الرجل صاحبہ وھو إلی جنبہ في الصلاۃ حتی نزلت وقوموا للّٰہ قانتین فأمرنا بالسکوت ونھینا عن الکلام. (مسلم شریف، النسخۃ الھندیۃ ۱/۲۰۴، رقم:۵۳۹)

یہ مختصر کلام ہے جو جانبین سے پیش کیا جاتا ہے (۱) اور اس احقر کا مسلک ان سب دعوؤں سے قطع نظر کرکے یہ ہے کہ آپ کا کلام فرمانا خصوصیات میں سے ہوسکتا ہے اور صحابہؓ کا کلام رسول کیساتھ تھا اور کلام مع الرسول مفسد صلوٰۃ نہیں جیسا کہ بعض علماء نے اس حدیث میں لکھا ہے کہ آپ نے ابی بن کعبؓ کو پکارا تھا پھر بعد نماز کے آپ ﷺ نے یہ آیت یاد دلائی **استجیبوا للّٰه وللرسول إذا دعاكم الآية** (۲) یا کلام بالا یماء ہو جیسا ابوداؤد میں ہے **أومئوا أي نعم** (۳)

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے:

العرف الشذي على هامس الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الرجل يسلم في الركعتين من الظهر و العصر، النسخة الهندية ۱/۹۲ تا ۹۴۔

إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب فساد الصلاة بكلام الناس مطلقًا، دار الكتب العلمية بيروت ۵/۲۳ تا ۴۰۔

معارف السنن، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الرجل يسلم في الركعتين من الظهر والعصر، مكتبه اشرفية ديوبند ۳/۵۰۴ تا ۵۲۷۔

شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب الكلام في الصلاة لما يحدث فيها من السهو، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/۲۹۲-۲۹۴۔

(۲) **عن أبي هريرةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج على أبيّ بن كعب فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم يا أبيّ وهو يصلي فالتفت أبيّ فلم يجبه وصلى أبي فخفف، ثم انصرف إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: السلام عليک يا رسول الله! فقال رسول الله صلى الله وسلم: وعليک السلام مامنعک يا أبي أن تجيبني إذ دعوتک فقال: يارسول الله إني كنت في الصلاة قال: أفلم تجد فيما أوحي الله إلي أن استجيبوا لله وللرسول إذا دعاكم لما يحييكم، قال: بلىٰ ولا أعود إن شاء الله الحديث.** (ترمذي شريف، أبواب فضائل القرآن، باب ما جاء في فضل فاتحة الكتاب، النسخة الهندية ۱/۱۱۵، دار السلام رقم:۲۸۷۵)

(۳) **عن أبي هريرةؓ قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم إحدي صلاتي العشي الظهر أو العصر –إلى قوله– فقام رجل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسميه ذا اليدين فقال: يا رسول الله أنسيت أم قصرت الصلاة؟ قال: لم أنس ولم تقصر الصلاة،** ←

عدم فساد بالکلام مع الرسول اور ایماء کو نوویؒ نے شرح مسلم صفحہ ۲۱۴ (۱) میں نقل کیا ہے ۔ واللہ اعلم ،(امداد ص ۸۱ ج ۱)

امام کے سہو پر مقتدی کا سبحان اللہ کے علاوہ دوسرے لفظ سے لقمہ دینے کا حکم

سوال (۴۵۱): قدیم ۱/ ۵۳۶- امام کے سہواً قعدہ پر مقتدی بجائے سبحان اللہ کے التحیات للہ کہے جو تعلیم ہے یا یوں کہے بیٹھ جاؤ نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب: سبحان اللہ اور التحیات دونوں جائز ہیں (۲) اور یہ تعلیم وتلقین التحیات کی نہیں ہے

← **قال: بل نسيت يا رسول الله فأقبل رسول صلى الله عليه وسلم على القوم فقال: أصدق ذو اليدين؟ فأومؤوا أي نعم الحديث.** (أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب السهو في السجدتين،النسخة الهندية ۱/ ۱٤٤، دار السلام رقم:۱۰۰۸)

(۱) فإن قيل كيف تكلم ذو اليدين والقوم وهم بعد في الصلاة فجوابه من وجهين أحدهما أنهم لم يكونوا على يقين من البقاء في الصلاة لأنهم كانوا مجوزين نسخ الصلاة من أربع إلى ركعتين ولهذا قال قصرت الصلاة أم نسيت، والثاني: أن هذا كان خطابًا للنبي صلى الله عليه وسلم وجوابًا وذلك لايبطل عندنا وعند غيرنا والمسئلة مشهورة بذلك، وفي رواية لأبي داؤد بإسناد صحيحٍ أن الجماعة أوموا أي نعم فعلى هذه الرواية لم يتكلموا. (شرح النووي على المسلم، النسخة الهندية ۱/ ۲۱٤)

(۲) مستفاد: عن أبي هريرة ؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: التسبيح للرجال والتصفيق للنساء. (بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب التصفيق للنساء، النسخة الهندية ۱/ ۱٦۰، رقم: ۱۱۸۹، ف:۱۲۰۳)

مسلم شريف، كتاب الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۱۸۰، بيت الأفكار رقم: ٤۲۲ ـ

وإذا أخبر بما يعجبه فقال: سبحان الله أو لا إله إلا الله أو الله أكبر إن لم يرد به الجواب لا تفسد صلاته عند الكل. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، قديم زكريا ۱/ ۹۹، جديد زكريا ۱/ ۱۵۸) ←

بلکہ تذکیر ہے؛ البتہ یہ کہنا درست نہیں کہ بیٹھ جاو اور اگر یہ کلمہ کہد یا تو اس کی نماز تو فاسد ہو جاوے گی (۱) اور امام کی نماز میں جواب سوال سابق میں تفصیل آچکی ہے کہ امر شارع سمجھ کر عمل کیا تو مفسد صلوٰۃ نہیں اور اگر محض اس کی خاطر سے اس کے کہنے پر عمل کر لیا تو مفسد صلوٰۃ ہے۔ (۲) (امداد ص ۸۳ ج ۱)

← حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل القراءة خارج الصلاة، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ٤٤٩ ـ

(۱) **أخرج المسلم عن معاوية بن الحكم السلمي في حديث طويل- إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شيئ من كلام الناس إنما هو التسبيح والتكبير وقراءة القرآن.** (مسلم شريف، النسخة الهندية ١/ ٢٠٣، بيت الأفكار رقم:٥٣٧)

يفسد الصلاة مطلقًا التكلم: أي النطق بالحرف سمي كلامًا أو لا. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٦٦)

يفسدها أي الصلاة كانت الكلام ولو سهوًا أو جهلاً أو خطأ أو مكرهًا أو ناسيًا أوفي نوم لحديث مسلم إن صلاتنا لا يصلح فيها شيئ من كلام الناس والعبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب يفسد الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٧٧)

يفسدها التكلم عمده وسهوه قبل قعوده قدر التشهد سيان وسواء كان ناسيًا أو نائمًا أو جهلاً أو مخطئًا أو مكرهًا هو المختار الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مكتبه زكريا ٢/ ٣٧٠، كراچي ١/ ٦١٣)

(۲) **لكن نقل المصنف وغيره عن القنية وغيرها ما يخالفه، ثم نقل تصحيح عدم الفساد في مسألة من جذب من الصف فتأخر فهل ثم فرق؟ فليحرر (در مختار) وفي الشامية: قوله: لكن نقل المصنف الخ. استدراک على ما استنبطه في البحر والفتح من الحديث بأنه مخالف للمنقول في المسألة: وعبارة المصنف في المنح بعد أن ذكر لوجذبه آخر فتأخر الأصح لا تفسد صلاته وفي القنية: قيل لمصل منفرد تقدم فتقدم بأمره أو دخل رجل فرجة الصف فتقدم المصلي حتى وسع المكان عليه فسدت صلاته، وينبغي أن يمكث ساعة، ثم يتقدم برأي نفسه، وعلّله في شرح القدوري: بأنه امتثال لغير أمر الله تعالى:......** ←

امام مسافر کے اعلان پر مقیم مقتدیوں کا عمل کرنا

سوال (۴۵۲): قدیم ۱/ ۵۳۶- مسافر امام کے ساتھ مقیم مقتدی سلام پھیر دے اور امام یوں کہے کہ کھڑے ہو جاؤ یا نماز پوری کرو اور وہ بلا اعتماد علی ظنہ کھڑا ہو جس کا یہ مطلب ہے کہ محض امام کے کہنے سے یا برابر والے کے بتلانے اور تعلیم کرنے سے مفسد صلوٰۃ ہے یا نہیں؟

← **هذا وقد ذكر الشرنبلالي في شرح الوهبانية ما مر عن القنية وشرح القدوري، ثم رده بأن امتثاله إنما هو لأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يضر؛ لكن لا يخفىٰ أنه تبقي المخالفة بين الفرعين ظاهرة و كأن الشارح لم يجزم بصحة الفرق الذي أبداه المصنفؒ، فلذا قال: فليحرر: وجزم في مكروهات الصلاة وفي مفسداتها بما في القنية تبعًا لشرح المنية: وقال: لو قيل بالتفصيل بين كونه امتثل أمر الشارع فلا تفسد وبين كونه امتثل أمر الداخل مراعاة لخاطره من غير نظر لأمر الشارع فتفسد لكان حسنًا..** (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۱۳- ۳۱۴، كراچي ۱/ ۵۷۰، زكريا ۲/ ۳۸۱، كراچي ۱/ ۶۲۲، زكريا ۲/ ۴۱۲، كراچي ۱/ ۶۴۴)

قال السيد أحمد الطحطاوي: تحت قول الدر المختار: قوله: "فليحرر" حرره الشرنبلالي في شرح الوهبانية: فإنه بعد ذكر الحديث الذي ذكره الشارح قال: وبه يندفع ما نقل عن كتاب يسمىٰ المتجانس من أنه إذا قيل لمصل تقدم فتقدم أو دخل فرجة الصف أحد فتجانب المصلي توسعة له فسدت صلاته لأنه امتثل أمر غير الله في الصلاة، وينبغي أن يمكث ساعة، ثم يتقدم برأيه. اه لأن امتثاله إنما هو لأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يضر. اه. ما للشرنبلالي: وما نقل عن القنية: هو عين ما عن المتجانس. اه حلبي، أقول لو قيل بالتفصيل بين كونه امتثل أمر الشارع فلا تفسد وبين كونه امتثل أمر الداخل مراعاة لخاطره من غير نظر لأمر الشارع فتفسد لكان حسنًا. (طحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، المكتبه العربية كوئٹه ۱/ ۲۴۶- ۲۴۷)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: وہی تفصیل ہے جیسے سوال بالا کے جواب میں گزری ہے۔(۱) فقط (امداد ص۸۳ ج۱)

---

(۱) قال السيد أحمد الطحطاوي: تحت قول صاحب الدر المختار: قوله: فليحرر حرّره الشرنبلالي في شرح الوهبانية: فإنه بعد ما ذكر الحديث الذي ذكره الشارح قال: وبه يندفع ما نقل عن كتاب يسمىٰ المتجانس من أنه إذا قيل لمصل تقدم فتقدم أو دخل فرجة الصف أحد فتجانب المصلي توسعة له فسدت صلاته لأنه امتثال أمر غير الله في الصلاة، وينبغي أن يمكث ساعة، ثم يتقدم برأيه.اه لأن امتثاله إنما هو لأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يضر. اه. ماللشرنبلالي: وما نقل عن القنية: هو عين ما عن المتجانس. اه حلبي، أقول لو قيل بالتفصيل بين كونه امتثل أمر الشارع فلا تفسد وبين كونه امتثل أمر الداخل مراعاة لخاطره من غير نظر لأمر الشارع فتفسد لكان حسنًا. (طحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه عربية كوئٹه ١/٢٤٦-٢٤٧)

لكن نقل المصنفؒ وغيره عن القنية وغيرها ما يخالفه، ثم نقل تصحيح عدم الفساد في مسألة من جذب من الصف فتأخر فهل ثم فرق؟ فليحرر (در مختار) وفي الشامية: قوله: لكن نقل المصنف وغيره الخ. استدراك على ما استنبطه في البحر والفتح من الحديث بأنه مخالف للمنقول في المسألة: وعبارة المصنف في المنح بعد أن ذكر لوجذبه آخر فتأخر الأصح لا تفسد صلاته وفي القنية: قيل لمصل منفرد تقدم فتقدم بأمره أو دخل رجل فرجة الصف فتقدم المصلي حتى وسع المكان عليه فسدت صلاته، وينبغي أن يمكث ساعة، ثم يتقدم برأي نفسه، وعلّله في شرح القدوري: بأنه امتثال لغير أمر الله تعالى:...... هذا وقد ذكر الشرنبلالي في شرح الوهبانية ما مر عن القنية وشروح القدوري، ثم رده بأن امتثاله إنما هو لأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يضر الخ ...... وقال: لو قيل بالتفصيل بين كونه امتثل أمر الشارع فلاتفسد وبين كونه امتثل أمر الداخل مراعاة لخاطره من غير نظر لأمر الشارع فتفسد لكان حسنًا. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٣١٣-٣١٤، كراچي ١/٥٧٠، زكريا ٢/٣٨١، كراچي ١/٦٢٢، زكريا ٢/٤١٢، كراچي ١/٦٤٤) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

منفرد کی اقتداء کے بعد سورۂ فاتحہ کو جہری نماز میں سری پڑھنے کے بعد جہری کے ساتھ اعادہ یا عدم اعادہ کا حکم

سوال (۴۵۳): قدیم ۱/ ۵۳۶- اگر منفرد نے نماز جہری شروع کی تھی اور کچھ قراءۃ خفی کر چکا تھا کہ کسی نے اس کی اقتداء کی تو جو پڑھ چکا ہے اسکے اعادہ بجہر کرنے میں اختلاف ہے اگر چہ شامی نے عدم اعادہ کو ترجیح دی ہے لیکن درمختار و بحر وغیرہ سے اعادہ مرجح معلوم ہوتا ہے یا کہ امام غلطی سے قراءۃ خفی تھوڑی کر چکا تھا کہ اس کے بعد خیال آیا تو بھی اختلاف عدم اعادہ کی صورت میں تو ظاہر ہے کہ سجدہ سہو صورت اولیٰ میں واجب نہ ہوگا اور صورت ثانیہ میں اگر مقدار ما یجوز بہ الصلوٰۃ پڑھ چکا ہے تو واجب ہوگا لیکن بر تقدیر اعادہ کیا حکم ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے جیسا کہ عالمگیری میں تصریح ہے اگر اکثر فاتحہ پڑھ کر اعادہ کرے تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے تو آیا سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں صورۃ اولیٰ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اعادہ بقصد ہوا ہے؛ اس لئے سجدۂ سہو قصد سے واجب نہیں ہوتا لیکن صورت ثانیہ میں بھی یہی حکم ہوگا کہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر چہ اعادہ کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا لیکن جب مقدار ما یجوز بہ الصلوٰۃ سہواً خفی کر چکا ہے تو سجدہ سہو واجب ہو چکا ہے اور اس تلافی سے وہ رفع نہ ہوگا یا رفع ہو جائیگا۔ شامی نے عدم اعادہ صورت اولیٰ میں ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اعادہ فاتحہ سے سجدہ واجب ہوتا ہے اسلئے اعادہ نہ کرنا چاہئے؟

الجواب: یہ تو معلوم ہوا کہ دونوں صورتوں میں اعادہ و عدم اعادہ مختلف فیہ ہے پس اگر اعادہ نہیں کیا گیا تو اس وقت دونوں صورتوں میں یہ تفصیل ہے کہ قائلیں بعدم اعادہ کے نزدیک نماز کامل رہی اور قائلین بالاعادہ کے نزدیک نماز مکروہ ہوئی لترک الواجب اور چونکہ یہ ترک عمداً واقع ہوا ہے اس لئے سجدۂ سہو اس کا جائز نہیں ہو سکتا اور اعادۂ نماز لازم ہوگا **کما ھو مقتضی القواعد**. (۱) اور اگر اعادہ کر لیا تو اس وقت تفصیل یہ ہے کہ قائلین بالاعادہ کے نزدیک نماز کامل ہوگی اور قائلین بعدم الاعادہ کے نزدیک نماز مکروہ ہوگی اور سجدۂ سہو سے جبر نقصان نہ ہو سکے گا۔ لما مر، مگر اقرب الفقہ عدم وجوب اعادہ ہے۔

---

(۱) **ولها واجبات لاتفسد بتركها وتعاد وجوبًا في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقًا آثمًا.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱٤٦-۱٤٧، كراچي ۱/ ٤٥٦) ←

لأن فيه التحرز عن تكرار الفاتحة فى ركعة وتاخير الواجب عن محله وهو موجب لسجود السهو فكان مكروها وهو أسهل من لزوم الجمع بين الجهر والإسرار فى ركعة على أن كون ذلك الجمع شنيعا غير مطرد لما ذكره في اٰخرشرح المنية أن الإمام لوسها فخافت بالفاتحة فى الجهرية ثم تذكريجهر بالسورة ولايعيد ولوخافت باٰية أو أكثر يتمها جهرًا ولا يعيد وفى القهستانى ولا خلاف أنه إذا جهر بأكثر من الفاتحة يتمها مخافتة كما فى الزاهدى اه أي فى الصلوٰة السرية وكون القول الأول نقله فى الخلاصة عن الأصل كما فى البحر والأصل من كتب ظاهر الرواية لايلزم منه كون الثانى لم يذكر فى كتاب اٰخرمن كتب ظاهر الرواية فدعوى أنه ضعيف رواية ودراية غير مسلمة فافهم اه. شامی(۱)

← **حكم الواجب استحقاق العقاب بتركه عمدًا وعدم إكفار جاحده والثواب بفعله ولزم سجود السهو لنقص الصلاة، بتركه سهوًا أو إعادتها بتركه عمدًا أي مادام الوقت باقيًا، وكذا في السهو إن لم يسجد له وإن لم يعدها حتى خرج الوقت تسقط مع النقصان وكراهة التحريم ويكون فاسقًا آثمًا.** (طحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجبات الصلاة، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص:٢٤٧-٢٤٨)

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٥٠، كراچي ١/ ٥٣٢۔

شَرَعَ منفردًا في صلاة جهرية فقرأ الفاتحة مخافتة، ثم اقتدىٰ به جماعة يجهر بالسورة إن قصد الإمامة وإلا فلا......سها الإمام فخافت بالفاتحة في الجهرية، ثم تذكر يجهر بالسورة ولايعيد ولوخافت بآية أو أكثر يتمها جهرًا ولايعيد. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، مسائل شتىٰ، مكتبه اشرفية ديوبند ص:٦١٨)

وفي اليتيمة: سئل أبو الفضل عمن شرع في صلاة يجهر فيها بالقراءة وليس أحد يقتدي به فاختار المخافتة ولو قرأ الفاتحة، ثم دخل في صلاته جماعة أيجهر بالفاتحة أم يخافت؟ قال إن قصد الإمامة يجهر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في القراءة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٥٩، رقم:١٧٣٩) ←

اب رہی یہ بات کہ اگر اعادہ کر لیا تو کیا حکم ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ احتیاطاً اعادہ مناسب ہے **للتحرز عن الاختلاف** اور اگر اعادہ نہ کرے تو نماز ہو جاوے گی۔ **لما فیه من السعة للاختلاف المذکور فیها** عالمگیری کا جزئیہ سو وہ مطلق نہیں ہے بلکہ مقید بسہو ہے(۱) اور صورت ثانیہ میں اعادہ فاتحہ سے سجدہ سہو ساقط نہ ہوگا کیونکہ حکم اعادہ جبر نقصان کیلئے نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ **جمع بین الجهر و المخافتة** لازم نہ آئے ہذا ما عندنا، واللہ اعلم، فقط،

۱۶ر محرم ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۴)

سوال (۴۵۴): قدیم ۱/۵۳۸- منفرد نماز جہریہ کو سری پڑھ رہا ہے کچھ قراءت کر چکا تھا مثلاً فاتحہ اور اس کے پیچھے ایک اور شخص آملا اب یہ اول سے یعنی فاتحہ سے اعادۂ قراءت کرے جیسا کہ درمختار سے مفہوم ہوتا ہے یا جہاں سے پڑھ رہا تھا وہیں سے جہر کرنا شروع کر دے؟

الجواب: درمختار میں تو دوسرے قول کی طرف بھی اشارہ ہے بلکہ بہ عنوان استدراک لانے سے کسی قدر قول ثانی کی ترجیح مترشح ہوتی ہے اور علامہ شامی کی تحقیق سے بھی قول ثانی کی ترجیح معلوم ہوتی ہے بخصوص آخر شرح منیہ کے جزئیہ نے اس قول کو بہت قوی کر دیا اور شامی نے سب نقل کر کے بعض کی تضعیف کا بھی جواب دیا ہے۔ ج ا ص ۵۵۵، فصل فی القراءۃ (۲) البتہ طحاوی نے قول اول

← **وفي المجتبیٰ سها الإمام فخافت في الفاتحة، ثم تذكر يجهر بالسورة ولايعيد الفاتحة، قال شرف الأئمة: لا خلاف أنه إذا جهر بأكثر الفاتحة، ثم ذكر يتمها مخافتة ولو خافت بأكثر الفاتحة يجهر قيل يتمها.** (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۲۵)

(۱) عالمگیریہ کا جزئیہ ملاحظہ ہو: **ولو قرأ الفاتحة إلا حرفًا أو قرأ أكثرها، ثم أعادها ساهيًا فهو بمنزلة ما لو قرأها مرتين كذا في الظهيرية.** (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو قديم زكريا ۱/۱۲۶، جديد زكريا ۱/۱۸۶)

(۲) **وقيل لم يعد وجهر فيما بقي من بعض الفاتحة أو السورة كلها أو بعضها كما في القنية:** ...... **ولعل وجهه أن فيه التحرز عن تكرار الفاتحة فی ركعة وتأخير الواجب عن محله وهو موجب لسجود السهو فكان مكروها وهو أسهل من لزوم الجمع بين الجهر** ←

کونقل کرکے اس پر کچھ کلام نہیں کیا جس سے ان کا رجحان قول اول کی طرف سمجھنے کی گنجائش ہے(۱) لیکن راقم کے نزدیک قول ثانی کوترجیح ہے، **لقوة دليله و ضعف دعوى الشناعة فى الجميع.**

۱۴ رمحرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۸)

←**والإسرار فى ركعة على أن كون ذلك الجمع شنيعا غير مطرد لما ذكره في اٰخرشرح المنية أن الإمام لوسها فخافت بالفاتحة فى الجهرية ثم تذكريجهر بالسورة ولايعيد ولوخافت باٰية أو أكثريتمها جهرا ولايعيد وفى القهستانى ولاخلاف أنه إذا جهر بأكثر من الفاتحة يتمها مخافتة كما فى الزاهدى. اه أى فى الصلوٰة السرية وكون القول الأول نقله فى الخلاصة عن الأصل كما فى البحر: والأصل من كتب ظاهر الرواية لايلزم منه كون الثانى لم يذكر فى كتاب اٰخرمن كتب ظاهر الرواية فدعوى أنه ضعيف رواية ودراية غير مسلمة فافهم.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، مكتبه زكريا ٢/ ٢٥٠، كراچي ١/ ٥٣٢)

شَرَعَ مُنفردًا في صلاة جهرية فقرأ الفاتحة مخافتة، ثم اقتدىٰ به جماعة يجهر بالسورة إن قصد الإمامة...... سها الإمام فخافت بالفاتحة في الجهرية، ثم تذكر يجهر بالسورة ولايعيد ولوخافت بآية أو أكثر يتمها جهرًا ولايعيد. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، مسائل شتىٰ، مكتبه اشرفية ديوبند ص:٦١٨)

وفي اليتيمة: سئل أبو الفضل عمن شرع في صلاة يجهر فيها بالقراءة وليس أحد يقتدي به فاختار المخافتة ولو قرأ الفاتحة، ثم دخل في صلاته جماعة أيجهر بالفاتحة أم يخافت؟ قال إن قصد الإمامة يجهر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في القراءة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٥٩، رقم:١٧٣٩)

النهرالفائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٢٥۔

(۱) طحاوی کی عبارت ملاحظہ ہو: **قال السيد أحمد الطحطاوي: تحت قول صاحب الدر المختار: قوله: أعادها جهرًا أي وجوبًا لأنه حكم الإمام في الصلاة الجهرية وجهه أن الجهر فيما بقي صار واجبًا بالإقتداء والجمع بين الجهر والمخافتة في ركعة واحدة شنيع بحر، والعلة تقتضي أنه لو ائتمَّ به بعد قراءة بعض السورة أنه يعيد الفاتحة والسورة وإلا لزم الإسرار بعد وجوب الجهر أو الأمر الشنيع الخ.** (طحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، صفة الصلاة، مكتبه كوئٹه ١/ ٢٣٤) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھنے کا حکم

سوال (۴۵۵): قدیم ۱/ ۵۳۹- ایک صاحب اکثر سہو کا سجدہ بلاتشہد کرتے ہیں اور تشہد کا ثبوت حدیث صحیح نص صریح سے مانگتے ہیں؟

الجواب: **فی الحديث المتفق عليه عن ابن مسعودؓ قال عليه السلام إذا شك أحدكم في صلوته فليتحر الصواب فليتم عليه ثم ليسلم ثم يسجد سجدتين متفق عليه (۱) و أيضاً في المتفق عليه مرفوعاً حتىٰ إذا قضى الصلوٰة و انتظر الناس تسليمه كبر وهو جالس فسجد سجدتين (۲) وفي حديث الترمذي عن عمران بن حصين أن النبي ﷺ صلى بهم فسهىٰ فسجد سجدتين ثم تشهد ثم سلم كذا في المشكوٰة.** (۳)

---

(۱) بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان، النسخة الهندية ۱/ ۵۸، رقم: ۳۹۹، ف: ۴۰۱)

مسلم شريف، كتاب المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۱ - ۲۱۲، بيت الأفكار رقم: ۵۷۲ ـ

(۲) **عن عبد الله بن بحينة أنه قال: صلى لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين من بعض الصلوات فلم يجلس فقام الناس معه فلما قضىٰ صلاته ونظرنا تسليمه كبر قبل التسليم فسجد سجدتين وهو جالس ثم سلم.** (بخاري شريف، كتاب السهو، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۳، رقم: ۱۲۱۰، ف: ۱۲۲۴)

مسلم شريف، كتاب المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۱، بيت الأفكار رقم: ۵۷۰ ـ

مشكوة شريف، كتاب الصلاة، باب السهو، الفصل الاول، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۹۲-۹۳ ـ

(۳) ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في التشهد في سجدتي السهو، النسخة الهندية ۱/ ۹۰، دار السلام رقم: ـ

مشكوة شريف، كتاب الصلاة، باب السهو، الفصل الثاني، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۹۳ ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

حدیث اول میں فلیتم علیه سے تشہد قبل سجدہ سہو ثابت ہے کیونکہ بدون تشہد کے صلوٰۃ ناقص ہے اسی طرح حدیث ثانی سے کیونکہ بدون تشہد کے انتظار سلام کا نہیں ہوسکتا اور حدیث ثالث سے تشہد بعد سجدۂ سہو ثابت ہے پس مجموعہ سے مجموعہ ثابت ہوگیا۔(*) فقط واللہ اعلم

یکم ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۹ ج ۱)

تشہد کے بعد سہو کی صورت میں تشہد کے تکرار کا حکم

سوال (۴۵۶): قدیم ۱/۵۴۰- قعدۂ اخیرہ میں بعد تشہد کے امام نے سلام پھیر دیا درود نہیں پڑھا مقتدی نے اللہ اکبر کہا اب امام پھر تشہد پڑھکر سجدۂ سہو ادا کرے یا کہ سجدۂ سہو نہ کرے۔؟

الجواب (**): خروج بفعل مصلی جو کہ فرض ہے اُس میں تاخیر ہوئی اس لئے سجدۂ سہو واجب ہے اور اُسی طرح واجب ہے جس طرح اس کا طریقہ مشروع ہے یعنی تشہد کے بعد کیونکہ جو تشہد پڑھا جا چکا ہے وہ قبل سہو ہوا تھا لہٰذا وہ کافی نہ ہوگا۔ فقط

یکم ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۴ ج ۱)

(*) پھر رحمت مہداۃ میں ابوداؤد ونسائی کی روایت سے ایک حدیث نظر سے گذری، جس میں مجموعہ تشہدین مصرح ہے۔

عن عبد الله بن مسعود عن رسول الله صلى الله عليه قال: إذا كنت في صلوة فتشككت في ثلث أو أربع أكبر ظنك على أربع تشهدت، ثم سجدت سجدتين وأنت جالس قبل أن تسلم ثم تشهدت أيضاً ثم تسلم. (أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب من قال يتم على أكثر ظنه، النسخة الهندية ١/ ١٤٧، دار السلام رقم:١٠٢٨)

(**) اس جواب میں تسامح ہوا ہے اور غالبًا منشا تسامح یہ ہے کہ بادی النظر سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل کے نزدیک یہ امر متعین ہے کہ امام نے سلام جو پھیرا ہے وہ ناکافی ہے اور اسے دوسرا سلام خروج صلوۃ کے لئے پھیرنا ہوگا اور تردد اس کو صرف اس امر میں ہے کہ آیا اس صورت میں سجدۂ سہو کرنا چاہئے یا نہیں؟ اگر کرنا چاہئے تو تشہد پڑھ کر یا بلا تشہد؟ اس تعیین سے حضرت مولانا کو دھوکا ہوگیا اور انہوں نے جواب دیا کہ خروج بفعل مصلی جو کہ فرض ہے، اس میں تاخیر ہوئی الخ لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے؛ بلکہ صحیح جواب یہ ہے کہ امام کی نماز تمام ہوگئی اور سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔ ←

سوال (۴۵۷): قدیم ۱/۵۴۰- بہشتی زیور ص: ۷۰/۱اگر چوتھی رکعت پر بیٹھی اورالتحیات پڑھ کر کھڑی ہوگئی تو سجدہ کرنے سے پہلے جب یاد آوے بیٹھ جاوے اور التحیات نہ پڑھے بلکہ بیٹھ کر ترت سلام پھیر کر سجدہ کرے۔ عبارت درمختار بھی اس کی مؤید ہے۔

وإن قعد فی الرابعة مثلا قدر التشهد ثم قام عادوسلم ولو سلم قائما صح. الخ (۱)

← **تنبیہ**: اس جواب پر کسی شخص نے دوسرے عنوان سے شبہ کیا ہے جس کا جواب حضرت مولانا نے بلامراجعت الی اصل الکتاب دیا ہے، وہ سوال و جواب ملحقات تتمہ اولیٰ فتاوی امدادیہ ۱۴۱/۳ میں درج ہیں سو بجائے اس جواب کے جو وہاں درج ہے، یہ صحیح جواب سمجھنا چاہئے کہ مسئلہ بہشتی زیور صحیح ہے اور جواب فتاوی غلط ہے، اور منشاء غلطی عنوان سوال سائل ہے اور صحیح جواب سوال فتاوی کا یہ ہے کہ نماز تمام ہوگئی سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں، حضرت مولانا مدظلہم العالی نے ترجیح الراجح حصہ سوم ۲۰۰/ مطبوعہ مطبع کانپور میں اس مسئلہ کے متعلق اپنا تردد ظاہر فرمایا ہے جیسا کہ سوال ۴۵۸/ کے آخر میں آرہا ہے اور تحقیق کا مشورہ دیا ہے جو احقر نے عرض کی ہے۔ ۱۲ واللہ اعلم (تصحیح الاغلاط ص: ۱۷)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۵۵۳/۲، كراچي ۸۷/۲.

وإن قعد الجلوس الأخير قدر التشهد، ثم قام ولو عمدًا وقرأ وركع عاد للجلوس لأن مادون الركعة بمحل الرفض وسلم فلو سلم قائمًا صح وترك السنة لأن السنة التسليم جالسًا من غير إعادة التشهد لعدم بطلانه بالقيام. (حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۴۷۰)

وإن قعد في الرابعة قدر التشهد، ثم قام إلى الخامسة ولم يسلم يظنها القعدة الأولىٰ عاد إلى القعود مالم يسجد في الخامسة ويسلم ويسجد للسهو؛ لأن التسليم في حالة القيام غير مشروع في الصلاة المطلقة فإن سلم قائمًا لا تفسد صلاته ولو عاد لايعيد التشهد. (الجوهر النيرة، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه دار الكتاب ديوبند ۹۴/۱)

ولو قعد في الرابعة، ثم قام، ولم يسلم عاد إلى القعدة ما لم يسجد للخامسة (هداية) وتحتها في الفتح: قوله: عاد إلى القعدة إنما يعود مع أنه لو لم يعد وسلم قائمًا حكم بصحة فرضه ...... وإذا عاد لا يعيد التشهد. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۵۲۷/۱-۵۲۸، كوئٹه ۴۳۶/۱-۴۳۷) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

فتاویٰ امدادیہ حصہ اول ص۹۴، میں مذکور ہے سجدۂ سہو واجب ہے اور اسی طرح واجب ہے جس طرح اس کا طریقہ مشروع ہے یعنی تشہد کے بعد کیونکہ جو تشہد پڑھا جا چکا ہے وہ قبل سہو ہوا تھا لہٰذا وہ کافی نہ ہوگا۔ گزارش یہ ہے کہ عبارت مزکورہ میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

الجواب: یہ قواعد سے لکھدیا ہوگا جواب اول صحیح ہے۔

۲۱/رجب ۱۳۳۲ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴۱ ۳)

قعدہ اولیٰ میں تشہد کا تکرار موجب سجدہ سہو ہے قعدہ اخیرہ میں نہیں

سوال (۴۵۸): قدیم ۱/ ۵۴۰- کوئی سورت یا التحیات دو دفعہ پڑھ لیں تو سجدۂ سہو جائز ہے یا کیا؟ پہلے جواب ذیل لکھا گیا تھا۔ سورۃ کو دو دفعہ پڑھنے میں سجدۂ سہو نہیں ہے کیونکہ اس کو تطویل قراءت سمجھا جاوے گا (۱) اور تکرار تشہد میں سجدۂ سہو ہوگا کہ فرض میں یعنی خروج عن الصلوٰۃ میں تاخیر ہوئی۔ یہ جواب قواعد سے دیا گیا ہے اگر کوئی خاص جزئیہ اس کے خلاف مل جاوے تو وہ مقدم ہوگا۔ ۱۸/صفر ۱۳۳۳ھ

مگر پھر مولوی ابوالحسن صاحب نے اس کے خلاف یہ جزئیہ لکھا۔

فی الطحطاوی شرح مراقی الفلاح ص: ۲۵۷ ولو قرأ اٰیة بعد التشهد فإن كان فی الأخیر فلاسهو علیه لعدم ترک واجب لأنه موسع له فی الدعاء والثناء بعده فیه

---

(۱) البتہ فرائض میں قصداً ایک رکعت میں ایک سورۃ بار بار پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

ويكره تكرار السورة في ركعة واحدة من الفرض وقيد بالفرض لأنه لا يكره في النفل لأن شأنه أوسع لأنه صلى الله عليه وسلم قام إلى الصباح بآية واحدة يكررها في تهجد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات قديم ص: ۱۹۳)

ويكره تكرار السورة في ركعة واحدة في الفرائض ولابأس بذلك في التطوع كذا في فتاوى قاضيخان. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة ومالا يكره قديم زكريا ۱/ ۱۰۷، جديد زكريا ۱/ ۱٦٦)

والقراءة تشتمل عليهما ولو قرأ التشهد مرتين في القعدة الأخيرة أو تشهد قائما أو راكعا أو ساجداً لا سهو عليه منية المصلى.(۱)

پس اب صورت مسئولہ کے جواب میں تفصیل ہوگی کہ اگر التحیات قعدۂ اولیٰ میں دوبار پڑھی ہے تو سجدۂ سہو ہوگا اور اگر قعدۂ اخیرہ میں پڑھی ہے تو سجدۂ سہو نہ ہوگا۔

۲۰/ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

اسی طرح ایک مسئلہ فتاویٰ امدادیہ جلد اول ص۹۴ میں چھپ گیا ہے اسلئے اسمیں بھی شبہ ہوگیا اس کی بھی دوبارہ تحقیق کرلی جاوے۔اور وہ سوال اس عبارت سے شروع ہوا ہے قعدۂ اخیرہ میں بعد تشہد کے الخ،اور جواب اس عبارت سے شروع ہوا ہے۔خروج بفعل مصلی الخ۔

اور اس کی تحریر کی تاریخ یکم ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ ہے۔فقط (ترجیح ثالث ص۱۹۹)

نماز میں سجدۂ تلاوت کے احکام

سوال (۴۵۹):قدیم ۱/۵۴۲- اگر امام نے سجدۂ تلاوت نماز میں سہو کیا اور جب یاد آیا تو اسی رکعت میں یا دوسری رکعت میں ادا کیا پس سجدۂ سہو اس پر واجب ہوا یا نہیں اور اگر سجدۂ تلاوت بعد فراغ نماز کے یاد آیا تو جبر اس نقصان کا کس طرح کرے آیا دوسرے شفع تراویح میں سجدۂ تلاوت ادا کرے یا نماز کا مع قراءۃ وسجدۂ تلاوت اعادہ کرے؟

الجواب :(*) سجدہ تلاوت علی الفور واجب ہے (**) اور معنی علی الفور کے یہ ہیں کہ دو یا تین آیات سے زیادہ فصل نہ ہو پس جب اپنے فعل سے سہواً تاخیر ہوگئی تو جب یاد آوے اس وقت ادا کرلے اور بوجہ ترک واجب کے بنا برمذہب مختار کے سجدہ سہو اس پر واجب ہوگا۔

(*) اس سلسلہ میں سوال نمبر ۴۶۶ بھی ملاحظہ فرمائیں۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) یعنی صلاتی سجدۂ تلاوت علی الفور ادا کرنا واجب ہے الخ۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ٤٦١.

وفي الذخيرة: وكذلك تكرار التشهد على هذا التفصيل يعني إن كررها ←

وهی علی التراخی إن لم تكن صلوية فعلى الفور لصيرورتها جزءً منها ويأثم بتأخيرها و يقضيها مادام فی حرمة الصلوٰة ولو بعد السلام فتح آه. درمختار. قوله فعلى الفور تفسير الفور عدم طول المدة بين التلاوة والسجدة بقراءة أكثر من آيتين أو ثلاث على ماسياتی حلية قوله ويأثم بتأخيرها ولذا كان المختار وجوب سجود السهو لو تذكرها بعد محلها كما قد مناه فی بابه عند قوله بترك واجب آه. رد المحتار. (۱)

← **في القعدة الأولىٰ فعليه السهو، وإن كررها في القعدة الثانية فلا سهو عليه.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۳۹۲/۲، رقم: ۲۷۶۱)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، المجلس العلمي ۳۱۵/۲، رقم: ۱۸۷۰ـ

ولو كرر التشهد في القعدة الأولىٰ فعليه السهو......ولو كررها في القعدة الثانية فلا سهو عليه كذا في التبيين. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، قديم زكريا ۱۲۷/۱، جديد زكريا ۱۸۷/۱)

أو قرأ التشهد مرتين في القعدة الأخيرة أو تشهد قائمًا أو راكعًا أو ساجدًا لا سهو عليه. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل في سجود التلاوه، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۴٦۰)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبه زكريا ديوبند ۵۸۴/۲، كراچي ۱۰۹/۲-۱۱۰.

وأما ما وجب أداء ها في الصلاة، فوقتها فور الصلاة لما مر أن وجوبها في الصلاة على الفور وهو أن لا تطول المدة بين التلاوة وبين السجدة فأما إذا طالت فقد دخلت في حيز القضاء وصار آثمًا بالتفويت عن الوقت ثم الأمر في مقدار الطول على ما ذكرنا من اختلاف المشايخ (وهو قوله) وأكثر مشايخنا لم يقدروا في ذلك تقديرًا فكان الظاهر أنهم فوضوا ذلك إلى رأي المجتهد كما فعلوا في كثير من المواضع، وبعض مشايخنا قالوا: إن قرأ آية أو آيتين لم تطل القراءة وإن قرأ ثلاث آيات طالت، ←

اور اگر بعد فراغ یاد آیا سو اگر عمداً چھوڑا تھا تو اس کا تدارک بجز استغفار کے کچھ نہیں۔ اور اگر سہواً چھوٹ گیا تھا سو اگر علی الفور اس شخص نے بعد تلاوت آیت سجدہ کے رکوع کر کے سجدہ نماز کا کیا تھا تب تو سجدۂ تلاوت بھی ادا ہو گیا اگرچہ نیت نہ کی ہو اور اگر اس طرح ادا نہیں ہوا پس اگر کوئی عمل منافی نماز کے ہنوز صادر نہیں ہوا تو اس وقت ادا کر کے سجدۂ سہو کرے ورنہ بجز استغفار کے کچھ چارہ نہیں اور اعادہ شفعہ سے کچھ نہیں ہوتا کیونکہ اگر اسمیں سجدہ کیا بھی تو اس شفعہ اولیٰ سے تو خارج ہے۔

ولوتلاها فى الصلوٰة سجدها فيها لاخارجها لمامروفي البدائع وإذا لم يسجد أثم فتلزمه التوبة درمختارقوله وإذا لم يسجد أثم الخ أفاد أنه لايقضيها قال فى شرح المنية: وكل سجدة وجبت فى الصلوٰة ولم تؤد فيها سقطت أى لم يبق السجودلها لفوات محله اھ أقول وهذا إذا لم يركع بعدها على الفوروإلادخلت فى السجود وإن لم ينوها كما سياتى وهو مقيد أيضاً بما إذا تركها عمداً حتى سلم وخرج من حرمة الصلوٰة أما لوسهواً وتذكرها ولوبعدالسلام قبل أن يفعل منافياًيأت بها ويسجد للسهو كما قدمناه اھ. ردالمحتار. (۱) والله اعلم

۱۷/ ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ (امداد ص ۱۰۰ ج ۱)

← **وصارت السجدة بمحل القضاء.** (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، سجدة التلاوة، بيان وقت أدائها،؛ مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ٤٤٨)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۸، كوئٹه ۱/ ٤٧٠۔

ولو سلم وعليه سجدة التلاوة وسجدتا السهو إن سلم وهو غير ذاكرلهما أو ذاكر للسهو خاصة فإن سلامه لايكون قاطعًا للصلاة ويسجد للتلاوة أولًا، ثم يتشهد ويسلم ثم يسجد للسهو. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۹۰، كوئٹه ۲/ ۱۰۷)

خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في السهو في الصلاة، مكتبه اشرفية ديوبند ۱/ ۱۷۹۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٥٨٥، كراچي ۲/ ۱۱۰۔ ←

سورت بھولنے والے کو رکوع سے عود کر جانے کا حکم

سوال (۴۶۰): قدیم ۱/۵۴۳-نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھی اور سورت ملانے کو بھول گیا جب رکوع میں گیا اور تسبیح پڑھنے لگا یا تسبیح پڑھ چکا تب یاد ہوئی کہ سورت نہیں ملائی، اب قیام کی طرف عود کرے اور سورت پڑھے اور پھر رکوع کرے تب سجدہ میں جاوے یا بلا سورت ملائے رکوع سے سجدہ میں چلا جائے اولیٰ کیا ہے۔ بینوا توجروا، فقط؟

الجواب: اس صورت میں قیام کی طرف عود کرے اور سورت ملائے پھر رکوع کرے تب سجدہ میں جاوے۔(*)

فی الدر المختار: باب سجود السهو كركوع قبل قراءة الواجب إلىٰ قوله فلو تذكر ولو بعد الرفع من الركوع عاد ثم أعاد الركوع اه. (۱)

۵/ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۴)

(*) یہ اولیٰ صورت کا بیان ہے (شامی ۱/۵۰۰و۶۹۳) اور یہ بھی جائز ہے کہ رکوع کے بعد سجدہ میں چلا جائے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے (فتاوی دارالعلوم جدید ۴/۳۹۸) ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **ولو ركع لصلاته على الفور وسجد تسقط عنه سجدة التلاوة نوى في السجدة للتلاوة أو لم ينو.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والعشرون في سجدة التلاوة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۷۸، رقم:۳۰۵۹)

ويجزئ عن سجدة التلاوة ركوع الصلاة إن نواها ويجزئ عنها أيضًا سجودها أي سجود الصلاة، وإن لم ينوها إن لم ينقطع فور التلاوة بأن يقرأ أكثر من آيتين بعد آية سجدة التلاوة بالإجماع. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ص:۴۸۶-۴۸۷)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۴۳-۵۴۴، كراچي ۲/۸۰۔ ←

تعداد رکعات بھول جانے کی صورت میں امام ومقتدی کے اختلاف کا حکم

سوال (۴۶۱): قدیم ۱/۴۴۵- چار رکعت کی نماز امام نے پانچ رکعت پڑھیں اور چوتھی رکعت پر قعدہ نہیں کیا اور پانچویں رکعت پوری پڑھ لی اور سوائے کہنے نمازیوں کے اس کو بذاتہ کوئی شبہ بھی نہیں ہے کہ چار سے زیادہ پڑھی گئی ہیں ایسی حالت میں نماز امام اور مقتدیوں کیلئے کیا حکم ہے؟

الجواب: **فی العالمگیریة: ولو وقع الاختلاف بین الإمام والقوم فقال القوم صلیت ثلاثاً وقال الإمام صلیت أربعاً إن کان الإمام علی الیقین لایعید الصلوٰة بقولهم وفیها أیضاً ولو کان الإمام استیقن أنه صلی ثلاثا، وواحد استیقن بالتمام**

←**وفي الخانية: إذا ركع ولم يقرأ السورة رفع رأسه وقرأ السورة وأعاد الركوع وعليه السهو، هو الصحيح.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۳۹۱، رقم: ۲۷۵۹)

ولو ترك السورة فتذكرها في الركوع أو بعد الرفع منه قبل السجود، فإنه يعود ويقرأ السورة ويعيد الركوع وعليه السهو. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۴۶۰- ۴۶۱)

ولو قرأ الفاتحة وآيتين فخر راكعًا ساهيًا، ثم تذكر فعاد وأتم ثلاث آيات فعليه سجود السهو. وفي المحيط: لو ترك السورة فذكرها قبل السجود عاد وقرأها...... ومتى عاد في الكل فإنه يعيد ركوعه لارتفاضه. وفي الخلاصة ويسجد للسهو فيما إذا عاد أو لم يعد إلى القراءة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۶۶، كوئٹه ۲/۹۴)

تذكر ترك السورة في الأولىٰ أو الثانية في الركوع أو بعد الرفع منه قبل السجدة عاد وقرأ السورة وركع ولزمه ولو قنت ففيه روايتان ولزمه السهو عاد أم لا.

(بزازية على الهندية، الفصل السادس عشر في السهو، قديم زكريا ۴/۶۴، جديد زكريا ۱/۴۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

كـان عـليـه أن يعيد بالقوم ولا اعادة على الذي تيقن بالتمام هذا في المحيط ص ٥٩.(١)

(١) هنـديـة، كتـاب الـصـلاة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق، قبيل الباب السابع في الحدث في الصلاة، قديم زكريا ٩٣/١، جديد زكريا ١٥١/١.

وإذا وقـع الاختـلاف بين الإمام والقوم، فقال القوم: صليت ثلاثًا وقال الإمام صليت أربعًا، فـإن كـان بـعـض القوم مع الإمام يؤ خذ بقول من كان مع الإمام ويترجح من كان مع الإمام بسبـب الإمـام، وإن لـم يـكـن بـعـض القوم مع الإمام ينظر إن كان الإمام على يقين لا يعيد الإمـام الـصـلاة. وفـي الـفـتـاوى الـعـتـابية: وأعـاد الـقـوم، وإن لـم يـكـن على يقين أعـاد بـقـولهـم......وفي فتاوىٰ أهل سمر قند: إذا صلى الإمام بقوم واستيقن واحد منهم أن الإمام صـلى أربعًا ويستيقن واحدمنهم أنه صلى ثلاثًا والإمام والقوم في شـك، فليس على الإمام والـقـوم شيئ ولا يستحب للإمام الإعادة وعلى الذي استيقن بالنقصان الإعادة لأن تيقنه لا يـبـطل بيقين غيره. وفي الظهيرية: ولا إعادة على الذي تيقن بالتمام. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الـصلاة، الـفـصـل الـثـامـن، مسـائـل الاختلاف الواقع بين الإمام والمأموم، مكتبه زكريا ٤٣٦/٢، رقم:٢٩٠٤-٢٩٠٦)

الـمـحـيـط البرهاني، كتاب الـصلاة، الـفـصـل الـثـامـن عـشـر، الـمـجـلـس العلمي ٣٤٢/٢-٣٤٣، رقم: ١٩٣٦-١٩٣٨۔

وفـي الـشـرح لـو اختـلف الإمام والمؤتمون فقالوا ثلاثًا وقال أربعًا إن كان على يـقـيـن لا يـأخـذ بقولهم وإلا أخذ ...... ولو استيقن واحد بالتمام وآخر بالنقص وشـك الإمـام والـقـوم لا إعادة على أحد إلا على متيقن النقص لأن يقينه لا يبطل بيقين غيره، ولـو كـان الإمـام استيـقـن أنه صلى ثلاثًا كان عليه أن يعيد بالقوم ولا إعادة على متيقن التمام لما قلنا. (حـاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في الشك، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص:٤٧٦)

البـحـر الـرائق، كتاب الـصلاة، بـاب سـجـود السهـو، مـكتبـه زكريا ديوبند ١٩٣/٢، كوئٹہ ١٠٩/٢۔

وفيها من الظهيرية: قال محمد بن الحسنؒ : أما أنا فأعيد بقول واحد عدل بكل حال ص ۸۴. (۱)

روایت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ امام کی نماز ہوگئی اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی اور روایت ثالثہ سے معلوم ہوا کہ امام کیلئے بھی بہتر ہے کہ مقتدیوں کے کہنے سے اعادہ کرے۔ (تتمہ اولیٰ ص ۱۶)

صلوٰۃ ثنائیہ یا ثلاثیہ میں ایک دو رکعت زیادہ ہوجانے کا حکم

سوال (۴۶۲): قدیم ۱/۵۴۴- دو رکعت کی نماز میں اگر ایک یا دو رکعت زیادہ پڑھی گئی تو اس کیلئے کیا حکم ہے؟

الجواب : وہی حکم ہے جو سوال ماقبل کے جواب میں لکھا گیا ہے جبکہ بدون قعدہ اخیرہ کے ایک رکعت زیادہ پڑھی گئی (۲)۔ (حوالۂ بالا)

---

(۱) هندية، كتاب الصلاة، قبيل البا ب الثالث عشر في سجود التلاوة، قديم زكريا ۱/ ۱۳۱، جديد زكريا ۱/ ۱۹۱۔

وفي الظهيرية: قال محمد بن الحسن: أما أنا فأعيد بقول واحد عدل بكل حال. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثامن عشر مسائل الاختلاف الواقع بين الإمام والمأموم، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۳۷، رقم: ۳۹۰۸)

(۲) **لو وقع الاختلاف بين الإمام والقوم، فقال القوم: صليت ثلاثًا وقال الإمام صليت أربعًا، إن كان الإمام على اليقين لا يعيد الصلاة بقولهم. ولو كان الإمام استيقن أنه صلى ثلاثًا وواحد استيقن بالتمام كان عليه أن يعيد بالقوم ولا إعادة على الذي تيقن بالتمام هكذا في المحيط.** (هندية، كتاب الصلاة، قبيل الباب السابع في الحدث في الصلاة، قديم زكريا ۱/ ۹۳، جديد زكريا ۱/ ۱۵۱)

وفي الشرح: لو اختلف الإمام والمؤتمون فقالوا ثلاثًا وقال أربعًا إن كان على يقين ←

بصورت ترک قعدۂ اخیرہ ایک رکعت یا زیادہ کے اختلاف کا حکم

سوال (۴۶۳): قدیم ۱/۵۴۴- بعض نمازی ایک رکعت کا بہ ترک قعدۂ اخیرہ کے پڑھا جانا بیان کرتے ہیں اور بعض کو کچھ یاد نہیں ہے جن کو یاد ہے ان کی نماز کی نسبت کیا حکم ہے اور جن کو کچھ یاد نہیں ہے ان کی نماز کیلئے کیا حکم ہے؟

← **لا يأخذ بقولهم وإلا أخذ ...... ولو استيقن واحد بالتمام وآخر بالنقص وشك الإمام والقوم لا إعادة على أحد إلا على متيقن النقص لأن يقينه لا يبطل بيقين غيره، ولو كان الإمام استيقن أنه صلى ثلاثًا كان عليه أن يعيد بالقوم ولا إعادة على متيقن التمام لما قلنا.** (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في الشك، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ٤٧٦)

وإذا وقع الاختلاف بين الإمام والقوم، فقال القوم: صليت ثلاثًا وقال الإمام صليت أربعًا، فإن كان بعض القوم مع الإمام يؤخذ بقول من كان مع الإمام ويترجح من كان مع الإمام بسبب الإمام، وإن لم يكن بعض القوم مع الإمام ينظر إن كان الإمام على يقين لايعيد الإمام الصلاة. وفي الفتاوى العتابية: وأعاد القوم، وإن لم يكن على يقين أعاد بقولهم......وفي فتاوىٰ أهل سمر قند: إذا صلى الإمام بقوم واستيقن واحد منهم أن الإمام صلى أربعًا ويستيقن واحدمنهم أنه صلى ثلاثًا والإمام والقوم في شك، فليس على الإمام والقوم شيئ ولا يستحب للإمام الإعادة وعلى الذي استيقن بالنقصان الإعادة لأن تيقنه لا يبطل بيقين غيره. وفي الظهيرية: ولا إعادة على الذي تيقن بالتمام.

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثامن، مسائل الاختلاف الواقع بين الإمام والمأموم، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٣٦، رقم: ٢٩٠٤-٢٩٠٦)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثامن عشر، المجلس العلمي ٢/٣٤٢-٣٤٣، رقم: ١٩٣٦-١٩٣٨-

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ٢/١٩٣، كوئٹه ٢/١٠٩- *شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ*

الجواب: فی العالمگیریة: و لواختلف القوم قال بعضهم: صلی ثلاثاً وقال بعضهم: صلی أربعاً والإمام مع أحد الفریقین یوخذ بقول الإمام وإن کان معه واحد کذا فی الخلاصة وفیها ولواستیقن واحد من القوم أنه صلی أربعاً والإمام والقوم فی شک لیس علی الإمام والقوم شیئ کذا فی الخلاصة ص ۵۹. (۱)

---

(۱) هندیة، کتاب الصلاة، قبیل الباب السادس في الحدث في الصلاة، قدیم زکریا ۱/۹۳، جدید زکریا ۱/۱۵۱۔

وإن اختلف القوم والإمام مع فریق أخذ بقوله: ولوکان معه واحد، ولو استیقن واحد بالتمام وآخر بالنقص وشک الإمام والقوم لاإعادة علی أحد إلاّ علی متیقن النقص لأن یقینه لایبطل بیقین غیره. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، فصل في الشک، مکتبه دارالکتاب دیوبند ص:٤٧٦)

ولووقع الاختلاف بین الإمام والقوم فقال القوم صلیت ثلاثاً وقال الإمام صلیت أربعاً إن کان الإمام علی الیقین لایعید الصلاة بقولهم وإن لم یکن علی یقین یعید الصلاة بقولهم ولو اختلف القوم قال بعضهم صلی ثلاثاً وقال بعضهم أربعاً والإمام مع أحد الفریقین یؤخذ بقول الإمام وإن کان معه واحد...... ولواستیقن واحد من القوم أنه صلی ثلاثاً واستیقن واحد أنّه صلی أربعاً والإمام والقوم في شک لیس علی الإمام والقوم شیئ وعلی المستیقن بالنقصان الإعادة. (خلاصة الفتاویٰ، کتاب الصلاة، الفصل السادس عشرفي السهو في الصلاة، مکتبه اشرفیة ۱/ ۱۷۱)

الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثامن عشر، مسائل الاختلاف الواقع بین الإمام والمأموم، مکتبه زکریا دیوبند ۲/٤٣٦-٤٣٧، رقم: ٢٩٠٤-٢٩٠٦۔

المحیط البرهاني، کتاب الصلاة، الفصل الثامن عشر، الشک في مقدار ما صلی، المجلس العلمي بیروت ۲/۳٤۲، رقم: ۱۹۳٦-۱۹۳۸۔

البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبه زکریا دیوبند ۲/۱۹۳، کوئٹه ۲/۱۰۹۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

بنا برروایات بالا حکم یہ ہے کہ اگرامام کوایک شق کا یقین ہے تو وہی شق معتبر ہوگی۔علی الروایۃ الاولیٰ، اوراگراس کوبھی شبہ ہےتو جس کوزیادہ ہونا یقیناً یاد ہے وہ اعادہ کریں گےاورجن کو پورا پڑھنا یقیناً یاد ہے یاشبہ ہے وہ اعادہ نہ کریں گے۔علی الروایۃ الثانیۃ، (حوالۂ بالا)

عیدین وجمعہ میں سجدۂ سہو کا حکم

سوال (۴۶۴): قدیم ۱/ ۵۴۵-اگرعیدین کی تکبیریں تحریمہ کے بعد کی بھول جاوے یادوسری رکعت میں تکبیریں بھول جاوےاورسجدۂ سہوبھی نہ کرے وہ نماز ہوجاوے گی یانہیں؟

خلاصہ یہ کہ اگرعیدین میں کوئی واجب ترک ہوجاوےاورسجدہ سہوکا نہ کیا ایسی نماز جائز ہے یاازسرنو پڑھنی چاہئے؟

الجواب: فی الدر المختار: والسهوفي صلوة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء والمختار عندالمتأخرين عدمه فى الأول لدفع الفتنة كما فى الجمعة البحرو اقره المصنف وبه جزم فى الدرر اھ. فى ردالمحتار لكنه قيده محشيها الوانى بما إذا حضر جمع كثير وإلا فلا داعى إلى الترك. ط ج ا ص ۷۸۷.(۱)

اس روایت سےمعلوم ہوا کہ اگر جمعہ وعیدین میں مجمع کثیر ہوتوان میں سجدۂ سہونہ کرے۔

۳/شوال ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۱)

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵٦۰، كراچي ۲/ ۹۲۔

ولايأتي الإمام بسجود السهو في الجمعة والعيدين دفعًا للفتنة بكثرة الجماعة وبطلان صلاة من يرى لزوم المتابعة وفساد الصلاة بتركه...... وأخذ العلامة الواني من هذه السببيّة أن عدم السجود مقيّد بما إذا حضر جمع كثير، أما إذالم يحضروا، فالظاهر السجود لعدم الداعي إلى الترك وهو التشويش. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص ٤٦٥-٤٦٦) ←

امام تارک سجدۂ سہو کے اعادہ کے وقت اقتداء کا حکم

سوال (۲۶۵): قدیم ۱/ ۵۴۵- کوئی شخص امام تھا سہواً ترک واجب کیا پھر سجدۂ سہو بھی سہواً ترک کردیا۔ بعدہ استیناف کیا اب مقتدی نو وارد جو پہلے شریک نہ تھا شریک ہونے سے اس کا فرض ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: فی الدرالمختار: باب الجنائز فإذا أعادها (الولی) وقعت فرضاً مکملاً للفرض الأول نظیر اعادة الصلوٰة المؤداة بکراهة فإن کلامنهما فرض کما حققناه فی محله. ج ۱ ص ۹۲۳ (۱)

اس سے ثابت ہوا (*) کہ نو وارد کا فرض شریک ہونے سے ادا ہوگا۔ (۲)

۲۶ / شوال ۱۳۲۷ھ (تتمۂ اولیٰ ص ۲۱)

(*) یہ جواب مختار قول کے مطابق نہیں ہے، مختار قول یہ ہے کہ نو وارد کی نماز صحیح نہ ہوگی، پھر سے پڑھنی ہوگی؛ کیونکہ امام کی یہ دوسری نماز مستقل نماز نہیں ہے؛ بلکہ اول نماز کی تکمیل کے لئے ہے لہٰذا مستقل فرض پڑھنے والے کی اقتداء ایسے امام کے پیچھے صحیح نہیں ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۱۹۸، شامی ۱/ ۴۲۶، کفایۃ المفتی ۳/ ۹۳-۹۶، فتاویٰ دارالعلوم جدید ۳/ ۳۷۱) واللہ سبحانہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالنپوری۔

← السهو في الجمعة والعيدين والمكتوبة والتطوع واحد إلاّ أن مشايخنا قالوا: لايسجد للسهو في العيدين والجمعة لئلاّ يقع الناس في فتنة كذافي المضمرات ناقلا عن المحيط.

(هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، قديم زكريا ١/ ١٢٨، جديد زكريا ١/ ١٨٧)

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مكتبه زكريا ديوبند ٣/ ١٢٤، كراچي ٢/ ٢٢٣۔

(۲) جو نماز ترک واجب کی وجہ سے لوٹائی جاتی ہے، اس میں نو وارد یعنی بعد میں آنے والے کے شریک ہونے سے اس کا فرض ادا ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کے دو طرح کے جزئیات ہمارے سامنے ہیں (۱) وہ جزئیات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فرض ادا ہو جائے گا (۲) وہ جزئیات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فرض ادا نہ ہوگا، اب ہم دونوں قسم کے جزئیات ذیل میں درج کرتے ہیں

(۱) وہ جزئیات جن میں دوسری نماز کو فرض قرار دیا گیا ہے اور جن سے نو وارد کی نماز مطلقاً صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے، ایسے چار جزئیات نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو: ←

تشہدِ اخیر کے بعد سجدۂ تلاوت کے یاد آنے کا حکم

سوال (۴۶۶): قدیم ۱/۵۴۶- کسی شخص نے اول رکعت میں آیت سجدہ کی پڑھی اور سجدہ کرنا بھول گیا جب قعدۂ اخیرہ میں بیٹھا اس وقت یاد آیا تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟

← (۱) علامہ شامیؒ نے فقیہ ابوالیسر کا قول نقل فرمایا ہے. **ومقابله مانقلوه عن أبي اليسر أن الفرض هو الثاني.** (شامي، كتاب الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۴۸، كراچي ۱/۴۵۷)

(۲) علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں تین جگہ صلاۃ المعادۃ کا تذکرہ کیا اور طویل بحث کے بعد اس کی فرضیت کو ثابت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

فإذا أعاد ها الولي وقعت فرضا مكملا للفرض الأول نظير إعادة صلاة لمؤداة بكراهة فإن كلا منهما فرض. (شامي، كتاب الجنائز، مكتبه زكريا ديوبند ۳/۱۲۴، كراچي ۲/۲۲۳)

(۳) علامہ حسن بن عمار الشرنبلالی نے مراقی الفلاح میں صلاۃ المعادۃ کے مستقل فرض ہونے کو قیل کہہ کر ذکر فرمایا ہے:

قيل تكون الثانية فرضاً فهي مسقطة. (طحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، قديم ص: ۲۵۱، دارالكتاب ديوبند ۴۶۲)

(۴) علامہ ابراہیم بن محمد حلبی نے فرمایا کہ بعض مشائخ نے صلاۃ المعادۃ کو فرض فرمایا ہے۔

ومن المشايخ من قال يلزمه أن يعيد ويكون الفرض هو الثاني. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فرائض الصلاة، الفرض الثاني تعديل الاركان، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۲۹۴)

(۲) وہ جزئیات جن میں پہلی نماز کو فرض اور دوسری نماز کو پہلی نماز کے لئے جابر اور نفل قرار دیا گیا ہے جن سے نو وارد کا فرض ادا نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، ایسے آٹھ جزئیات نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

(۱) علامہ شامی نے فرمایا کہ علامہ ابن ہمام نے صلاۃ المعادۃ کے جابر ہونے کے قول کو اختیار کیا ہے۔

اختار ابن الهمام الأول لأن الفرض لايتكرر. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۴۸، كراچي ۱/۴۵۷)

(۲) علامہ علاء الدین الحصکفی نے صلاۃ المعادۃ کے جابر ہونے کے قول کو مختار قرار دیا ہے۔ ←

الجواب : اب سجدۂ تلاوت کر کے سجدۂ سہو کرے جس کے قبل و بعد تشہد ہوتا ہے پھر سلام فراغ پھیرے۔

← **كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها والمختار أنه جابر للأول.** (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱۴۸/۲، كراچي ۴۵۷/۱)

(۳) علامہ ابراہیم بن محمد حلبي نے حلبی کبیری میں صلاۃ المعادۃ کے جابر ہونے کو مختار قرار دیا ہے۔

ومن المشايخ من قال يلزمه أن يعيد ويكون الفرض هو الثاني والمختار أن الفرض هو الأول. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فرائض الصلاة، الفرض الثامن تعديل الأركان، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۲۹۴)

(۴) علامہ ابراہیم نے صغیری میں بھی صلاۃ المعادۃ کے جابر ہونے کے قول کو مختار قرار دیا ہے۔

والمختار أن الفرض هو الأول والثاني جبر للخلل الواقع فيه بترك الواجب (صغيري، مطبع مجتبائي دهلی ص: ۱۶۰)

(۵) علامہ ابن نجیم مصري نے **الأشباه و النظائر** کے اندر صلاۃ المعادۃ کے جابر ہونے کو نقل فرمایا ہے۔

أما الصلاة المعادة لإرتكاب مكروه أوترك واجب فلاشك أنهاجابرة لافرض لقولهم بسقوط الفرض بالأول. (الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية الأمور بمقا صدها قديم ص: ۷۲)

(۶) علامہ شرنبلالي نے مراقي الفلاح میں صلاۃ المعادۃ کے جابر ہونے کے قول کو اختیار فرمایا ہے۔

فتكون مكملة وسقط الفرض بالأولیٰ. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۴۶۲، قديم ص: ۲۵۱)

(۷) علامہ طحطاوی نے طحطاوی علی المراقی میں صلاۃ المعادۃ کے نفل اور جابر ہونے کو مختار قرار دیا ہے۔

والمختار أن المعادة لترك واجب نفل جابر والفرض سقط بالأولیٰ لأن الفرض لايتكرر. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، قديم ص: ۱۳۴، دارالكتاب ص: ۲۴۸)

(۸) **الموسوعة الفقهية الكويتية** میں **صلاة المعادة** کو نفل قرار دیا گیا ہے۔

والصلاة المعادة تكون نافلة، هذا قول الحنفية والحنابلة والشافعية بالجديد.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۷۴/۲۷) ←

فی الدر المختار: ولو نسی السهو أو سجدة صلبية أوتلاوية يلزمه ذلک وفی ردالمحتار فإذا تذكر يلزمه ذلک الذی تذكره إلى قوله ثم يتشهد ويسلم ثم يسجد للسهو. ج ۱ ص ۷۸۶.(۱)

وفی الدر المختار: لأن سجود السهو يرفع التشهد دون القعدة لقوتها بخلاف الصلبية فإنها ترفعهما وكذا التلاوية على المختار وفی ردالمحتار: لأنها أثر القراءة وهی ركن فاخذت حكمها بحر أي تأخذ حكمها بعد سجودها أما قبله فإنها واجبة حتى لو سلم ولم يسجدها فصلاته صحيحة بخلاف الصلبية فإنها ركن اصلى من كل وجه كما سياتی. ج ۱ ص ۷۷۳(۲)

۱۲؍شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۶۴)

← اب دونوں قسم کے جزئیات کے درمیان تطبیق کی شکل یہی ہے کہ جس نو وارد کو اس بات کا علم ہو کہ یہ لوٹائی جانے والی نماز ہے، اس کا فرض ادا نہ ہوگا اور جس کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ یہ لوٹائی جانے والی نماز ہے، اس کے شریک ہونے سے اس کا فرض ادا ہو جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

فتاویٰ قاسمیہ ۷/ ۵۵۱ تا ۵۶۴، رقم: ۲۸۷۳ تا ۲۸۸۰۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۵۸، كراچي ۲/ ۹۱۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۴۱، كراچي ۲/ ۷۸-۷۹۔

ولو سلّم وعليه تلاويةوسهوية غير ذاكر لهما أو ذاكراً للسهوخاصة لايعدُّ سلامه قاطعاً فإذا تذكّر يسجد للتلاوة أوّلا ثم يتشهد ويسلم لما قدّمنا من أن سجدة التلاوة ترفع القعدة ثم يسجد للسهو ويتشهد ويسلّم. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب سجودالسهو، مكتبه زكرياديوبند ۱/ ۵۳۲، كوئٹه ۱/ ۴۱۵) ←

کسی نے رکعتین اخریین میں سہواً ضم سورت کرلیا اور اس کو موجب سجدۂ سہو سمجھ کر سجدہ کیا تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں

سوال (۴۶۷): قدیم ۱/ ۵۴۷- اگر اخریین میں کسی نے ضم سورۃ سہواً کیا اور اس نے سجدۂ سہو اس کو موجب سہو سمجھ کر کرلیا تو نماز ہوجاوے گی یا نہیں آیا سجدہ بے ضرورت کو زیادت فی الرکن قرار دیکر اعادۂ صلوٰۃ لازم قرار دیں گے یا نہیں؟

الجواب: **فی الدرالمختار: واجبات الصلوٰۃ ولفظ السلام مرتين فالثانی واجب (۱) وفيه قبيل باب الاستخلاف ولو ظن الإمام السهو فسجد له فتابعه (أي المسبوق) فبان أن لا سهو فالأشبه الفساد لاقتدائه فی موضع الانفراد وفی ردالمحتار وفی الفيض وقيل لا تفسد وبه يفتی وفی البحر عن الظهيرية قال الفقيه أبو الليث فی زماننا لاتفسد لأن الجهل فی القراء غالب ا ه.** (۲)

← **ولو سلّم وعليه سجدة التلاوة وسجدتا السهو إن سلّم وهو غير ذاكر لهما أو ذاكر للسهو خاصة فإن سلامه لايكون قاطعاً للصلوة ويسجد للتلاوه أوّلاً ثم يتشهد ويسلّم ثم يسجد للسهو.** (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكرياديوبند ۲/ ۱۹۰، كوئٹه ۲/ ۱۰۷-۱۰۸)

خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في السهو في الصلاة، جنس آخر في الأفعال، مكتبه اشرفية ۱/ ۱۷۹ ۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۶۲، كراچي ۱/ ۴۶۸ ۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل باب الاستخلاف، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۵۰، كراچي ۱/ ۵۹۹ ۔ ←

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) نماز ہو جاوے گی۔ (۲) اگر دونوں طرف سلام پھیرا ہے تو اعادہ واجب نہیں اور اگر ایک طرف سلام پھیرا ہے تو چونکہ ایک واجب یعنی سلام ثانی ترک کردیا اعادہ واجب ہوگا۔ (۳) اگر یہ شخص امام ہے تو اس کے ساتھ اگر کوئی مسبوق ہو اور اس نے بھی سجدۂ سہو اور اس کے بعد قعدہ میں اس کا اقتداء کیا اس مسبوق کی نماز درمختار کے قول پر اور وہی مقتضاء قواعد کا ہے فاسد ہوگئی لیکن اگر اسکو اس فضول سہو کا پتہ ہی نہ لگا تو یہ معذور ہے اور میرے نزدیک صاحب فیض اور ابواللیث کے حکم عدم فساد کا محمل اسی کو قرار دیا جاوے تو بہتر ہے کہ جب مسبوق کو پتہ نہ لگے پس دونوں قولوں میں تطبیق ہو جاوے گی۔ فقط

۱۰؍محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۵)

سنن مؤکدہ میں قعدۂ اولیٰ ترک کرنے کا حکم

سوال (۴۶۸): قدیم ۱/ ۵۴۷- ایک شخص نے ظہر کے وقت چار رکعت سنت کی نیت باندھی اور قعدۂ اولیٰ فراموش کرکے تیسری رکعت کیلئے اٹھ کھڑا ہوا اور قراءت شروع کردی تو کیا اس کو یاد آجانے پر قعدۂ کی جانب پھر عود کرنا چاہئے اور نماز تمام کرکے سجدۂ سہو کرلینا چاہئے اور اگر یاد آنے نہ آنے پر قعدہ کی طرف نہ عود کرے اور نماز تمام کرے تو کیا حکم ہے؟

← **الحاوي: ظن الإمام أن عليه سجد تا السهو فسجد الإمام و تابعه المسبو ق ثم تبيّن أنّه لم يكن عليه، قيل: لاتفسد صلاة المسبوق، وقيل: تفسدو الأحوط أن يعيد صلاته: وفي الغياثية: صلاته جائزة عند المتأخرين وعليه الفتوىٰ.** (تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو ،مكتبه زكريا ديو بند ٢/ ٤٢٧، رقم: ٢٨٧٢)

وظن الإمام أن عليه سهواً فسجد وتابعه المسبوق ثم علم أن لاسهو عليه ففيه روايتان وبناءً عليهما اختلف المشايخ وأشبههما فساد صلاة المسبوق وقال أبو حفص الكبير لاوبه أخذ الصدر الشهيد. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، مكتبه اشرفية ديو بند ص: ٤٦٥) ←

الجواب: فی الدر المختار: والأصل أن کل شفع صلوة إلا بعارض الخ. وفی رد المحتار: ینبغی أن یستثنی أیضاً من الأصل المذکور المؤکدة بناء علی اختیار الحلبی وغیره. (۱/۴۷۴) (۱) وفی الدرالمختار سها عن القعود الأوّل من الفرض آلخ. وفی ردالمحتار: أماالنفل فیعودالخ جزم به فی المعراج والسراج وعلله ابن وهبان بأن کل شفع منه صلوٰة الی قوله قیل یعود وقیل لاوفی الخلاصة والأربع قبل الظهر کالتطوع الخ (ج ا ص۷۷۸) (۲)

← البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبه زکریا دیوبند ۲/۱۷٦، کوئته ۲/۱۰۰۔

هندیة، کتاب الصلاة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق، قدیم زکریا دیو بند ۱/۹۲، جدید زکریا ۱/۱۵۰۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مکتبه زکریادیوبند ۲/٤۷۸، کراچي ۲/۳۲۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبه زکریادیوبند ۲/٥٤۷-٥٤۸، کراچي ۲/۸۳۔

وإن سها عن القعود الأول وهو إلیه أقرب عاد وإلا لا ویسجد للسهو (کنز) وفي النهر: واعلم أن في الذخیرة وغیرها صور ذلک في الفرائض کالظهر ونحوه ومقتضاه أنه في النوافل یعود وبه صرّح ابن وهبان مستدلاً بأن کل شفع منه صلاة عَلیٰ حِدَة ولاسیّما علی قول محمد من أن الأولی من التطوع فرض فکانت کا لأخیرة وفیها یقعد وإن قام وفي شرح التمرتاشي لونهض إلی الثالثة في التطوع بالارتفاع فاستتم قائماً قیل: یعود، وقیل لا یعود، وذکر الشهید عن محمدؒ أنه یعود، والأوجه أنه لایعود وفي الخلاصة والأربع قبل الظهر حکمه حکم التطوع الخ. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبه زکریا دیو بند ۱/۳۲۷-۳۲۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

روایت ثانیہ سے اس کا مختلف فیہ ہونا اور روایت اولیٰ سے حلبی وغیرہ کے قول پر عدم عود کا راجح ہونا اور سجدۂ سہو سے نماز کا صحیح ہوجانا معلوم ہوتا ہے۔ و بھذا افتی انا۔

۸؍ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۷۲)

نماز کے بعد مانع بناء پایا جائے تو سجدۂ سہو ساقط ہوجائے گا

سوال (۴۶۹): قدیم ۱/ ۵۴۷- قاضی خاں نولکشوری ج ۱ ص ۵۹ پر ہے۔(۱) **کل ما یمنع البناء إذا وجد بعد السلام یسقط السهو اه**، کیا سجدۂ سہو ہر صورت میں ساقط ہوجائے گا خواہ مانع بناء سہواً پایا جائے یا عمداً اور خواہ وہ فعل موجب سجدۂ سہو کو موجب سجدہ جانتا ہو یا نہ یا کسی خاص صورت کے ساتھ مخصوص ہے نیز سقوط سجدہ کا کیا مطلب ہے آیا سقوط **من هذه الصلوٰة مع وجوب إعادة تلك الصلوٰة** یا مطلقاً **بلا وجوب إعادة صلوٰة** اگر یہ مطلب ہے کہ سجدہ ہر صورت میں ساقط ہے خواہ فعل منافی بناء تذکر سجدۂ سہو کے ساتھ کیا ہو یا بحالت سہو یا ایسی صورت میں کہ اس کو وجوب سجدۂ سہو کا ہی علم نہ ہوا ہو اور سقوط کا یہ مطلب ہے کہ اس نماز کا اعادہ بھی ضروری نہیں تو وجوب سجدۂ سہو کا ثمرہ صرف عقاب اخروی ہوسکتا ہے وہ بھی بحالت قصداً ترک کرنے کے؟

الجواب: **في الدر المختار: فلو طلعت الشمس في الفجر أو احمرت في القضاء أو وجد منه ما يقطع البناء بعد السلام سقط عنه فتح وفي ردالمحتار: بقي إذا سقط السجود فهل يلزمه الإعادة لكون ما أداه أوّلاً وقع ناقصاً بلا جابرٍ والذي ينبغي أنه إن سقط بصنعه كحدث عمداً مثلاً يلزم وإلافلا تأمل ج ۱ ص ۷۷۳، مصرية،**(۲)

---

(۱) خانية على الهندية، كتاب الصلاة، فصل فيما يوجب السهو و مالا يوجب السهو، قديم زكريا ديوبند ۱/ ۱۲۳، جديدزكريا ديوبند ۱/ ۷۷۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۴۲، كراچي ۲/ ۷۹۔ ←

اس سے معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو ہر صورت میں ساقط ہو جاوے گا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر وہ مانع بناء عمداً پایا گیا تب تو اعادہ لازم ہے ورنہ نہیں۔

۱۷؍رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۷۷)

سجدۂ سہو ترک ہو جانے سے نماز کے اعادہ کا حکم

سوال (۴۷۰): قدیم ۱/۵۴۹- ایک شخص پر نماز میں سجدۂ سہو لازم ہوا لیکن بوجہ مسائل کی ناواقفیت کے اس کو یہ نہ معلوم ہوا کہ اس پر سجدۂ سہو لازم ہے اس لئے اس نے سجدۂ سہو نہ کیا اور سلام کے بعد قصداً کوئی فعل منافی بناء کر لیا اس صورت میں اعادۂ صلوٰۃ لازم ہے یا نہیں۔ نیز ایک شخص کو نماز میں سہو ہوا

← **ثم اعلم أن الوجوب مقيد بما إذا كان الوقت صالحاً حتى أن من عليه السهو في صلاة الصبح إذا لم يسجد حتى طلعت الشمس بعد السلام الأول سقط عنه السجود وكذا إذا سها في قضاء الفائتة فلم يسجد حتى احمرت وكذا في الجمعة إذا خرج وقتها، وكل مايمنع البناء إذا وجد بعد السلام يسقط السهو.** (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۶۳، كوئٹه ۲/۹۲)

وهذ االاطلاق مقيد بما إذا كان الوقت صالحاً حتى لولم يسجد حتى طلعت الشمس بعد السلام الأول واحمرّت وقد كان يقضي فائتة أوخرج الوقت في الجمعة أووجد منه مايمنع البناء بعد السلام سقط عنه كذافي الفتح. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۲۱-۳۲۲)

إذا سها المصلى بزيادة أو نقصان سجد للسهو سجدتين هذا مقيد إذا كان الوقت صالحاً حتى أن من عليه السهو في صلاة الفجر إذا لم يسجد حتى طلعت الشمس بعد السلام الأول سقط السجود. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتاب العلمية بيروت ۱/۲۱۹)

الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه دارالكتاب ديوبند ۱/۹۰) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

اورسجدۂ سہو لازم ہوگیا مگر سلام کے وقت یاد نہ رہا کہ مجھ پر سجدۂ سہو لازم ہے اسلئے اس نے بخیال تمامی صلوٰۃ قصداً کوئی فعل منافی بناء کرلیا اس صورت میں بھی اعادہ لازم ہوگا یا نہیں؟

والذی ینبغی أنه إن سقط بصنعه کحدث عمداً مثلا یلزم وإلا فلا تأمل(۱)

سے ظاہر تو لزوم اعادہ ہے؟

الجواب: جی ہاں دونوں صورتوں میں اسی روایت سے لزوم اعادہ سمجھنا صحیح ہے۔(۲)

۲۹؍رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ ص ۸۵)

---

(۱) **بقي إذا سقط السجود فهل يلزمه الإعادة لكون ما أداه أوّلا وقع ناقصا بلا جابر؟ والذي ينبغي أنّه إن سقط بصنعه كحدث عمداً مثلاً يلزمه وإلاّ فلا، تأمل.** (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه زكرياديوبند ۲/۵٤۲، كراچي ۲/۷۹)

(۲) **لها واجبات لاتفسد بتركها وتعاد وجوباً في العمد والسهو إن لم يسجد له وإن لم يعدها يكون فاسقاً آثماً.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكرياديوبند ۲/۱٤٦، كراچي ۱/٤٥٦)

حكم الواجب استحقاق العقاب بتركه عامداً وعدم إكفار جاحده والثواب بفعله ولزوم سجود السهو لنقص الصلاة بتركه سهواً أو إعادتها بتركه عمداً أي مادام الوقت باقياً وكذا في السهو إن لم يسجد له وإن لم يعدها حتى خرج الوقت تسقط مع النقصان وكراهة التحريم ويكون فاسقاً آثما. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجبات الصلاة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص:۲٤۷-۲٤۸)

ولم يقم دليل على تعيينها للفرضيّة والمواظبة وحدها كذلك من غير تركٍ ظاهراً يفيد الوجوب فلا تفسد الصلاة بتركها عامداً أوساهياً بل يجب عليه سجود السهو في السهو جبراً للنقصان الحاصل بتركها سهواً والإعادة في العمد والسهو إذا لم يسجد لتكون مؤداة على وجه لا نقص فيه فإذا لم يعدها كانت مؤدّاةً أداءً مكروهاً كراهة تحريم وهذا هو الحكم في كل واجب تركه عامداً أوساهياً. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكرياديوبند ۱/۵۱۵، كوئٹه ۱/۲۹۵-۲۹۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ایک رکعت کے سجدۂ صلاتیہ کے نماز کی دوسری رکعت میں قضاء کا حکم

سوال (۴۷۱): قدیم ۱/ ۵۴۹- مصلی نے ایک رکعت میں ایک ہی سجدہ سہو کیا یاد آنے پر دوسری تیسری رکعت میں تین سجدے قصداً کئے اور آخر میں سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرلی تو اس کی نماز صحیح ہوگئی یا نہیں؟

الجواب: فی الدرالمختار واجبات الصلوۃ ورعایة الترتیب فیما یتکرر فی کل رکعة کالسجدة. الخ وفی رد المحتار: الکاف استقصائیة إذ لم یتکرر فی الرکعة سواها ثم قال والمراد بها السجدة الثانیة من کل رکعة ثم قال حتی لو ترک سجدة من رکعة ثم تذکرها فیما بعدها من قیام أو رکوع أو سجود فإنه یقضیها ولایقضی مافعله قبل قضاء ها مما هو بعد رکعتها من قیام أورکوع أوسجود بل یلزمه سجود السهو فقط، ج ۱ ص ۴۸۱،(۱)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ اس شخص کی نماز درست ہوگئی۔ ۱۰ر شوال ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ ص ۸۸)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، واجبات الصلاۃ، مکتبه زکریادیوبند ۲/ ۱۵٤، کراچي ۱/ ٤٦٢۔

عن الثوري في رجل قام فقرأ ثم رکع ثم سجد سجدة واحدة، ثم قام فقرأ فرکع ثم ذکر وهو ساجد أنه لم یسجد في الرکعة الأولیٰ إلاّ سجدة واحدة قال لا یعتد بهذه الرکعة التی ذکر وهو ساجد، ولکن لیرفع رأسه فلیسجد التی فاتته، ولیسجد سجدتی الرکعة التی هو فیها ثم یسجد سجدتي السهو إذا فرغ من صلاته الحدیث. (المصنف لعبد الرزاق، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یسهو في الرکوع والسجود، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۲۰۸، رقم: ۳۵۳۵)

ومنها مراعاة الترتیب فیماشرع مکرراً من الأفعال في الصلاۃ وهو السجدة لمواظبة النبی صلی الله علیه وسلم علی مراعاةالترتیب فیه، قیام الدلیل علی فرضیته علی ماذکرنا حتی لوترک السجدة الثانیة من الرکعة الأولیٰ ثم تذکرها في آخرصلاته سجد المتروکة وسجد للسهو بترک الترتیب لأنه ترک الواجب الأصلي ساهیاً فوجب سجودالسهو. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، فصل في الواجبات الأصلیة في الصلاۃ قدیم، ۱/ ۱٦۳، جدیدزکریا دیوبند ۱/ ٤۰۰) ←

قعدۂ اولیٰ بھول کر تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے والے امام کی متابعت واجب ہے

سوال (۴۷۲): قدیم ۱/۵۵۰- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چار رکعت والی نماز میں امام نے بھولے سے قعدۂ اولیٰ نہ کیا اور کھڑا ہوگیا تو مقتدیان قعدۂ اولیٰ میں تشہد پڑھ کر قیام کے واسطے کھڑے ہوں یا بغیر تشہد پڑھنے کے امام کی تابعداری کیلئے قیام کریں؟

الجواب: في الدر المختار: خمس يتبع فيها الإمام قنوت وقعود أوّل وفي ردالمحتار: قوله: وقعود أول الظاهر أنه ينتظر إمامه إلى أن يصير إلى القيام أقرب لاحتمال عوده قبله ثم يتابعه لأن الإمام إذا عاد حينئذٍ تفسد صلاته على أحد القولين ويأثم على القول الأخر وليس للمقتدى أن يقعد ثم يتابعه لأنه يكون فاعلا مايحرم على الإمام فعله ومخالفاله في عمل فعلى بخلاف ما إذا قام الإمام قبل فراغ المقتدى من التشهد فإنه يتمه ثم يتابعه لأن في تمامه متابعة لإمامه فيما فعله الإمام فافهم. ج ۱ ص ۷۰۲و۷۰۳، (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس حالت میں مقتدی تشہد ترک کرکے امام کی متابعت کرے۔

۲۳؍ رمضان ۱۳۳۹ھ (تتمہ ج ۵ ص ۱۹۶۱)

← وكذا الترتيب بين ما يتكرر في كل ركعة كالسجود وبين ما بعده واجب حتى لو ترك سجدة من ركعة ثم تذكرها فيما بعدها من قيام أوركوع أوسجود فإنه يقضيها ولايقضي مافعله قبل قضاءها مما هو بعد ركعتها من قيام أوركوع أوسجود بل يلزمه سجود السهو فحسب. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، قبيل فصل في صفة الصلاة، قديم ص: ۲۹۱، جديد مكتبه اشرفية ديوبند ص:۲۹۷)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجبات الصلاة، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۲۹٤ ـ

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳۹٤، رقم: ۲۷۷۱ ـ

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٤٤۹، كراچي ۲/ ۱۱ ـ ←

دو بار سورۂ فاتحہ پڑھنے پر نماز لوٹانے کا حکم

سوال (۴۷۳): قدیم ۱/۵۵۰- زید نے انفراداً مغرب کی نماز میں اول رکعت میں الحمد شریف پڑھی کل الحمد پڑھنے کے بعد اس کو خیال آیا کہ جہر سے پڑھنی چاہئے تھی دوبارہ اس نے الحمد شریف جہر سے پڑھی اور بغیر سجدۂ سہو کئے ہوئے سلام پھیر دیا۔ آیا اس صورت میں نماز ادا ہوگئی یا نہیں؟

الجواب: واجب الاعادہ ہے کیونکہ اس نے واجب کا ترک کیا ہے اور وہ واجب جہر نہیں (*) کیونکہ منفرد پر جہر واجب نہیں بلکہ وہ واجب دو امر ہیں ایک عدم تاخیر سورہ عن الفاتحہ بمقدار ادائے رکن دوسرا عدم تکرار فاتحہ۔

لأن فی التکرار زیادۃ واجب وھو موجب لسجود السھو فی مراقی الفلاح لترک واجب بتقدیم أوتأخیر أو زیادۃ أونقص فی الطحطاوی: وأن لایؤخرالسورۃ عنھا بمقدار اداء رکن وفیه ولوکرر الفاتحة أو بعضھا فی إحدی الأولیین قبل السورۃ سجد للسھو ص۲۲۷. (۱) (تتمہ خامسہ ص ۳۶۶)

(*) یعنی وہ واجب جسے ترک کیا گیا ہے جہر نہیں ہے الخ: ۱۲ سعید احمد پالنپوری

← **ولوقام الإمام إلی الثالثة قبل التشھد ولم یعلم المقتدي بحاله حتی شرع فـي التشھد ثم علم أتم التشھد، وإن علم تابعه ولم یتشھد، وکذا یتابعه في ترک سجدۃ التلاوۃ وترک سجدۃ السھو، وترک القنوت، وترک تکبیرات العید.** (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاۃ، الفصل السابع عشر في سجود السھو، مکتبه زکریا دیوبند ۲/۴۰۰، رقم: ۲۷۹۰)

(۱) حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، مکتبه دارالکتاب دیوبند ص: ۴۶۰۔

ولوکرّر الفاتحة مرّتین یجب علیه سجود السھو لتأخیر السورۃ، کذا في الذخیرۃ وغیرھا. (البحرالرائق، کتاب الصلاۃ، باب سجود السھو، مکتبه زکریادیوبند ۲/۱۶۶، کوئٹہ ۲/۹٤) ←

نماز میں بکثرت سہو واقع ہونے کا حکم

سوال (۴۷۴): قدیم ۱/۵۵۱- میرے گھر میں نماز میں بھول جانے کی شکایت کرتی ہیں یعنی سجدہ کتنے کیئے وغیرہ یاد نہیں رہتے تو کیا کیا جاوے؟

الجواب: (*) جو بات زیادہ آوے اس پر عمل کیا جاوے اور سجدۂ سہو نہ کرے البتہ اگر سوچنے میں کچھ دیر لگ گئی ہو اور اس دیر میں قراءت یا رکن میں مشغول نہ رہی تو سجدۂ سہو کرے۔

(*) اصل کتاب میں اسی طرح ہے بظاہر یہاں کچھ لفظ رہ گیا ہے، مثلاً (خیال میں) ۱۲ محمد شفیع۔

← **و (يجب) تقديم الفاتحة على كل السورة وكذا ترك تكريرها قبل سورة الأوليين (درمختار) وفي الشامية: فلو قرأها في ركعة من الأوليين مرّتين وجب سجود السهو لتأخير الواجب وهو السورة كما في الذخيرة وغيرها.**

(الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۵۲، كراچي ۱/۴٦٠)

ولو كرر الفاتحة في ركعة من الأوليين متوالياً أوقرأ القرآن في ركوعه أو في سجوده أو في موضع التشهد يجب عليه سجود السهو للزوم تأخير الواجب وهو السورة وفي الصورة الأولىٰ الخ. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ٤٦٠)

هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، قديم زكرياديوبند ١/١٢٦، جديد زكريا ديوبند ١/١٨٦۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشرفي سجود السهو مكتبه زكريا ديوبند ٢/٣٩١، رقم: ٢٧٦٠۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فی الدر المختار: بعد مانقل عن الفتح وجوب سجود السهو فی جمیع صور الشک سواء عمل بالتحری أو بنی علی الأقل مانصه لکن فی السراج أنه یسجد للسهو فی أخذ الأقل مطلقا وفی غلبة الظن إن تفکر قدر رکن وفی ردالمحتار قبیل القول المذکور ثم الأصل فی التفکر أنه إن منعه عن أداء رکن کقراءة اٰیة أوثلث أورکوع أوسجود أوعن أداء واجب کالقعود یلزمه السهو إلی قوله وإن لم یمنعه عن شيئ من ذلک بأن کان یؤدی الأرکان ویتفکر لا یلزمه السهو عن الشرح الصغیر للمنیة اھ۔ (۱)

۸/ رجب ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۷۰)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاۃ، باب سجود السهو، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۵۶۱-۵۶۲، کراچي ۲/ ۹۴۔

وإن طال تفکره ولم یسلم حتی استیقن إن کان زمن التفکر زائداً عن التشهد قدرأداء رکن وجب علیه سجود السهو إذا شغله التفکر عن أداء واجب بقدر رکن أو شغله عن الوضوء بعد سبق الحدث لشکه أنه صلی ثلاثاً أو أربعاً یجب السهو وإلاّ فلا کذا في الشرح ولم یبینوا قدر الرکن وعلی قیاس ماتقدم أن یعتبر الرکن مع سنته وهو مقدر بثلاث تسبیحات، ثم إن محل وجوب سجود السهو إذا لم یشتغل حالة الشک بقراءة ولا تسبیح أما إذا اشتغل بهما فلا سهو علیه،وظاهر إطلاقهم عدم الوجوب عند الإشتغال بماذکر...... وإلاّأي وإن لم یکن تفکره قدر أداء رکن لایسجد لکونه عفواً. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، قبیل فصل في الشك،مکتبه دارالکتاب دیوبند ص: ۴۷۴)

ثم الأصل في حکم التفکر أنّه إن منعه عن أداء رکن کقراءة آیة أوثلاث أورکوعٍ أو سجودٍ أوعن أداء واجب کالقعود یلزمه السهو لاستلزام ذلک ترک الواجب وهو الإتیان بالرکن أو الواجب في محلّه وإن لم یمنعه عن شئ من ذلک بأن کان یؤدي الأرکان ویتفکر لایلزمه السهو وقال بعض المشایخ وهو الإمام الصفار إن منعه التفکر عن القراءة أوعن التسبیح یجب علیه سجود السهو وإن کان لایمنعه بأن کان یقرأ ویتفکر أویسبح ←

← **ویتفکر لایجب علیه سجود السهو** . (حلبي کبیری، کتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، مکتبه اشرفیة دیوبند ص:٤٦٥)

هندیة، کتاب الصلاة، قبیل الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، قدیم زکریا دیوبند ١/١٣١، جدید زکریا یوبند ١/١٩١ ـ

إعلاء السنن، کتاب الصلاة، باب حکم الشك في عدد رکعات الصلاة، دارالکتب العلمیة بیروت ٧/١٨٣)

وإن کثر شکه تحري وأخذ بأکبر رأیه کذافي التبیین. (هندیة، کتاب الصلاة، قبیل الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، قدیم زکریا دیوبند ١/١٣٠، جدید زکریا دیوبند١/١٩٠)

شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ

۱۳/باب صلوٰۃ المریض

مریض کے لئے اشارہ سے نماز کا حکم

سوال (۴۷۵): قدیم ۱/۵۵۲- ایک آنکھ میں پانی اتر رہا ہے بنوانے کی حضور نے اجازت دی لیکن سنا ہے کہ تین دن ہسپتال میں چت لٹایا جاتا ہے اور کسی طرح کی حرکت کا حکم نہیں ہوتا ہے۔ فقط دودھ ملتا ہے تو نماز کے بارے میں حضور کا کیا حکم ہے؟

الجواب: في الدرالمختار وإن تعذر الإيماء برأسه وكثرت الفوائت بأن زادت على يوم وليلة سقط القضاء عنه وإن كان يفهم من ظاهر الرواية وفى ردالمحتار وقيل لايسقط القضاء بل تؤخّر عنه إذا كان يعقل وصحّحه فى الهداية الخ وفى الدرالمختار ولم يؤم بعينه وقلبه وحاجبه خلا فالزفر وفيه أمره الطبيب بالاستلقاء لبزغ الماء من عينه صلى بالإيماء لأن حرمة الأعضاء كحرمة النفس. (۱)

وفى نفع المفتى والسائل ولوكانت امرأة لو اشتغلت بالصلوٰة يبكى ولدها بالجوع ويضر عليه ضررا غالبا وإن أرضعته يفوت الوقت جازلها أن ترضعه وتؤخرالصلوٰة سى اى سيف سائلى شم أي شرف الأئمة المكى كذا فى القنية باب من يبتلى بأمرين يختار أهونهما. (۲)

ان روایات سے مستفاد ہوا کہ اگر اشارۂ سر سے نماز پڑھنا مضر نہ ہو تو اشارہ سے پڑھنا واجب ہے اور اگر اشارہ بھی مضر ہو تو نماز کو قضا کر دینا بھی جائز ہے۔

۱۰/محرم ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثالثہ ص ۷)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۷۰ تا ۵۷٤، كراچي ۲/۹۹ تا ۱۰۳۔

(۲) نفع المفتي والسائل ص :۵۷۔

وإذا عجز المريض عن الإيماء بالرأس في ظاهر الرواية: يسقط عنه فرض الصلاة ولايعتبر الإيماء بالعينين والحاجبين، ثم إذا خف مرضه هل يلزمه القضاء؟ اختلفوا فيه، ←

← **قال بعضهم: إن زاد عجزه على يوم وليلة لا يلزمه القضاء، وإن كان دون ذلك يلزمه كما في الإغماء وهو الأصح والفتوى عليه.** (هندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر في صلاة المريض قديم زكريا ١/١٣٧، جديد زكريا ١/١٩٧)

وإن تعذر الإيماء برأسه أخرت الصلاة فلا سقط عنه؛ بل يقضيها إذا قدر عليها، ولو كانت أكثر من صلاة يوم وليلة إذا كان مضيقًا وهو الصحيح كما في الهداية: وفي الخانية: الأصح أنه لا يقضي أكثر من يوم وليلة كالمغمىٰ عليه، وهو ظاهر الرواية وهذا اختيار فخر الإسلام، وشيخ الإسلام وفي الخلاصة: وهو المختار لأن مجرد العقل لا يكفى لتوجه الخطاب، وفي التنوير: وعليه الفتوىٰ ولايومئ بعينيه ولابحاجبيه ولابقلبه لما روينا وفيه خلاف زفر. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، دار الكتب العلمية بيروت ١/٢٢٩)

خانية على الهندية، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض قديم زكريا ١/١٧٢، جديد زكريا ١/١٠٨ ـ

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبة زكريا ديوبند ١/٣٣٥-٣٣٦ ـ

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والثلاثون، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٦٧١-٦٧٢، رقم: ٣٥٤٤-٣٥٤٦ ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴ / باب سجدة التّلاوة

غیر مصلی سے نمازی کے آیت سجدہ سننے کا حکم

سوال (۴۷۶): قدیم ۱/۵۵۳- خارج نماز کے کوئی شخص قرآن شریف پڑھتا ہوا ور نمازی سجدہ سنے تو اس پر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: ہوگا، خارج صلوٰۃ (*) کے بعد فراغ صلوٰۃ۔

فی العالمگیریة: ولوسمع المصلی من أجنبي یسجد بعد الفراغ ولوسجد فی الصلوٰۃ لایجزیه ولاتفسد صلاته کذا فی التهذیب هوالصحیح کذا فی الخلاصة. ج ا ص ۸۵. (۱)

۲۵ ؍ رمضان ۱۳۲۲ھ (تتمہ خامسہ ص ۳۱۰)

حدیث موقوف سے رکوع میں سجدۂ تلاوت ادا کرنے کا ثبوت

سوال (۴۷۷): قدیم ۱/۵۵۳- سجدۂ تلاوت رکوع سے ادا ہو جاتا ہے یا نہیں اگر ادا ہو جاتا ہے تو کسی حدیث سے ثبوت ہے یا نہیں دونوں مسئلوں کے متعلق حدیث شریف یا کم از کم اس کتاب کا نام جس میں یہ حدیث مذکور ہے مع حوالۂ باب تحریر فرما کر مشکور فرمائیں؟

(*) یعنی سجدۂ تلاوت واجب ہوگا؛ لیکن خارج صلوۃ واجب ہوگا؛ لہٰذا نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ کرے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) الفتاوی الهندية، کتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجد التلاوة، قدیم زکریا ۱/۱۳۳، جدید زکریا ۱/۱۹۳۔

ولو سمع المصلي السجدة من غيره لم يسجد فيها لأنها غير صلاتية؛ بل يسجد بعدها لسماعها من غير محجور ولو سجد فيها لم تجزه لأنها ناقصة للنهي، فلايتأدى بها الكامل وأعاده أي السجود لمامر دونها أي الصلاة هو ظاهر الرواية ←

الجواب: فی فتح الباری المصری ص: ۴۵۷ ج۲. واستدل بعض الحنفية من مشروعية السجود عند قوله وخرّ راكعا واناب بأن الركوع عندها ينوب عن السجود فإن شاء المصلی ركع بهاوإن شاء سجد ثم طرده فی جميع سجدات التلاوة وبه قال ابن مسعودؓ اھ ولم أرحديثا مرفوعافيه مع التتبع وقول الصحابی حجة عندالإمام الأعظم ويقدم على القياس. (۱)

۲۲ رصفر ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص۲۱)

← وهو الصحيح لأن زيادة مادون الركعة لايفسد. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ۲/۵۸۸-۵۸۹، كراچي ۲/۱۱۳)

ولو سمعها المصلي من غيره سجد بعد الصلاة وسجد تلك السجدة فيها أي في الصلاة أعادها لأنها ليست من أفعال الصلاة حتى تستتبع فعله في الصلاة لما أنها غير صلاتية، فتكون زيادة منهيًا عنها وبذلك تكون ناقصة فلا يتأدى بها ما وجب كاملاً ولا يعيد الصلاة لأن زيادة ما دون الركعة لايفسد. (النهر الفائق، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳٤۰)

ولو سمعها المصلي مِمّن ليس معه في الصلاة لا يسجد في الصلاة ويسجد بعدها فإن سجد فيها لا تجوز ولاتبطل الصلاة. (ملتقي الأبحر على مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۳۳)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، دارالكتاب ديوبند ص: ٤٨٤۔

الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ۱/۹۸)

(۱) فتح الباري، كتاب سجود القرآن، باب سجدة الصلاة، دارالريان للتراث ۲/٦٤۳، مكتبة اشرفية ۲/۷۰۳، رقم: ۱۰٦۹۔

عن ابن مسعودؓ قال: من قرأ الأعراف، والنجم، واقرأ باسم ربك الذي خلق فإن شاء ركع بها وقد أجزأ عنه وإن شاء سجد، ثم قام فقرأ السورة وركع وسجد. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۹/۱٤۷، رقم: ۸۷۳٤-۸۷۳٥) ←

سجود میں سجدہ تلاوت کا حکم

سوال (۴۷۸): قدیم ۱/۵۵۴- اگر کوئی شخص آیت سجدہ پڑھتے ہی فی الفور رکوع کرے اور اس کے بعد بہ ترتیب تمام ارکان نماز ادا کرے تو اس رکوع میں سجدۂ تلاوت بھی ادا ہو جائے گا یا نہیں اور اگر فی الفور سجدہ نہ کرے بلکہ آیت سجدہ کے ساتھ اور بھی چند آیتیں ملا لیوے اور اس کے بعد رکوع کر کے بہ ترتیب تمام ارکان ادا کرے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: في الدرالمختار وتؤدى بركوع صلاة إذا كان الركوع على الفور من قراء ة اٰية او اٰيتين وكذا الثلاث على الظاهر كما في البحر: إن نواه أي كون الركوع لسجود التلاوة على الراجح وتؤدي بسجودها كذلك أي على الفور وإن لم ينو بالإجماع ولونواها في ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزه الخ وفي ردالمحتار قوله: على الفور الخ. فلوانقطع الفور لابدلها من سجود خاص مادام فى حرمة الصلوٰة قوله على الظاهر الخ قال بعد أسطرلكن فى البحر عن المجتبى

← عن عبد الرحمن بن يزيدؒ قال: سألنا عبد اللهؓ عن السورة تكون في آخرها سجدة أيركع أويسجد؟ قال: إذا لم يكن بينك وبين السجدة إلا الركوع فهو قريب.

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في السجدة تكون آخر السورة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۳/ ۴۲۰، رقم:۴۴۰۴)

إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة وما يتعلق به، دار الكتب العلمية بيروت ۷/۲۱۷، رقم:۱۹۵۷-۱۹۵۸)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

أن الركوع ينوب عنها بشرط النية وأن لا يفصل بثلاث إلا إذا كانت الثلاث من اٰخر السورة ٥١ ومثل له قبله كسورة الانشقاق وسورة بني اسرائيل. (١)

ان روایات سے چند امور مستفاد ہوئے:

(۱) فی الفور رکوع صلاۃ کرنے سے سجدۂ تلاوت اس وقت ادا ہوگا جب اس رکوع میں اس سجدہ کے ادا ہونے کی نیت بھی کرے اگر نیت نہ کی تو ادا نہ ہوگا اس کے لئے خاص سجدہ کرنا ہوگا۔ (*)

(*) یعنی پھر نماز ہی میں ادا کرنا ہوگا؛ کیونکہ جو سجدہ نماز میں واجب ہوتا ہے، وہ خارج نماز ادا نہیں ہوتا اور ترک واجب سے گناہ ہوتا ہے جس کا کفارہ صرف استغفار ہے۔ ۱۲ منہ

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ٥٨٦/٢-٥٨٧، كراچي ١١١/٢-١١٢-

عن ابن مسعودؓ قال: من قرأ الأعراف، والنجم، واقرأ باسم ربك الذي خلق، فإن شاء ركع بها وقد أجزأ عنه وإن شاء سجد، ثم قام فقرأ السورة وركع وسجد.

(المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٤٧/٩، رقم: ٨٧٣٤)

عن عبد الرحمن بن يزيدؓ قال: سألنا عبد اللهؓ عن السورة تكون في آخرها سجدة أيركع أويسجد؟ قال: إذا لم يكن بينك وبين السجدة إلا الركوع فهو قريب.

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في السجدة تكون آخر السورة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤٢٠/٣، رقم: ٤٤٠٤)

واعلم أن سجدة التلاوة تؤدي بركوع الصلاة إذا نواها وبسجود الصلاة مطلقًا، وقيل: يشترط نيتها أيضًا ويشترط في ذلك كله أن لا ينقطع الفور بل يكون الركوع والسجود عقيب تلاوتها أو بعد آية أو آيتين، فإن قرأ بعدها أربع آيات انقطع الفور بلاخلاف، وإن قرأ ثلاث آيات قيل ينقطع وإليه مال شيخ الإسلام خواهر زاده. وقيل: لا وإليه مال، شمس الأئمة الحلواني: وهو أصح رواية، فإن محمدًا ذكر في كتاب الصلاة قلت أرأيت الرجل يقرأ السجدة وهو في الصلاة والسجدة في آخرا لسورة إلا آيات بقيت من السورة بعد آية السجدة، قال: هو بالخيار إن شاء ركع بها وإن شاء سجد بها ←

(۲) اگر امام نے نیت کرلی اور مقتدی نے نہ کی امام کا ادا ہوگا اور مقتدی کا ادا نہ ہوگا۔

(۳) اگر فی الفور رکوع نہ کیا اور پھر رکوع مع نیت سجدہ کے کیا تو اگر وہ سجدہ ختم سورۃ کے قریب ہے جیسے سورۂ انشقاق میں یا سورۂ بنی اسرائیل میں ہے تو بھی حکم فور ہی میں ہے اور اگر وسط سورۃ میں ہے تو فور نہ رہے گا اور اس رکوع میں ادا نہ ہوگا۔

(۴) اگر رکوع میں نیت نہیں کی تو سجدۂ صلوٰۃ میں خود ادا ہو جاوے گا خواہ اس میں نیت کرے یا نیت نہ کرے مگر فور شرط ہے۔

(۵) فور کے معنی یہ ہیں کہ آیت سجدہ کے بعد ایک دو آیت سے زیادہ نہ پڑھے اس سے سب سوالات کا جواب ہوگیا۔

۲۱؍ جمادی الثانیہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۴۷)

سوال (۴۷۹): قدیم ۱/ ۵۵۵- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام صاحب نے فرضوں کی جماعت میں سجدہ کی آیت پڑھی پھر ترنت رکوع کو چلا گیا پھر رکوع میں جا کر سجدۂ تلاوت کی بھی نیت کرلی، اس طرح پر سجدۂ تلاوت ادا ہوسکتا ہے یا نہیں۔ پھر نماز میں کس قدر خلل ہوا؟

بہشتی زیور حصہ دوم ص ۷۷ میں اسطرح درج ہے۔ سجدہ کی آیت پڑھ کر اگر ترنت رکوع کو چلی جاوے اور رکوع میں یہ نیت کرے کہ میں سجدۂ تلاوت کی جگہ بھی یہی رکوع کرتی ہوں تب بھی وہ سجدہ ادا ہوجاویگا۔ کیا یہ حکم عورتوں کیلئے ہے یا امام کا بھی فرضوں میں اسطرح ادا ہوسکتا ہے؟

← **قلت: فإن أراد أن يركع بها ختم السورة، ثم ركع بها قال: نعم الخ.** (حلبيي كبيري، كتاب الصلاة، القراءة خارج الصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند ص:٥٠٥)

هذا الذي ذكرنا في قيام الركوع مقام السجود فيما إذا لم تطل القراءة بين آية السجدة وبين الركوع فأما إذا طال فقد فاتت السجدة وصارت دينًا فلا يقوم الركوع مقامها وأكثر مشايخنا لم يقدروا في ذلك تقديرًا، فكان الظاهر أنهم فوضوا ذلك إلي رأي المجتهد كما فعلوا في كثير من المواضع. وبعض مشايخنا قالوا: إن قرأ آية أو آيتين لم تطل القراءة وإن قرأ ثلاث آيات طالت وصارت السجدة بمحل القضاء.

(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان كيفية أداء السجدة، مكتبة زكريا ديوبند ١/ ٤٤٨) ←

الجواب: اس طرح پر سجدہ تلاوت ادا ہو جاوے گا لیکن چونکہ رکوع میں ادا ہونے کیلئے نیت بھی شرط ہے اور امام کی نیت کا ذکر سائل نے کیا ہے تو امام کا سجدہ تو ادا ہو جاوے گا لیکن مقتدیوں میں سے جو نیت کرے گا اس کا سجدہ تو ادا ہوگا اور جو نیت نہ کریگا اس کا سجدہ ادا نہ ہوگا اور اگر رکوع میں نیت نہ کرے تو سجدۂ نماز میں سب کا سجدۂ تلاوت بلا نیت بھی ادا ہو جاوے گا بشرطیکہ آیت سجدہ پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا گیا ہو اس لئے بہتر یہی ہے کہ رکوع میں نیت نہ کرے۔ (۱)

۱۶/ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۸۳)

← حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ٤٨٦-٤٨٧۔

هندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في سجود التلاوة، قديم زكريا ١/١٣٣، جديد زكريا ١/١٩٣-١٩٤۔

(١) **وتؤدى بركوع الصلاة إن كان الركوع على الفور من قراءة اٰية اواٰيتين وكذا الثلاث على الظاهر كما فى البحر: إن نواه أي كون الركوع لسجود التلاوة على الراجح وتؤدي بسجودها كذلك أي على الفور وان لم ينو بالاجماع ولونواها فى ركوعه ولم ينوها المؤتم لم تجزه.** (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٥٨٦-٥٨٧، كراچي ٢/١١١-١١٢)

ولو قرأ آية السجدة في الصلاة فأراد أن يركع بها يحتاج إلى النية عند الركوع، فإن لم يوجد منه النية عند الركوع لا يجزيه عن السجدة، ولو نوىٰ في ركوعه اختلف المشايخ فيه، قال بعضهم: يجزيه، وقال بعضهم: لا يجزيه هكذا في المضمرات والأظهر أنه لايجوز كذا في شرح أبي المكارم: وفي البدائع، ولو نوىٰ بعد رفع الرأس من الركوع لا يجزيه بالإجماع كذا في البحرالرائق، ولو نواها في الركوع عقيب التلاوة ولم ينوها المقتدي، لاينوب عنه ويسجد إذا سلم إمامه ويعيد القعدة ولو تركها تفسد صلاته كذا في القنية. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، قديم زكريا ١/١٣٣، جديد زكريا ١/١٩٣-١٩٤)

وفي القنية: لو نواها في الركوع عقب التلاوة ولم ينوها المقتدي لا ينوب عنه ←

عندالاحناف سورۂ حج کے دوسرے سجدہ کی تحقیق

سوال (۴۸۰): قدیم ۱/ ۵۵۵- سورۂ حج میں دوسجدے ہیں سجدہ اولیٰ کوحنفیہ کرتے ہیں اور سجدۂ ثانیہ کونہیں کرتے چنانچہ کمترین بھی سجدۂ اولیٰ کا سجدہ کرتا ہے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ دونوں سجدے کرنا چاہئیں لہٰذا اس کی بابت جیسا ارشاد ہو دونوں سجدے کروں یا صرف سجدۂ اولیٰ کروں؟

الجواب: حنفیہ کے نزدیک سجدۂ اولیٰ واجب ہے اور دوسرا سجدہ ثابت نہیں (۱) لیکن حنفیہ نے یہ کلیہ لکھا ہے کہ مسائل اختلافیہ میں اختلاف کی مراعاۃ افضل ہے بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے سو اس قاعدہ کی بناء پر نماز کے خارج تو دوسرے سجدہ کا کرلینا بھی بہتر ہوگا البتہ نماز کے اندر چونکہ سجدۂ زائدہ بغیر سبب خلاف موضوع صلوٰۃ ہے اس لئے نماز کے اندر نہ کیا جاوے البتہ ایک خاص طریق سے کرلیا جاوے تو اس مکروہ کے ارتکاب سے بھی محفوظ رہے گا اور وہ طریق یہ کہ سجدۂ ثانیہ کی آیت پڑھ کر فورا رکوع میں چلا جاوے تو سجدۂ صلوٰۃ میں یہ سجدہ بھی ادا ہو جاوے گا۔

۱۰/ رجب ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ ص ۱۸)

← ...... **نعم لو ركع وسجد لها على الفور نابت عن السجدة دون نية. ففي الخلاصة: أجمعوا أن سجدة التلاوة تتأدى بسجدة الصلاة، وإن لم ينوها للتلاوة، واختلفوا في الركوع قال خواهر زاده: لابد من النية وهو المأخوذ به ويشترط معها كونه على الفور الخ.** (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۳۹)

خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في وجوب سجدة التلاوة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۱۸۶-۱۸۷۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص:۴۸۶-۴۸۷۔

(۱) **عن ابن عباسؓ قال: في سجود الحج الأول عزيمة والآخر تعليم.** (شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب المفصل هل فيه سجود أم لا؟ دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۴۷۰، رقم:۲۰۹۵، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۲۴۸-۲۴۹) ←

سجدۂ تلاوت کرنے کا مستحب طریقہ

سوال (۴۸۱): قدیم ۱/۵۵۶- زید سجدۂ تلاوت اس طرح ادا کرتا ہے اول قیام کر کے اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں جاتا ہے اور سبحان ربی الاعلیٰ تین بار کہہ کر اللہ اکبر کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوتا ہے (*) اور پھر اللہ اکبر کہتا ہوا دوسرے سجدہ کیلئے جاتا ہے اسی طرح زید اپنے ذمہ دس بارہ سجدے ساتھ ہی ادا کرتا ہے اب زید بکر کو کہتا ہے کہ اسطرح سجدے کرنا کسرت ہے یعنی اٹھک بیٹھک کرنا ہے تو بکر از روئے شرع ملزم ہے یا نہیں؟

(*) کذا في الأصل، والصحیح: "بکر زید کو الخ" والدلیل قوله تو بکر از روئے شرع ملزم ہے یا نہیں؟ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← المصنف لابن أبي شیبة، کتاب الصلاة، باب من قال هي واحدة وهي الأولیٰ، مؤسسة علوم القرآن ۳/۴۰۴، رقم: ۴۳۲۸۔

وتجب علی من تلا آیة من أربع عشرة التي في آخر الأعراف، والرعد، والنحل، وبني اسرائیل، ومریم، وأولي الحج احتراز عن الثانیة، وهي قوله تعالیٰ: وارکعوا واسجدوا فإنه لاسجدة عندنا خلافًا للشافعيؒ، ففي کل موضع من القرآن قرن الرکوع بالسجود یراد به السجدة الصلاتیة، والفرقان، والنمل، و الم السجدة، وص، وحم السجدة، والنجم، وانشقت، واقرأ. (شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مکتبة بلال دیوبند ۱/۱۹۰-۱۹۱)

وأما بیان مواضع السجدة في القرآن فنقول: إنها في أربعة عشر موضعًا من القرآن أربع في النصف الأول، في آخر الأعراف، وفي الرعد، وفي النحل، وفي بني اسرائیل وعشر في النصف الأخر، في مریم، وفي الحج في الأولیٰ، وفي الفرقان، وفي النمل، وفي الٓمٓ تنزیل السجدة، وفي صٓ، وفي حٰمٓ السجدة، وفي النجم، وفي إذا السماء انشقت وفي اقرأ. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، باب بیان مواضع السجود، مکتبة زکریا دیوبند ۱/۴۵۱، هدایة، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مکتبة اشرفیة دیوبند ۱/۱۶۳)

حلبي کبیري، کتاب الصلاة، القراءة خارج الصلاة، مکتبة اشرفیة دیوبند ص:۴۹۸۔

حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مکتبة دار الکتاب دیوبند ص:۴۸۱۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

الجواب: قیام سے سجدہ میں جانا اور پھر قیام کرنا واجب نہیں فقہاء نے مستحب لکھا ہے(۱) اسلئے نہ اس کے وجوب کا اعتقاد کرے اور نہ استہزاء کرے۔(*) فقط

۲۵ر جمادی الاخری، ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۳۵)

اشعار میں آیت سجدہ کے ایک دو لفظ پڑھنے سے سجدہ کا واجب ہونا

سوال (۴۸۲): قدیم ۱/ ۵۵۷- کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت مسئلہ ہذا میں اگر سجدہ والی آیت کے ایک یا دو لفظ کسی شعر یا مثنوی شریف کے بیت میں تقریر کے موقع پر پڑھے جائیں کیا سجدہ ضروری اور واجب ہوتا ہے جیسا کہ بیت ہذا میں وارد ہے ؎

گفت واسجد واقترب یزداں ما
قرب جاں شد سجدۂ ابدان ما

(*) یہ سوال مذکور غلطی پر مبنی ہے، ورنہ زید جو درحقیقت مذکورہ طریقہ کے مطابق سجدۂ تلاوت کرتا ہے وہ استہزاء کرنے والا نہیں ہے؛ بلکہ بکر استہزاء کرتا ہے اور حکم وہی ہے کہ استہزاء جائز نہیں ہے۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) اختلف الفقهاء فيما يستحب لمن أراد السجود للتلاوة في غير الصلاة، هل يقوم فيستوي قائمًا، ثم يكبر ويهوي للسجود أم لا، ذهب الحنابلة وبعض متأخري الحنيفة وهو وجه عند الشافعية إلى أنه يستحب لمن أراد السجود أن يقوم فيستوي، ثم يكبر ويخر ساجدًا لأن الخرور سقوط من قيام، والقرآن الكريم ورد به في قول الله تعالىٰ: إذا يتلىٰ عليهم يخرون للأذقان سجدًا. ولما ورد عن عائشة رضـ أنها كانت تقرأ في الصحف، فإذا مرّت بالسجدة قامت فسجدت، وتشبيهًا لسجدة التلاوة بصلاة النفل. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٤/ ٢٢٤)

وكيفيته أي السجود أن يسجد بشرائط الصلاة بين تكبيرتين أولٰهما عند الوضع والأخرىٰ عند الرفع، وعن الإمام أنه يقتصر على الأولىٰ، وعنه على الثانية والأوّل هو الظاهر ...... ويندب أن يقوم ويخر ساجدًا ولو كان عليه سجدات كثيرة روي ذلك عن عائشة رضـ، وما في المعراج: من أنه لا يقوم فشاذ. قال في المضمرات: ويستحب إذا فرغ منها أن يقوم ولايقعد. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ١/ ٣٤٢- ٣٤٣) ←

الجواب: في ردالمحتار أول باب سجدة التلاوة عن السراج الوهاج والصحيح أنه إذا قرأ حرف السجدة وقبله كلمة أوبعده كلمة وجب السجود وإلا فلا وقيل لايجب إلا أن يقرأ أكثر اٰية السجدةمع حرف السجدة الخ.(۱)

← ومما يستحب لأدائها أن يقوم فيسجد لأن الخرور سقوط من القيام، والقرآن ورد به، وهو مروي عن عائشةؓ: وإن لم يفعل لم يضرّه، وما وقع في السراج الوهاج من أنه إذا كان قاعدًا لايقوم لها فخلاف المذهب. وفي المضمرات: يستحب أن يقوم ويسجد ويقوم بعد رفع الرأس من السجدة ......وأفاد في القنية: أنه يقوم لها وإن كانت كثيرةً وأراد أن يسجدها مترادفة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۲۳، كوئٹه ۲/۱۲۶)

يستحب أن يقوم للسجدة ويخر منه إلى السجود وإن كانت كثيرة متواليةً. (بزازية على الهندية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في التلاوة، قديم زكريا ۴/۶۷، جديد زكريا ۱/۴۶)

الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۸۰، كراچي ۲/۱۰۷)

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۷۵، كراچي ۲/۱۰۳۔

وهل تجب السجدة بشرط قراءة جميع الآية أم بعضها؟ الصحيح أنه إذا قرأ حرف السجدة وقبله كلمة أو بعده كلمة وجب السجود وإلا فلا، وقيل لايجب إلا أن يقرأ أكثر آية السجدة كلها إلا الحرف الذي في آخرها لايجب عليه سجود. (الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ۱/۹۷)

قراءة حرف السجدة مع كلمة قبله أو بعده من آيتها توجب السجود كالآية المقروءة بتمامها في الصحيح. وقيل: لا يجب إلا أن يقرأ أكثر آية السجدة، وفي مختصر البحر لو قرأ واسجد ومكث ولم يقرأ واقترب يلزمه السجدة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص:۴۸۰-۴۸۱) ←

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں بناء برقول اصح سجدۂ تلاوت پڑھنے والے اور سننے والے پر واجب ہے۔

۱۹ رشعبان ۱۳۵۰ھ (النور بابۃ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۱)

سجدۂ تلاوت کے لئے قیام کا حکم

سوال (۴۸۳): قدیم ۱/ ۵۵۷- بہشتی زیور حصہ دوم سجدۂ تلاوت کے بیان میں یہ مسئلہ ہے۔ کھڑے ہوکر اول اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جاوے پھر اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہوجاوے تو عمرو اس مسئلہ کی حدیث طلب کرتا ہے سو یہ مسئلہ کس حدیث سے ثابت ہے؟

الجواب: کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری مگر احکام شرعیہ جس طرح حدیث سے ثابت ہوتے ہیں اسی طرح قیاس سے بھی جس میں نص نہ ہو اور اس میں گو نص نہیں مگر قیاساً علی المنصوص اس کو ثابت کہہ سکتے ہیں یعنی اس ہیئت سے اس کو مشابہ سجود صلوٰۃ کے قرار دیکر أقرب إلي التعظیم سمجھا گیا ہے۔ پھر خود (*)

(*) یعنی یہ ہیئت مذکورہ جس میں یہ اجزاء ہیں قیام، تکبیر، سجدہ کو جاتے ہوئے تکبیر سے اٹھتے ہوئے قیام ثانی ۔۱۲ منہ

← **قال الشیخ الإمام الفقیه أبو جعفرؒ: إذا قرأ حرف السجدة ومعها غیرها قبلها أوبعدها ما فیه أمر بالسجدة سجد، وإن کانت دون ذلک لا یسجد، وفي فوائدالشیخ الإمام الزاهد السفکردريؒ: أن من تلا من أول السجدة أکثر من نصف الآیة، وترک الحرف الذي فیه السجدة لم یسجد، وإن قرأ الحرف الذي فیه السجدة إن قرأ ما قبله أوبعده أکثر من نصف الآیة، تجب السجدة وإلا فلا.** (المحیط البرهاني، کتاب الصلاة، الفصل الحادي والعشرون في سجدة التلاوة، المجلس العلمي بیروت ۲/ ۳۶۷، رقم: ۱۹۸۵)

الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الحادي والعشرون في سجدة التلاوة، مکتبة زکریا دیوبند ۲/ ۴۶۸، رقم: ۳۰۲۵۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس ہیئت کے بعض اجزاء میں اختلاف بھی ہے؛ چنانچہ عدم تکبیر مطلقاً اور تکبیر لمحض الوضع اور لمحض الرفع ونفی قیام ثانی یہ سب (*) اقوال بھی منقول ہیں مگر تکبیر میں ظاہر الروایۃ اور قیام ماخوذ ومعمول ہے۔(۱) فقط

۲۵ / جمادی الاخری ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۳۶)

(*) یعنی بعض فقہاء کے اقوال ۔۱۲ منہ

---

(۱) **عن أم سلمة الأزدية قالت: رأيت عائشةؓ تقرأ في الصحف، فإذا مرت بسجدة، قامت فسجدت.** (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، جماع أبواب سجود التلاوة، دارالكتب العملية بيروت ۳/ ۲۷۰، رقم: ۳۸۸٤)

وكيفية السجود أن يسجد بشرائط الصلاة بين تكبيرتين أو لاهما عند الوضع والأخرىٰ عند الرفع، وعن الإمام أنه يقتصر على الأولىٰ، وعنه على الثانية والأول هو الظاهر ...... ويندب أن يقوم ويخر ساجدًا ولو كان عليه سجدات كثيرة روي ذلك عن عائشةؓ، وما في المعراج: من أنه لا يقوم فشاذ. قال في المضمرات: ويستحب إذا فرغ منها أن يقوم ولا يقعد. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳٤۲- ۳٤۳)

ومما يستحب لأدائها أن يقوم فيسجد لأن الخرور سقوط من القيام، والقرآن ورد به، وهو مروي عن عائشةؓ: وإن لم يفعل لم يضرّه، وما وقع في السراج الوهاج من أنه إذا كان قاعدًا لايقوم لها فخلاف المذهب. وفي المضمرات: يستحب أن يقوم ويسجد ويقوم بعد رفع الرأس من السجدة ......وأفاد في القنية: أنه يقوم لها وإن كانت كثيرةً وأراد أن يسجدها مترادفة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۲۳، كوئٹه ۲/ ۱۲٦)

اختلف الفقهاء فيما يستحب لمن أراد السجود للتلاوة في غير الصلاة، هل يقوم فيستوي قائمًا، ثم يكبر ويهوي للسجود أم لا، ذهب الحنابلة وبعض متأخري الحنفية وهو وجه عند الشافعية إلى أنه يستحب لمن أراد السجود أن يقوم فيستوي، ثم يكبر ويخر ساجدًا لأن الخرور سقوط من قيام، والقرآن الكريم ورد به في قول الله تعالى: إذا يتلىٰ عليهم ←

سجدۂ تلاوت کی تاخیر کا حکم

سوال (۴۸۴): قدیم ۱/ ۵۵۸- اگر کوئی شخص تلاوت کے وقت آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ نہ کرے اور رہو بھی با وضو کہ بعد ختم تلاوت کر لیں گے تو اس مدت میں نہ کرنے میں گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نہیں۔ لأن وجوبها على التراخی لکن بشرط عدم الفوت. (۱)

(تتمہ اولیٰ ص ۳۳)

← **يخرون للأذقان سجدًا. ولما روي عن عائشةؓ أنها كانت تقرأ في الصحف، فإذا مرّت بالسجدة قامت فسجدت، وتشبيهًا لسجدة التلاوة بصلاة النفل.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۲۴/۲٤، الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۵۸۰، كراچي ۲/۱۰۷)

(۱) **أخرج عبد الرزاق عن المغيرة بن حكيم قال: كنت مع ابن عمر رضي الله عنهما فقرأ قاص بسجدة بعد الصبح، فصاح عليه ابن عمرؓ فسجد القاص ولم يسجد ابن عمرؓ، فلما طلعت الشمس قضاها ابن عمرؓ، يقول: سجدها، وقال الثوريؒ: تقضي السجدة إذا سمعتها ولم تسجد.** (المصنف لعبد الرزاق، باب هل تقضي السجدة؟ دارالكتب العلمية بيروت ۲۱۱/۳، رقم:۵۹۵۳)

تجب سجود التلاوة وجوبًا متراخيًا على المختار، وقيل: على الفور والخلاف في غير الصلاتية الآتية، وينبغي أن يكون محله في الإثم وعدمه حتى لو أداها بعد مدة كان مؤديًا اتفاقًا لا قاضيًا. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۳۳۸/۱)

وهو أي سجود التلاوة واجب على التراخي عند محمدؒ ورواية عن الإمام وهو المختار وعند أبي يوسفؒ وهو رواية عن الإمام يجب على الفور، إن لم تكن وجبت بتلاوته في الصلاة لأنها صارت جزءاً من الصلاة لا يقضىٰ خارجها فتجب فورية فيها، وغيرها تجب موسعًا. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص:۴۷۹-۴۸۰) ←

قرآن ختم کرنے کے بعد تمام سجدات تلاوت ایک ساتھ ادا کرنا

سوال (۴۸۵): قدیم ۱/ ۵۵۸- ایک شخص کا معمول ہے کہ جب تمام کلام مجید ختم کر لیتا ہے تب تمام سجدے یکدم کر لیتا ہے یہ کس طرح ہے؟

الجواب: جائز ہے(*)۔(۱) (تتمہ اولیٰ ص ۳۳)

(*)اور بہتر یہ ہے کہ جس وقت آیت سجدہ تلاوت کی ہے، اسی وقت سجدہ کرلے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند جدید ۴/ ۴۲۷)۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **وهي (سجود التلاوة) على التراخي على المختار ويكره تأخيرها تنزيهًا لأنه بطول الزمان قد ينساها.** (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۵۸۳، كراچي ۲/ ۱۰۹)

ولا تجب على الفور حتى لو سجد لها بعد سنة أو أكثر تقع أداءً لا قضاءً لعدم التقييد بالوقت. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، القراءة خارج الصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۰۱)

سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۳۱۔

(۱) سجدۂ تلاوت کا وجوب چونکہ قول مختار کے مطابق علی التراخی ہے نہ کہ علی الفور، زندگی میں جب بھی سجدہ کرے گا ادا ہی ہوگا نہ کہ قضاء؛ اس لئے سجدہ میں ذکر کردہ طریقے کے مطابق سجدہ کرنا بلا شبہ جائز و درست ہے؛ البتہ بلا ضرورت سجدہ مؤخر کرنے کو فقہاء نے مکروہ تنزیہی لکھا ہے؛ اس لئے کہ زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ اس کے بھول جانے کا خطرہ ہے، جو کہ باعث گناہ ہے؛ اس لئے بہتر یہی ہے کہ جس وقت آیت سجدہ تلاوت کیا جائے اسی وقت فوراً سجدہ بھی کرلیا جائے۔

أخرج عبد الرزاق عن المغيرة بن حكيم قال: كنت مع ابن عمر رضي الله عنهما فقرأ قاص بسجدة بعد الصبح، فصاح عليه ابن عمرؓ فسجد القاص، ولم يسجد ابن عمرؓ، فلما طلعت الشمس قضاها ابن عمرؓ، يقول: سجدها، وقال الثوريؒ: تقضي السجدة إذا سمعتها ولم تسجد. (المصنف لعبد الرزاق، باب هل تقضي السجدة؟ دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۱۱، رقم: ۵۹۵۳) ←

سجدات تلاوت کی تعداد

سوال (۴۸۶): قدیم ۱/۵۵۸- حنفیہ کے نزدیک قرآن مجید میں کس قدر سجدے ہیں؟

الجواب: چودہ ہیں۔(۱) (حوالۂ بالا)

←**تجب سجود التلاوة وجوبًا متراخيًا على المختار، وقيل: على الفور والخلاف في غير الصلاتية الآتية، وينبغي أن يكون محله في الإثم وعدمه حتى لو أداها بعد مدة كان مؤديًا اتفاقًا لا قاضيًا.** (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۳۸)

وهي (سجود التلاوة) على التراخي على المختار ويكره تأخيرها تنزيهًا لأنه بطول الزمان قد ينساها. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۸۳، كراچي ۲/۱۰۹)

ولاتجب على الفور حتى لو سجد لها بعد سنة أو أكثر تقع أداءً لا قضاءً لعدم التقييد بالوقت. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، القراءة خارج الصلاة، مكتبة اشرفية ديوبند ص:۵۰۱)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص:۴۷۹-۴۸۰

سكب الأنهر مع مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۳۱۔

(۱) **سجود التلاوة في القرآن أربعة عشرة في آخر الأعراف، وفي الرعد، والنحل، وبني اسرائيل، ومريم، والأولىٰ من الحج، والفرقان، والنمل، والٓمٓ تنزيل، وص، وحٰمٓ السجدة، النجم، إذا السماء انشقت وفي اقرأ. كذا كتب في مصحف عثمان وهو المعتمد، والسجدة الثانية في الحج للصلاة عندنا ومواضع السجدة في حٰمٓ السجدة، عند قوله لايسئمون في قول عمرؓ، وهو المأخوذ للاحتياط.** (هداية، كتاب الصلاة، باب في سجدة التلاوة، مكتبة اشرفية ۱/۱۶۳)

أما بيان مواضع السجدة في القرآن فنقول: إنها في أربعة عشر موضعًا من القرآن أربع في النصف الأول، وفي آخر الأعراف، وفي الرعد، وفي النحل، وفي بني إسرائيل،←

متعدد سجدات تلاوت کےادا کرنے کا حکم

سوال (۴۸۷): قدیم ۱/ ۵۵۸- سجدۂ تلاوت کے اگر کئی سجدے کرنے ہوں تو ایک ہی مرتبہ بیٹھ کران سب کو ادا کر لینے چاہئیں یا بار بار کھڑے ہوہو کر علیحدہ علیحدہ ادا کرے اور کانوں تک بھی ہاتھ لیجاوے یا نہیں؟

الجواب: اگر ایک ہی مرتبہ بیٹھ کران سب کو ادا کرے تو یوں بھی جائز ہے مگر ہاں بہتر یہی ہے(*) کہ بار بار کھڑے ہوہو کر علیحدہ علیحدہ ادا کرے اور ہاتھ کانوں تک لیجانا کچھ ضروری نہیں (۱)۔ (امداد ج ۱ ص ۳۴)

(*) میرے نزدیک بہتر ہونے کی کوئی وجہ نہیں؛ کیونکہ مطلوب سجدہ ہے اور قیام کسی درجہ میں مطلوب نہیں، پس اس کو کوئی دخل نہ ہوگا۔ (تصحیح الاغلاط ص: ۷)

← **وعشر في النصف الأخر، في مريم، وفي الحج في الأولىٰ، وفي الفرقان، وفي النمل، وفي الٓمٓ تنزيل السجدة، في صٓ، وفي حٰمٓ السجدة، وفي النجم، وفي إذا السماء انشقت وفي اقرأ.** (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان مواضع السجدة في القرآن، مكتبة زكريا ديوبند ١/ ٤٥١)

وتجب على من تلا آية من أربع عشرة التي في آخر الأعراف، والرعد، والنحل، وبني إسرائيل، ومريم، وأولي الحج احتراز عن الثانية، وهي قوله تعالىٰ: واركعوا واسجدوا فإنه لا سجدة عندنا خلافًا للشافعيؒ، ففي كل موضع من القرآن قرن الركوع بالسجود يراد به السجدة الصلاتية، والفرقان، والنمل، وآلٓمٓ السجدة ، وصٓ، وحٰمٓ السجدة، والنجم، وانشقت وفي اقرأ. (شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة بلال ديوبند ١/ ١٩٠-١٩١)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ٤٨١۔

الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/ ٥٧٥، كراچي ٢/ ١٠٣-١٠٤۔

(١) وكيفيته أن يسجد بشرائط الصلاة بين تكبيرتين بلارفع يدٍ وتشهد وتسليم (كنز) وفي البحر: ومما يستحب لأدائها أن يقوم فيسجد لأن الخرور سقوط من القيام،←

سجدۂ تلاوت

سوال (۴۸۸): قدیم ۱/ ۵۵۸- سجدۂ تلاوت اگر امام پڑھے اور دوسرا نمازی نماز پڑھ رہا ہو تو اس پر سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: فی العالمگیریة ولوسمعها من الإمام أجنبی لیس معهم فی الصلوٰة ولم یدخل معهم فی الصلوٰة لزمه السجود کذا فی الجوهرة النیرة وهو الصحیح کذا في الهدایة: سمع من إمام فدخل معه قبل أن یسجد سجد معه وإن دخل فی صلوٰة الإمام بعدما سجدها الإمام لایسجدها وهذا إذا أدرکه فی اٰخر تلک الرکعة أما لوأدرکه

← والقرآن ورد به، وهو مروي عن عائشةؓ: وإن لم یفعل لم یضرّه، وما وقع في السراج الوهاج من أنه إذا کان قاعدًا لایقوم لها فخلاف المذهب. وفي المضمرات: یستحب أن یقوم ویسجد ویقوم بعد رفع الرأس من السجدة ......وأفاد في القنیة: أنه یقوم لها وإن کانت کثیرةً وأراد أن یسجدها مترادفة. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مکتبة زکریا دیوبند ۲/ ۲۲۳، کوئٹه ۲/ ۱۲۶)

وکیفیته أن یسجد بشرائط الصلاة بین تکبیرتین بلا رفع یدٍ (کنز) وفي النهر: ویندب أن یقوم ویخر ساجدًا ولو کان علیه سجدات کثیرة روي ذلک عن عائشةؓ، وما في المعراج: من أنه لا یقوم فشاذ. قال في المضمرات: ویستحب إذا فرغ منها أن یقوم ولایقعد. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مکتبة زکریا دیوبند ۱/ ۳۴۲- ۳۴۳)

یستحب أن یقوم للسجدة ویخر منه إلی السجود وإن کانت کثیرة متوالیةً. (بزازیة علی الهندیة، کتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في التلاوة، قدیم زکریا ۴/ ۶۷، جدید زکریا ۱/ ۴۶)

قیل من قرأ آیة السجدة کلها في مجلس وسجد لکل منها کفاه الله ما أهمه وظاهره أنه یقرؤها ولاءً، ثم یسجد، ویحتمل أن یسجد لکل بعد قراء تها وهو غیر مکروه کما مر (درمختار) وفي الشامیة: قوله ولاءً بالکسر والمد وفي بعض النسخ أولا، والمعنی واحد وهو أنه أولا یسردها متوالیة، ثم یسجد للکل أربع عشرة سجدة. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مکتبة زکریا دیوبند ۲/ ۵۹۶- ۵۹۷، کراچي ۲/ ۱۱۹، حلبیي کبیري، کتاب الصلاة، القراء ة خارج الصلاة، مکتبة اشرفیة دیوبند ص: ۵۰۱) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فی الرکعۃ الاخریٰ یسجدها بعدالفراغ کذا فی الکافی وهکذا فی النهایۃ ج ا ص ۸۵. (ا)

اس سے معلوم ہوا کہ اس شخص پر سجدہ لازم تو ہوگیا لیکن صرف ایک صورت میں تبعاً ادا ہوگیا وہ صورت یہ کہ سجدہ سننے کے بعد (*) اور اس کے سجدہ کرنے کے بعد یہ سننے والا اس پڑھنے والے کا اسی رکعت میں مقتدی ہوگیا۔ اور باقی سب صورتوں میں اس کو مستقل سجدہ کرنا ہوگا۔ (**)

(*) یعنی امام کے سجدہ کرنے ۔۱۲سعید احمد پالن پوری

(**) یعنی خارج نماز سجدہ کرنا ہوگا، کما تقدم فی السوال ۴۷۴ ۔۱۲سعید احمد پالن پوری

---

(۱) هندية، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، قديم زكريا ۱/۱۳۳، جديد زكريا ۱/۱۹۳۔

ومن سمعها من مصل واقتدىٰ به قبل أن يسجد المصلي لها سجد المصلي معه، وإن اقتدىٰ بعد ما سجد لها، فإن كان اقتداءه في الركعة التي تلاها فيها سقطت عنه، إن أدرك معه الركوع لأنها أثر القراءة التي قد تحملها الإمام عنه في تلك الركعة ولولم يدرك معه تلك الركعة، أو لم يقتد لا تسقط فلا بد من سجوده لها لعدم المسقط. (حلبيي كبيري، كتاب الصلاة، القراءة خارج الصلاة، مكتبة زكريا ديوبند ص:۵۰۱)

ولو سمع مكلف آية السجدة من إمام فائتم به أي بذلك الإمام قبل أن يسجد الإمام لها سجد المؤتم معه تحقيقًا للمتابعة وإن ائتم به بعده أي بعد السجود لا أي لا يسجد في الصلاة، ولا بعد الفراغ أما إذا اقتدىٰ به في الأولى فباتفاق الروايات، وأما في الثانية فظاهر إطلاق الأصل أنها كذلك لأنها بالاقتداء صارت صلاتية فلا تقضىٰ خارجها واختار البزدوي تخصيصه بالأولىٰ وحمل الإطلاق عليه وهو ظاهر ما في الهداية: وإن لم يقتد به أي الإمام يسجدها لتقرير السبب في حقه مع عدم المانع. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۴۰-۳۴۱)

فإن سمعها رجل خارج الصلاة، ثم دخل مع الإمام في تلك الركعة بعد سجود الإمام لها لم يجب عليه سجود وإن أدركه في الركعة الثانية أو الثالثة لم يجب عليه أيضًا عند أبي يوسفؒ خلافًا لمحمدؒ ...... ولو سمعها من الإمام أجنبي ليس معهم في الصلاة، ولم يدخل معهم في الصلاة لزمه السجود لأنه قد صح له السماع وهو ممن يصح منه السجود كذا في شرحه. (الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، ←

میت کے ذمہ سجدۂ تلاوت

سوال (۴۸۹): قدیم ۱/ ۵۵۹- اگر کسی کے ذمہ سجدۂ تلاوت ہوں اور وہ مرجائے تو ان کا کفارہ کیا دیا جاوے؟

الجواب: کچھ نہیں اس کے لئے استغفار کیا جاوے۔(۱)

← مكتبة دار الكتاب ديوبند ١/٩٧-٩٨، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٢١٥، كوئٹه ٢/١٢٢، الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٥٨٥، كراچي ٢/١١٠)

(١) **الصيرفية: ولو وجب عليه سجدة التلاوة، فلم يسجدها حتى مات يعطىٰ لكل سجدة منوين من الحنطة كما في الصلاة، والصحيح أنه لا يجب.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والعشرون في سجدة التلاوة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٤٨٣، رقم: ٣٠٧٥)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵/ باب صلوٰۃ المسافر

سفر کی وجہ سے وطن اقامت کے بطلان کا حکم

سوال (۴۹۰): قدیم ۱/۵۵۹- کانپور احقر کا وطن اقامۃ تھا وہاں سے قنوج گیا وہاں سے یہاں (گورکھپور) آیا حال میں تو اس وجہ سے کچھ تردد پیش نہیں آیا کہ بوجہ نیت اقامۃ ہو جانے کے وہاں بھی اتمام کرتا رہا لیکن اگر کوئی صورت ایسی ہی فرض کی جائے اور اگر تسلیم کیا جاوے کہ ایک شخص کانپور وطن اقامۃ چھوڑ کر اس نیت سے قنوج گیا کہ دو چار دن کے بعد گورکھپور آوے گا۔ اور یہ بھی تسلیم کیا جاوے کہ کانپور سے قنوج مدت سفر نہیں تو اب لوٹتے وقت قنوج و کانپور کے مابین قصر ہے یا نہیں؟

احقر کے خیال میں یوں آتا ہے کہ قصر نہ ہونا چاہئے کیونکہ وطن اقامۃ یا سفر سے باطل ہوتا ہے یا دوسرے وطن اقامۃ سے یا وطن اصلی سے لہٰذا قنوج تک جانے سے کانپور کا وطن اقامۃ ہونا باقی رہا لہٰذا قنوج سے گو مدت سفر کا ارادہ ہے مگر بیچ میں وطن بھی ہے لہٰذا جب تک اس سے تجاوز نہ ہو تب تک سفر کا حکم نہ ہوگا جیسے کوئی شخص پانچ منزل کا قصد کر کے پہلے اور دو منزل پر اس کا وطن اصلی ملتا ہو تو بلا تجاوز وطن اصلی اس پر مسافر ہونے کا حکم نہ ہوگا جو جناب والا کی رائے ہو اس سے مطلع فرمادیں؟

الجواب :(*) اس مسئلہ میں تصریح تو نہیں ملی مگر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ قنوج تک کا سفر، سفر گورکھپور کا جزنہ ہوگا کیونکہ قنوج گورکھپور کے طریق میں واقع نہیں ہے اس لئے قنوج تک قصر نہ ہوگا۔ ہاں جب قنوج سے گورکھپور جانے کیلئے چلا ہے اس وقت دیکھنا چاہئے کہ کانپور میں داخل ہونے کا قصد ہے یا باہر جانے کا ارادہ ہے پہلی صورت میں کانپور تک قصر نہ ہوگا اور دوسری صورت میں قصر کرنا ہوگا گو اثنائے سفر میں اس کو کانپور میں داخل ہونے کی ضرورت پیش آئے اور وہ اس میں داخل ہو جاوے چنانچہ شامی میں ہے۔

(*) یہ جواب تصحیح الاغلاط ص: ۶ / سے نقل کیا گیا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

إنشاء السفريبطل وطن الإقامة إذا كان منه أما لو أنشاه من غيره فإن لم يكن فيه مرور على وطن الإقامة أوكان ولكن بعدسير ثلثة أيام فكذلك ولوقبله لم يبطل الوطن بل يبطل السفرلأن قيام الوطن مانع من صحته.(۱)

اورقاضی خان میں ہے:

المسافر إذا جاوز عمران مصره فلما ساربعض الطريق تذكرشيئا فی وطنه فعزم الرجوع إلى الوطن لأجل ذلک إلى قوله وإن لم يكن وطنا أصليا له فإنه يقصر الصلوٰة مالم ينو الإقامة بهاخمسة عشر يوما اھ.(۲)

---

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافرين، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، مكتبه زكريا ۲/ ۶۱۵، كراچي ۲/ ۱۳۲۔

رواية الحسن تبين أن السفر الناقض لوطن الإقامة ما ليس فيه مرور على وطن الإقامة أوما يكون المرور فيه به بعد سير مدة السفر. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۱-۴۲، كوئٹه ۲/ ۱۶)

لأن وطن الإقامة يبطل حكمه بمثله وبالسفر عنه أي بإنشاء السفر منه كما يبطل بالوطن الأصلي ولايبطل وطن الإقامة بإنشاء السفر من غيره مادام المسافر يمر عليه ومادامت المسافة بينه وبين المكان الذي أنشأ السفر منه دون مسافة القصر. (الفقه الإسلامي، وأدلته كتاب الصلاة، الفصل العاشر، البحث الثالث، هدىٰ انٹرنيشنل ديوبند ۲/ ۳۰۶)

منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۴۰، كوئٹه ۲/ ۱۳۶۔

(۲) فتاوى قاضيخان على الهندية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، قديم زكريا ۱/ ۱۶۵، جديد زكريا ۱/ ۱۰۴۔

والمذكور في الخانية والظهيرية: وغيرهما إذا رجع لحاجة نسيها، ثم تذكرها، فإن كان له وطن أصلي يصير مقيمًا بمجرد العزم على الرجوع، وإن لم يكن له وطن أصلي يقصر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۳۱، كوئٹه ۲/ ۱۳۱)

اور جو جزئیہ آپ نے پیش کیا ہے اس کا پیش کرنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس میں وطن اصلی کا بیان ہے اور یہاں وطن اقامت کا ذکر ہے اور وطن اصلی انشاء سفر سے باطل نہیں ہوتا برخلاف وطن اقامت کے۔ (۱) واللہ اعلم،

(امداد ص ۳۰ ج ۱) (تصحیح الاغلاط ص ۶ ج ۱)

سوال (۴۹۱): قدیم ۱/ ۵۶۱- ایک شخص کا وطن اقامت کانپور ہے وہاں سے وہ سہارنپور کی نیت سے روانہ ہوا لیکن چونکہ کسی ضرورت سے اُناؤ جانا ضروری تھا لہٰذا اول اُناؤ گیا وہاں سے کانپور ہوتا ہوا سہارنپور گیا تو اس صورت میں یہ شخص اُناؤ میں اور جاتے آتے اُناؤ، اور کانپور کے درمیان قصر کرے یا اتمام۔ میرا خیال یہ ہے کہ اتمام کرے اور جس وقت بھی واپسی از اُناؤ کانپور سے بسوئے سہارنپور روانہ ہوا اس وقت قصر کرے کیونکہ وطن اقامۃ یا تو وطن اصلی سے ساقط ہوتا ہے یا دوسرے وطن اقامۃ سے یا سفر سے اور اُناؤ نہ تو وطن اصلی ہے نہ وطن اقامۃ اور وہاں سے کانپور واپسی کا قصد ہے لہٰذا کانپور وطن اقامۃ باقی رہا۔ اس اُناؤ کی آمد و رفت کا سفر شرعی سفر نہیں ہے۔ واپسی کے وقت راہ میں اور کانپور آکر قصر نہ کرنا چاہئے؟

---

(۱) **الوطن الأصلي يبطل بمثله لا غير، ويبطل وطن الإقامة بمثله وبالوطن الأصلي وبإنشاء السفر.** (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۶۱۴، كراچي ۲/ ۱۳۲)

ويبطل الوطن الأصلي بمثله لا السفر ووطن الإقامة بمثله والسفر والأصلي. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۴۹)

ومن حكم الوطن الأصلي أن ينتقض بالوطن الأصلي لأنه مثله والشيئ ينتقض بما هو مثله ...... ومن حكم وطن السفر أنه ينتقض بالوطن الأصلي لأنه فوقه وينتقض بوطن السفر لأنه مثله، وينتقض بإنشاء السفر لأنه ضده ولاينتقض بوطن السكنىٰ لأنه دونه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۱۰- ۵۱۱، رقم: ۳۱۵۴- ۳۱۵۰)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۴۳۔

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، صلاة المسافر، المجلس العلمي ۲/ ۴۰۲، رقم: ۲۰۶۴- ۲۰۶۶۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب (*): چونکہ نیت اقامۃ میں یہ شرط ہے کہ وہ موضع صالح اقامۃ کا ہو اور مفازہ کو غیر صالح کہا گیا ہے (۱) لہٰذا یہ دیکھنا چاہئے کہ اُناؤ سے واپسی کے وقت کانپور کے اندر داخل ہو کر جاوے گا خواہ ریل سے اتر کر یا ریل ہی شہر کے درمیان میں نکلے گی یا کہ کانپور سے باہر باہر جاوے گا اگر اندر ہو کر جاوے گا تب تو کانپور سے اُناؤ چلتے وقت سفر کا ارادہ ہی نہیں ہوا اور اس چلنے سے کانپور کا وطن اقامۃ ہونا باطل نہیں ہوا جیسا کہ ظاہر ہے اور کانپور سے باہر باہر کو جانے کا ارادہ ہے تو جس وقت کانپور سے اُناؤ کو چلا ہے سفر کا ارادہ متحقق ہو گیا اور کانپور وطن اقامۃ نہ رہا اور کانپور کو لوٹنا اس لئے اس میں قادح نہیں ہوا کہ مفازہ محل اقامت نہیں اور **سفر مبطل لوطن الإقامة** سے مراد **انشاء السفر** ہے نہ **وجود السفر كماصرح به فى الدرالمختار** (۲)۔ فقط واللہ اعلم، (امداد ص ۱۳۱ ج ۱)

(*) احقر کے نزدیک اس جواب میں بھی تفسیر کی ضرورت ہے، اور جواب وہی ہونا چاہئے جو سفر قنوج و گورکھپور کے باب میں احقر نے دیا ہے۔ ۱۲ تصحیح الاغلاط ص: ۷ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) **ولا تصح نية الإقامة في مفازة لغير أهل الأخبية لعدم صلاحية المكان في حقه الخ.** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه دار الكتاب ديو بند ص:٤٢٦)

الحجة: ونية الإقامة في البحر والمفازة لا تصح إلا لأهل الخيام على قول أبي يوسفؒ وبه نأخذ. شرح الطحطاوي: ولو أن مسافرًا نوى الإقامة في سفينة أو جزيرة من جزائر العرب لا يكون مقيمًا، وفرق بين الأبنية والأخبية والفرق أن البناء موضع الإقامة والقرار دون الصحراء. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، مكتبه زكريا ٢/٤٩٨، رقم:٣١٠٥)

أما المكان الصالح للإقامة فهو موضع اللبث والقرار في العادة نحو الأمصار والقرىٰ، أما المفازة والجزيرة، والسفينة فليست موضع الإقامة حتى لو نوىٰ الإقامة في هذه المواضع خمسة عشر يومًا لا يصير مقيمًا. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان مكان الصالح للإقامة، مكتبه زكريا ديو بند ١/٢٧١)

(٢) **ويبطل وطن الإقامة بمثله وبالوطن الأصلي وبإنشاء السفر.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديو بند ٢/٦١٤، كراچي ٢/١٣٢) ←

سوال (۴۹۲): قدیم ۱/۵۶۲- میں اپنی حالت پہلے عرض کر چکا ہوں کہ قیام فتحپور کی بظاہر امید نہیں نہ میرا کوئی مکان نہ وہاں میرا کوئی اسباب دار مسکونہ کا ایک ثمن نانی صاحبہ کا ہے جو بطور وصیت مجھ کو مل سکتا ہے وہ بالکل ناکافی ۔اور چونکہ وہاں کوئی عزیز وقریب نہیں سب غیر ہی غیر ہیں اسلئے مکان خرید کرنا بنوانا ایسا ہی ہے جیسے کہیں پر دیس میں بنوانا اس لئے کیا عجب ہے کہ اسی پر رائے قرار پائے کہ قنوج میں مکان تعمیر کیا جائے گو ابھی تک وہاں کے قیام کی بھی کوئی مستقل رائے قائم نہیں ہوئی۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ فتحپور میرا وطن رہا یا نہیں اور میں وہاں جا کر قصر کیا کروں یا اتمام ۔ صرف اتنا تعلق میرا باقی ہے کہ نانی صاحبہ وہاں رہتی ہیں وبس ۔ نیز نانی صاحبہ کے وہاں کے ہونے کی صورت میں اگر کسی وجہ سے جانا ہو تو کیا حکم ہے ایسی حالت میں قنوج کا کیا حکم ہے قصر کیا کروں یا اتمام ۔ نکاح کرنے سے فقہاء اتمام کا حکم دیتے ہیں بشرطیکہ وہیں قیام کا ارادہ ہو جائے حتی کہ اگر دو تین جگہ نکاح کر لے اور عورت کو وہاں سے لانے کا ارادہ نہ ہو تینوں جگہ اتمام کا حکم ہے اور میری حالت یہ ہے جو مذکور ہوئی؛ لہٰذا تر دد ہی رہا کرتا ہے کہ مجھ پر قصر ہے یا اتمام؟

الجواب (*): فتح پور یقیناً ایک زمانہ تک آپ کا وطن اصلی رہ چکا ہے اب جب تک دوسرے مقام کو وطن اصلی بنانے کا عزم نہ کیا جاویگا وہ بدستور وطن اصلی رہے گا اور چونکہ ابھی اس پر آپ کی رائے قرار نہیں پائی لہٰذا فتحپور میں اتمام واجب ہے۔

(*) اسی مسئلہ کے متعلق ترجیح الراجح حصۂ سوم فصل سابع میں علماء سے تحقیق کرنے کا مشورہ دیا ہے۔۱۲ تصحیح الاغلاط ص:۷۔ سعید احمد پالن پوری

←**ومن حكم وطن السفر أنه ينتقض بالوطن الأصلي لأنه فوقه وينتقض بوطن السفر لأنه مثله، وينتقض بإنشاء السفر لأنه ضدّه ولاينتقض بوطن السكنىٰ لأنه دونه.** (الفتاوی التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۱۱، رقم: ۳۱۵۰)

ويبطل وطن الإقامة بمثله وبإنشاء السفر وبالوطن الأصلي لأنه فوقه. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۴۹)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۴۳-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فی الدر المختار الوطن الأصلی یبطل بمثله و الأصل أن الشيئ یبطل بمثله وبما فوقه لا بمادونه اه.(۱)

اوراب تک مجھ کواس مسئلہ میں شرح صدرنہیں ہوا۔ کہ صرف تزوج سے وہ جگہ اس کیلئے وطن اصلی ہو جاتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ تزوج سے جبکہ اہل کو وہاں سے لے جانے کا ارادہ نہ ہو، غالبًا اس شخص کا بھی ارادہ اس کو وطن اصلی بنانے کا اور خود ہمیشہ کیلئے بود وباش کرنے کا ہو جاتا ہے اس بناء پر اس کو وطن بنانے کا سبب قرار دیدیا ہے ورنہ مدار خود اس کی نیت اتخاذ وطن اصلی پر ہے اگر میرا یہ سمجھنا صحیح ہے تب تو قنوج ہنوز آپ کا وطن اصلی نہیں بنا اور اگر مطلق تاہل سے وطن اصلی ہو جاتا ہے تو وطن اصلی میں تعدد ممکن ہے جیسا فقہاء نے تصریح کی ہے اس کے وطن اصلی ہونے سے فتحپور کا وطن اصلی نہ ہونا لازم نہیں ہوتا قاضی خان کی ایک جزئی میری مؤید ہے۔

المسافر إذا جاوز عمران مصره إلیٰ قوله إن کان ذلک وطنا أصلیا بأن کان مولده وسکن فیه أولم یکن مولده ولکنه تاهل به وجعله دارًا الخ.(۲)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبه زکریا دیوبند ۲/۶۱۴-۶۱۵، کراچي ۲/۱۳۱-۱۳۲۔

ومن حکم الوطن الأصلي أن ینتقض بالوطن الأصلي لأنه مثله والشيئ ینتقض بما هو مثله. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، في صلاة المسافر، مکتبه زکریا دیوبند ۲/۵۱۰، رقم:۳۱۴۵)

ویبطل الوطن الأصلي بمثله لا السفر. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبه زکریا دیوبند ۱/۳۴۹)

بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الکلام في الأوطان، مکتبه زکریا دیوبند ۱/۲۸۰۔

مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۲۴۳۔

(۲) خانیة علی الهندیة، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، قدیم زکریا ۱/۱۶۵، جدید زکریا ۱/۱۰۴۔

ووطن أصلي: وهو وطن الإنسان في بلدته أو بلدة أخریٰ إتخذها دارًا وتوطن بها مع أهله وولده ولیس من قصده الإرتحال عنها؛ بل التعیش بها. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل في صلاة المسافر، الکلام في الأوطان، مکتبه زکریا ۱/۲۸۰) ←

اس میں تاہل کے بعد جعلہ دارا بڑھایا ہے جیسا کان مولدہ کے بعد وسکن فیہ بڑھایا ہے پس جس طرح صرف کان مولدہ بدون سکن فیہ کے وطن اصلی نہیں بنتا اسی طرح تاہل بہ سے بدون جعلہ دارا کے وطن اصلی نہ ہوگا۔ فافہم۔

۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۳۲ ج ۱)

ترجیح الراجح متعلقہ مسئلہ مذکورۂ بالا

امدادالفتاویٰ ج ۱ ص ۳۲ میں مسئلہ توطن بہ تزوج کا ہے اس کو دوسرے علماء سے تحقیق کرلیا جاوے۔ (*)

سوال (۴۹۳): قدیم ۱/۵۶۳- زید اپنے مکان ومولد سے سوکوس جاکر پندرہ روز مقیم رہا پھر وہاں سے دوسرے ملک کو جانے کا قصد کیا تو وہاں سے کیا تین منزل کا قصد قصر کے واسطے معتبر ہوگا یا مطلق نکلنا وہاں سے معتبر ہوگا یا مطلق خواہ دو چار کوس ہی جائے تو قصر کرے؟

الجواب: مطلق نکلنا معتبر نہیں بلکہ مسافت قصر کی نیت سے نکلنا مبطل قصر ہوگا۔

(*) مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا فتوی یہ ہے کہ محض تزوج سے مقیم ہو جاتا ہے، دیکھئے فتاوی دارالعلوم جدید ۴/۴۵۸، اور جلد چہارم ۴۸۲/ میں وضاحت ہے کہ تزوج سے مراد یہ ہے کہ نکاح ہوا اور بیوی کو وہاں سے لے جانے کا ارادہ نہیں ہے۔ بہرحال خود وہاں رہنے کا عزم ضروری نہیں ہے۔ اب علماء کا رجحان حضرت مجیب قدس سرہ کے جواب ۴۹۳/ کی طرف ہے یعنی خود وہاں رہنے کا عزم ضروری ہے جیسا کہ قاضی خاں کے جزئیہ میں ہے۔ واللہ اعلم ۱۲ سعید پالن پوری

← **والوطن الأصلي: هو وطن الإنسان في أو بلدة أخرى إتخذها دارًا وتوطن بها مع أهله وولده وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها.** (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢٣٩٢، كوئٹه ١٣٦/٢)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٥١٠/٢، رقم: ٣١٤٤۔

شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٦١٤/٢، كراچي ١٣١/٢ - ١٣٢۔ شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فی الدر المختار ويبطل وطن الإقامة إلىٰ قوله وبإنشاء السفر اھ. (۱)
والسفر المعتبر هو السفر الشرعی. فقط واللہ اعلم

۱۲/ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۵ ج ۱)

حالت سفر میں ریل کے سیٹی کرتے وقت نماز توڑ دینے کا حکم

سوال (۴۹۴): قدیم ۱/ ۵۶۴- کس مقدار کے نقصان پر فریضہ یا نوافل یا سنن کی نیت توڑ دینی چاہئے اور اگر بعد نیت کر لینے کے ریل سیٹی دیوے روانگی کی تو کیا کرے؟

الجواب (*) : ۴/ کے نقصان پر نماز کی نیت توڑ دینا درست ہے (۲) اور ریل کی سیٹی پر بھی نماز توڑ دینا درست ہے اگر سفر نہ کرنے سے کچھ حرج ہو۔ (حوادث اول ص ۲۲)

(*) چار آنہ سے مراد قدر درہم چاندی کی قیمت ہے۔

ويباح قطعها لنحو قتل حية ...... وضياع ما قيمته درهم (در مختار) قوله: ويباح قطعها أي ولو كانت فرضًا. (شامي ۱/ ۶۱۲، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في بيان السنة والمستحب الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۲۵-۴۲۶، كراچي ۱/ ۶۵۴)

اور درہم کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہے (اوزان شرعیہ ص: ۱۳) لہٰذا اتنی چاندی کی ہر زمانہ میں جو قیمت ہوگی وہی ۴/ سے مراد ہوگی۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الصلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۶۱۴، كراچي ۲/ ۱۳۲۔

ويبطل وطن الإقامة بمثله، ويبطل أيضًا بإنشاء السفر بعده. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۴۲۹)

ويبطل وطن الإقامة وهو الموضع الذي نوى المسافر فيه أن يقيم خمسة عشر يومًا بمثله وبإنشاء السفر والوطن الأصلي. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۴۹)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۴۳۔

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۸۰۔

(۲) ويجوز قطعها ولو كانت فرضًا بسرقة يخشىٰ على ما يساوي درهمًا ←

کجاوے میں نماز کا حکم

سوال (۴۹۵): قدیم ۱/۵۶۴-شغدف پرنماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: فی الدرالمختارفهی صلوٰة علی الدابة فتجوز فی حالة العذر المذكور فی التيمم لافی غيرها ومن العذر المطروطين يغيب فيه الوجه وذهاب الرفقاء ودابة لاتركب الابعناء إلیٰ قوله حتی لوكان مع أمه مثلا فی شقی محمل وإذا نزل لم تقدر تركب وحدها جازله أيضاً كما أفاده فی البحرفليحفظ. اھ (۱)

← ولوكان المسروق لغيره أي غير المصلي لدفع الظلم والنهي عن المنكر ويجوز قطعها لخشية خوف من ذئب ونحوه على غنم ونحوها الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فيما يوجب قطع الصلاة، ومايجيزه وغير ذلك، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۳۷۲)

والأصح هو الفساد إلا أنه يباح له فسادها بقتلها كما يباح لإغاثة ملهوف وتخليص أحد من سبب هلاک كسقوط من سطح أو غرق أو حرق ونحوه، وكذا إذاخاف ضياع ما قيمته درهم له أو لغيره. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٥٤، كوئٹه ۲/ ۳۰)

لايكره قتل الحية، والعقرب إن خاف الأذیٰ وإلا كره وهل يغتفر العمل الكثير قال في المبسوط الأظهر نعم، وقال المصنف: الأصح لا، لكن يباح له فسادها لقتلهما كما يباح لإغاثة ملهوف، وغريق، وحريق وكذا الضياع ماقيمته درهم له أو لغيره. (الدرالمنتقیٰ على ملتقي الأبحر، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، دارالكتب العلمية ۱/ ۱۸۹)

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٤٨٩-٤٩٠، كراچي ۲/ ٤٠-٤١۔

وفي الظهيرية: وإذا صلى على الدابة في محمل وهو يقدر على النزول لا يجوز له أن يصلي على الدابة إذا كانت الدابة واقفة إلا أن يكون المحمل على عيدان على الأرض، ←

اس روایت سے ثابت ہوا کہ شغدف میں بعذر فرض پڑھنا جائز ہے اور اگر اترنا اور قافلہ کی معیّت سب سہل ہو تو شغدف میں پڑھنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم،

۲۰؍شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۳۹ ج۱)

← أما الصلاة على العجلة إن كان طرف العجلة على الدابة وهي تسير أو لا تسير فهي صلاة على الدابة تجوز في حالة العذر ولاتجوز في غير حالة العذر، وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جاز وهو بمنزلة الصلاة على السرير، انتهىٰ. هذا كله في الفرض، أما في النفل فيجوز على المحمل والعجلة مطلقًا كما لا يخفىٰ. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۱۵، كوئٹه ۲/ ٦٥)

لا يصح على الدابة صلاة الفرائض ولا الواجبات كالوتر والمنذور والعيدين ولاقضاء ماشرع فيه نفلاً فأفسده ولاصلاة الجنازة ولاسجدة تلاوة قد تليت آيتها على الأرض إلا لضرورة كخوف لص على نفسه أو دابته أو ثيابه لو نزل ولم تقف له رفقته وخوف سبع على نفسه أو دابته ووجود مطروطين في المكان وجموح الدابة، وعدم وجدان من يركبه دابته لعجزه بالاتفاق، والصلاة في المحمل وهو على الدابة كالصلاة عليها في الحكم الذي علمته سواء كانت سائرة أو واقفة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الفرض والواجب على الدابة، مكتبه دار الكتاب ص:٤٠٧-٤٠٨)

وإذا صلى على دابة في محمل والدابة واقفة وهو يقدر على النزول، لايجوز له أن يصلي على الدابة إلا إذا كان المحمل على عيدان على الأرض، ولو صلى على العجلة إن كان طرف العجلة على الدابة وهو تسير أو لاتسير، فصلاته على الدابة في حالة العذر تجوز ولاتجوز في غير حالة العذر وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جازت وهو بمنزلة الصلاة على السرير. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون، الصلاة على الدابة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٥٣٩، رقم:٣٢٤١)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون، الصلاة على الدابة، المجلس العلملي بيروت ۲/ ٤٢٩، رقم:٢١٢٥۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ریل گاڑی میں نماز کا حکم

سوال (۴۹۶): قدیم ۱/ ۵۶۵- بسواری ریل کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر نماز ادا کرنا چاہئے اگر کھڑے ہوکر نماز ادا کی جاتی ہے تو چھت ریل کی سر پر لگتی ہے۔ دوم یہ کہ جو تختہ جانب پورب ہے اور جانب پچھّم کے تخت کے درمیان میں فاصلہ اس قدر ہے اور درمیان میں جگہ بھی خالی ہے کہ اندیشہ گرنے کا ہے۔ سوم یہ کہ بحالت قیام ریل اتر کر نماز ادا کرنے میں یہ خیال ہے کہ ریل روانہ ہو جائیگی اور مال کا بھی نقصان ہوگا اور خود بھی رہ جائیں گے تو ان حالات مذکورہ میں کس طرح پر نماز ادا کرے؟

الجواب: نماز پڑھنے کیلئے ریل سے اترنے کی کوئی حاجت نہیں ہے اگر ریل مثل سریر موضوع علی الأرض کے ہے تو ظاہر ہے اور یہی صحیح بھی معلوم ہوتا ہے۔

وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جاز لو واقفة لتعليلهم بأنها كالسرير. درمختار قوله لو واقفة كذا قيده في شرح المنية ولم أره لغيره يعني إذا كانت العجلة على الأرض ولم يكن شيئ منها على الدابة وإنما لها حبل مثلا تجرها الدابة تصح الصلوٰة عليها كأنها حينئذ كالسرير الموضوع على الأرض ومقتضى هذا التعليل أنها لو كانت سائرة في هذه الحالة لاتصح الصلوٰة بلاعذر وفيه تأمل لأن جرها بالحبل وهي على الأرض لاتخرج به عن كونها على الأرض ويفيده عبارة التاتارخانية عن المحيط وهي لوصلى على العجلة إن كان طرفها على الدابة وهي تسير تجوز في حالة العذر لافي غيرها وإن لم يكن طرفها على الدابة جازت وهو بمنزلة الصلوٰة على السرير اھ.

فقوله وإن لم يكن الخ يفيد ما قلنا لأنه راجع إلىٰ أصل المسئلة وقد قيدها بقوله وهي تسير ولو كان الجواز مقيدا بعدم السير لقيده به فتأمل. شامي ج ۱ ص ۴۷۱. (۱)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۹۱، كراچي ۲/۴۱-۴۲ـ

وإذا صلى على دابة في محمل و الدابة واقفة وهو يقدر على النزول لا يجوز له أن يصلي على الدابة إلا إذا كان المحمل على عيدان على الأرض، ولو صلى على العجلة ←

اور اگر مثل عجلہ محمولہ علی الدابہ کے بھی مانی جاوے تب بھی بوجہ عذر کے اترنے کی کوئی ضرورت نہیں اور عذر یہی ہے کہ چلتی ریل میں اتر نہیں سکتا کھڑی ریل میں ریل کے چلدینے یا مال کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے۔

وأما الصلوٰة على العجلة إن كانت طرف العجلة على الدابة وهى تسير أو لاتسير فهى صلوٰة على الدابة فتجوز (*) فى حالة العذر المذكور فى التيمم لا فى غيرها ومن العذر المطروطين يغيب فيه الوجه وذهاب الرفقاء ودابة لا تركب إلابعناء أو بمعين. درمختار. فقوله المذكور فى التيمم بأن يخاف على ماله أو نفسه أويخاف من فاسق. شامى ج ۱ ص ۴۷۰.(۱)

اگرچہ یہ بھی امید ہو کہ نماز کے وقت رہنے تک مجھ کو اتر کر پڑھنا ممکن ہے تب بھی ریل میں بہرحال پڑھنا جائز ہوگا کیونکہ عذر وقت شروع نماز کے معتبر ہے اگرچہ آخر وقت میں زوال اس کا متوقع ہے۔

تنبيه : بقي شيئ لم أرمن ذكره وهو أن المسافر إذا عجز عن النزول لعذر من الأعذار وكان على رجاء زوال العذر قبل خروج الوقت كالمسافر مع ركب الحج الشريف

(*) اس عبارت سے ریل میں جواز تیمّم بھی ثابت ہوتا ہے۔۱۲ منہ

← **إن كان طرف العجلة على الدابة وهي تسير أو لا تسير فصلاته على الدابة تجوز في حالة العذر ولاتجوز في غير حالة العذر، وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جازت وهو بمنزلة الصلاة على السرير، انتهىٰ. وهذا كله في الفرض، أما في النفل فيجوز على المحمل والعجلة مطلقًا كما لايخفىٰ.** (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۱۵، كوئٹه ۲/۶۵)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث العشرون الصلاة على الدابة ۲/۵۳۹، رقم: ۳۲۴۱۔

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون، الصلاة على الدابة، المجلس العلمي ۲/۴۲۹، رقم:۲۱۲۵۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۸۹، كراچي ۲/۴۰۔

هل له أن يصلي العشاء مثلاً على الدابة أو المحمل فی أول الوقت إذا خاف من النزول أم يؤخر إلیٰ وقت نزول الحجاج فی نصف الليل لأجل الصلوٰة والذی يظهر لی الأول لأن المصلی إنما يكلف بالاركان والشروط عند إرادة الصلوٰة والشروع فيها وليس لذلک وقت خاص ولذاجازله الصلوٰة بالتيمم أول الوقت وإن كان يرجوا وجود الماء قبل خروجه وعللوه بأنه قد اداها بحسب قدرته الموجودة عند انعقاد سببها وهو ماا تصل به الأداء اھ ومسئلتنا كذالک. (شامي ۱ /۱۷۴)(۱)

البتہ ایسی صورۃ میں انتظار آخر وقت مستحب تک مستحب ہوگا۔

(*) وندب لراجيه رجاء قويا اٰخر الوقت المستحب ولو لم يؤخر وصلى جاز إن كان بينه وبين الماء ميل وإلا لا. (درمختار مع الشامي ص: ۱۶۶)(۲)

پس ہرگاہ معلوم ہوا کہ اترنے کی کچھ حاجت نہیں تو اگر قیام پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھنا درست ہے خواہ کسی شکل سے بیٹھے۔

(*) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ریل میں بھی انتظار پانی کا آخر وقت مستحب تک بہتر ہے ضروری نہیں۔ ۱۲سعید احمد پالن پوری

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۹۰، كراچي ۲/ ۴۱۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب التيمم، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۱۷، كراچي ۱/ ۲۴۹۔

وندب تأخير التيمم لمن يرجو إدراک الماء بغلبة الظن قبل خروج الوقت المستحب. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب التيمم، مكتبه دارالكتاب ديوبند ۱۲۲-۱۲۳)

ويستحب أن يؤخر الصلاة إلى آخر الوقت إذا كان يرجو وجود الماء فيه ليؤديها بأكمل الطهارتين ولولم يفعل وتيمم وصلى جاز لأنه أداها بحسب قدرته الموجودة عند انعقاد سببها وهو ماا تصل به الأداء. (حلبي كبيري، كتاب الطهارة، فصل في التيمم، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۷۴)

مجمع الأنهر، كتاب الطهارة، فصل في التيمم، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۶۵-۶۶۔

أو وجد لقيامه ألما شديدا صلى قاعداً كيف شاء على المذهب. درمختار ص ۵۰۹ (۱)
صلى الفرض فى فلك جار قاعدا بلاعذر صح لغلبة العجز وأساء وقالا لايصح إلا بعذروهو الأظهر برهانا. درمختار ص ۵۱۲.(۲)

اوراگر رکوع وسجود بوجہ زیادتی فصل درمیان شرقی وغربی تختوں کے متعذر رہوں تو اشارۂ سر سے رکوع وسجدہ کرے لیکن معمولی وقت کو تعذر نہ سمجھا جائے اور سجدہ کو رکوع سے ذرا پست کرے۔

وإن تعذر أومأ قاعدا ويجعل سجوده أخفض من ركوعه. درمختار ص ۵۰۹،(۳) واللہ اعلم

۲۳/شوال ۱۳۰۴ھ (امداد ص ۳۵ ج ۱)

سوال (۴۹۷): قدیم ۱/ ۵۶۷- نماز ریل میں کس طرح پڑھنا چاہئے میں بعض مرتبہ کھڑے ہوکر پڑھتا ہوں اس طرح کہ ایک تختہ کی طرف کھڑا ہوتا ہوں اور دوسرے تختہ پر سجدہ کرتا ہوں۔ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ سجدہ میں گھٹنے پاؤں کے زمین میں نہیں لگتے ہیں؛ لہٰذا نماز نہیں ہوتی حدیث شریف میں ہے کہ سات چیزیں زمین میں بوقت سجدہ کے لگنا چاہئے (۴)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۶۵-۵۶۶، كراچي ۲/ ۹۶۔

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۷۲، كراچي ۲/ ۱۰۱۔

(۳) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۶۷-۵۶۸، كراچي ۲/ ۹۸۔

تعذر عليه القيام أو خاف زيادة المرض صلى قاعدًا يركع ويسجد مؤميًا إن تعذر وجعل سجوده أخفض. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۳۴-۳۳۵)

(۴) **عن ابن عباسؓ قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم أمرت أن أسجد على سبعة أعظم على الجبهة وأشار بيده إلى أنفه، واليدين والركبتين وأطراف القدمين، ولانكفت الثياب والشعر.** (صحيح البخاري، كتاب الأذان، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۲، رقم: ۸۰۴، ف: ۸۱۲)

چنانچہ اول سات میں سے ایک گھٹنے بھی ہیں اور اسی وجہ سے میت کے گھٹنوں میں کافور لگایا جاتا ہے ان کی رائے میں اس طرح پڑھنا چاہئے کہ ایک تختہ پر بیٹھے مثل نماز پڑھنے والے کے اور دوسرے تختہ پر سجدہ کرے مگر اس صورت میں قیام جو فرض ہے ترک ہوتا ہے۔ لہٰذا جناب کی کیا رائے ہے کیا گھٹنے کا لگنا زمین میں بوقت سجدہ کے لازم ہے؟

الجواب: **في رد المحتار تظافرت الروايات عن ائمتنا بأن وضع اليدين والركبتين سنة ولم ترد رواية بأنه فرض. ۱/۵۲۱. (۱)**

اس روایت سے ثابت ہوا کہ زانو ٹکانا فرض نہیں بلکہ واجب بھی نہیں (*) اور قیام فرض ہے پس آپ کا طریقہ صحیح ہے اور ان صاحب کا قول غلط ہے۔ علاوہ مذکورہ (**) بالا ان وجہ کے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو خرابی انہوں نے قیام کی حالت میں بتلائی ہے یعنی گھٹنوں کا سجدہ کی حالت میں زمین میں نہ لگنا وہی خرابی قعود کی حالت میں بھی ہے۔ فافہم، واللہ اعلم، (امداد ص ۹۷ ج ۱)

(*) متون میں عام طور پر یہی ہے؛ لیکن فتح القدیر، بحر الرائق، شامی وغیرہ میں ترجیح اس کو دی ہے کہ گھٹنوں کا ٹیکنا سجدہ میں واجب ہے۔ (شامی، کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/۲۰۴، کراچی ۱/۴۹۹)

قال الشامي: واختار في الفتح: الوجوب لأنه مقتضىٰ الحديث مع المواظبة، قال في البحر: وهو انشاء الله تعالىٰ أعدل الأقوال لموافقته الأصول انتهىٰ. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۷۳، كراچي ۱/۴۷۶)

وقال في موضع آخر: قدمنا الخلاف في أنه سنة أو فرض أو واجب، وأن الاٰخر أعدل الأقوال انتهىٰ. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۰۲، كراچي ۱/۴۹۷)

لیکن ریل میں مذکورۂ سوال ضرورت میں جبکہ فرض قیام فوت ہونا لازم آتا ہو، اگر اس خاص حالت میں سنت کے قول کو ترجیح دیدی جاوے تو مضائقہ نہیں جیسا کہ حضرت مصنف قدس سرہ نے کیا ہے۔ واللہ اعلم بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(**) یہ اضافہ تصحیح الاغلاط سے کیا گیا ہے۔ ۱۲ مصحح

---

(۱) شامي، كتاب الصلاة، مطلب لفظة الفتوى، آكد وأبلغ الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۰۴، كراچي ۱/۲۹۹.

ووضع اليدين والركبتين سنة عندنا لتحقق السجود دونهما. (هداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه اشرفية ۱/۱۰۸)

ووضع يديه وركبتيه يعني وضعهما على الأرض حالة السجود لقوله عليه الصلاة والسلام أمرت أن أسجد على سبعة أعظم وعدمنها اليدين والركبتين وهو سنة عندنا لتحقق السجود بدون وضعهما. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۸۰، امداية ملتان ۱/۱۰۷) ←

سوال (۴۹۸): قدیم ۱/ ۵۶۸- ریل کے سفر میں جو مواقع پیش آتے ہیں وہ ذیل میں عرض کئے جاتے ہیں۔

(۱) بحالتے کی ریل چلتی ہوئی ہے اور بیٹھنے کی پٹری موافق رخ قبلہ نہیں ہے یعنی شمال وجنوب ہے اور آئندہ اسٹیشن پہنچنے کے قبل وقت جاتا رہے گا یا اسٹیشن پر اتر کر نماز ادا کرنا بوجہ قلت قیام ممکن نہ ہوگا تو ایک پٹری پر بیٹھ کر اور پاؤں لٹکا کر دوسری پٹری پر سجدہ کرنا اس طرح درست ہوگا یا کیا خواہ جماعت ہو یا تنہائی؟

الجواب: بیٹھنا بلا عذر درست نہیں ایک پر کھڑا ہو کر دوسری پر سجدہ کرے(۱)۔

۱۸ر محرم ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۶۲)

← النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۰۲۔

وإذا وضع قدمًا ورفع آخر جاز مع الكراهة من غير عذرٍ كما أفاده قاضيخان، وذهب شيخ الإسلام إلى أن وضعهما سنة، فتكون الكراهة تنزيهية، والأوجه على منوال ما سبق هو الوجوب فتكون الكراهة تحريمية لما سبق من الحديث، وذكر القدوري: أن وضعهما فرض وهو ضعيف، وأما اليدان والركبتان فظاهر الرواية عدم افتراض وضعهما. قال في التجنيس والخلاصة: وعليه فتوى مشايخنا، وفي منية المصلي: ليس بواجب عندنا، واختار الفقيه أبو الليث الإفتراض، وصححه في العيون ولا دليل عليه لأن القطعي إنما أفاد وضع بعض الوجه على الأرض دون اليدين والركبتين، والظني المتقدم لا يفيده؛ لكن مقتضاه ومقتضىٰ المواظبة الوجوب وقد اختاره المحقق. في فتح القدير: وهو إنشاء الله تعالىٰ أعدل الأقاويل لموافقة الوصول وإن صرّح كثير من مشايخنا بالسنية ومنهم صاحب الهداية. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۵٦، كوئٹه ۱/ ۳۱۷)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۱۱، كوئٹه ۱/ ۲٦٤۔

(۱) حضرت والا تھانویؒ نے اس سے پہلے والے سوال میں اس بات کو تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ ٹرین میں سیٹ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی صورت میں گھٹنوں کے حالت سجدہ میں زمین پر نہ ٹکنے کے اندیشہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے؛ بلکہ کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کی جائے گی؛ اس لئے کہ قیام کرنا فرض ہے اور حالت سجدہ میں گھٹنوں کا زمین پر ٹیکنا مختلف فیہ ہے، بعض حضرات نے واجب کہا ہے؛ جبکہ اکثر اصحاب متون نے سنیت کو بیان کیا ہے؛ لہٰذا واجب یا سنت کی وجہ سے قیام کو ترک کر کے جو کہ فرض ہے بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ نیز جس بات کا اندیشہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں ہے، اس کا اندیشہ سیٹ پر بیٹھ کر نماز پڑھنے میں بھی ہے۔ ←

سوال (۴۹۹): قدیم ۱/ ۵٦۸- (*) برریل گاڑی نماز فرض خواندن درحالت سیراوبدون عذرجائزاست یانہ، بینواتوجروا؟

(*) یہ سوال و جواب حضرت تھانویؒ قدس کے نہیں ہیں، اسی طرح آگے آنے والا سوال نمبر ۵۱۵/ اوراس کا جواب بھی حضرتؒ کا نہیں ہے؛ بلکہ کسی نے یہ دونوں سوال و جواب حضرت کی خدمت میں بھیجے تھے اور حضرتؒ کے ایک جواب پر (جوسوال نمبر ۵۱٦/ پرآرہاہے، جس کے اخیر میں رفع اشتباہ ہے) نقد بھی تھا، جس کا جواب مولانا حبیب احمد صاحب کے قلم سے ہے، ترجیح خامس کی گیارہویں فصل ص: ۹۱/ میں حضرتؒ نے ایک نوٹ لکھ کر دونوں سوال و جواب درج فرمائے ہیں، پہلے وہ سوال و جواب ہے جو یہاں سوال نمبر ۵۱۵/ پر آرہاہے، پھر یہ سوال و جواب ہے جونمبر ۴۹۹/ پردرج ہے اور پھر مولانا حبیب احمد صاحب کا جواب ہے بوادر النوادر ۱/ ۴۴- ۴۸) میں بھی اصل کے مطابق نقل کیا گیا ہے، ترجیح خامس کا وہ نوٹ بعینہ درج ذیل ہے۔ ←

← ملاحظہ ہوسوال نمبر ۴۹۷/ کا جواب:

عن عمران بن حصينؓ قال: كانت بي بواسير فسألت النبي صلى الله عليه وسلم عن الصلاة، فقال: صلِّ قائمًا، فإن لم تستطع فقاعدًا، فإن لم تستطع فعلى جنب. (بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب إذا لم يطق قاعدًا صلى على جنب ،النسخة الهندية ۱/ ۱۵۰، رقم:۱۱۰٦، ف:۱۱۱۷)

ومنها القيام لقادر عليه (در مختار) وفي الشامية: فلو عجز حقيقة وهو ظاهر أو حكمًا كما لو حصل له به ألم شديد أو خاف زيادة المرض، فإنه يسقط. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۳۱- ۱۳۲، كراچي ۱/ ٤٤٤- ٤٤٥)

وضع اليدين والركبتين سنة عندنا لتحقق السجود دونهما. (هداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه اشرفية ۱/ ۱۰۸)

ووضع يديه وركبتيه يعني وضعهما على الأرض حالة السجود لقوله عليه الصلاة والسلام: أمرت أن أسجد على سبعة أعظم وعد منها اليدين والركبتين وهو سنة عندنا لتحقق السجود بدون وضعهما. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۲۸۰، امدادية ملتان ۱/ ۱۰۷)

تظافرت الروايات عن أئمتنا بأن وضع اليدين والركبتين سنة ولم ترد رواية بأنه فرض. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۰٤، كراچي ۱/ ٤۹۹) ←

الجواب: جائز است۔

قال فی ردالمحتار شرح الدرالمختار(من باب الوتروالنوافل) تحت قوله وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جازلو واقفةًالخ كذاقيده فی شرح المنية ولم أره لغيره يعنى إذاكانت العجلة على الأرض ولم يكن شيئ منها على الدابة وإنما لها حبل مثلاً تجرها الدابة به تصح الصلوٰة عليها لأنها حينئذ كا لسرير الموضوع على الأرض ومقتضى هذا التعليل أنها لوكانت سائرة فی هذه الحالة لا تصح الصلوٰة عليها بلاعذر وفيه تامل لأن جرها بالحبل وهى على الأرض لا تخرج به عن كونها على الأرض ويفيده عبارة التاتارخانية عن المحيط وهى لوصلى على العجلة إن كان طرفها على الدابة وهى تسير تجوز فی حالة العذر لافی غيرها

← فصل یازدہم درتحقیق صلوۃ بر جہاز ہوائی: میراایک فتوی اس کے متعلق رسالہ الامداد محرم ۱۳۳۵ھ میں صفحہ ۳۸ / پر چھپاتھا (جو یہاں سوال نمبر ۵۱۶ / پر ہے ۱۲ سعید) اس کے متعلق ایک تحریر بہ شکل دوسوال وجواب آئی جو ذیل میں منقول ہے،اوراس کے ایک حاشیہ میں جو بهذا ظهر سے شروع ہوتا ہے (یہ حاشیہ یہاں سوال ۴۹۹ / کے جواب کی آخری سطور میں ہے جسے بین القوسین کردیا گیا ہے ۱۲ سعید) میری ایک عبارت معنون بہ ’’ رفع اشتباہ ‘‘ پر اعتراض بھی تھا،اس کا جواب مولوی حبیب احمد صاحب نے لکھ کر مجھ کو دکھلایا جواس (آئی ہوئی) تحریر کے بعد منقول ہے الخ۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ سوال نمبر ۴۹۹ و ۵۱۷ اور ان کے جوابات حضرت قدس سرہ کے نہیں ہے، مرتب کتاب سے تسامح ہوا ہے کہ انہیں اس طرح درج کردیا ہے جس سے دھوکا ہوتا ہے کہ یہ حضرتؒ ہی کے جوابات ہیں فتنبہ لہ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← وأما اليدان والركبتان فظاهر الرواية عدم افتراض وضعهما. قال في التجنيس والخلاصة: وعليه فتوى مشايخنا، وفي منية المصلي: ليس بواجب عندنا، واختار الفقيه أبوالليث الافتراض، وصححه في العيون ولا دليل عليه لأن القطعي إنما أفاد وضع بعض الوجه على الأرض دون اليدين والركبتين، والظني المتقدم لا يفيده؛ لكن مقتضاه ومقتضىٰ المواظبة الوجوب وقد اختاره المحقق. في فتح القدير: وهو إنشاء الله تعالىٰ أعدل الأقاويل لموافقة الوصول وإن صرّح كثير من مشايخنا بالسنية ومنهم صاحب الهداية. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۵۵٦، كوئٹه ۱/۳۱۷)

فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۱۱، كوئٹه ۱/۲٦٤ ـ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

وإن لم يكن طرفها على الدابة جازت وهو بمنزلة الصلوة كالسرير انتهىٰ فقوله وإن لم يكن طرفها الخ يفيد ماقلنا لأنه راجع إلىٰ أصل المسئلة وقدقيدها بقوله وهى تسير ولوكان الجواز مقيداً بعدم السير لقيده به فتامل انتهىٰ. (۱) أقول وكذا يقيد ما أفادنا السيد قدس سره عن عبارة المحيط عبارة فتاوىٰ قاضى خان وهى أما الصلوٰة على العجلة إن كان طرف العجلة على الدابة وهى تسير أولا تسير فهى صلوٰة على الدابة تجوز حالة العذر ولاتجوز فى غيرها وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جاز وهى بمنزلة الصلوٰة على السرير انتهى قبل باب صلوٰة المريض.(۲) فلما جازت الصلوٰة على العجلة إذا لم يكن شيئ منها على الدابة وهى تسير أولا تسير بدون العذر وكانت بمنزلة السرير فى الحالتين فبا لطريق الأولىٰ تجوز على المركب الدخانى الذى يجرى على الأرض حال كونه سائراً بدون العذر فظهرأن مافى غاية الأوتار. ج ۱ ص ۳۴۳.(۳) تحت قوله وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة جازلوواقفة (فى باب الوتروالنوافل)

علمائے ہند مختلف ہیں کہ ریل گاڑی چلتے میں نماز فرض وواجب درست نہیں اور بعضے درست کہتے ہیں الخ

منشأه عدم اطلاع الفريقين و المؤلف أيضاً على ماحققه السيد العلامة تحت القول المذكور كما نقلنا هذا واعترض (فى باب الوتروالنوافل) مفتى المصر على قول السيد قدس سره وفيه تامل لأن جرها الخ حيث قال وهى وإن لم تخرج بالجربالحبل عن كونها على الأرض إلا أن هذا القيد لابدمنه إذ بدونه يفوته اتحاد مكان الصلوٰة الذى هوشرط لصحتها إلا بعذر الخ ويقول العبد الضعيف أن هذا منه عجيب جدا فإن مكان الصلوٰة فيما نحن فيه العجلة ولوح من ألواحها دون الأرض التى تحتها.

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كاب الصلاة، با ب الوتر وا لنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۹۱، كراچي ۲/ ۴۱- ۴۲۔

(۲) خانية على الهندية، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة المريض، قديم زكريا ۱/ ۱۷۱، جديد زكريا ۱/ ۱۰۷۔

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون في الصلاة على الدابة، المجلس العلمي ۲/ ۴۲۹، رقم: ۲۱۲۵۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون، الصلاة على الدابة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۳۹، رقم: ۳۲۴۱۔

(۳) کتاب دستیاب نہیں ہوسکی۔

ألا ترى أن الصلوٰة على السفينة السائرة جائزة واعتبار العذر هنا لأنها لما كانت على الماء دون الأرض فكانت كالدابة لا لعدم اتحاد مكان الصلوٰة فإن الحكم فى السفينة المربوطة بالشط إذا كانت على القرار من الماء ولم يكن شيئ منها مستقراً على الأرض أيضاً كذلك(بهذا (*) ظهر أن كون السفينة على الماء والماء على الأرض مما لا ينتج نتيجة تفيد حكماً من الأحكام) إن قيل قد تقرر أن بعض الائمة إذا صرح بقيد وجب اتباعه قلت هذا إذا كان من أهل الترجيح وابن امير الحاج شارح المنية ليس من أهل الترجيح (كذا فى الحموى شرح الاشباه من الفن الثالث فى أحكام الخنثىٰ) بل هو من نقلة المذهب فكان عليه عزو القيد المذكور إلىٰ كتاب من الكتب المعتبرة ولعل إليه اشار السيد المحقق بقوله ولم أره لغيره بقى هل يجب التوجه إلىٰ القبلة وكلما دار المركب الدخانى عنها عند استفتاح الصلوٰة وفى خلال الصلوٰة؟ الظاهر نعم فإن لم يمكنه يمكث عن الصلوٰة إلا إذا خاف فوت الوقت هذا ماظهر لى. والله تعالىٰ اعلم وعلمه أحكم.

الجواب من المولوی حبیب احمد

فى الدر المختار المربوطة فى الشط كالشط فى الأصح اه وقال فى رد المحتار قوله المربوطة فى الشط كالشط فلا تجوز الصلوٰة فيها قاعداً إتفاقاً وظاهر ما فى الهداية وغيرها الجواز قائماً مطلقاً أي استقرت على الأرض أولا وصرح فى الإيضاح بمنعه فى الثانى حيث أمكنه الخروج إلحاقاً لها بالدابة نهر وأختاره فى المحيط والبدائع بحر. وعزاه فى الإمداد أيضاً إلىٰ مجمع الروايات عن المصفى وجزم به فى نور الإيضاح وعلى هذا ينبغى أن لا يجوز الصلوٰة فيها سائرة مع امكان الخروج إلىٰ البر وهذه المسئلة والناس عنها غافلون. شرح المنية ١ ص ٧٩٧،(١)

(*) قوسین کے درمیان جو عبارت ہے اس میں سوال نمبر ۵۱۱۶ کے جواب کے آخر میں جو ''رفع اشتباہ'' ہے اس پر اعتراض ہے اور اسی کا جواب مولانا حبیب احمد صاحب کے قلم سے آ رہا ہے۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مطلب في الصلاة في السفينة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٥٧٣، كراچي ٢/ ١٠١۔ ←

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سفینہ کے مثل دابہ ہونے میں اختلاف ہے صاحب ہدایہ وغیرہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کو مثل دابہ نہیں سمجھتے اور اس میں نماز بلا عذر جائز ہے اور دیگر علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ مثل دابہ کے ہے اور اس میں نماز بلا عذر جائز نہیں اور راجح یہ ہے کہ وہ مثل دابہ کے ہے جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھنا چاہئے کہ الامداد میں جو لکھا گیا ہے (رفع اشتباہ) اس جہاز کو مثل دریائی جہاز کے نہ سمجھا جاوے کیونکہ وہ بواسطہ پانی کے مستقر علی الارض ہے اور اس کا استقرار پانی پر اور پانی کا استقرار ارض پر بالکل ظاہر ہے۔ آھ

←**وإن كانت مربوطة بالشط لا تجوز صلاته فيها قاعدًا مع قدرته على القيام لانتفاء المقتضىٰ للصحة بالإجماع على الصحيح، وهو احتراز عن قول بعضهم أنها أيضًا على الخلاف، فإن صلى في المربوطة بالشط قائمًا وكان شيئ من السفينة على قرار الأرض صحت الصلاة بمنزلة الصلاة على السرير، وإلا أي وإن لم يستقر منها شيئ على الأرض فلا تصح الصلاة فيها على المختار كما في المحيط والبدائع لأنها حينئذ كالدابة، وظاهر الهداية والنهاية جواز الصلاة في المربوطة بالشط قائمًا مطلقًا أي سواء استقرت أو لا، إلا إذا لم يمكنه الخروج بلا ضررٍ فيصلى فيها للحرج.** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة في السفينة الخ، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص:٤٠٩)

والخلاف في غير المربوطة والمربوطة كالشط هو الصحيح كذا في الهداية ...... ثم ظاهر الهداية والنهاية والاختيار جواز الصلاة في المربوطة في الشط مطلقًا، وفي الإيضاح: فإن كانت موقوفة في الشط وهي على قرار الأرض فصلى قائمًا جاز لأنها إذا استقرت على الأرض فحكمها حكم الأرض، فإن كانت مربوطة ويمكنه الخروج لم تجز الصلاة فيها لأنها إذا لم تستقر فهي كالدابة بخلاف ما إذا استقرت فإنها حينئذٍ كالسرير، واختاره في المحيط والبدائع. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٠٦-٢٠٧، كوئٹه ٢/١١٧)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون، الصلاة في السفينة، المجلس العلمي ٢/٤٣٠، رقم:٢١٢٦ـ

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الصلاة على الدابة والسفينة، مكتبه زكريا ديوبند ١/٢٩١ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ظہور استقرار کی وجہ سے اس کو اگر مثل دابہ نہ کہا جاوے بلکہ اس کو مثل سریر سمجھا جاوے تو گو یہ مرجوح ہے مگر اس کی گنجائش ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہدایہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے برخلاف ہوائی جہاز کے وہاں یہ گنجائش نہیں۔

فاتضح فائدة هذاالكلام واندفع ما أورد عليه بقوله بهذا ظهر أن كون السفينة على الماء والماء على الأرض ممالاينتج نتيجة تفيد حكماً من الأحكام اھ۔

التماس: اب ناظرین علماء سے اس کی تنقید کرلیں۔(*)

۴/ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (ترجیح خامس ص۹۲)

ہر وقت سیّاحی پر رہنے والے کے قصر واتمام کا حکم

سوال (۵۰۰): قدیم ۱/۲/۵۷- کوئی شخص برابر بارہ سال سے سیاحی کرتا ہے آج اس گاؤں میں کل اس گاؤں میں رہتا ہے تو ہمیشہ قصر پڑھے یا نہیں؟

الجواب: اس میں تین صورتیں ہیں:

(۱) کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل یا زائد کے سفر کا قصد ہے اور کسی جگہ پہنچ کر پندرہ روز یا زائد قیام کا قصد نہیں اس صورت میں قصر پڑھے۔

(۲) کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل یا زائد کے سفر کا قصد ہے اور کسی جگہ پہنچ کر پندرہ روز یا زائد قیام کا قصد ہے اس صورت میں راہ میں قصر پڑھے اور اس جگہ ٹھہرنے میں پوری پڑھے۔

(۳) کسی مقام سے چلنے کے وقت تین منزل یا زائد کے سفر کا قصد نہیں یعنی جس جگہ سے اب چلا ہے نہ یہاں سے چلنے کے وقت اور نہ اس کے قبل جس جگہ سے چلا تھا اس کے چلنے کے وقت بھی تین منزل کا ارادہ نہیں ہوا تو پوری نماز پڑھے۔

في الدرالمختار من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدا ولو كافرا ومن طاف الدنيا بلاقصد لم يقصر مسيرة ثلثة أيام ولياليها صلى الفرض الرباعي ركعتين

(*) اس مسئلہ کی تفصیل سوال نمبر ۵۱۶ کے جواب پر حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

حتی یدخل موضع مقامه أوینوی إقامة نصف شهر اھ،(۱) واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمه أتم.

ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۳ ج ۱)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، مکتبه زکریا دیوبند ۲/۵۹۹ تا ۶۰۵، کراچی ۲/۱۲۰ تا ۱۲۵۔

من جاوز بیوت مصره مریدًا أي قاصدا نبه بذلک علی أنه لو طاف الدنیا من غیر قصد إلی قطع المسافة لا یترخص سیرًا وسطًا ثلاثة أیام في برٍّ أو بحرٍ أو جبلٍ قصر الفرض الرباعي، فلو أتم وقعد في الثانیة صح و إلا لا حتی یدخل مصره أوینوي إقامة نصف شهر ببلد أوقریة وقصر إن نوی أقل منه أو لم ینو وبقي سنین.
(النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبه زکریا دیوبند ۱/۳۴۴-۳۴۷)

من جاوز بیوت مصره مریدًا سیرًا وسطًا ثلاثة أیام في برٍ أوبحرٍ أو جبلٍ قصر الفرض الرباعي فلو أتم وقعد في الثانیة صح و إلا لا، حتی یدخل مصره أو ینوي إقامة نصف شهرٍ ببلد أوقریة وقصر إن نویٰ أقل منه أو لم ینو وبقي سنین (کنز) وفي التبیین: ثم کلامه یتضمن أشیاء، أحدها بیان موضع یبتدأ فیه بالقصر، والثاني: بیان اشتراط قصر السفر، والثالث: بیان قدر مسافته الرابع تحتم القصر فیه، أما الأول فإنه یقصر إذا فارق بیوت المصر ...... وأما الثاني: وهو بیان اشتراط قصر السفر فلا بد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أیام حتی یترخص برخصة المسافرین وإلا لایترخص أبدًا ولو طاف الدنیا جمیعها ...... وأما الثالث: وهو بیان مسافة السفر فقد قال أصحابنا: أقل مسافة تتغیر فیها الأحکام مسیرة سیرة ثلاثة أیام بسیر متوسط وهو سیر الإبل ومشي الأقدام في أقصر أیام السنة الخ. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبه زکریا دیوبند ۱/۵۰۶ تا ۵۱۳، امدادیة ملتان ۱/۲۰۹ تا ۲۱۳)

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبه زکریا دیوبند ۲/۲۲۵ تا ۲۳۲، کوئٹه ۲/۱۲۸ تا ۱۳۲۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

گھوڑے کی سواری پرنماز کا حکم

سوال (۵۰۱): قدیم ۱/۳۷۵- اگر گھوڑے پرسوار ہے اور کوئی آدمی ساتھ نہیں اور نہ کوئی باندھنے کی چیز ہے اور خوف فرار بھی یا رات ہوجانے کا خوف ہے تو نماز فرض گھوڑے پر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: **فی الدرالمختار باب النوافل فهي صلوة على الدابة فتجوز فی حالة العذر المذكور فی التيمم إلیٰ قوله وذهاب الرفقاء ودابة لا تركب إلا بعناء أو بمعين وفی ردالمحتار بأن يخاف على نفسه أو ماله الخ،**(۱)

پس صورت مسئولہ میں جب اترنے سے گھوڑے کے بھاگ جانے کا خوف ہے اور رات ہوجانے سے جان کا اندیشہ ہے تو فرض نماز گھوڑے پر درست ہے۔ یہ حکم تو اس صورت میں ہے کہ گھوڑے کے چلے جانے کا بہت غالب گمان ہو اور اگر ویسے ہی شبہ ہے تو گھوڑے پر نماز نہ پڑھے بلکہ زمین پر اتر کر شروع کرے پھر اگر گھوڑا بھاگنے کو ہو تو نماز قطع کر کے اس کو پکڑ لے۔

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۸۹، كراچي ۲/ ۴۰۔

لا يصح على الدابة صلاة الفرائض ولا الواجبات كالوتر والمنذور والعيدين ولاقضاء ماشرع فيه نفلاً فأفسده ولاصلاة الجنازة ولاسجدة تلاوة قد تليت آيتها على الأرض إلا لضرورة كخوف لص على نفسه أو دابته أو ثيابه لو نزل ولم تقف له رفقته وخوف سبع على نفسه أو دابته ووجود مطروطين في المكان وجموح الدابة، وعدم وجدان من يركبه دابته ولو كانت غير جموح لعجزه بالاتفاق الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الفرض والواجب على الدابة، مكتبه دار الكتاب ص:۴۰۷-۴۰۸)

وقيد بالنفل لأن الفرض والواجب بأنواعه لا يجوز على الدابة من غير عذرٍ من الوتر والمنذور وما لزمه الإعادة إذا استطاع النزول كما في الظهيرية وغيرها: ومن الأعذار أن يخاف اللص أو السبع على نفسه أو ماله ولم يقف له رفقاء ه، ←

فی الدرالمختار: آخر مکروهات الصلوٰة ویباح قطعها لنحوقتل حیة وند دابة وفور قدر وضیاع ماقیمته درهم له أولغیره اھ۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم،

ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۳ ج ۱)

متفرق مقامات میں اقامت کی نیت کا حکم

سوال (۵۰۲): قدیم ۱/ ۵۷۴- زید پنجاب سے بارادہ سیاحی بنگالہ کو آیا اور ایک پرگنہ میں بارادۂ اقامت چھ ماہ ٹھیرا اس صورت سے کہ دو روز ایک موضع میں وعظ کیا دو روز دوسرے میں۔ اس صورت سے پانچ چھ ماہ ایک پرگنہ میں جو دس بارہ کوس کی وسعت میں ہے گزارتا ہے کیا اس صورت میں قصر کرے گا یا نہ؟

الجواب: قصر کرے گا۔

← **وكذا إذا كانت الدابة جموحًا لا يقدر على ركوبها إلا بمعين أو هو شيخ كبير لايجد من يركبه، ومن الأعذار الطين، والمطر، بشرط أن يكون بحال يغيب وجهه في الطين الخ.** (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۱۱۳- ۱۱۴، كوئٹه ۲/ ۶۴)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۰۵۔

(۱) الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في بيان السنة والمستحب الخ، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۲۵-۴۲۶، كراچي ۱/ ۶۵۴۔

ويجوز قطعها ولوكانت فرضًا بسرقة يخشىٰ على ما يساوي درهمًا، ولو كان المسروق لغيره أي غير المصلي لدفع الظلم والنهي عن المنكر، ويجوز قطعها لخشية خوف من ذئب ونحوه على غنم ونحوها الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فيما يوجب قطع الصلاة وما يجيزه وغير ذلك، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۳۷۲)

منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۴، كوئٹه ۲/ ۳۰۔

الدرالمنتقىٰ على ملتقي الأبحر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ومايكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۸۹۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

فی الدرالمختار: فیقصر إلیٰ قوله أو نوی فیه لکن بموضعین مستقلین کمکة ومنی الخ،(۱) واللہ اعلم

۱۲/ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۴ ج ۱)

کشتی کا محل اقامت کی صلاحیت نہ رکھنا

سوال (۵۰۳): قدیم ۱/۵۷۴- زید آبی ملک میں ایک مسقّف کشتی میں مع اپنے نوکر چاکر

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبه زکریا دیوبند ۲/۶۰۶، کراچي ۲/۱۲۶۔

لو نویٰ الإقامة في موضعین، فإن کان کل منهما أصلاً بنفسه نحو مکة، ومنیٰ، والکوفة، والحیرة لا یصیر مقیمًا. (هندیة، کتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، قدیم زکریا ۱/۱۴۰، جدید زکریا ۱/۱۹۹)

لا یتم إذا نویٰ الإقامة بمکة، ومنیٰ ونحوهما من مکانین کل منهما أصل بفسه، لأنها لو جازت في مکانین لجازت في أماکن وحینئذٍ فلا یتحقق سفرًا إلا إذا نویٰ أن یقیم بأحدهما لیلاً، فإنه یصیر مقیمًا بدخوله فیه بخلاف ما إذا کان أحدهما تبعًا للآخر کالقریة إذا قربت من المصر بحیث تجب الجمعة علی ساکنها لأنها في حکم المصر، وقد استفید من کلامه أن شرائط نیة الإقامة خمسة: ترک السیر، والمدة، وصلاحیة الموضع وإتحاده والاستقلال. (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبه زکریا دیوبند ۱/۳۴۶-۳۴۷)

ولو نواها بموضعین کمکة، ومنیٰ، لا یصیر مقیمًا إلا أن یبیت بأحدهما لأن إقامة المرء تضاف إلی مبیته هذا إذا کان کل من الموضعین أصلاً بنفسه. (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۲۴۰)

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب المسافر، مکتبه زکریا دیوبند ۲/۲۳۴، کوئٹه ۲/۱۳۲۔

هدایة، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبه اشرفیة دیوبند ۱/۱۶۷۔

بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل في صلاة المسافر، مکتبه زکریا دیوبند ۱/۲۷۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

واہل وعیال کے رہتا ہے اور جس گاؤں میں وعظ کرتا ہے اس کے قریب دریا میں کشتی جا لگاتا ہے دن میں وعظ کر کے رات کو واپس کشتی میں آتا ہے اور کبھی کشتی سے باہر موضع میں بھی پانچ سات روز گزارتا ہے مگر مقیم کشتی ہی میں رہتا ہے تو کیا اس صورت میں اہل اخبیہ میں داخل ہو کر پوری نماز پڑھے گا یا قصر؟

مالابد کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری نماز پڑھے گا (اور جو کہ ہمیشہ میدان میں رہا کرتے ہیں اور کسی جگہ اقامت نہیں کرتے ہیں مگر دس پانچ روز تو ان لوگوں کو حکم ہے کہ ہمیشہ نماز اقامت کی پڑھیں قصر نہ کریں ہاں جس وقت یکبارگی ۴۸ کوس چلنے کا ارادہ کریں تو اس وقت قصر پڑھیں) مگر اہل اخبیہ میں اور مقیم فی السفینہ میں اتنا فرق ہے کہ اہل اخبیہ مثل کنجر بنجارے بدو کے ہمیشہ بیابان میں آبادی سے دور رہتے ہیں اور مقیم فی السفینہ کبھی قریب موضع کے متصل اور کبھی بفاصلہ ایک میل کبھی دو تین میل وعلی ھذا تو پس اس میں وہ واعظ اور نوکر اس کے کیا قصر پڑھیں گے یا کامل عالمگیری میں متاخرین کا اس مسئلہ میں اختلاف بیان کیا ہے؟ (۱)

الجواب: قصر کرے گا۔

فی الدرالمختار فیقصر إلیٰ قوله أو نوی فیه لکن فی غیر صالح کبحر الخ وفی ردالمحتار قال فی المجتبی والملاح مسافر الاعند الحسن وسفینته أیضاً لیست بوطن اھ بحرو ظاهره ولو کان ماله وأهله معه فیها ثم رأیته صریحاً فی المعراج.(۲)

---

(۱) ہندیہ کی پوری عبارت ملاحظہ ہو:

اختلف المتأخرون في الذين يسكنون في الخيام والأخبية في المفازات من الأعراب والتركمة، هل صاروا مقيمين بالنية؟ عن أبي يوسفؒ فيه روايتان: في إحداهما لا، وفي الأخرىٰ قال: يصيرون مقيمين وعليه الفتوى كما في الغياثية. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر قديم زكريا ۱/۱۳۹، جديد زكريا ۱/۲۰۰)

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۶۰۶، كراچي ۲/۱۲۶۔

ولاتصح نية الإقامة في مفازة لغير أهل الأخبية لعدم صلاحية المكان في حقه (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي: مثلها أي مثل المفازة الجزيرة، والبحر، والسفينة والملاح ←

اور چونکہ اہل بحر کا حکم مثل اہل اخبیہ کے نہیں لہٰذا عالمگیری میں جو اہل اخبیہ کے باب میں اختلاف منقول ہے یہاں اس سے کچھ تعلق نہیں۔ (امداد ص ۹۴ ج ۱)

۱۲/ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ

سوال (۵۰۴): قدیم ۱/ ۵۷۵- (*) حضرت والا! آپ کا فتویٰ مندرجہ رسالہ الامداد ماہ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ احقر کی نظر سے گزرا آپ نے جو جواب ارقام فرمایا ہے اس کے متعلق عاجز کے ذہن میں چند شبہات پیدا ہوگئے ہیں امید کہ آپ تشفی فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ کشتی وجہاز میں اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے جب تک اس کے کھڑے ہونے کی جگہ موقع آبادی سے متصل نہ ہو یہ تو آپ بھی تسلیم فرماتے ہیں کہ کشتی وجہاز میں اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے لیکن جب کشتی آبادی کے متصل کھڑی ہو تو نیت اقامۃ درست فرماتے ہیں اب گزارش یہ ہے کہ آپ نے یہ حکم کہاں سے اخذ کیا ہے۔

(*) سائل اس سوال میں حضرتؒ کے اس جواب پر نقد کر رہا ہے جو سوال نمبر ۵۱۸/ پر آ رہا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **مسافر وسفينته ليست بوطن.** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص:٤٢٦)

وقيد بأهل الأخبية لأن غيرهم من المسافرين لو نوى الإقامة معهم فعن أبي يوسفؒ روايتان: وعند أبي حنيفةؒ لايصيرون مقيمين وهو الصحيح كذا في البدائع، وفي المجتبىٰ: والملاح مسافر إلا عند الحسن وسفينته أيضًا ليست بوطن. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٣٥، كوئٹه ٢/ ١٣٤)

ولايصير مقيمًا بنية الإقامة فيها؛ لأن السفينة ليست بموضع قرار ولاهي بيت إقامة ولكنه معدّ للإنتقال، والبحر موضع المخاوف، وكذلك صاحب السفينة والملاح لايصير مقيمًا لأن محلية الإقامة لا تختلف بين المالك والملاح وغير ذلك. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون، الصلاة في السفينة، مكتبه زكريا ٢/ ٥٤٢، رقم: ٣٢٤٩)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون، الصلاة في السفينة، المجلس العلمي ٢/ ٤٣٢، رقم: ٢١٣٠- **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

(۱) اگر آپ نے فناء مصر پر قیاس کیا ہے تو قیاس مع الفارق معلوم ہوتا ہے کیونکہ فناء مصر محل اقامت ہے لہٰذا اس کو مصر کے ساتھ ملحق کر دیا گیا لیکن جب کشتی و جہاز اقامت کی صلاحیت نہیں رکھتے اور دریا محل اقامت نہیں ہے تو آبادی کے قرب کی وجہ سے ان میں کیوں صلاحیت پیدا ہوگی؟

(۲) اگر آپ نے کہیں فقہاء کی تصریح اس بارے میں دیکھی ہے تو اس سے مطلع فرمایئے تاکہ دفع خلجان ہو۔

(۳) اس بارے میں آپ نے جو عبارات فقہیہ تحریر فرمائی ہیں ان سے تو یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ جب کشتی آبادی کے متصل ہو تو نیت اقامت درست ہے ان سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ دریا کا کنارہ جبکہ سلسلہ آبادی کا وہاں تک متصل چلا گیا ہو فناء مصر میں داخل ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دریا بھی فناء مصر میں داخل ہے۔

(۴) جب مصر اور فناء مصر کے درمیان کوئی باغ یا بڑا میدان یا جنگل حائل ہو تو اس وقت وہ مصر کے حکم سے خارج ہو جاتا ہے تو جہاز اور کشتی جو دریا میں لنگر انداز ہوتی ہے اس میں بہ تبعیت مصر کیونکر اقامت درست ہوسکتی ہے حالانکہ فناء مصر اور باغ میدان و جنگل کے درمیان قطع مسافت میں کوئی شئ مانع نہیں ہے اور جہاز اور خشکی کے مابین پانی کا حصہ آمد و رفت سے مانع ہے اور بغیر حیلہ و علاج کے عبور عادۃ ناممکن ہے۔

(۵) جب یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ بحر و کشتی محل اقامت نہیں ہے تو جب تک اس کے خلاف فقہاء کی کوئی تصریح نہ ملے تو اس کے خلاف حکم دینا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

(۶) عالمگیری سے بحوالہ عتابیہ آپ نے جو عبارت نقل کی ہے وہ اس شخص کے حق میں ہے کہ جو اپنے وطن اصلی سے سفر کرتا ہو ظاہر ہے کہ کشتی لوٹنے کے بعد وہ اپنے وطن اصلی میں پہونچ گیا ہے پس اس کی اقامت بسبب وطن اصلی کے ہے۔ فقط۔

فی الحقیقت یہاں ان لوگوں کے متعلق بحث ہے جو مسافت بعیدہ سے یہاں آکر کام کرتے ہیں جو ابتک دریا کے متصل کسی قریہ یا آبادی میں مقیم نہ ہوں ان لوگوں کے متعلق بحث نہیں ہے جو کسی مصر یا قریہ میں مقیم ہونے کے بعد جہاز میں ملازم ہوئے ہوں کیونکہ ان کی اقامت کی صحت وطن اصلی یا وطن اقامت کی وجہ سے ہے جس کی تفصیل فتوے میں جو اس کے ساتھ منسلک ہے موجود ہے۔

(۷) دریاء فناء مصر میں شامل ہے کہ نہیں۔

(۸) البحر الرائق کی اس عبارت :**لأن نية الإقامة لاتصح في غيرهما فلاتصح في مفازة ولاجزيرة ولابحر ولاسفينة اه.** (۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ سمندر اور کشتی محل اقامت نہیں۔

شامی وغیرہ کی عبارت میں بھی بحر کو سفینہ پر عطف کیا گیا ہے جس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ کشتی اگرچہ کنارے پر آبادی کے متصل کھڑی ہو تو بھی اس میں اقامت درست نہیں ہے بحر پر سفینہ کا عطف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں سے دو چیزیں مراد ہوں کیونکہ بحر میں بجز کشتی کے اقامت کی کوئی صورت نہیں پس اس پر سفینہ کو عطف کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سفینہ سے یہ مراد ہو کہ جب وہ کنارہ پر آبادی کے متصل کھڑی ہو تو بھی اس میں اقامت درست نہیں ہے حقیقت سے مجاز کی طرف رجوع کرنا بدون قرینہ صارفہ کے صحیح نہیں ہے۔ فی الجملہ تصریحات فقہاء سے مترشح ہوتا ہے کہ بحر اور سفینہ محل اقامت نہیں ہے پس اس کے خلاف حکم دینے کیلئے صریح دلیل کی ضرورت ہے۔

اب دست بستہ گزارش ہے کہ ان شبہات کے دفعیہ کی طرف توجہ مبذول فرماویں جناب کا وہ فتویٰ جو رسالہ الامداد ماہ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ میں مندرج ہے دستیاب ہونے کے قبل میں نے یہ فتویٰ لکھا تھا اگر قبل اس کے آپ کا فتویٰ ملتا تو بغیر جواب تحریر کئے محض شبہات کو آپ کی خدمت میں بھیجدیتا۔ اب گزارش ہے کہ ازراہ نوازش جواب تحریر فرما کر تسکین فرماویں؟

---

(۱) البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة صلاة المسافر، مکتبه زکریا دیوبند ۲/۲۳۲، کوئٹه ۲/۱۳۱۔

إن نوىٰ الإقامة في أقل منه أي في نصف شهر أو نوىٰ فيه لكن في غير صالح كبحر وجزيرة (در مختار) وفي الشامية: قوله كبحر، قال في المجتبىٰ: والملاح مسافر إلا عند الحسن وسفينته أيضًا ليست بوطن -بحر- وظاهره ولو كان ماله وأهله معه فيها، ثم رأيته صريحًا في المعراج الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۶۰۶، كراچي ۲/۱۲۶)

ولا تصح نيةالإقامة في مفازة لغير أهل الأخبية لعدم صلاحية المكان في حقه (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي: مثلها أي مثل المفازة الجزيرة والبحر والسفينة والملاح مسافر وسفينته ليست بوطن. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۴۲۶) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

الجواب : بخدمت جامع الفضائل دامت افاداتہم ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، خط مع تحقیق مسئلہ پہنچا اس خیر خواہی سے ممنون ہوا چونکہ احقر اس وقت ایک سفر میں تھا کچھ وقت اس میں اور کچھ وقت واپسی کے بعد انتظار فرصت میں گزر گیا جب توقع فرصت کی نہ رہی ایک اپنے عزیز کو اول صرف آپ کا فتویٰ دیا جس میں میرے جواب کا ذکر تھا تاکہ خالی الذہن ہوکر اس کو دیکھیں انہوں نے اپنی رائے لکھ دی جو ملاحظہ کے لئے مرسل ہے۔ اس کے بعد پھر میں نے آپ کا خط دیا جس میں میری رائے مذکور تھی جس کے بعد عزیز موصوف نے کسی قدر اور تفصیل کر دی یہ جواب میرے جواب کا موید ہے بلکہ اس میں اس قدر مزید ہے کہ میں نے جو اتصال آبادی کی شرط لگائی تھی اس میں وہ بھی نہیں۔ چونکہ میرے نزدیک یہ جواب صحیح ہے اس لئے میں نے اس اشتراط سے بھی رجوع کر لیا۔ واللہ اعلم ، ۲۷/ ماہ رجب ۱۳۴۲ھ

تنبیہ : خط مذکورہ بالا مع فتویٰ صاحب خط وجواب عزیز موصوف یہ سب امداد الاحکام مسئلہ مرقومہ ۱۱/ رجب ۱۳۴۲ھ ومسئلہ مرقومہ ۱۴/ رجب ۱۳۴۲ھ میں مذکور ہیں۔ (ترجیح خامس ص ۱۳۹)

مسئلہ قصر واتمام میں اجیر ونوکر کے تابع ہونے کی تحقیق

سوال (۵۰۵) : قدیم ۱/ ۸۷۵ - زید جس ملک میں وعظ کرتا ہے وہاں کے قریب کے مثلاً دس بارہ کوس کے دور کے لوگ ملاحوں میں نوکر رکھتا ہے اور ان کے علاقہ کے قریب پندرہ بیس کوس میں برس روز تک سیاحی کرتا ہے بصورت مذکورہ بالا ان کی نماز کا حکم تابع صاحب السفینہ کے ہوگا یا وہ ہمیشہ کامل پڑھا کریں گے اور اس میں یہ بھی ہے کہ جس وقت وہ لوگ نوکری چھوڑ کر مکان کو چلے جائیں تو ان کا مانع کوئی نہیں؟

الجواب : تبعیت اجیر کی مشروط دو شرط سے ہے ایک یہ کہ اس کا خروج اپنے وطن سے مسافت قصر کی نیت سے ہو۔ (۱)

---

(۱) **من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدًا مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بالسير الوسط مع الإستراحات المعتادة صلى الفرض الرباعي ركعتين ولو عاصيًا بسفره حتى يدخل موضع مقامه أوينوى إقامة نصف شهر بموضعٍ صالح لها.** (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۹۹ تا ۶۰۵، كراچي ۲/ ۱۲۰ تا ۱۲۵) ←

دوسرے یہ کہ وہ ماہانہ یا سالانہ تنخواہ پرنوکر ہو۔ صرح بہ فی ردالمحتار عن التتارخانیة.(۱)

پس ان ملاحوں کا حکم اسی قاعدہ سے نکال لیا جائے؛ چونکہ سوال میں دونوں امر مبہم ہیں؛ لہٰذا جواب مجمل ہوسکا۔

۱۲/ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۵ ج ۱)

← **من جاوز بيوت مصره مريدًا سيرًا وسطًا ثلاثة أيام في برٍ أو بحرٍ أو جبلٍ قصر الفرض الرباعي ...... حتى يدخل مصره أو ينوي إقامة نصف شهر ببلد أو قرية.**
(النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ١/٣٤٤-٣٤٦)

وتقضىٰ من جاوز بيوت مصره من جانب خروجه مريدًا سيرًا وسطًا ثلاثة أيام قصر الفرض الرباعي، وصار فرضه فيه ركعتين. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية بيروت ١/٢٣٧-٢٣٨)

(١) والمعتبر نية المتبوع لأنه الأصل لا التابع كامرأة وفّاهامهرها المعجل وعبدغير مكاتب وجندي إذا كان يرتزق من الأمير أو بيت المال وأجير أي مشاهرة أو مسانهة كما في التاتارخانية، أما لو كان مياومة بأن استأجره كل يوم بكذا فإن له فسخها إذا فرغ النهار فالعبرة لنيته. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٦١٦-٦١٧، كراچي ٢/١٣٣-١٣٤)

الأصل في هذا أن من يمكنه الإقامة باختياره يصير مقيمًا بنية نفسه، ومن لايمكنه الإقامة باختياره لا يصير مقيمًا بنية نفسه حتى أن المرأة إذا كانت مع زوجها في السفر والرقيق مع مولاه والتلميذ مع أستاذه والأجير مع المستأجر وفي الفتاوى العتابية مشاهرة أومسانهةً والجندي مع أميره ...... فهولاء لا يصيرون مقيمين بنيّة أنفسهم في ظاهر الرواية. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٠١، رقم:٣١١٦)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

امام کے ساتھ فاسد نماز کے اعادہ کے وقت لزوم قصر کا حکم

سوال (۵۰۶): قدیم ۱/ ۵۷۸- مقتدی مسافر ہے امام مقیم ہے مقتدی نے خیال کیا کہ ہم دو ہی رکعت کے بعد سلام پھیریں گے پس ایسا ہی کیا بعد کو امام نے اس بات کو انکار کرنے سے وہ چہار رکعت پڑھ دیا معلوم کرنا یہ بات ہے کہ اس مقتدی کو فقط دو رکعت دوبارہ پڑھنی تھی یا کہ امام کے پیچھے اقتداء کر کے تمام نہ کرنے سے چہار رکعت پڑھنا ٹھیک ہے؟ فقط

الجواب: فی الدرالمختار: وأما اقتداء المسافربالمقیم فیصح فی الوقت ویتم لابعده فیما یتغیر وفی ردالمحتار تحت قوله فیصح فی الوقت ویتم أی سواء بقی الوقت أوخرج قبل إتمامها لتغیرفرضه بالتبعیة لاتصال المغیر بالسبب وهوالوقت ولوأفسده صلی رکعتین لزوال المغیراه جلدأول ص۸۲۸. (۱)

اس روایت سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ کہ مسافر کو امام مقیم کے ساتھ نماز تمام کرنا چاہئے تھا دوسرے یہ کہ جب وہ نماز فاسد ہوگئی تو تنہا پڑھنے کے وقت قصر کرنا چاہئے۔ فقط واللہ اعلم،

۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۶)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۶۱۲، کراچي ۲/ ۱۳۰۔

ولو اقتدیٰ مسافر بمقیم في الوقت صح وأتم وبعده لا (کنز) وفي النهر: وأتم أي صلاۃ المقیمین بقي الوقت أو خرج قبل إتمامها لتغیر فرضیته بالتبعیة لاتصال المغیر بالسبب وهو الوقت، ولو أفسده صلی رکعتین لزوال المغیر. (النهر الفائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/ ۳۴۷-۳۴۸)

ولو اقتدیٰ مسافر بمقیم في الوقت صح وأتم لأنه یتغیر فرضه إلی الأربع لتبعیة کما تتغیر نیة الإقامة لاتصال المغیر بالسبب وهو الوقت وفرض المسافر قابل للتغییر حال قیام الوقت کنیة الإقامة فیه، وإذا کان التغییر لضرورۃ الاقتداء فلو أفسده صلی رکعتین لزواله. (البحرالرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۲۳۶، کوئٹہ ۲/ ۱۳۴) ←

کیا عورت کو بعد شادی وطن اصلی (میکہ میں) قصر کرنا ہوگا؟

سوال (۵۰۷): قدیم ۱/ ۵۷۹- ہندہ اپنے وطن مولودی سے ۱۰۰ کوس پر بیاہی گئی ہے تو جبکہ سسرال سے اپنے وطن اصلی مولودی میں چار پانچ روز کے واسطے اتفاقاً آوے تو نماز قصر پڑھے یا پوری؟

الجواب: **فی الدر المختار الوطن الأصلی یبطل بمثله وفی رد المحتار فلو کان له أبوان ببلد غیر مولده وهو بالغ ولم یتأهل به فلیس ذلک وطنا له إلا إذا عزم علی القرار فیه وترک الوطن الذی کان له قبله شرح المنیة ج ۱ ص ۸۲۹.(۱)**

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ عورت صورت مسئولہ میں نماز قصر پڑھے۔ (۲) فقط
۷/ رجب ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۷)

← **ولو اقتدیٰ المسافر في الرباعي ولو قبل السلام بالمقیم في الوقت ولو قدر التحریمة علی الأصح صح اقتداء ہ ویتم ماشرع فیه أربعًا بالتبعیة حتی لو أفسدها هو أو إمامه قضیٰ رکعتین فقط.** (مجمع الأنهر، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۴۱-۲۴۲)

حلبي کبیري، کتاب الصلاۃ، فصل المسافر، مکتبه اشرفیة دیوبند ص:۵۴۲۔

هدایة مع الفتح القدیر، باب صلاۃ المسافر، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۳۷، کوئٹه ۲/ ۱۲۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، مکتبه زکریا دیوبند ۲/ ۶۱۴، کراچي ۲/ ۱۳۱۔

(۱) **فالأصلي وهو مولد الإنسان أو موضع تأهل به ومن قصده التعیش به لا الارتحال عنه أما لو کان له أبوان ببلد غیر مولده وهو بالغ ولم یتأهل به فلیس ذلک وطنًا له. وفي المبسوط: هو الذي نشأ فیه أو توطن فیه أو تأهل فقوله أو توطن فیه یتناول ما عزم القرار** ←

جنگل میں رہنے والوں (خانہ بدوش) کیلئے قصر یا اتمام کا حکم

سوال (۵۰۸): قدیم ۱/ ۵۷۹- جو لوگ ہمیشہ جنگل باشی ہیں جیسے قوم اوڈ جو سرکی لئے مع اپنے ٹانڈے کے دہ بہ دہ پھرتے ہیں جہاں مزدوری مل گئی کئی کئی روز ٹھہر جاتے ہیں ورنہ شب باش ہوئے اور چل دیئے ایسے لوگ مسافر ہیں یا نہیں؟

← **فيه وعدم الارتحال وإن لم يتأهل فعلي هذا لو عزم من له أبوان في بلد على القرار فيه، وترك الوطن الذي كان له قبله يكون وطنًا له.** (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل المسافر، مكتبه اشرفية ديوبند ص:٥٤٤)

الوطن الأصلي: هو وطن الإنسان في بلدته أو بلدة أخرى اتخذها دارًا وتوطن بها مع أهله وولده وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها، وهذا الوطن يبطل بمثله لاغير وهو أن يتوطن في بلدة أخرىٰ وينقل الأهل إليها فيخرج الأول من أن يكون وطنًا أصليًا حتى لو دخله مسافرًا لايتم . (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٣٦، كوئٹه ٢/١٣٦)

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الكلام في الأوطان، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٢٨٠۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، صلاة السفر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٥١٠، رقم: ٣١٤٤-٣١٤٥۔

هندية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ١٤٣، جديد زكريا ١/ ٢٠٢۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: یہ لوگ مقیم ہیں البتہ اگر کسی ایسے مقام پر پہنچنے کے بعد ایک دم سے نیت ایسے مقام کی کریں جو یہاں سے مسافت قصر پر ہو تو مسافر ہوں گے۔

هكذا في الدر المختار وردالمحتار.(۱)

۱۸/رمضان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۹)

---

(۱) بخلاف أهل الأخبية كعرب وتركمان نووها في المفازة، فإنها تصح في الأصح وبه يفتىٰ إذا كان عندهم من الماء أو الكلأ ما يكفيهم مدتها لأن الإقامة أصل إلا إذا قصدوا موضعًا بينهما مدة السفر فيقصرون إن نووا سفرًا وإلا لا (در مختار) وفي الشامية: وقوله لأن الإقامة أصل علة لقوله ”فإنها تصح“ أي نيتهم الإقامة قال في البحر: وظاهر كلام البدائع أن أهل الأخبية لا يحتاجون إلى نية الإقامة، فإنه جعل المفاوز لهم كالأمصار، والقرىٰ لأهلها، ولأن الإقامة للرجل أصل والسفر عارض، وهم لا ينوون السفر وإنما ينتقلون من ماءٍ إلى ماءٍ ومن مرعىٰ إلى آخر. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۶۰۸، كراچي ۲/۱۲۷)

واختلف المتأخرون في الأعراب والأكراد والتركمان الذين يسكنون في بيوت الشعر والصوف، قال بعضهم: لا يكونون مقيمين أبدًا وإن نووا الإقامة مدة الإقامة لأن المفازة ليست موضع الإقامة، والأصح أنهم مقيمون لأن عادتهم الإقامة في المفاوز دون الأمصار والقرىٰ فكانت المفاوز لهم كالأمصار والقرىٰ لأهلها، ولأن الإقامة للرجل أصل، والسفر عارض وهم لا ينوون السفر؛ بل ينتقلون من ماء إلى ماء ومن مرعىٰ إلى إلى مرعىٰ حتى لو ارتحلوا عن أماكنهم وقصدوا موضًا اٰخر بينهما مدة سفر صاروا مسافرين في الطريق. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان مكان الصالح للإقامة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۷۲)

بخلاف أهل الأخبية حيث تصح منهم نية الإقامة في الأصح وإن كانوا في المفازة لأن الإقامة أصل فلاتبطل بالانتقال من مرعىٰ إلى آخر إلا إذا ارتحلوا عن موضع إقامتهم في الصيف وقصدوا موضع إقامتهم في الشتاء وبينهما مسيرة ثلاثة أيام، ←

ملازمینِ جہاز کیلئے قصر یا اتمام کا حکم

سوال (۵۰۹): قدیم ۱/ ۵۷۹- جولوگ آگبوٹ جہاز میں نوکری کرتے ہیں اوران کا دائمی پیشہ یہی ہے بعض ان میں ایسے ہیں جو ہفتوں میں واپس آجاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو مہینوں میں واپس آتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو برسوں میں واپس آتے ہیں ان میں بعض آگبوٹ تو ایسے ہیں جوایک ملک سے براہ راست دوسرے ملک کو چلے جاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو ملک در ملک شہر در شہر آدمیوں کو اتارتے چڑھاتے اور مال لیتے دیتے جاتے ہیں اور کہیں ہفتہ بھر کہیں اس سے کم زیادہ ٹھیرتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ لوگ ذی اختیار نہیں جب تک کپتان مالک آگبوٹ یا اس کا قائم مقام ٹھیرے تب تک یہ بھی ٹھیرتے ہیں جب وہ چلے یہ بھی چلتے ہیں آیا یہ لوگ مسافر ہیں یا مقیم اگر مسافر ہیں تو اپنی نمازوں کو قصر کریں اور روزہ افطار کریں یا نہیں؟ فقط

الجواب: جہاز گھر یعنی وطن کے حکم میں تو نہیں ہے(۱) پس اس کا حکم کوئی جدا نہیں ہے جو اور مسافر کا ہے وہی اس کا۔ یعنی یہ لوگ جب اپنے وطن اصلی یا وطن اقامت سے (یعنی جہاں پندرہ روز

← **فإنهم يصيرون مسافرين في الطريق، وظاهر كلام البدائع أن أهل الأخبية مقيمون لايحتاجون إلى نية الإقامة فإنه جعل المفاوز لهم كالأمصار والقرىٰ لأهلها، ولأن الإقامة للرجل أصل والسفر عارض، وهم لاينوون السفر، وإنما ينتقلون من ماءٍ إلى ماءٍ ومن مرعىٰ إلى آخر.** (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۳۵، کوئٹہ ۲/ ۱۳٤)

هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، قديم زكريا ۱/ ۱۳۹، جديد زكريا ۱/ ۲۰۰ ـ

النهرالفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳٤۷ـ

(۱) **ولاتصح نية الإقامة في مفازة لغير أهل الأخبية لعدم صلاحية المكان في حقه (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي: مثلها أي مثل المفازة الجزيرة، والبحر، والسفينة والملاح** ←

کے قیام کا قصد ہو) چلتے ہیں چلنے کے وقت دیکھنا چاہئے کہ کس قدر مسافت قطع کرنے کا ارادہ مصمم ہوتا ہے اگر بقدر مسافت تین ایام کے (یعنی دریا میں اعتدال ہوا کی حالت میں کشتی تین دن میں جس قدر جاتی ہے) ارادہ ہو تو قصر کریگا اور اگر اس سے کم کا ہو نہ کرے گا۔(۱) **ھکذا فی کتب الفقه، واللہ اعلم،**

۹ رمحرم ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۹)

←**مسافر وسفينته ليست بوطن.** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص:٤٢٦)

أونوىٰ فيه لكن في غير صالح كبحر أو جزيرة قال في المجتبىٰ: والملاح مسافر إلا عند الحسن، وسفينته أيضًا ليست بوطن وبحر وظاهره ولوكان ماله وأهله معه فيها ثم رأيته صريحًا في المعراج. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٦٠٦، كراچي ٢/١٢٦)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٣٥، كوئٹه ٢/١٣٤ـ

(١)**عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع ذي محرم.** (بخاري شريف، كتاب تقصير الصلاة، باب في كم يقصر الصلاة؟ النسخة الهندية ١/١٤٧، رقم:١٠٧٥، ف:١٠٨٦)

مسلم شريف، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، النسخة الهندية ١/٤٣٢، بيت الأفكار رقم:١٣٣٨ـ

قال علماء نا: أدناها (أدنىٰ مدة السفر الذي يتعلق به قصر الصلاة) مسيرة ثلاثة أيام ولياليها مع الاستراحات التي تكون في خلال ذلک بسير الإبل ومشي الأقدام وهو سير الوسط والمعتاد الغالب. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، في صلاة السفر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٤٨٩، رقم:٣٠٨٤)

من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدًا سيرة ثلاثة أيام ولياليها بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة صلى الفرض الرباعي ركعتين لو عاصيًا بسفره حتى يدخل موضع مقامه أو ينوي إقامة نصف شهر بموضع صالح له. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٥٩٩تا٦٠٤، كراچي ٢/١٢١ تا ١٢٤) ←

سوال (۵۱۰): قدیم ۱/ ۵۸۰- ہمارے ہاں شہر مولمین میں بہت دور دراز ملکوں سے لوگ آتے ہیں اور کمائی کر کے لے جاتے ہیں اب ان کے پیشہ میں فرق ہے کوئی تو خشکی کا کام کرتا ہے جیسے بزازی لوہاری درزی وغیرہ اور کوئی پانی کے کام کرنے والا ہے (جیسے شہر دہلی کے پورب کی طرف جمنا ندی بہتی ہے ایسے ہمارے شہر مولمین کے داہنی طرف ایک ندی بہتی ہے جو رفتہ رفتہ سمندر سے جاملی ہے جس کے سبب سے دوسرے ملکوں سے اور دوسرے شہروں سے ہمارے ہاں جہاز اور کشتی، منور سوداگری کے آیا کرتے ہیں) یعنی کوئی تو ایسے جہاز کی نوکری کرتا ہے جو دور دور شہروں سے تجارتی چیزیں لینے آیا کرتے ہیں اور کوئی چھوٹے چھوٹے جہازوں میں کام کرتا ہے جو ایک پار سے لوگوں کو دوسری پار لے جاتے ہیں یا ایک دن یا دو دن کے راستے پر مال لینے جایا کرتے ہیں رات کے وقت ہمیشہ جہاز ہی میں لنگر انداز کر کے سو جاتے ہیں اور بعض تو ایسے ہیں جو چھوٹی چھوٹی کشتی چلاتے ہیں بڑے بڑے جہازوں سے جو ندی کے بیچ میں لنگر انداز ہوتے ہیں مال نکال کر چھوٹی کشتیوں میں لاد کر کنارہ پر لاتے ہیں اور بعض کشتی والے اس پار کے لوگوں کو اس پار لے جاتے ہیں اور بعض کشتی والے دو تین روز کے راستہ میں بھی کرایہ لیکر جاتے ہیں پھر وہاں سے شہر میں چلے آتے ہیں اور سب جہاز والوں کیلئے اور کشتی والوں کیلئے اپنی اپنی کشتی لنگر کرنے کو ایک ایک جگہ مقرر ہے۔ وہاں آکر رات کو لنگر کر کے اسی کشتی یا جہاز میں سو جاتے ہیں ان کے واسطے وطن اصلی اور وطن اقامت یہی ہے یہ لوگ ایسے کچھ دن سفر کر کے کچھ کما کر کے پھر اپنے اپنے ملکوں کو چلے جاتے ہیں شہر سے یا کنارہ سے ان کو کوئی سروکار نہیں ہاں کوئی چیز خریدنے کو یا کوئی کرایہ دیکھنے کنارہ پر یا شہر میں آیا کرتے ہیں ورنہ ہمیشہ ان کے رہنے سہنے کی جگہ وہ کشتی یا جہاز ہے یہ لوگ مسافر کہلاویں گے یا مقیم۔

←**من جاوز بيوت مصره مريدًا سيرًا وسطًا ثلاثة أيام في بر أو بحر أو جبل قصر الفرض الرباعي الخ.** (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صفة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٤٤-٣٤٥)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ٤٢١-٤٢٢ ـ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

اس مسئلہ میں یہاں علماء دو فریق ہو گئے۔ فریق اول یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ جب تک اپنا ملک چھوڑ کر رہیں گے (کشتی یا جہاز میں) مسافر کہلائیں گے اور احکام سفر کے ان پر جاری ہونگے کیونکہ ان کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں کشتی یا جہاز اقامت کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے اور جس جگہ لنگر انداز ہوتے ہیں وہ بھی کوئی نیت اقامت کرنے کے لائق جگہ نہیں ہے اور اگر شہر مولمین میں اقامت کی نیت کریں یہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ شہر میں یعنی کنارہ پر خشکی میں نہیں رہتے ہمیشہ دریا میں رہتے ہیں یہ نیت ان کی کیونکر صحیح ہوگی پس یہ لوگ ہمیشہ مسافر ہیں مقیم نہیں ہو سکتے اور فریق ثانی یہ کہتا ہے کہ یہ لوگ جب نیت اقامت کی کریں صحیح ہے جب وہ ارادہ کریں ایک برس یا دو برس اس شہر مولمین میں رہنے کا اور اسی شہر کے پتہ سے خط وکتابت ہوتی رہتی ہے اور وہ ندی جس میں وہ لوگ کشتی یا جہاز رانی کرتے ہیں شہر کے تحت میں ہے جب یہ لوگ شہر کے قریب ندی میں لنگرانداز ہو کے رہتے ہیں گویا شہر میں رہتے ہیں گویا کہ ان کا وطن اقامت شہر مولمین ہے جس پتہ سے ان کی خط وکتابت ہوتی رہتی ہے پس نیت اقامت ان کی صحیح ہے اگر چہ یہ لوگ جہاز یا کشتی میں اکثر وقت رہیں یہ لوگ مقیم ہیں جب تک ملک جانے کا ارادہ نہ کریں۔ فقط، اب آرزو ہے کہ حضور اس مسئلہ کو کچھ دلیلوں کے ساتھ فیصلہ فرما کر سرفراز فرماویں؟

الجواب: فی الدرالمختار أوینوی إقامة نصف شهر بموضع واحد صالح لها من مصر أو قرية أوصحراء دارنا وهو من أهل الأخبية فيقصر إن نوى الإقامة فی أقل منه أي من نصف شهر أونوى فيه لكن فی غير صالح كبحر وجزيرة آلخ وفی ردالمحتار قوله كبحر قال فی المجتبیٰ والملاح مسافر إلا عند الحسن وسفينته أيضاً ليست بوطن اه بحروظاهره ولو كان ماله وأهله معه فيها، ثم رأيته صريحاً فی المعراج ج ا ص ۸۳۳ (۱) وفی الدرالمختار بخلاف أهل الأخبية كعرب وتركمان نووها في المفازة فإنها تصح فی الأصح وبه يفتی إذا كان عندهم من الماء والكلأ مايكفيهم مدتها لأن الإقامة أصل. وفی رد المحتار: قوله كعرب المناسب

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۶۰۴-۶۰۶، كراچي ۲/۱۲۵-۱۲۶۔

قول غيره كأعراب لما فى المغرب العرب هم الذين استوطنوا المدن والقرى العربية والأعراب أهل البدووفيه قوله لأن الإقامة أصل علة لقوله فانها تصح أي نيتهم الإقامة قال فى البحر وظاهر البدائع أن أهل الأخبية لايحتاجون إلىٰ نية الإقامة فانه جعل المفاوزلهم كالأمصار والقرىٰ لأهلها آلخ، ج ا ص۸۳۵. (۱)

فى العالمگيرية: الصحيح ماذكر أنه يعتبر مجاوزة عمران المصر لاغير إلا إذا كان ثمه قرية أو قرى متصلة بربض المصر فحينئذ تعتبر مجاوزة القرى بخلاف القرية التى تكون متصلة بفناء المصر فإنه يقصر الصلوٰة وإن لم يجاوزتلك القرية كذا فى المحيط ج ا ص۸۹. (۲) وفيها ولايصير مقيما بنية الإقامة فيها (أي في السفينة) وكذلک صاحب السفينة والملاح إلا أن يكون السفينة بقرب من بلدته أو قريته فحٍ يكون مقيماً بإقامته الأصلية كذا فى المحيط وفيها عن العتابية

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۶۰۸-۶۰۹، كراچي ۲/۱۲۷۔

ولاتصح نية الإقامة في مفازة لغير أهل الأخبية لعدم صلاحية المكان في حقه (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي: مثلها أي مثل المفازة الجزيرة، والبحر، والسفينة والملاح مسافر وسفينته ليست بوطن. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص:۴۲۶)

بخلاف أهل الأخبية حيث تصح منهم نية الإقامة في الأصح وإن كانوا في المفازة لأن الإقامة أصل فلاتبطل بالانتقال من مرعىٰ إلى مرعي آخر...... وظاهر كلام البدائع أن أهل الأخبية مقيمون لا يحتاجون إلى نية الإقامة، فإنه جعل المفاوز لهم كالأمصار والقرىٰ لأهلها، ولأن الإقامة للرجل أصل والسفر عارض، وهم لاينوون السفر، وإنما ينتقلون من ماءٍ إلى ماءٍ ومن مرعىٰ إلى آخر. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۳۵، كوئٹه ۲/۱۳۴)

(۲) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، قديم زكريا ۱/۱۳۹، جديد زكريا ۱/۱۹۹۔ ←

ولوكان مسافراوشرع فى الصلوٰة فى السفينة خارج المصر فجرت السفينة حتى دخل المصريتم أربعاً كذا فى التتار خانية ج ا ص ۹۲.(۱)

ان روایات سے امور ذیل مستفاد ہوئے:

(۱) کشتی یا جہاز خود موضع صالح للا قامۃ نہیں اگر چہ مال واہل بھی پاس ہوں، پس اس میں اقامت کی نیت کرنے سے مقیم نہ ہوگا اگر اس کے قبل اس پر شرعاً وصف مسافر کا صادق آچکا ہے تو وہ مسافر ہی رہے گا البتہ اگر ابھی مسافر شرعاً نہیں ہوا تو اقامت اصلیہ سے وہ مقیم رہے گا نہ کہ اقامت فی السفینہ سے۔

← قال محمدؒ: ولا يقصر حتى يخرج من مصره ويخلّف دور المصر وفي موضع آخر يقول: ويقصر إذا جاوز عمرانات المصر قاصدًا مسيرة ثلاثة أيام ولياليها، وهذا لأنه مادام في عمرانات المصر فهو لا يعد مسافرًا والأصل في ذلك ماروي عن عليؓ أنه خرج من البصرة يريد السفر، فجاء في وقت العصر، فأتمها ثم نظر إلى خص أمامه فقال: أما لو كنا جازونا هذا الخص لقصرنا، وعلى هذا إذا كانت المحلة بعيدة من المصر وكانت قبل ذلك متصلة بالمصر، فإنه لا يقصر حتى يجاوز تلك المحلة لأن تلك المحلة من المصر بخلاف القرية التي تكون متصلة بفناء المصر، فإنه يقصر الصلاة، إن لم يجاوز تلك القرية لأن تلك القرية لاتكون من المصر، وإنما تكون من القرىٰ ......فعرفنا أن الشرط أن يختلف من عمرانات المصر لا غير. (المحيط البرهاني، الفصل الثاني والعشرون، المجلس العلمي ۲/ ۳۸۷، رقم:۲۰۲۳)

(۱) هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، قديم زكريا ۱/ ۱٤٤، جديد زكريا ۱/ ۲۰٤)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون، المجلس العلمي ۲/ ٤۳۲، رقم: ۲۱۳۰۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون الصلاة في السفينة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٥٤۳، رقم: ۳۲٥٦۔

(۲) البتہ جس کشتی یا جہاز میں لنگر انداز ہوتا ہے وہ کنارہ اگر کسی شہر یا قریہ سے متصل ہے یعنی شہر سے وہاں تک سلسلہ آبادی کا متصلاً چلا آتا ہے درمیان میں کھیت یا باغ یا کوئی بڑا میدان وجنگل حائل نہیں تو وہ کنارہ بھی حکم مصر میں ہوگا اس صورت میں وہاں نیت اقامت کی معتبر ہوجاوے گی **کما فی المصر والقریة**۔ اوراگر اس طرح سے متصل نہیں ہے تو وہ حکم مصر میں نہ ہوگا اور وہاں نیت اقامت کی معتبر نہ ہوگی۔

كما فى ردالمحتار أراد بالعمارة مايشتمل بيوت الأخبية لأن بها عمارة موضعها قال فى الإمداد فيشترط مفارقتها ولومتفرقة وفيه يشترط مفارقة ماكان من توابع موضع الإقامة كربض المصر وهو ماحول المدينة من بيوت ومساكن فإنه فى حكم المصر وكذا القرى المتصلة بالربض فى الصحيح بخلاف البساطين ولومتصلة بالبناء لأنها ليست من البلدة ولوسكنها أهل البلدة فى جميع السنة أوبعضها ولا يعتبر سكنى الحفظة والاكره اتفاقا،امداد ج ا ص ۸۱ (۱)

(۳) ان ہی روایات سے دلائل قائلین بکونہا محلاً صالحاللا قامۃ کا جواب بھی نکل آیا کہ محض شہر کے تحت یا تعلق میں ہونا اس کیلئے کافی نہیں جب تک آبادی کا اتصال نہ ہو اور شاید کوئی اہل اخبیہ کی حالت سے اس پر

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۹۹، كراچي ۲/۱۲۱۔

من نوىٰ السفر ولوكان عاصيًا بسفره إذا جازو بيوت مقامه ولو بيوت الأخبية من الجانب الذي خرج منه ويشترط أن يكون قد جاوز أيضًا ما اتصل به أي بمقامه من فناءه كما يشترط مجاوزة ربضه وهرماحول المدينة من بيوت ومساكن فإنه في حكم المصر وكذا القرىٰ المتصلة بربض المصر يشترط مجاوتها في الصحيح: (مراقي الفلاح) وفي الطحطاوي: قوله: إذا جاوز بيوت مقامه عبر بالجمع ليفيد اشتراط مجاوزة الكل فيدخل فيه محلة منفصلة وفي القديم كانت متصلة لأنها تعد من المصر كما في الخانية: قوله : ولو بيوت الأخبية، متصلة أو متفرقة، فإن نزلوا على ماءٍ أو محتطبٍ يعتبر مفارقة الماء والمحتطب الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص:۴۲۳) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

استدلال کرنے لگے تو اہل اخبیہ کی حقیقت مذکورہ فی الروایات السابقہ کے معلوم ہونے کے بعد وہ استدلال بھی نہ رہے گا کیونکہ اہل اخبیہ کا تو کوئی گھر ہی نہیں ہوتا بخلاف ان کے خلاصہ جواب یہ ہوا کہ کشتی و جہاز میں اقامت کی نیت معتبر نہیں جب تک کہ اس کے کھڑے ہونے کا موقع آبادی سے متصل نہ ہو۔

۸/ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ ص ۱۲)

جب تک کسی دوسری جگہ کو وطن اصلی نہ بنالے پہلا وطن ہی وطن اصلی رہے گا

سوال (۵۱۱): قدیم ۱/۵۸۴- ایک نومسلم عورت ہے اپنے خاوند ہندو کو چھوڑ کر مسلمان ہوگئی ہے گھربار سب چھوڑ دیا ہے اپنا وطن اصلی اس نے کوئی قائم نہیں رکھا دس دن کہیں پندرہ دن کہیں سنگی کے تھان فروخت کرکے گزر کرتی ہے کئی حج بھی کئے وہ دریافت کرتی ہے کہ جب کہ میرا کوئی وطن اصلی نہیں تو میں ہمیشہ نماز قصر کروں اور وطن اقامت ہی میں پوری نماز ادا کروں یا جیسا ارشاد ہو؟

الجواب: **فی الدرالمختار الوطن الأصلی یبطل بمثله لاغیر.** (۱)

---

(۱) الدرالمختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبه زکریا دیوبند ۲/۶۱٤، کراچي ۲/۱۳۲۔

ویبطل الوطن الأصلي بمثله فقط أي لا یبطل بوطن الإقامة ولا بالسفر لأن الشيئ لایبطل بمادونه بل بما هو مثله أو فوقه. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبه دار الکتاب دیوبند ص:٤۲۸- ٤۲۹)

ویبطل الوطن الأصلي بمثله لا بالسفر. (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاةالمسافر، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۲۳٤)

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبه زکریا دیوبند ۲/۲۳۹، کوئٹه ۲/۱۳۷۔

هندیة، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبه زکریا قدیم ۱/۱٤۳، جدید ۱/۲۰۲۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جب تک وہ کسی مقام کو اپنا وطن اصلی نہ بناوے اس وقت تک اس کا وطن اصلی سابق اصلی رہے گا پس وہاں پہنچ کر اتمام واجب ہے اور وہاں سے چلنے کے وقت دیکھا جاوے گا کہ کتنی دور کی نیت سے چلی ہے اگر تین منزل کے قصد سے چلی ہے قصر کرے گی ورنہ اتمام۔(۱)

۱۸؍شوال ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ ص ۳۹)

---

(۱) **وكان ابن عمر وابن عباس يقصران ويفطران في أربعة برد وهو ستة عشر فرسخًا.** (بخاري شريف، كتاب تقصير الصلاة، باب في كم يقصر الصلاة؟ النسخة الهندية ١٤٧/١)

عن ابن عباسؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يا أهل مكة! لا تقصروا الصلاة في أدنىٰ من أربعة برد من مكة إلى عسفان. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ٣٣١/٤، رقم: ٥٥٠٤)

عن ابن أبي رباحٍ قال: قلت لابن عباس: أقصر إلى عرفة؟ فقال: لا، قلت: أقصر إلى مزدلفه؟ فقال: لا، قلت: أقصر إلى الطائف وإلى عسفان؟ قال: نعم! وذلك ثمانية وأربعون ميلاً وعقد بيده. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٣٥٨/٥، رقم: ٨٢٢٢)

واختلفوا في التقدير: قال أصحابنا: مسيرة ثلاثة أيام سير الإبل، ومشي الأقدام وهو المذكور في ظاهر الروايات وروي عن أبي يوسفؒ يومان، وأكثر الثالث، وكذا روي الحسن عن أبي حنيفةؒ وابن سماعة عن محمدؒ، ومن مشايخنا من قدره بخمسة عشر فرسخًا وجعل لكل يوم خمس فراسخ ومنهم من قدره بثلاث مراحل. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، أحكام المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢٦١/١)

ومسافة القصر في المذهب مسيرة ثلاثة أيام ولياليها، ثم حولوها إلى التقدير بالمنازل، فاختلفوا فيه على أقوال منها، ستة عشر فرسخًا كل فرسخ ثلاثة أميال فتلك ثمانية وأربعون ميلاً كما في الحديث، وبه أفتىٰ لكونه مذهب الآخرين. (فيض الباري، أبواب التقصير، باب في كم يقصر الصلاة، مكتبه كوئٹه ٣٩٧/٢)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اپنے اہل وعیال دوسری جگہ نقل کرنے سے بقاءِ وطن وزوال وطن کا حکم

سوال (۵۱۲): قدیم ۱/۵۸۴- ایک شخص نے جس کا مکان سکونت اس کی زاد بوم وطن اصلی میں ہے اس کی زوجہ اولیٰ ودیگر اعزا واقران اس کے سبب وہیں ہیں دوسرے شہر میں فقط زوجہ ثانیہ کے قیام وسکونت کیلئے مکان بنایا چند سال رہنے کے بعد باعث ناموافقت آب وہوا ومبتلاء باامراض رہنے زوجہ ثانیہ کے وطن زاد بوم میں اپنی زوجہ ثانیہ کو لیجانا پڑااوراس دوسرے شہر کے مکان کو مقفل کردیا بعض اسباب خانہ داری بھی اب تک یہیں ہیں اور زوجہ ثانیہ کا پھراس دوسرے شہر میں آنا بھی اس دم تک مشکوک ہے ایسے حال میں وہ شخص اگر دوایک دن کیلئے کسی ضرورت سے یا مکان کی نگرانی کے خیال سے اس شہر میں مسافت طے کرکے آئے تو اس کو قصر کرنا ہوگا یا چار رکعت پوری فرض ادا کرنا ہوگا۔اس مسئلہ میں جوقول محقق ومفتیٰ بہ بمذہب حنفی ہومع نقل عبارت معتبرات رقم فرمایا جاوے۔ بینوا أیها العلماء الکرام أحسن اللّٰه جزاکم یوم القیام؟

الجواب: في رد المحتار: قال في النهر: ولونقل أهله ومتاعه وله دور في البلد لاتبقى وطنا له وقيل تبقى كذا في المحيط اھ ج ا ص ۸۲۹. (۱)

---

(۱) شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٦١٤، كراچي ۲/ ۱۳۲۔

ولو كان له أهل بالكوفة، وأهل بالبصرة فمات أهله بالبصرة وبقي له دور وعقار بالبصرة. قيل: البصرة لا تبقى وطنًا له لأنها إنما كانت وطنًا بالأهل لا بالعقار ألا ترى أنه لو تأهل ببلدة لم يكن له فيها عقار صارت وطنًا له، وقيل: تبقيٰ وطنًا له لأنها كانت وطنًا له بالأهل والدار جميعًا فبزوال أحدهما لا يرتفع الوطن كوطن الإقامة تبقىٰ ببقاء الثقل، وإن قام بموضعٍ آخر وفي المجتبىٰ: نقل القولين فيما إذا نقل أهله ومتاعه وبقي له دور وعقار ثم قال: وهذا جواب واقعة ابتلينا بها وكثير من المسلمين المتوطنين في البلاد ولهم دور وعقار في القرىٰ البعيدة منها يصيفون بها بأهلهم ومتاعهم فلابد من حفظها أنهما وطنان له لا يبطل أحدهما بالآخر.

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ۲/ ۲۳۹، كوئٹه ۲/ ۱۳٦) ←

اس سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں دونوں قول ہیں اور یہی دونوں قول فتح القدیر اور بحر الرائق میں بھی نقل کئے ہیں اور بحر میں دونوں قول کی دلیلیں بھی نقل کی ہیں اور فتح القدیر میں دونوں کی تطبیق کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور میرے نزدیک تطبیق ہی مختار ہے؛ چنانچہ اس صورت میں امام محمدؒ کا قول: **هذا حالي وأنا أرى القصر إن نوى ترك وطنه** نقل کرکے لکھا ہے **إلا ان أبا يوسفؒ كان يتم بها لكنه يحمل على أنه لم ينو ترك وطنه اھ.**

← **وفي المحيط: ولو انتقل بأهله ومتاعه إلى بلد وبقي له دور وعقار في الأول، قيل بقي الأول وطنًا له وإليه أشار محمدؒ في الكتاب حيث قال: باع داره ونقل عياله، وقيل لم يبق وفي الأجناس قال هشام: سألت محمدًا عن كوفي أوطن بغداد وله بها؛ لكنه يحمل على أنه لم ينو ترك وطنه، قال الشيخ نجم الدين: وأنا أرىٰ القصر إن نوىٰ ترك وطنه إلا أن أبا يوسفؒ كان يتم بها لكنه يحمل على أنه لم ينو ترك وطنه قال الشيخ نجم الدين الزاهديؒ: وهذا جواب واقعة ابتلينا به وكثير من المسلمين. المتوطنين في البلاد ولهم دور وعقار في القرىٰ البعيدة منها يصيفون بها بأهلهم ومتاعهم فلا بد من حفظهما أنهما وطنان له. لايبطل أحدهما بالآخر.**

(كفاية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۳، كوئٹه ۲/۱۸)

قال القاضي الإمام الأجل علاء الدين في شرح ''مختلفاته'' لو نقل الرجل أهله وعياله ببلدة وتوطن ثمه، وله في مصره الأول دور وعقارٌ، قال بعض المشايخ: يبقي المصر الأول وطنًا له، حتى لو دخل فيه يصير مقيمًا من غير نيّة الإقامة وأشار محمد في الكتاب فإنه قال: إذا باع داره ونقل عياله، ذكر الأمرين جميعًا وهذا لأن المصر كان وطنًا له بالأهل والدار والحكم متى ثبت لعلة يبقىٰ ببقاء شيئ منها. وقال بعضهم: لا يبقىٰ الأول وطنًا له؛ لأن الأول كان وطنًا له بالأهل لا الدار، ألاترىٰ أن النبي صلى الله عليه وسلم اعتبر التأهل لصيرورة المكان وطنًا لرجل ولصيرورته من أهل ذلك المكان لا الدار حتى قال: من تأهل ببلدة فهو منهم، وإذا لم يبق الأهل لم يبق وطنًا له. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، صلاة المسافر، المجلس العلمي ۲/۴۰۲، رقم: ۲۰۶۵)

حلبي كبيري، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه اشرفية ديوبند ص: ۵۴۴۔

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب المسافر إذا دخل مصره صار مقيمًا، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۲۸۰۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

خلاصہ تطبیق کا یہ ہوا کہ اگر اس دوسرے شہر میں پھر بطور وطن رہنے کا ارادہ نہیں ہے جس طرح پہلے رہتا تھا تب تو وطن نہ رہا وہاں جا کر قصر کرے گا جب مسافت سفر طے کر کے آئے اور اگر اب بھی اسی طرح رہنے کا ارادہ ہے تو وہ بھی وطن ہے۔ پس اس شخص کے دو وطن ہو جاویں گے۔

۷؍محرم ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۱۵)

بندھی کشتی پر نماز کا حکم

سوال (۵۱۳): قدیم ۱/ ۵۸۵- صلوٰۃ فی السفینہ میں فقہاء کے بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے مربوطہ غیر مستقرہ میں نماز بشرط امکان خروج ناجائز ہے اور بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے (۱)

---

(۱) کشتی پر نماز پڑھنا راجح قول میں مشروع ہے چاہے کنارے مربوط اور بندھی ہوئی ہو، جس میں بعض فقہاء نے عدم جواز کو ترجیح دی ہے، مگر اعذار کی وجہ سے جواز کا فتوی ہے یا چلتی ہوئی اور بہتی ہوئی ہو ہر حال میں جائز ہے۔ نیز ہوائی جہاز میں اڑان کی حالت میں نماز پڑھنا جائز ہے، آگے امداد الفتاوی قدیم ۱/ ۵۸۷ سے ۵۸۹ تفصیلی حاشیہ کے ساتھ کئی فتاوی آرہے ہیں جواہر الفقہ ۳/ ۸۴-۸۵ / دیکھئے۔

اب کشتی پر نماز کے جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

وإن كانت مربوطة بالشط لا تجوز صلاته فيها قاعدًا مع القدرة على القيام لانتفاء المقتضى للصحة بالإجماع على الصحيح وهو احتراز عن قول بعضهم أنها أيضًا على الخلاف، فإن صلى في المربوطة بالشط قائمًا، وكان شيئ من السفينة على قرار الأرض صحت الصلاة بمنزلة الصلاة على السرير وإلا أي وإن لم يستقر منها شيئ على الأرض فلا تصح الصلاة فيها على المختار كما في المحيط والبدائع: لأنها حينئذٍ كالدابة وظاهر الهداية والنهاية: جواز الصلاة في المربوطة بالشط قائمًا مطلقًا أي سواء استقرت أو لا إلا إذا لم يمكنه الخروج بلا ضررٍ فيصلي فيها للحرج. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في الصلاة في السفينة الخ، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص:۴۰۹)

المربوطة في الشط كالشط في الأصح (در مختار) وفي الشامية: قوله: المربوطة في الشط كالشط فلا تجوز الصلاة فيها قاعدًا إتفاقًا، وظاهر ما في الهداية وغيرها ←

بعض وقت کنارے پر مکان بھی موجود ہوتا ہے اور بعض جگہ آبادی نہیں ہوتی تو دھوپ کی شدت یا کسی جگہ کیچڑ ہوجاتا ہے تو خروج کا امکان تو ہوتا ہے، مگر بہ تکلیف وتکلف پس امکان سے کیا مراد لیا جاوے اور بعض اہل علم کو اکثر مربوطہ میں نماز پڑھتے دیکھا گیا غالباً ان کا عمل ہدایہ وغیرہ کی روایت پر رہا ہو۔ اس میں قول فیصل کیا ہے اور گنجائش کی جگہ کہاں تک ہے۔ اگر کوئی **سفینہ مربوطہ مستقرہ علی الأرض** میں قائمًا نماز ادا کر چکا ہے یا اب کرتا ہے تو اس کی نماز بالکل ناجائز قابل اعادہ ہے یا نہیں؟

الجواب: اختلافیات میں قول فیصل کون لکھے اس لئے اتنا ہی سمجھنا چاہئے کہ جواز اوسع وارفق ہے اور منع احوط ہے اگر کوئی احوط پر عمل کرے تو اعادہ میں قلیل تک احتیاط بہتر ہے کثیر میں تکلیف مالایطاق ہے اور امکان مقابل تعذر کا ہے اور تفسیر کو بھی شامل ہے۔(*)

۲۳/ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۹۷)

(*) **كذا في الأصل والصحيح "تيسير"** یعنی لفظ ''امکان'' تعذر (دشواری) کا مقابل ہے: لہٰذا ''امکان'' کے معنی ہوئے دشواری نہ ہونا اور کبھی لفظ ''امکان'' کا اطلاق تیسیر (آسانی) پر بھی ہوتا ہے: لہٰذا ''امکان'' کے معنی ہوں گے آسانی ہونا۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **الجواز قائمًا مطلقًا أي استقرت على الأرض أولا، وصرَّح في الإيضاح بمنعه في الثاني حيث أمكنه الخروج إلحاقا لها بالدابة ونهر، واختاره في المحيط والبدائع بحر، وعزاه في الإمداد أيضًا إلى مجمع الروايات عن المصفىٰ، وجزم به في نور الإيضاح وعلى هذا ينبغي أن لا يجوز الصلاة فيها سائرة مع امكان الخروج إلى البر وهذه المسئلة والناس عنها غافلون شرح المنية.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۵۷۳، كراچي ۲/ ۱۰۱)

ومن صلى في السفينة قاعدًا من غير علة أجزأه عند أبي حنيفةؒ والقيام أفضل وقالا: لايجزيه إلا من عذرٍ لأن القيام مقدور عليه فلا يترك وله أن الغالب فيها دوران الرأس وهو كالمتحقق إلا أن القيام أفضل لأنه أبعد عن شبهة الخلاف، والخروج أفضل ما أمكنه لأنه أسكن لقلبه والخلاف في غير المربوطة كالشط هو الصحيح. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبه اشرفيه ديوبند ۱/ ۱٦۲)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۰٦-۲۰۷، كوئٹه ۲/ ۱۱۷۔ ←

ریل میں سجدہ کرنے کی جگہ نہ ہوتو کیا اشارہ سے سجدہ کرسکتے ہیں؟

سوال (۵۱۴): قدیم۱/۵۸۶- پٹری پر بوجہ کثرت آدمیوں کے جگہ نہیں ہے کہ دوسری پٹری پر سجدہ ہوسکے مثلاً وہ لوگ دوسرے فرقہ کے ہیں کہنے سے جگہ دیں یا نہ دیں تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے یعنی ان سے درخواست کی جاوے یا نہ کی جاوے اگر نہ کی جاوے یا مانگنے سے بھی وہ لوگ جگہ نہ دیں یا ایسی گنجائش ہی نہ ہوتو نماز اشارہ سے پڑھی جاوے یا کیا؟

الجواب (*) : درخواست کی جاوے اور جب جگہ نہ دیں تو تختہ کے نیچے نماز کا موقع نکالے اگر کسی طرح ممکن نہ ہوتو پھر سجدہ اشارہ سے کرلے۔(۱)

۱۸ محرم ۱۳۳۴ھ (حوادث رابعہ ص ۶۲)

(*) اس مسئلہ میں اقوال فقہاء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اشارہ سے نماز پڑھ لے، مگر پھر اس کا اعادہ لازم ہے بحرالرائق میں ہے:

في الخلاصة وفتاوى قاضي خان وغيرهما الأسير في يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلاة يتيمم ويصلي بالإيماء ثم يعيد إذا خرج (إلى قوله) كالمحبوس لأن طهارة التيمم لم تظهر في منع وجوب الإعادة (ثم قال) فعلم منه ان العذر ان كان من قبل الله تعالىٰ لاتجب الإعادة وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (بحر ۱۴۹/۱، كتاب الطهارة، باب التيمم، مكتبه زكريا ديوبند ۲۴۸/۱، كوئٹه ۱۴۲/۱)

اسی طرح اگر ریل میں جگہ کم ہوتو اس وقت بیٹھ کر نماز پڑھ لے؛ لیکن بعد میں اس کا اعادہ لازم ہوگا۔۱۲ بندہ محمد شفیع عفی عنہ

← المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، الصلاة في السفينة، المجلس العلمي ۴۳۰/۲، رقم:۲۱۲۶۔

بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الصلاة على الدابة والسفينة، مكتبه زكريا ديو بند ۲۹۱/۱ ۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) **والمحصور فاقد الطهورين يؤخرها عنده وقالا: يتشبه بالمصلين وجوبًا فيركع** ←

سفر میں مسافت کا اعتبار ہے، سرعت رفتار کا نہیں

سوال (۵۱۵): قدیم ۱/ ۵۸۷- ہمارے مکان سے چاٹگام شہر خشکی کی راہ سے تین دن کی راہ ہے اسی طرح معمولی کشتی پر جانے سے تین دن کا راستہ ہے ان دونوں صورتوں میں قصر پڑھے لیکن اسٹیمر ہی چند سال سے چلتا ہے جہاز دخانی پر سوار ہونے سے آدمی آٹھ گھنٹہ میں پہنچتا ہے سو اگر ہم جہاز پر سوار ہو کر چاٹگام جاویں تو راہ میں اور وہاں شہر میں پہنچ کر قصر کریں یا نہ کریں؟

← **ویسجد إن وجد مكانًا يابسًا وإلا يومئ قائمًا، ثم يعيد كالصوم به يفتى وإليه صَحّ رجوعه أي الإمام كما في الفيض (در مختار) وفي الشامية: قوله إن وجد مكانًا يابسًا أي لأمنه من التلوث لكن في الحلية: الصحيح على هذا القول أنه يومئ كيفما كان.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب التيمم، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۴۲۳، كراچي ۱/ ۲۵۲)

واستعمل الفقهاء مادة (حصر) بالمعنى اللغوي في كتبهم استعمالاً كثيرًا، ومن أمثلة ذلك قول صاحب تنوير الأبصار وشارحه في الدر المختار: والمحصور فاقد الماء والتراب الطهورين، بأن حبس في مكان نجس، ولا يمكنه إخراج مطهر، وكذا العاجز عنهما لمرض يؤخر الصلاة عند أبي حنيفةؒ، وقالا: يتشبه بالمصلين وجوبًا، فيركع ويسجد إن وجد مكانًا يابسًا وإلا يومئ قائمًا. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۱۹۶)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب التيمم، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۱۱۷۔

هندية، كتاب الطهارة، الباب الرابع في التيمم قديم زكريا ۱/ ۲۸، جديد زكريا ۱/ ۸۱۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: ہاں قصر کیا جاوے مسافت کا اعتبار ہے گو سواری کے تیز ہونے سے وہ جلدی قطع ہو جاوے جیسا کہ ریل کے سفر میں یہی حکم ہے۔(۱)

۲۰؍صفر ۱۳۳۴ھ (حوادث رابعہ ص ۶۳)

اُڑان کے دوران ہوائی جہاز میں نماز کا حکم

سوال (۵۱۶): قدیم ۱/ ۵۸۷- ہوائی جہاز میں جس وقت کہ وہ ہوا میں ہو خواہ چلتا ہو یا ٹھیرا ہو اس میں نماز فرض جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) **الينابيع: وإن أسرع في السير بأن سار مسيرة ثلاثة أيام في ليلتين أو أقل قصر الصلاة.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني و العشرون، صلاة السفر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٤٩٢، رقم: ٣٠٨٩)

حتى لو أسرع فوصل إلى مكان مسافته ثلاثة أيام بالسير المعتاد في يومين قصر بحر وظاهره أنه كذلك لو وصل إليه في زمن يسير بكرامة. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ٢/ ٦٠٣، كراچی ٢/ ١٢٣)

حتى لو أسرع يريده (السفر) فقطع مايقطع بالسير المعتاد في ثلاثة في أقل منها قصر. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٤٥)

قوله: بسير وسط، فلو أسرع بريدة فقطع ما يقطع بالسير الوسط في ثلاثة أيام في أقل منها قصر، كما إذا سار فيها سيرًا خارقًا للعادة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ٤٢١)

وفي السراج الوهاج: إذا كانت المسافة ثلاثة أيام بالسير المعتاد فسار إليها على البريد سيرًا مسرعًا أو على الفرس جريًا حثيثًا فوصل في يومين قصر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٢٩، كوئٹه ٢/ ١٢٩-١٣٠)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب (*) : في رد المحتار هو (أي السجود) لغة الخضوع قاموس وفسره في المغرب بوضع الجبهة في الأرض وفي البحر وحقيقة السجود وضع بعض الوجه على الأرض الخ. ج ا ص ۴۶۵. (۱)

(*) ہوائی جہاز میں اڑان کے دوران، فرض یا واجب نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ کوئی عذر بھی نہ ہو اور نہ ہی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو اور نماز ادا بھی کامل کی جائے یعنی رکوع، سجدہ، قیام اور استقبال قبلہ کے ساتھ پڑھی جائے۔

حضرتؒ کا یہ فتوی عدم جواز کا ہے؛ لہٰذا کسی نے ہوائی جہاز میں نماز پڑھ لی تو اس کا اعادہ واجب ہوگا، عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ کے لئے ماتھے یا چہرے کا زمین پر رکھنا شرط ہے جو ہوائی جہاز میں ممکن نہیں (یہ واضح رہے کہ صلوۃ علی الدابۃ پر یہ مسئلہ متفرع نہیں ہے جیسا کہ خود حضرتؒ ہی نے اسی جواب میں ارقام فرمایا ہے)

اب شبہ یہ رہتا ہے کہ دریائی جہاز میں نماز جائز ہے؛ حالانکہ وہاں بھی مذکور شرط متحقق نہیں ہے، حضرت قدس سرہ العزیز نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ پانی کا جہاز پانی کے واسطہ سے زمین پر مستقر ہے، ہوائی جہاز ہوا کے واسطہ سے زمین پر مستقر نہیں ہے؛ کیونکہ ہوا کا مادۂ رقیقہ ہوائی جہاز کے ثقل کا معاوق (روکنے والا) نہیں ہوسکتا۔

لیکن درحقیقت یہ فرق صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ پانی کا جہاز بھی پانی پر مستقر نہیں ہے، پانی بھی اپنی رقت کی وجہ سے پانی کے جہاز کے لئے معاوق نہیں ہوسکتا، ہم دیکھتے نہیں کہ معمولی وزن کا ڈھیلا بھی پانی پر رکھا جاتا ہے، تو فوراً ڈوب جاتا ہے، پھر یہ ہزاروں ٹن کا جہاز پانی پر کیسے مستقر ہوسکتا ہے؟ درحقیقت پانی کے جہاز کو پانی پر ٹھہرانے والی چیز جہاز کی ایک مخصوص ہیئت پر بناوٹ ہے اور یہ بہت ممکن ہے کہ مستقبل میں ہوائی جہاز کی کوئی ایسی ہیئت ایجاد ہوجائے جس کی وجہ سے وہ بھی ہوا پر رکا رہے۔

علاوہ بریں سجدہ میں پیشانی یا چہرے کو زمین پر رکھنے کی شرط کوئی منصوص شرط نہیں ہے؛ بلکہ اہل لغت کے اقوال سے مستنبط کردہ ہے، اور اہل لغت ظاہر ہے کہ اپنے گردو پیش کے احوال سامنے رکھ کر ہی لغات کے معانی بیان کرتے ہیں، پس یہ اتنی قوی دلیل نہیں ہوسکتی کہ مسئلہ کی بنیاد اس پر کھڑی کی جائے؛ بلکہ یہ کہا جائے گا کہ جس طرح رکوع ایک خاص ہیئت کا نام ہے، اسی طرح سجدہ بھی ایک مخصوص ہیئت کا نام ہے اور اس کے تحقق کی صورتیں ہر مکان کے اعتبار سے جدا جدا ہوں گی۔ ←

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۳۴، كراچي ۱/۴۴۷۔

وفيه تحت قول الدر المختار وأن يجد حجم الأرض ما نصه تفسيره أن الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه ابلغ من ذلک فصح على طنفسة وحصير وحنطة وشعير وسرير وعجلة إن كانت على الأرض لا على ظهر حيوان كبساط مشدود بين أشجار الخ، ج١ص٥٢٣. (١)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں وضع جبہہ یا وضع وجہ ارض پر شرط ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو چیز مستقر علی الأرض ہو وہ تبعاً بحکم ارض ہے دو شرط سے ایک وجدان حجم بالتفسیر المذکور اور اسی واسطے بساط مشدود بین الاشجار پر جائز نہیں اور دوسرے یہ کہ وہ چیز جاندار نہ ہو کیونکہ جاندار میں بوجہ متحرک بالارادہ ہونے کے ایک گونہ استقلال ہے وہ مثل جمادات کے تابع للارض نہیں ہے اسی لئے حیوان پر بلاعذر جائز نہیں اور سریر وعجلہ وغیرہ میں تبعیت مع دونوں شرطوں کے پائی جاتی ہے اس پر جائز ہے پس یہاں چار چیزیں نکلیں:

(١) ارض (٢) سریر وعجلہ وغیرہ (٣) بساط مشدود ومثلہ (٤) حیوان، اولین پر جائز ہے اور آخرین پر ناجائز الابعذر في الحیوان، بعد اس تمہید کے سمجھنا چاہئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ہوائی جہاز ارض تو ہے نہیں اور بساط مشدود بین الاشجار کی مثل بھی نہیں بوجہ تفاوت وجدان وعدم وجدان حجم کے

← حضرت العلام جناب مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ نے معارف السنن شرح ترمذی شریف، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی الصلاۃ علی الدابہ، حیث ما توجہت، مکتبہ اشرفیہ دیوبند ۳/۳۹۵-۳۹۷ رمیں اس مسئلہ پر بحث فرمائی ہے، آپ کی رائے پہلے جواز نماز کی تھی پھر عدم جواز کی ہوگئی مفید اور قابل ملاحظہ بحث ہے۔ علامہ عبدالرحمٰن جزیری نے کتاب الفقہ علی المذاہب الأربعہ، کتاب الصلاۃ، مبحث صلاۃ الفرض فی السفینۃ وعلی الدابہ ونحوہا، مکتبہ دارالکتاب العلمیہ بیروت ۱/۲۰۶) میں ہوائی جہاز کو پانی کے جہاز کے حکم میں رکھا ہے، موصوف لکھتے ہیں:

ومثل السفينة القطر البخارية والطائرات الجوية ونحوها اه.

احقر کے ناقص خیال میں یہی رائے درست ہے؛ لہٰذا ہوائی جہاز میں اگر کامل نماز، رکوع، سجدہ، قیام اور استقبال قبلہ کے ساتھ) ادا کی جاوے تو نماز صحیح ہوجاوے گی اور اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم علمہ اتم واحکم

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ٢/٢٠٦، كراچي ١/٥٠٠۔

اب دو احتمال رہ گئے۔ ایک یہ کہ مثل عجلہ کے ہو۔ دوسرے کہ مثل حیوان کے ہو تو گو ظاہراً مثل عجلہ کے معلوم ہوتا ہے کہ بواسطہ ہوائے مستقر علی الارض کے وہ بھی مستقر علی الأرض ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ ہوا پر مستقر ہے اور نہ ہوائے ارض پر مستقر ہے چنانچہ ہوا کا میلان الی المحیط ظاہر ہے تو وہ ارض پر کیسے مستقر ہے اور اتصال اور چیز ہے اور ہوا کا مادہ رقیقہ بھی جہاز کے ثقل کا معاوق نہیں ہوسکتا چنانچہ اگر اس میں سے گیس نکل جاوے تو فوراً زمین پر گر پڑے پس وہ حقیقۃً ارض پر غیر مستقر ہوا اور حیوان جو کہ حقیقۃً مستقر تھا مگر حکماً مستقر نہ تھا جب اس پر بلا عذر نماز جائز نہیں تو جہاز پر جو کہ حقیقۃً غیر مستقر ہے کس طرح نماز جائز ہوگی؟

إلا بعذر معتبر في الصلوٰة على الحيوان.

حاصل جواب یہ نکلا کہ جن عذروں کے سبب اونٹ گھوڑے وغیرہ پر نماز جائز ہے اگر وہی اعذار پائے جاویں مثلاً نزول میں خوف ہلاک وغیرہ ہو یا نزول پر قادر نہ ہو (اور یہ عذر اخیر جہاز رانوں کیلئے جو کہ اس کے اتارنے یا ٹھیرانے پر قادر ہیں متحقق نہ ہوگا) تب تو اس پر نماز جائز ہے اور بدون ایسے عذر کے جائز نہیں (رفع اشتباہ) (*) اس جہاز کو مثل دریائی جہاز کے نہ سمجھا جاوے کیونکہ وہ بواسطہ پانی کے مستقر علی الارض ہے اور اس کا استقرار پانی پر اور پانی کا استقرار ارض پر بالکل ظاہر ہے۔

تنبیہ: یہ جواب قواعد سے لکھا گیا ہے علماء سے امید ہے کہ اگر یہ جواب صحیح نہ ہو تو براہ نصح دین احقر مجیب کو مطلع فرماویں۔ سمجھنے کے بعد اپنے جواب سے رجوع کر کے اس کو شائع کردونگا۔(۱)

۲۲/ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ (حوادث رابعہ ص ۷۴)

(*) ''رفع اشتباہ'' کے مضمون پر نقد اور اس کا جواب (بقلم مولانا حبیب احمد صاحب) پہلے سوال نمبر ۴۹۵ کے آخر میں درج ہوا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) کتاب الفقہ علی المذاہب کی عبارت سے ہوائی جہاز کے طیران کے دوران نماز کا جواز ثابت ہوتا ہے، اس میں واضح کیا گیا ہے کہ ہوائی جہاز میں اُڑان کے دوران نماز پڑھنا ایسا ہے جیسا کہ چلتی ہوئی کشتی میں نماز پڑھی جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

ومحل كل ذلك إذا خاف خروج الوقت قبل أن تصل السفينة أو القاطرة إلى المكان الذي يصلي فيه صلاة كاملة، ولاتجب عليه الإعادة ومثل السفينة القطر البخارية البرية والطائرات الجوية ونحوها. (كتاب الفقة على المذاهب الأربعة بيروتی ۱/۲۰۶) ←

سوال (*) (۵۱۷): قدیم ۱/۵۹۰- بر ہوائی جہاز در حالت طیران او یا وقوف او در ہوا سجدہ کردن یا نماز فرضی خواندن جائز است یا نہ، بینوا توجروا؟ (۱)

(*) یہ سوال و جواب حضرتؒ کے نہیں ہیں، تفصیل سوال نمبر ۴۹۶ر کے حاشیہ میں درج کی گئی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← حضرت والا تھانویؒ نے پانی کے جہاز اور ہوائی جہاز کے درمیان فرق کر کے دونوں کے حکم میں بھی فرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے، مگر حضرت والاؒ کو مکمل طور پر اس پر یقین نہیں ہے؛ اس لئے تنبیہ کے تحت دوسرے علماء کی تحقیق اس کے خلاف ثابت ہوجانے کے بعد رجوع کی بات لکھی ہے اور علامہ عبدالرحمٰن جزریؒ نے دونوں کا حکم تقریباً ایک ہی بیان فرمایا ہے کوئی فرق نہیں فرمایا اور اب علماء کی تحقیق اور فتوی ہوائی جہاز میں نماز کے جواز کا ہے؛ چنانچہ سعودی ہوائی جہازوں میں با قاعدہ اتنی بڑی جگہ نماز کے لئے متعین کر رکھا ہے، جس میں باجماعت نماز پڑھی جا سکے۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) **ترجمہ سوال**: (۵۱۷) قدیم ۱/۵۹۰- ہوائی جہاز پر پرواز کے دوران یا اس کے ہوا میں معلق ہونے کے دوران اس میں سجدہ کرنا یا فرض نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب کا ترجمہ: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب: علامہ قہستانی مختصر الوقایہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ سجدہ لغت میں خضوع کے معنی میں آتا ہے، اور شریعت میں سجدہ کہتے ہیں پیشانی کو زمین وغیرہ پر رکھنا (انتہا) اور کنز کی شرح البحر الرائق میں ''**فصل إذا أراد الدخول في الصلاة**'' کے اندر مصنفؒ کے قول ''**وكره بأحدهما وبكور عمامته**'' کے تحت صاحب بحر نے تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قاعدہ اس سلسلے میں یہ ہے کہ جس طرح زمین پر سجدہ کرنا جائز ہے اسی طرح اس چیز پر بھی سجدہ کرنا جائز ہے، جو زمین کے معنی میں ہو یعنی پیشانی جس کے حجم کو محسوس کرے اور اس پر ٹک جائے اور وجدان حجم کی تفسیر یہ ہے کہ سجدہ کرنے والا اگر مبالغہ کرے تو اس کا سر اس سے نیچے نہ جائے انتہی

اور وقایہ میں ''**باب صفة الصلاة**'' کے آخر میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے عمامہ کی پیچ پر سجدہ کیا یا کپڑے کے زائد حصہ پر سجدہ کیا یا ایسی چیز پر سجدہ کیا جس کے حجم کو پیشانی محسوس کرے اور اس پر ٹک جائے تو سجدہ کرنا جائز ہے اور اگر پیشانی نہ ٹکے تو نا جائز ہے۔ انتہی

چنانچہ اگر ہوائی جہاز ایسی ٹھوس چیز سے بنا ہو جس پر پیشانی ٹک جاتی ہو اور دبانے سے نہ دبتی ہو تو اس پر سجدہ کرنا جائز ہے اور ظاہر ہے کہ ہوئی جہاز دابہ کے ساتھ ملحق ہے جیسا کہ چلتی ہوئی کشتی اور وہ کشتی جو ساحل سے لگی ہوئی ہو اور زمین پر ٹکی ہوئی نہ ہو، تو ایسی کشتی دابہ کے ساتھ ملحق ہے جیسا کہ درمختار کی مندرجہ ذیل عبارت سے مستفاد ہوتا ہے (درمختار میں یہ عبارت باب سجدۃ التلاوۃ سے پہلے ہے)

الجواب: واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب. قال العلامة القهستانی في شرح مختصر الوقاية والسجود لغة هو الخضوع وشرعا وضع الجبهة على الأرض وغيرها انتهیٰ (۱)

وفي البحرشرح الكنزتحت قوله وكره بأحدهما أوبكورعمامته من فضل إذا أراد الدخول في الصلوٰة في اثناء مابسطه والأصل أنه كما تجوز السجدة على الأرض تجوز على ماهو بمعنى الأرض مما تجد جبهته حجمه وتستقرعليه وتفسير وجدان الحجم ان الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه ابلغ من ذلك انتهیٰ. (۲)

وفي الوقاية: في اٰخر باب صفة الصلوٰة فإن سجد على كورعمامته أو فاضل ثوبه أو شئ يجد حجمه وتستقرعليه الجبهة جاز وإن لهم تستقر لايجوز انتهیٰ.(۳)

فالمركب الهوائی إن كان مركبا من اشياء صلبة بحيث تستقر عليه الجبهة ولاتتسفل بالتسفيل تجوز السجدة عليه والظاهر انه ملحق بالدابة كالسفينة السائرة والموقوفة بالشط الغير المستقرة على الأرض فإنها ملحقة بالدابة كما يستفاد من رد المحتار قبيل سجدة التلاوة.(۴)

---

(۱) کتاب دستیاب نہ ہوسکی۔

(۲) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ زکریا دیوبند ۱/۵۵۸، کوئٹہ ۱/۳۱۹۔

(۳) شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مکتبہ بلال ديوبند ۱/۱۴۷۔

(۴) شامی کی پوری عبارت ملاحظہ ہو:

والمربوطة في الشط كالشط (در مختار) وفي الشامية: قوله: والمربوطة في الشط كالشط فلاتجوز الصلاة فيها قاعدًا إتفاقًا، وظاهر ما في الهدايةوغيرها الجواز قائمًا مطلقًا أي استقرت على الأرض أولا، وصرَّح في الإيضاح بمنعه في الثاني حيث أمكنه الخروج إلحاقا لها بالدابة نهر، واختاره في المحيط والبدائع بحر، وعزاه في الإمداد أيضًا إلى مجمع الروايات عن المصفیٰ، وجزم به في نور الإيضاح وعلى هذا ينبغي أن لا تجوز الصلاة فيها سائرة مع إمكان الخروج إلى البر، وهذه المسئلة والناس عنها غافلون شرح المنية. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، مکتبہ زكريا ديوبند ۲/۵۷۳، كراچي ۲/۱۰۱) **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

فالصلوٰة المكتوبة على المركب الهوائى لا تجوز بدون العذر كما هو حكم الصلوٰة على الدابة والسفينة السائرة وهل يلزم التوجه إلىٰ القبلة هٰهنا كما في السفينة أولا كما في الدابة والظاهر أنه يلزم لأن المركب الهوائى بمنزلة البيت كالسفينة، فإن لم يمكنه يمكث عن الصلوٰة إلا إذا خاف فوت الوقت لما تقرر من ان قبلة العاجز جهة قدرته. ما من حادثة إلاولها ذكر في كتاب من الكتب المعتبرة اما بعينها أوبذكر قاعدة كلية تشتملها. ۱۲ واللہ تعالیٰ اعلم (ترجیح خامس ص۹۲)

ہوائی جہاز کے سفر میں مسافت قصر

سوال (۵۱۸): قدیم ۱/۵۹۱- اس زمانہ میں جو ہوائی جہاز ایجاد ہوا ہے اس پر سفر کرنے میں رفتہ رفتہ ترقی ہو رہی ہے اب سوال یہ ہے کہ اس سفر کو علاوہ سفر بری و بحری کے ایک تیسری قسم سفر ہوائی کی قرار دینا چاہئے یا سفر بری و بحری میں سے کسی ایک قسم میں داخل کرنا چاہئے جس طرح سفر ریل کا حال ہے کہ جس شخص نے پیدل رفتار سے شب و روز کی مسافت کو بذریعہ ریل دو ڈھائی گھنٹہ میں طے کرلیا ہے تو اس کو مسافر کا حکم دیا جاتا ہے تو ہوائی جہاز پر سفر کرنے میں کس مسافت پر قصر صلوٰۃ کا اعتبار کریں یعنی تین شب و روز کی مسافت ہوائی جہاز کے اعتبار سے یا درمیان میں اگر سمندر پڑتا ہو تو بحری جہاز کی تین شب و روز کی مسافت کا لحاظ کریں یا خشکی پڑتی ہو تو تین شب و روز کی مسافت پیدل رفتار کے لحاظ سے اعتبار کریں؟

فالصلاة المكتوبة على المركب الهوائى الخ۔

ترجمہ: بغیر کسی عذر کے فرض نماز ہوائی جہاز پر جائز نہیں ہے جیسا کہ یہی حکم دابہ اور چلتی ہوئی کشتی پر نماز پڑھنے کا ہے (یہاں ایک سوال ہوتا ہے) کیا ہوائی جہاز میں قبلہ کی جانب رخ کرنا ضروری ہے جیسا کہ کشتی میں رخ کرنا ضروری ہوتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ دابہ میں؟

اور ظاہر ہے کہ استقبال قبلہ لازم اور ضروری ہے؛ اس لئے کہ ہوائی جہاز کشتی کی طرح گھر کے درجہ میں ہے، پس اگر استقبال قبلہ ممکن نہ ہو تو نماز کو مؤخر کردے، مگر جب کہ نماز کے وقت کے نکل جانے کا اندیشہ ہو جیسا کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کرنے سے عاجز شخص کا قبلہ اس کی وہ جہت ہے جس جہت پر وہ قادر ہے (اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ جس کا بیان فقہ کی کسی معتبر کتاب میں نہ ہو یا تو بعینہ اس کا بیان ہوتا ہے یا ایسے قاعدہ کلیہ کے تحت ہوتا ہے جو اس کو مشتمل ہوتا ہے)

الجواب: قواعد سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں محاذاۃ کا اعتبار ہوگا یعنی جتنا سفر برّ کی محاذاۃ میں ہوا ہے وہ سفر برّی کے حکم میں ہوگا اور جتنا بحر کی محاذاۃ میں ہوا ہے وہ سفر بحری کے حکم میں ہوگا شریعت میں اس کی نظیر بھی ہے کہ حج کے جو مواقیت ہیں جو لوگ مواقیت سے دور دور گزرتے ہیں کہ مواقیت ان کے طریق میں نہیں پڑتے وہاں مواقیت کی محاذاۃ کا اعتبار ہے یعنی ان مواقیت کے محاذی مقامات ان مواقیت کے حکم میں ہیں۔(۱) واللہ اعلم، ۲۲ محرم ۱۳۵۱ھ (النور باب ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ ص: ۷)

---

(۱) **عن عبد الله بن عمرؓ قال: لما فتح هذان المصران أتوا عمرؓ فقالوا: يا أمير المؤمنين إن رسول الله صلى الله عليه وسلم حد لأهل نجدٍ قرنًا وهو جورٌ عن طريقنا، وإنا إن أردنا قرنًا شق علينا، قال: فانظروا حذوها من طريقكم فحد لهم ذات عرقٍ.** (صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب ذات عرق لأهل العراق، النسخة الهندية ۱/۲۰۷، رقم: ۱۵۰۹، ف:۱۵۳۱)

وقد قالوا: ومن كان في بر أو بحر لا يمر بواحد من هذه المواقيت المذكورة فعليه أن يحرم إذا حاذىٰ آخرها ويعرف بالاجتهاد وعليه أن يجتهد، فإذا لم يكن بحيث يحاذي فعلى مرحلتين إلى مكة. (البحر الرائق، كتاب الحج، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۵۵۶-۵۵۷، كوئٹه ۲/۳۱۷)

ومن كان في بر أو بحر لا يمر بواحد من المواقيت المذكورة فعليه أن يحرم إذا حاذىٰ آخرها ويعرف بالاجتهاد فعليه أن يجتهد، فإن لم يكن بحيث يحاذىٰ فعلى مرحلتين من مكة. (فتح القدير، كتاب الحج، فصل في المواقيت، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۳۲، كوئٹه ۲/۳۳۴)

وكل من قصد مكة من طريق غير سلوك، أحرم إذا حاذىٰ ميقاتًا من هذه المواقيت كذا في محيط السرخسي: ومن حج في البحر فوقته إذا حاذىٰ موضعًا من البر لا يتجاوز إلا محرمًا كذا في السراج الوهاج: وإن سلك بين الميقاتين في البحر أو البر اجتهد وأحرم إذا حاذىٰ ميقاتًا منهما، وأبعدهما أولىٰ بالإحرام منه كذا في التبيين، فإن لم يكن بحيث يحاذي فعلى مرحلتين إلى مكة. (هندية، كتاب المناسك، الباب الثاني في المواقيت، قديم زكريا ۱/۲۲۱، جديد زكريا ۱/۲۸۵) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

ہوائی جہاز کے سفر میں مسافت قصر

سوال (۵۱۹): قدیم ۱/۵۹۲- ہوائی جہاز میں اگر کوئی سفر کرے تو کتنی مسافت میں نماز کا قصر کرنا چاہئے؟

الجواب: جس وقت احکام شرعیہ سفر کے متعلق موضوع ہوئے ہیں اس وقت سفر فی البرّ، و البحر، والجبل واقع تھا فی الہوا نہ تھا اور احکام تابع واقعات ہی کے ہوتے ہیں اس لئے شریعت میں نصاً یہ مسکوت عنہ ہے؛ لیکن شریعت میں اس کی ایک نظیر وارد ہے پس اس پر قیاس کر کے اس میں حکم دیا جاوے گا اور چونکہ قیاس مظہر ہے نہ کہ مثبت اس لئے اس حکم کو بھی حکم وارد فی الشرع کہا جاوے گا وہ نظیر یہ ہے کہ حج میں جو مواقیت متعدد ہیں ان میں اہل نجد کیلئے قرن مقرر فرمایا گیا ہے جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوفہ و بصرہ فتح ہوا تو ان لوگوں نے عرض کیا کہ قرن ہماری راہ سے ہٹا ہوا ہے اور وہاں جانے میں مشقت ہے تو آپؓ نے فرمایا کہ اس کے محاذی مقام کو دیکھ لو چنانچہ ذات عرق مقرر ہوا۔ رواہ البخاری (۱) اور گو اس باب میں احادیث مرفوعہ بھی ہیں (۲) مگر اول تو وہ متکلم فیہا ہیں۔ دوسرے اس اجتہاد کے وقت حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع نہ تھی تو اتنا تو ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اس میں اجتہاد سے کام لیا چنانچہ اسی جواز اجتہاد کی بناء پر ہمارے فقہاء نے فرمایا ہے کہ:

---

(۱) عن عبد الله بن عمرؓ قال: لما فتح هذان المصران أتوا عمرؓ فقالوا: يا أمير المؤمنين إن رسول الله صلى الله عليه وسلم حد لأهل نجدٍ قرنًا وهو جورٌ عن طريقنا، وإنا إن أردنا قرنًا شق علينا، قال: فانظروا حذوها من طريقكم فحد لهم ذات عرقٍ.
(صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب ذات عرق لأهل العراق، النسخة الهندية ۱/۲۰۷، رقم: ۱۵۰۹، ف: ۱۵۳۱)

(۲) عن أنس بن مالكؓ أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم وقت لأهل المدائن العقيق ولأهل البصرة ذات عرق ولأهل المدينة ذا الحليفة ولأهل الشام الجحفة. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱/۲۵۱، رقم: ۷۲۱) ←

ومن كان في بحر أو بر لايمر بواحد من المواقيت المذكورة فعليه أن يحرم إذا حاذى اٰخرها ويعرف بالاجتهاد فعليه أن يجتهد فإن لم يكن بحيث يحاذى فعلٰى مرحلتين من مكة فتح القدير. (۱)

پس اسی طرح یہاں اس مسافت ہوائی کے محاذی کو دیکھیں گے کہ بحر ہے یا برّ یا جبل اور اس محاذی کی مسافت قصر کو دیکھیں گے اور اسی کا اعتبار اس مسافت ہوائی میں کر کے اس کے موافق حکم دیں گے احتیاطاً اس میں دوسرے علماء سے بھی رجوع کر لیا جاوے۔

۷/ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ (حوادث خامس ص ۱۰)

← طحاوي شريف، كتاب مناسك الحج، باب المواقيت التي ينبغي لمن أراد الإحرام أن لا يتجاوزها، مكتبه اشرفية ۱/ ۳۸۷، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۸۳، رقم: ۳٤٥۱۔

(۱) **ومن كان في بر أو بحر لا يمر بواحد من المواقيت المذكورة فعليه أن يحرم إذا حاذىٰ آخرها ويعرف بالاجتهاد فعليه أن يجتهد، فإذا لم يكن بحيث يحاذي فعلى مرحلتين إلى مكة.** (فتح القدير، كتاب الحج، فصل في المواقيت، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٤۳۲، كوئٹه ۲/ ۳۳٤)

وقد قالوا: ومن كان في بر أو بحر لا يمر بواحد من هذه المواقيت المذكورة فعليه أن يحرم إذا حاذىٰ آخرها ويعرف بالاجتهاد وعليه أن يجتهد، فإذا لم يكن بحيث يحاذي فعلى مرحلتين إلى مكة. (البحر الرائق، كتاب الحج، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ٥٥٦-٥٥۷، كوئٹه ۲/ ۳۱۷)

وكل من قصد مكة من طريق غير مسلوك، أحرم إذا حاذىٰ ميقاتًا من هذه المواقيت كذا في محيط السرخسي: ومن حج في البحر فوقته إذا حاذىٰ موضعًا من البر لا يتجاوز إلا محرمًا كذا في السراج الوهاج: وإن سلك بين الميقاتين في البحر أو البر اجتهد وأحرم إذا حاذىٰ ميقاتًا منهما، وأبعدهما أولىٰ بالإحرام منه كذا في التبيين، فإن لم يكن بحيث يحاذي فعلى مرحلتين إلى مكة. (هندية، كتاب المناسك، الباب الثاني في المواقيت، قديم زكريا ۱/ ۲۲۱، جديد زكريا ۱/ ۲۸٥) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

دوران سفر ارادۂ سفر ملتوی کرنے کا حکم

سوال (۵۲۰): قدیم ۱/۵۹۳- حضرت گھر سے چلتے وقت ارادہ دہرے کا ہوا جو کہ مسافت قصر ہے لیکن بعد کاندھلہ آنے کے جو کہ مسافت قصر نہیں ارادہ واپس گھر جانے کا ہو گیا پھر تخمیناً بعد چھ گھنٹے کے ارادہ ہو گیا کہ دہرے جاونگا جو کہ کاندھلے سے بھی مسافت قصر ہے اس نے بعد ارادہ بدلنے کے عشاء کی نماز پوری پڑھی اور اس وقت بوجہ عزم دھرہ ظہر کی قصر کی اب اس میں کیا حکم شرع شریف سے ہوتا ہے؟

الجواب: في الدر المختار: حتى يدخل موضع مقامه ان سار مدة السفر و إلا فليتم بمجرد نية العود لعدم استحكام السفر وفي ردالمحتار: قوله: ان سار قيد لقوله حتى يدخل أي إنما يدوم على القصر إلىٰ الدخول ان سار ثلثة أيام ج ١ ص ٨٢٢.(١)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سائل نے جو کیا ٹھیک کیا۔

۱۲/ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۳۵)

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٦٠٤، كراچي ٢/ ١٢٤-

من جاوز بيوت مصره مريدًا سيرًا إلى آخره معناه إذا جاوز بيوت مصره قصر حتى يرجع إلى مصره فيدخله أو ينوي الإقامة في موضعٍ آخر وقالوا: إنما يشترط دخول المصر للإتمام إذا صار ثلاثة أيام فصاعدًا و أما إذا لم يسر ثلاثة أيام فيتم بمجرد الرجوع إلي وطنه، وإن لم يدخله لأنه نقض السفر قبل الاستحكام إذ هو محل النقض. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ١/ ٥١١-٥١٢، امدادية ملتان ١/ ٢١١)

حتى يدخل مصره أو ينوي الإقامة نصف شهر في بلد أو قرية (كنز) وفي البحر: أطلق في دخول مصره فشمل ما إذا كان سار ثلثة أيام أو أقل لكن المذكور في الشرح أنه يتم إذا سار أقل بمجرد العزم على الرجوع، وإن لم يدخل مصره لأنه نقض السفر قبل الاستحكام إذ هو يحتمل النقض، قال في الفتح: وقياسه أن لا يحل فطره في رمضان إذا كان بينه وبين بلده يومان. وفي المجتبىٰ: لا يبطل السفر إلا بنية الإقامة أو دخول الوطن ←

اہلکاروں کے دورہ میں نماز قصر کرنے کا حکم

سوال (۵۲۱): قدیم ۱/۵۹۳- دورہ کی صورت یہ ہے کہ پانچ سو چھ سوکوس کے علاقہ میں گشت کرنے کی نیت سے سفر کیا جائے گا لیکن منزل عموماً چھ سات کوس پوربی یعنی چودہ یا پندرہ میل پر ہوا کرے گی اور بعض مقامات پر دو تین روز قیام بھی ہوگا تمام سفر مسلسل طے کیا جاوے گا یعنی گوالیار بعد اتمام گشت واپسی ہوگی کوچ و مقام سب تجویز ہوگیا ہے ایسی صورت میں نماز قصر پڑھی جاوے گی یا پوری؟ فقط

الجواب: نماز قصر ہوگی۔(۱) فقط

۱۵/شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۳۷ ج ۱)

سوال (۵۲۲): قدیم ۱/۵۹۴- سرکاری ملازم جو دورہ کرتے ہیں ان کی نماز قصر جائز ہے یا نہیں؟ طریق غیر معروف سے اپنی آسائش کے موافق دیہات کا دورہ وطن سے وطن تک چھتیس کوس یا تین یوم کی پوری مسافت ہوجاتی ہے اور یہی ان کے سفر کی غایت ہے یعنی بصورت دائرہ لی جس میں وطن کے علاوہ کسی شہر کو غایت سفر نہیں کہہ سکتے؟

← **أو الرجوع قبل الثلاثة.** (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۲۳۱، كوئٹه ۲/۱۳۱)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/۳۴۶۔

سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۰۔

(۱) **من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدًا مسيرة ثلاثة أيام و لياليها بالسير الوسط مع الاستراحات صلى الفرض الرباعيّ ركعتين ولو عاصيًا بسفره حتى يدخل موضع إقامته أو ينوي إقامة نصف شهر بموضع واحد صالحٍ لها فيقصر إن نوى الإقامة في أقل منه.** (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ۲/۵۹۹ تا ۶۰۶، كراچي ۲/۱۲۱ تا ۱۲۶) ←

الجواب (*) :صورت مسئولہ میں قصر درست نہیں۔(۱)

۱۵/صفر ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۵ ج ۱)

(*) طبع اول میں اس جگہ قصر درست ہونے کا حکم مذکور تھا، تصحیح الاغلاط ص:۱۶/ میں اس سے رجوع فرمایا، اس کے موافق یہاں نقل کیا گیا اور مزید توضیح اس کی تتمۂ ثانیہ امداد الفتاوی ص:۱۳۰/ میں مذکور تھی، جس کو اس کے نیچے سوال نمبر ۵۲۳/ میں نقل کردیا گیا۔۱۲ محمد شفیع

← **من جاوز بيوت مصره مريدًا سيرًا وسطًا ثلاثة أيام في بر أو بحر أو جبل قصر الفرض الرباعيّ...... حتى يدخل مصره أو ينوى إقامة نصف شهر ببلد أوقرية لا بمكة ومنىٰ و قصر إن نوىٰ أقل منه أو لم ينو وبقي سنين.** (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٣٤٤-٣٤٧)

أقل مدة سفر تتغير به الأحكام مسيرة ثلاثة أيام من أقصر أيام للسنة بسير وسط مع الاستراحات ...... فيقصر الفرض الرباعي من نوىٰ السفر ولو كان عاصيًا بسفره إذا جاوز بيوت مقامه وجاوز أيضًا ما اتصل به الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص:٤١٧ تا ٤٢٢)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٢٣٧ تا ٢٣٨۔

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٢٥ تا ٢٣٠، كوئٹه ٢/ ١٢٨ تا ١٣٢۔

(۱) اس لئے کہ قصر کے لئے یکبارگی مسافت سفر طے کرنے کا قصد کرنا لازم ہے جو کہ یہاں مفقود ہے۔

وأما الثاني: فهو أن يقصد مسيرة ثلاثة أيام، فلو طاف الدنيا من غير قصد إلى قطع مسيرة ثلاثة أيام لا يترخص. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ٢/ ٢٢٦، كوئٹه ٢/ ١٢٨)

لابد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص برخصة المسافرين وإلا لايترخص أبدًا. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ١/ ٥٠٧، امدادية ملتان ١/ ٢٠٩) ←

سوال (۵۲۳): قدیم ۱/۵۹۴- نماز قصر کے متعلق مجھ کو استفتاء کی ضرورت ہے اور حالت یہ ہے کہ میری ملازمت گشت وگرد آوری کی ہے میں حکماً مستقر پر دس روز سے زیادہ قیام نہیں کرسکتا اور صورت سفر یہ ہے کہ جب گشت کے واسطے مستقر سے روانہ ہوتا ہوں کہیں دو، کہیں تین، کہیں چار، کہیں پانچ، کہیں دس کوس تک سفر کر کے قیام کا موقع ملتا ہے لیکن اس کے اندر تعین مدت اور تعین مسافت نہیں ہوئی حسب ضرورت قیام اور سفر کرتا ہوں لیکن مستقر سے جب چلنا ہوتا ہے کل ضلع کے گشت کا ارادہ ہوتا ہے جس کے اندر دس گیارہ قصبے شامل ہیں اور کل مسافت طولاً چالیس میل ضروری ہوگی اور محیط کو اگر لیا جاوے تو یقین ہے کہ ستر، اسی میل سے زائد ہی مسافت ہوگی پس ان صورتوں میں میرے واسطے قصر نماز درست ہوگی یا نہیں جبکہ من جملہ گیارہ قصبوں کے ایک قصبہ مستقر ہے اور دس قصبوں اور اس کے مفصّلاتی چوکیوں پر مجھ کو گشت کیلئے بصورت معروضہ صدر گرد آوری وگشت کے واسطے سفر کرنا ضروری ہے؟

← **فإنه إذا كان يسير مرحلة جميع الدنيا ولاينوي سفرًا لايصير مسافرًا.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون في صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۴۹۶، رقم: ۳۱۰۰)

فإن لم يقصد موضعًا وطاف الدنيا من غير قصد إلى قطع مسيرة ثلاثة أيام لا يترخص بالقصر. (الفقه الإسلامي وأدلته، صلاة المسافر، الموضوع الأول المسافة التي يجوز فيها القصر، مكتبه هدىٰ انٹرنيشنل ديوبند ۲/۲۸۷)

لا يصح القصر إلا إذا نوىٰ السفر فنية السفر شرط لصحة القصر بالاتفاق؛ ولكن يشترط لنية السفر أمران، أحدهما أن ينوي قطع المسافة بتمامها من أول سفره فلو خرج هائمًا على وجهه لايدري أين يتوجه لا يقصر، ولو طاف الأرض كلها لأنه لم يقصد قطع المسافة، وهذا الحكم متفق عليه، وكذلك لا يقصر إذا نوىٰ قطع المسافة؛ ولكنه نوى الإقامة أثنائها مدة قاطعة لحكم السفر. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الصلاة، مباحث قصر الصلاة الرباعية، نية السفر، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۴۷۴) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب: قواعد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس دورہ میں جو مقام ایسا ہو کہ وہاں پہنچ کر آگے بڑھنے کو واپسی مستقر کی سمجھا جاتا ہو یعنی وہ مقام کہ وہاں تک جانے سے تو مستقر سے وقتاً فوقتاً بعد بڑھتا جاتا ہے اور وہاں سے جب سفر کیا جاوے تو مستقر سے قریب ہوتا جاتا ہے اس مقام کو منتہائے سفر کہا جاوے گا اور مستقر سے اس مقام تک کی مسافت دیکھی جاوے گی اگر وہ مسافت قصر پر ہوگا تو قصر کیا جاوے گا جبکہ دوسرے شرائط قصر بھی پائے جاویں (۱)

اور اگر وہ مسافت قصر پر نہ ہوگا تو قصر نہ ہوگا جبکہ دوسری شرائط اتمام کی بھی پائی جاویں مثلاً دائرہ ذیل میں ب ا نقطہ (ا) مستقر ہے اور (ب) تک پہنچ کر پھر (ا) سے قرب شروع ہوا تو (ب) کو منتہی سمجھا جاوے گا اور اس میں وہی تفصیل بالا جاری ہوگی اگر (ب) مسافت قصر پر ہے تو ہر حال میں قصر ہوگا

---

(۱) **من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدًا مسيرة ثلاثة أيام ولياليها بالسير الوسط مع الاستراحات صلى الفرض الرباعيّ ركعتين ولو عاصيًا بسفره حتى يدخل موضع إقامته أو ينوي إقامة نصف شهر بموضع واحد صالحٍ لها فيقصر إن نوى الإقامة في أقل منه.** (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ۲/ ۵۹۹ تا ۶۰۶، كراچي ۲/ ۱۲۱ تا ۱۲۶)

من جاوز بيوت مصره مريدًا سيرًا وسطًا ثلاثة أيام في بر أو بحر أو جبل قصر الفرض الرباعيّ......حتى يدخل مصره أو ينوى إقامة نصف شهر ببلد أو قرية لا بمكة ومنىٰ إن نوىٰ أقل منه أو لم ينو يبقي سنين. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۴۴-۳۴۷)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه دار الكتاب ديوبند ص: ۴۱۷ تا ۴۲۲۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۳۷ تا ۲۳۸۔

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۲۵ تا ۲۳۰، كوئٹه ۲/ ۱۲۸ تا ۱۳۲۔ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

اور اگر (ب) مسافت قصر پر نہیں ہے تو اس میں یہ تفصیل ہوگی کہ اگر مستقر پر بحکم شرعی یہ اتمام کرتا ہے تو پھر اس محیط کے سفر میں قصر نہ کیا جاوے گا اور اگر مستقر پر اتمام نہیں کیا جاتا تو پھر تمام سفر میں قصر ہوگا نہ اس وجہ سے کہ یہ مسافت قصر پر ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ہنوز یہ شخص مقیم نہیں ہوا مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس کے قبل اور طرح سے فتویٰ دیا ہے (*) یعنی مستقر سے قبل کے ایک مقام کی مسافت کا اعتبار کیا ہے اور اس کو منتہا سفر کا قرار دیا ہے کیونکہ اس کے بعد تو مستقر ہی کا قصد ہے مگر اس وقت قواعد سے یہ حکم مذکور اقرب معلوم ہوتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس کو دوسرے علماء سے بھی یا مدرسہ دیو بند (**) سہارنپور سے تحقیق فرما لیا جاوے اور میری یہ تحریر بھی پیش کر دی جاوے۔

۷/ صفر ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۳)

مسافت قصر کا ارادہ نہ ہونے کی صورت میں مسافت قصر طے کرنے سے قصر نہ کرنے کا حکم

سوال (۵۲۴): قدیم ۱/ ۵۹۶- زید وطن سے مظفر نگر کا عازم ہو کر چلا اور قصد ہے کہ دو یوم میں واپس ہو جائے گا وہاں پہنچ کر ضرورت محسوس ہوئی کہ سہارنپور ہو آئے اور سہارنپور سے واپس میرٹھ ہو لیا میرٹھ سے مظفر نگر سفر شرعی نہیں اور نہ مظفر نگر سے سہارنپور ہاں میرٹھ سے سہارنپور سفر ہے پس سفر کے دو ٹکڑے علیحدہ و مستقل نیت سے مظفر نگر سے روانگی کے وقت سفر بنیں گے یا نہیں یعنی سہانپور سے میرٹھ آتے وقت تو سفر کا حکم ہوگا ہی مظفر نگر سے سہارنپور تک بھی سفر ہوگا یا نہیں؟

(*) یہ جواب امداد الفتاوی مجتبائی ۱/ ۸۵/ میں چھپا ہے (اور یہاں سوال نمبر ۵۲۲/ پر نقل ہوا ہے) اب اس جواب پر وثوق نہ کریں۔ ۱۲ منہ

لیکن مرتب نے اس کی تصحیح کر دی ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(**) دار العلوم دیو بند کے سب سے پہلے با قاعدہ صدر مفتی حضرت اقدس مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی نور اللہ مرقدہ کا فتوی حضرت مجیب قدس اللہ سرہ العزیز کے فتوے کے خلاف ہے۔ ملاحظہ فرماویں: فتاوی دار العلوم (جدید) ۴/ ۴۸۸/ حضرات علماء دونوں پر غور فرما لیں اور عمل کرنے والے اپنے موقع سے اطمنان کر لیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

الجواب : في الدرالمختار: ومن طاف الدنيا بلاقصد لم يقصر وفي ردالمحتار قوله بلاقصد بأن قصد بلدة بينه وبينها يومان للإقامة بها، فلما بلغها بدأله أن يذهب إلىٰ بلدة بينه وبينها يومان وهلم جرًا(ح) قال في البحر: وعلىٰ هذا قالوا أمير خرج مع جيشه في طلب العدو ولم يعلم أين يدركهم فإنه يتم وإن طالت المدة أوالمكث اما في الرجوع فإن كانت مدة سفرقصر.اھ (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ شخص مظفرنگر سے سہارنپور جا تا ہوا قصر نہ کرے گا اور سہارنپور سے میرٹھ آتے ہوئے قصر کریگا۔فقط

۱۸/صفر ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۵ ج ۱)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۶۰۱، كراچي ۲/ ۱۲۲-

وأما الثاني: فهو أن يقصد مسيرة ثلاثة أيام، فلو طاف الدنيا من غير قصد إلى قطع مسيرة ثلاثة أيام لا يترخّص.وعلى هذا قالوا: أمير خرج مع جيشه في طلب العدو ولم يعلم أين يدركهم فإنهم يصلون صلاة الإقامة في الذهاب وإن طالت المدة، وكذلک المكث في ذلک الموضع، أما في الرجوع فإن كانت مدة سفرٍ قصروا. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۲۶-۲۲۷، كوئٹه ۲/ ۱۲۸)

من جاوز بيوت مصره مريدًا (كنز) وفي النهر: قوله مريدًا: أي قاصدًا نبه بذلک على أنه لوطاف الدنيا من غير قصد إلى قطع المسافة لايترخص وعلى هذا قالوا: لو خرج الأمير في طلب العدو بجيش ولم يعلم أين يدركهم لايقصر في الذهاب، وإن طالت المدة، أما في الرجوع فإن كانت مدة سفرٍ قصر.. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۴۴)

قال رحمه الله السفر الذي يتغير به الأحكام أن يقصد الإنسان موضعًا بينه وبين مصره مسيرة ثلاثة أيام فصاعدًا القصد هو الإرادة لما عزم عليه، وإنما شرط القصد فقال: أن يقصد ولم يقل أن يسير لأنه لو طاف جميع الدنيا ولم يقصد مكانًا بعينه بينه وبينه مسيرة ثلاثة أيام لايصير مسافرًا. (الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه دار الكتاب ديوبند ۱/ ۱۰۱)

تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۵۰۷، امدادية ملتان ۱/ ۲۰۹- *شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ*

مسافر کی اقتداء کرنے والے کا چھوٹی ہوئی رکعات کو مکمل کرنے کا طریقہ

یہ مسئلہ جلد ہذا کے سوال نمبر: ۴۴۴ / پر آچکا ہے (ترجیح ثانی ص ۱۹۱)

(۱) حکم فوت سجدۂ صلاۃ (۲) ونظر شوہر بروئے زوجہ میتہ (۳) وطریق اتمام صلاۃ مقیم مسبوق خلف مسافر (۴) وسہو سلام در صلاۃ جنازہ۔

سوال (۵۲۵): قدیم ۱/۵۹۶- اگر نماز میں ایک سجدہ بھول جاوے تو کیا کرنا چاہئے! بعد مرنے کے مرد اپنی بی بی کا منھ دیکھ سکتا ہے یا نہیں، اور قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟" اور مقیم نے مسافر کی اقتداء قاعدۂ اخیرہ میں کی تو اب یہ مقیم مسبوق کس طریقے سے نماز ادا کرے؟ اور معصوم بچے کی یعنی نابالغ کی نماز جنازہ پڑھائی اس میں سلام نہ پھیرا تو کیا اس میں نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: جب یاد آوے اسی وقت ادا کرے پھر جس رکن سے اس سجدہ میں آیا ہے اسی کی طرف چلا جاوے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے۔

وفي ردالمحتار: عن شرح المنية: لو ترك سجدة من ركعة ثم تذكرها فيما بعدها من قيام أو ركوع أو سجود فإنه يقضيها و لايقضى ما فعله قبل قضائها مما هو بعد ركعتها من قيام أو ركوع أو سجود بل يلزمه سجود السهو. فقط (*)

لكن اختلف لزوم قضاء ماتذكرها فقضاها فيه ففي الهداية أنه لاتجب إعادته بل تستحب وفي الخانية: أنه يعيد وإلا فسدت صلوته ومثله في الفتح والمعتمد ما في الهداية: فقد جزم به في الكنز وغيره في باب الاستخلاف وصرح في البحر: بضعف ما في الخانية هذا انتهىٰ، ملتقتا، (۱) دیکھ سکتا ہے۔

(*) یہ اضافہ تصحیح الاغلاط ص: ۸/ سے کیا گیا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب كل شفع من النفل صلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/۱۵٤، كراچي ۱/٤٦٢۔

وإن كان إمامًا فصلى ركعة وترك فيها سجدة وصلى ركعة أخرىٰ وسجدلها وتذكر المتروكة في السجود، فإنه يرفع رأسه من السجدة ويسجد المتروكة، ←

في الدر المختار: ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها على الأصح منيه. (۱)

اورقبر میں اتارنا جب محارم نہ ہوں زوج کو درست ہے۔ **لأنه مس من حائل،** یہ مقیم بعد سلام (*) امام کے کھڑا ہو کر اول دو رکعت بلا فاتحہ پڑھے اور ان دو رکعت میں اگر سہو ہو جاوے سجدۂ سہو بھی واجب ہے بعد قعدہ کے پھر دو رکعت مع فاتحہ وسورت کے پڑھے اور ان دو رکعت میں اگر سہو ہو جائے سجدۂ سہو کرے۔ (۲)

(*) اس مسئلہ کے متعلق سوال نمبر ۴۴۴ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **ثم يعيد ما كان فيها لأنها ارتفضت فيعيدها استحسانًا.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۴۲۸، رقم: ۲۸۷۴)

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۶۶۸، كوئٹه ۱/ ۳۸۱۔

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۹۰، كراچي ۲/ ۱۹۸۔

ويمنع زوجها من غسلها ومسّها لا من النظر إليها وهي لا تمنع من ذلك. (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۶۶)

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ۵۷۱۔

(۲) **سبق بركعة من ذوات الأربع ونام في ركعتين يصلي أو لا ما نام فيه، ثم ما أدركه مع الإمام، ثم ما سبق به فيصلي ركعة مما نام فيه مع الإمام ويقعد متابعة له لأنها ثانية إمامه ثم يصلي الأخرىٰ مما نام فيه ويقعد لأنها ثانية، ثم يصلي التي انتبه فيها ويقعد متابعة لإمامه لأنها رابعة كل ذلك بغير قراءة لأنه مقتد ثم يصلي الركعة التي سبق بها بقراءة الفاتحة والسورة يقعد لما مر والأصل أن اللاحق يصلي على ترتيب صلاة إمامه.** (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، فروع من سبق بركعة، مكتبه اشرفية ديوبند ۴۶۹-۴۷۰)

فـي الـدرالـمـختار: صلوٰة الجنازة وركنها شيئان التكبيرات الأربع والقيام وسننها ثلثة التحميد والثناء والدعاء فيها. اھ (۱)

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ سلام پھیرنا فرض نہیں لہٰذا نماز ہوگئی۔ فقط واللہ اعلم

۲۷؍شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد جلد اول ص:۳۹)

← **مـقيـم أتـم بمسافر ...... حكمه حكم المؤتم فلا يأتي بقراء ة ويبتدأ بقضاء ما فاته عكس المسبوق.** (الـدر المختار مع الشامي، كتا ب الصلاة، باب الإمامة، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۳٤٤، كراچي ۱/ ٥٩٤)

البـحـر الـرائق، كتا ب الـصلاة، بـاب صلاة الـمـسـافـر، مـكـتبـه زكـريا ديو بند ۲/ ۲۳۸، كوئٹه ۲/ ۱۳٥۔

(۱) الـدر الـمـختـار مـع الـشـامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبه زكريا ديوبند ۳/ ۱۰٥-۱۰٦، كراچي ۲/ ۲۰۹۔

وأركـانهـا: التكبيـرات، والـقيـام ...... وسـنـنها أربع: الأولىٰ قيام الإمام بحذاء صدر الـميـت ذكـرًا كـان أو أنثـىٰ. والثـانية: الثـناء بعد التكبيرة الأولىٰ. الثالثة: الصلاة على النبي صـلى الله عليه وسلم بعد التكبيرة الثانية. والرابع من السنن الدعاء للميت بعد التكبيرة الثالثة.

(طـحـطـاوي عـلـى مـراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل الصلاة عليه، مكتبه دارالكتاب ديوبند ص: ٥٨٠ تا ٥٨٥)

الـنهـر الـفائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل في الصلاة على الميت، مكتبه زكريا ديوبند ۱/ ۳۹۳۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

رسالہ نافع الإشارة إلىٰ منافع الاستخارة

(یعنی ایک شخص کے علی الترتیب چند خطوط کے جوابات)

خط اول مع جواب

سوال (۵۲۶): قدیم ۱/ ۵۹۸ - بخدمت شریف عالی جناب معلّٰی القاب مولانا مولوی اشرف علی صاحب دام ظلکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یہاں اس علاقہ کے قریب ایک جگہ ہے جہاں ہیرے ملتے ہیں اور ہزاروں آدمی تلاش کرتے ہیں اور ہر سال ایک دو ہیرے ملتے رہتے ہیں بارش کے موسم میں ہیرے تلاش کئے جاتے ہیں اور بہت سے آدمیوں کو ملے ہیں۔ لہٰذا گزارش ہے کہ سات روز استخارہ کرکے اگر دل رجوع ہو تو ہیرا ڈھونڈنے اس جگہ جانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر دل رجوع ہو تو کیا اعتقاد ہوگا کہ ہیرے ضرور ملیں گے؟

تتمۂ سوال: اور ہیرا ڈھونڈنے جانے کیلئے استخارہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: استخارہ کی غرض تمہارے اعتقاد میں کیا ہے؟

استخارہ سے متعلق بارہ ۱۲/ سوالات اور جوابات درج کئے گئے ہیں: حدیث پاک میں جس استخارہ کی وضاحت آئی ہے، اس کو یہاں درج کردیتے ہیں ملاحظہ فرمایئے:

عن جابر بن عبد اللّٰہ قال کان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا الاستخارة في الأمور كلها كما يعلمنا السورة من القرآن يقول إذا هم أحدكم بالأمر فليركع ركعتين من غير الفريضة، ثم ليقل اللّٰهم إني استخيرک بعلمک واستقدرک بقدرتک وأسالک من فضلک العظيم فإنک تقدر ولا أقدر وتعلم ولا أعلم وأنت علام الغيوب اللّٰهم إن كنت تعلم أن هذا الأمر خيرلي في ديني ومعيشتي وعاقبة أمري أو قال في عاجل أمرى وا ٰجله فيسره لي، ثم بارک لی فيه وإن كنت تعلم أن هذا الأمر شرلي في ديني ومعيشتي وعاقبة أمري أو قال في عاجل أمري وا ٰجله فاصرفه عني واصرفني عنه واقدر معالي الخير حيث كان ثم ارضنی به ويسمى حاجته. (ترمذي شريف، باب ماجاء في صلوة الاستخارة، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۹، رقم: ۴۸۰) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

خط ثانی مع جواب

سوال : بخدمت شریف عالی جناب مولانا مولوی اشرف علی صاحب دام ظلکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کا عنایت نامہ ہمدست ہوا جوملفوف ہے آپ نے لکھا ہے (اگر دل رجوع ہو تو کیا اعتقاد ہوگا کہ ہیرے ضرور ملیں گے)جواباً عرض ہے اگر دل رجوع ہو تو امید رہتی ہے کہ ہیرے ملیں گے اگر خدا نے چاہا؟

جواب: السلام علیکم، یقینی امید یا مشکوک؟

تتمۂ سوال : پھر آپ نے لکھا ہے کہ استخارہ کی غرض تمہارے اعتقاد میں کیا ہے جواباً عرض ہے کہ میری غرض یہ ہے کہ استخارہ سنت ہے اور استخارہ کرنے سے برکت ہوتی ہے اور کام میں کامیابی ہوتی ہے

جواب: بالکل غلط یہ اعتقاد کامیابی کا تم نے کہاں لکھا دیکھا ہے؟

تتمۂ سوال: اگر کام پورا نہ ہو تب بھی قیامت میں اس کا ضرور ثواب ملے گا یہ اعتقاد ہے؟

جواب :استخارہ کا ثواب کہاں لکھا ہے یعنی خصوصیت استخارہ کا۔ اور اس میں دعاء ہونے کی حیثیت سے کلام نہیں۔

خط ثالث مع جواب

سوال :بخدمت شریف عالیجناب معلی القاب خورشید رکاب مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب دام ظلکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کا عنایت نامہ ملا جوملفوف ہے آپ نے لکھا ہے (اگر دل رجوع ہو تو یقینی امید رہتی ہے یا مشکوک) جواباً عرض ہے کہ اس جیسے مسئلے کے اعتقاد رکھنے کا خدا اور رسول کا حکم ہوا ہے رکھنا چاہتا ہوں۔ مطلع فرماویں۔

جواب: یقینی امید کی کوئی دلیل نہیں ثمرہ کا مرتب ہونا مشکوک ہی رہتا ہے اور درجۂ شک میں بھی استخارہ کا کوئی دخل نہیں بلکہ قبل استخارہ جیسا کہ مشکوک تھا ویسا ہی مشکوک رہتا ہے۔

تتمۂ سوال : آپ نے میرے اس لکھنے پر کہ استخارہ کرنے سے برکت ہوتی ہے اور کام میں کامیابی ہوتی ہے یہ لکھا ہے (بالکل غلط یہ اعتقاد تم نے کہاں لکھا دیکھا ہے) جواباً عرض ہے کہ آپ بہشتی زیور میں لکھ رہے ہیں کہ اور کوئی کام کرے تو بھی استخارہ کئے بغیر نہ کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ کبھی اپنے کئے پر پشیمانی نہ ہونا تو کام کے کامیاب ہونے پر ہی ہوگا ورنہ پشیمانی ہی ہوگی۔

جواب: غلط بلکہ اس دعا کی یہ برکت ہوتی ہے کہ اگر کامیابی بھی نہ ہوتو اس لئے پشیمانی نہیں ہوتی کہ کامیابی ہی نہ ہونے کو خیر سمجھے گا جیسا کہ اہل تفویض کا مسلک ہے کہ جو حال پیش آوے اس کو مصلحت سمجھتے ہیں۔

تتمۂ سوال: میں نے لکھا تھا استخارہ کرنے سے قیامت میں ضرور ثواب ملے گا آپ نے اس جملہ پر لکھا ہے کہ (استخارہ کا ثواب کہاں لکھا ہے) جواباً عرض ہے آپ نے بہشتی زیور میں صاف لکھا ہے کہ حدیث شریف میں استخارہ کی بہت ترغیب آئی ہے تو جس کام کی حضور ﷺ نے ترغیب دی تو اس کام کے کرنے سے قیامت میں ثواب ملے گا یہ سمجھ کر میں نے لکھا ہے کہ (قیامت میں ضرور استخارہ کا ثواب ملے گا)

جواب: اس ہی کی کیا دلیل ہے حدیث میں تو دوا کرنے کی بھی ترغیب ہے مگر اس میں ثواب کا کوئی بھی قائل نہیں وجہ یہ کہ وہ موضوع نہیں ثواب کے لئے بلکہ دنیوی مصلحت کے لئے موضوع ہے اسی طرح استخارہ بھی مصلحت دنیویہ کیلئے موضوع ہے اور ثواب اس میں ہوتا ہے جو مصلحت دینیہ کیلئے موضوع ہو باقی نیت سے ثواب مل جانا یہ اور بات ہے اس طرح تو اکل وشرب میں بھی ثواب ہے مگر اس سے وہ عبادت موجبہ ثواب نہیں بن جاتا۔

تتمۂ سوال: استخارہ کے بارے میں آج قریباً گیارہ ماہ سے آپ سے استفسار کر رہا ہوں براہ مہربانی مطلع کریں۔ ہمیشہ استخارہ کر کے معاملہ کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں ٹھیک ہے مگر اس معاملہ میں یہ قید ہے کہ اس میں احتمال نفع وضرر دونوں کا ہو اور جو عادۃً یا شرعاً یقیناً نافع ہو یا یقیناً مضر ہو اس میں استخارہ نہیں جیسے کوئی نماز پڑھنے کیلئے استخارہ کرنے لگے یا دونوں وقت کھانا کھانے کیلئے استخارہ کرنے لگے یا چوری کرنے کیلئے استخارہ کرنے لگے یا کسی اپاہج عورت سے نکاح کرنے کیلئے استخارہ کرنے لگے۔

تتمۂ سوال: کیونکہ آپ کے آخری خط سے دل کو ذرا خلجان ہے آپ نے لکھا ہے کہ (کامیابی کے ہونے کا اعتقاد غلط ہے اور ثواب کا ملنا بھی کہاں لکھا ہے) بے ادبی معاف اب سوال یہ رہا کہ پھر استخارہ کرنے کی کیا ضرورت ہے جب کامیابی بھی نہیں ہوتی ہے اور ثواب بھی نہیں ملتا ہے؟

جواب: استخارہ ایک دعا ہے کہ اے اللہ اگر یہ معاملہ میرے لئے خیر ہو تو میرے قلب کو متوجہ کر دے اور اس میں میرے لئے خیر ہو ورنہ میرے دل کو ہٹا دے اور جو میرے لئے خیر ہو اس کو تجویز کر دے۔

سواس کے بعد اگر اس طرف قلب متوجہ ہوتو اس کے اختیار کرنے کو ظناً خیر سمجھنا چاہئے خواہ کامیابی کی صورت میں خواہ ناکامیابی کی صورت میں اور ناکامی کا خیر ہونا باعتبار اس کے آثار خیر کے ہے خواہ دنیا میں کہ اس کا نعم البدل ملے خواہ آخرت میں کہ صبر کا اجر ملے اور استخارہ نہ کرنے میں مجموعی طور پر اس خیر کا وعدہ نہیں خواہ کلاً یا بعضاً عطاہی ہوجاوے پس اس استخارہ کا فائدہ تسلی ہے کہ ہم کو ضرور خیر عطا ہوگی اور استخارہ اور عدم استخارہ کے ان آثار میں وجہ فرق یہ ہے کہ استخارہ کے بعد اگر وہ مؤثر ہوا تو قلب میں ایسی چیز نہ آوے گی جس میں بے احتیاطی ہو اور بدون استخارہ کے ایسی چیز آنے کا بھی احتمال ہے کہ ذرا غور سے اس کا مضر ہونا معلوم ہوسکتا تھا مگر اس نے غور نہیں کیا اور بے احتیاطی سے اس کو اختیار کرلیا تو اپنے ہاتھوں جب مضرت کو اختیار کیا جاوے اس میں وعدہ خیر کا نہیں۔

تتمۂ سوال: میں ہر معاملہ اکثر استخارہ کر کے کیا کرتا ہوں۔ مجھے ہمیشہ استخارہ کر کے معاملے کرنے پر کامیابی ہوئی ہے مگر اس سال پہلی کی تخم کا معاملہ خسارہ میں ہے؟

جواب: اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ استخارہ میں کامیابی کا وعدہ نہیں بلکہ حصول خیر کا وعدہ ہے خواہ خیر ظاہری ہو یا خیر باطنی۔

تتمۂ سوال: جس کو میں اپنی غلطی سمجھ رہا ہوں؟

جواب: غلطی کی تقریر کرنا چاہئے تھا۔

تتمۂ سوال: اب آپ جیسا حکم دیں گے کروں گا اب آپ براہ مہربانی مطلع فرماویں؟

جواب: میرا کام حکم دینا نہیں حقیقت بتلانا ہے جیسے طبیب دوا کی خاصیت بتلاتا ہے حکم نہیں دیتا کہ پیو یا نہ پیو مریض سمجھ کر خود اپنے لئے ایک راہ تجویز کرے۔

تتمۂ سوال: ہر کام میں اور کوئی مال فروخت کرنے اور خریدنے میں بھی استخارہ کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب: اوپر لکھ چکا ہوں فی قولی ہاں ٹھیک ہے الخ،

تتمۂ سوال: استخارہ پر کیسا اعتقاد رکھنا استخارہ سے کیا غرض رہنا (اعتقاداً)

جواب: اوپر لکھ چکا ہوں فی قولی استخارہ ایک دعا ہے الخ

تتمۂ سوال: باقی استخارہ کیسے کرنا یہ تو آپ نے بہشتی زیور میں بتلا دیا ہے؟

جواب: ہاں مسنون طریقہ وہی ہے (تمت رسالۃ نافع الاشارۃ)

ربیع الاول ۱۳۵۲ھ (النور بابتہ ماہ شعبان ورمضان وشوال ۱۳۵۲ھ)

۱۷/ باب صلوۃ الجمعۃ والعیدین

خطبۂ عید کے بعد دعاء کا حکم

سوال (۵۲۷): قدیم ۱/۶۰۲ - کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس جوار میں یہ معمول ہے کہ بعد خطبۂ عید کے منبر سے اتر کر مصلّے پر بیٹھ کر بعوض بعد صلوٰۃ عید دعاء مانگتے ہیں۔ یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: کہیں ثابت نہیں؛ اگرچہ دعاء ہر وقت جائز ہے مگر یہ تخصیص بلا دلیل شرعی ہے؛ البتہ بعد نماز کے آثار کثیرہ میں مشروع ہے اور دُبرالصلوٰۃ (*) اوقات اجابت دعاء بھی ہے۔(۱)

بہرحال بعد نماز دعاء نہ کرنا اور بجائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا تغییر سنت ہے اور قابل احتراز۔

وھذا کله ظاهر، واللہ تعالیٰ اعلم (امداد ص۳۳ ج۱)

(*) یعنی نماز کے بعد حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے۔۱۲ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

---

(۱) خطبہ کے بعد دعاء کا ثبوت نہیں، مگر نماز کے بعد دعاء کا ثبوت ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قيل: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ۲/۱۸۷، دار السلام رقم: ۳۴۹۹)

السنن الكبرى للنسائي، باب ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات، دارالكتب العلمية بيروت ۶/۳۲، رقم: ۹۹۳۶۔

عن مسلم بن أبي بكرة عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يدعو في دبر الصلاة، يقول: اللّٰهم إني أعوذبک من الكفر والفقر وعذاب القبر. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الدعاء، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۱۵/۷۵، رقم: ۲۹۷۴۸)

مسند أحمد بن حنبل ۵/۳۹، رقم: ۲۰۶۸۰ - ۵/۴۴، رقم: ۲۰۷۲۰۔

صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/۳۸۹، رقم: ۷۴۶۔ ←

سوال (۵۲۸): قدیم ۱/۶۰۳- ایک مولوی صاحب یہاں تشریف لائے اور عید الاضحیٰ کی نماز انہوں نے ہی پڑھائی اور نماز سے پیشتر عیدگاہ میں وعظ فرمایا بعد نماز بغیر دعاء مانگے خطبہ پڑھا اور خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد بھی دعا نہ مانگی اس پر لوگ بہت برہم ہوئے۔ مولوی صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد لوگوں نے مجھ سے دریافت کرنا شروع کیا میں نے سکوت کیا اور یہ خیال کر کے کہ آنجناب سے اس کے متعلق دریافت کر کے کچھ کہوں گا اب تک جواب نہیں دیا اب جیسا ارشاد ہو ویسا عمل میں لایا جائے۔

← **عن ورّادٍ كاتب المغيرة بن شعبة قال: أملي عليّ المغيرة بن شعبة في كتاب إلي معاوية أن النبي صلى الله عليه وسلم يقول في دبر كل صلاة مكتوبة: لا إله إلا الله وحده لا شريک له، له الملک وله الحمد، وهو على كل شيئ قدير، اللّٰهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجّد منک الجّد.** (بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، النسخة الهندية ۱/۱۱۷، رقم:۸۳۶، ف:۸۴۴)

عن معاذ بن جبل رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيده وقال: يا معاذ! والله إني لأحبک، فقال: أوصيک يا معاذ! لاتَدَعُنَّ في دبر كل صلاة تقول: اللّٰهم أعني على ذكرک وشكرک وحسن عبادتک. (أبوداؤد شريف، باب في الاستغفار، النسخة الهندية ۱/۲۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۲۲)

عن العرباض بن سارية رضي الله عنه قال: قال رسول ألله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۸/۲۵۹، رقم:۶۴۷)

عن أنس بن مالک رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللّٰهم إلهي وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب وإله جبرئيل، وميكائيل، وإسرافيل عليهم السلام، أسئلک أن تستجيب دعوتي، وتعصمني في ديني، فإني مبتلیٰ، وتنالني برحمتک، فإني مذنب، وتنفي عني الفقر، فإني متمسكن إلا كان حقًا على الله عزوجل أن لا يرد يديه خائبتين. عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح؟ مؤسسة علوم القرآن بيروت ص:۱۲۱، رقم:۱۳۸) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

نیز لوگوں نے مولوی صاحب پر یہ اعتراض بھی کیا کہ جب دعاء مانگنی ناجائز ہے، تو عیدگاہ میں وعظ کہنا کب جائز ہے؟ پس اس کے متعلق بھی تحریر فرمائیے کہ وعظ کہنا عیدگاہ میں نماز سے پہلے جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ مولانا نے خطبہ سے فارغ ہو کر یہ فرمایا تھا کہ دعا مانگنا نماز عید اور خطبہ کے بعد صحابہ، تابعین، تبع تابعین سے منقول نہیں اسلئے بغرض اتباع دعاء نہ مانگنی چاہئے۔ اس پر ایک صاحب نے حدیث پیش کی اور کہا کہ منقول ہے اور اس حدیث سے ثابت ہے۔

عن أم عطيةؓ قالت: أمرنا أن نخرج الحيَّض يوم العيدين وذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم وتعتزل الحيّض عن مصلاهن قالت امرأة يارسول اللّٰه الخ. مشكوٰة باب صلوٰة العيدين. (۱)

دعاء متنازع فيه کے بارے میں **لفظ دعوتهم** سے استدلال کیا۔ پس دریافت طلب یہ ہے کہ یہ استدلال ان کا صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: واقعی بعد نماز عید یا خطبہ دعاء مانگنا بالخصوص منقول تو نہیں دیکھا گیا اور **دعوتهم** سے استدلال ناتمام ہے کیونکہ اس میں کسی محل کی تصریح نہیں کہ یہ دعا کس وقت ہوتی ہے پھر محل خاص میں ان کے ہونے پر استدلال کرنا ظاہر ہے کہ غیر تمام ہے، ممکن ہے کہ یہ دعا وہ ہو جو نماز کے اندر یا خطبہ کے اندر عام صیغوں سے کی جاتی ہے جو سب مسلمانوں کو شامل ہوتی ہے اور حاضرین پر اس کے برکات اول فائض ہوتے ہیں لیکن بالخصوص منقول نہ ہونے سے حکم ابتداع کا بھی مشکل ہے؛ کیونکہ عمومات نصوص سے فضیلت دعاء بعد الصلوٰۃ کی ثابت ہے (۲) پس اس عموم میں اس کے داخل ہونے کی گنجائش ہے

---

(۱) مشكوة شريف، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۱۲۵، رقم: ۱۳۴۳۔

مسلم شريف، كتاب العيدين، فصل في إخراج العواتق وذوات الخدور، النسخة الهندية ۱/ ۲۹۱، بيت الأفكار رقم: ۸۹۱۔

بخاري شريف، كتاب العيدين، باب التكبير أيام منىٰ، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۲، رقم: ۹۶۱، ف: ۹۷۱۔

(۲) عن أبي أمامة رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: قيل: يا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم! ←

اوراگرکوئی شخص بالخصوص منقول نہ ہونے کے سبب اس کوترک کرے اس پربھی ملامت نہیں۔ بہرحال یہ مسئلہ ایسا مہتم بالشان نہیں ہے دونوں جانب میں توسع ہے۔ رہا وعظ کہنا چونکہ یہ بالالتزام نہیں ہوتا اس کے جواز کیلئے دلیل منع کی نہ ہونا کافی ہے۔

١٦/ذی الحجہ ١٣٣٣ھ (تتمہ ثالثہ ص ١٢٠)

← **أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات.** (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ٢/١٨٧، دار السلام رقم:٣٤٩٩)

عن ورّادٍ كاتب المغيرة بن شعبة قال: أملي عليّ المغيرة بن شعبة في كتاب إلي معاوية أن النبي صلى الله عليه وسلم يقول في دبر كل صلاة مكتوبة: لا إله إلا الله وحده لاشريک له، له الملک وله الحمد، وهو على كل شيئ قدير، اللّٰهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجّد منک الجّد. (بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، النسخة الهندية ١/١١٧، رقم:٨٣٦، ف:٨٤٤)

عن العرباض بن سارية رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٨/٢٥٩، رقم:٦٤٧)

عن مسلم بن أبي بكرة عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يدعو في دبر الصلاة، يقول: اللّٰهم إني أعوذبک من الكفر والفقر وعذاب القبر. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الدعاء، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١٥/٧٥، رقم:٢٩٧٤٨)

عن أنس بن مالک رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللّٰهم إلهي وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، وإله جبرئيل، وميكائيل، وإسرافيل عليهم السلام، أسئلک أن تستجيب دعوتي، وتعصمني في ديني، فإني مبتلیٰ، وتنالني برحمتک، فإني مذنب، وتنفي عني الفقر، فإني متمسكن إلا كان حقًا على الله عزوجل أن لا يرد يديه خائبتين. (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح؟ مؤسسة علوم القرآن بيروت ص:١٢١، رقم:١٣٨)

أبوداؤد شريف، باب في الاستغفار، النسخة الهندية ١/٢١٣، دار السلام رقم: ١٥٢٢۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

سوال (۵۲۹): قدیم ۱/۶۰۴- بعد نماز عیدین کے یا بعد خطبے کے دعاء مانگنا نبی ﷺ اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعینؒ سے منقول نہیں اور اگر ان حضرات نے کبھی دعاء مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی لہٰذا بغرض اتباع دعاء نہ مانگنا دعاء مانگنے سے بہتر ہے انتہیٰ۔ ہکذا فی بہشتی گوہر، اور الرشید جمادی الاولی ۱۳۴۳ھ صفحہ ۱۳ تحت فتاویٰ دار العلوم دیو بند میں لکھا ہے اور دعاء مانگنا بعد نماز عیدین کے مثل تمام نمازوں کے مستحب ہے **لعموم الأدلة انتهى ما التوفيق فيما بينهما؟**

الجواب: اول میں نفی نقل جزئی کی ہے ثانی میں اثبات کلی سے ہے فلا تعارض، لیکن راجح میرے خیال میں ثانی معلوم ہوتا ہے۔(۱)

وهو المعمول لی وإن كنت نقلت الأوّل من علم الفقه والامر واسع ولعل موافقة الجمهور أولى. (ترجیح رابع ص ۸۰)

---

(۱) خطبہ کے بعد دعاء کا ثبوت نہیں ملتا، مگر خطبہ سے پہلے نماز کے بعد عموم کی وجہ سے دعا کا ثبوت ہے، فتاوی دار العلوم کی بات زیادہ راجح ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي أمامة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قيل: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ۲/۱۸۷، دار السلام رقم: ۳۴۹۹)

السنن الكبرى للنسائي، باب ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات، دارالكتب العلمية بيروت ۶/۳۲، رقم: ۹۹۳۶۔

عن العرباض بن سارية رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني، دارإحياء التراث العربي ۱۸/۲۵۹، رقم: ۶۴۷)

عن مسلم بن أبي بكرة عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يدعو في دبر الصلاة، يقول: اللّٰهم إني أعوذبك من الكفر والفقر وعذاب القبر. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الدعاء، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۱۵/۷۵، رقم: ۲۹۷۴۸)

مسند أحمد بن حنبل ۵/۳۹، رقم: ۲۰۶۸۰۔

صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/۳۸۹، رقم: ۷۴۶۔ ←

سوال (*)(۵۳۰): قدیم ۱/۶۰۴- بعالی جناب کرامت مآب برگزیدۂ اذکیاء پسندیدۂ اصفیاء جناب مولانا صاحب دام ظلہ بعد از آرزوئے قدم بوسی واشتیاق دست بوسی معروض خدمت حاشیہ بوسان آستان قدوسی نشان میگرداند کہ آں صاحبان در تصنیف خود اعنی بہشتی گوہر در باب عیدین چنیں فرمودہ است کہ آنحضرت ﷺ واصحاب وتابعین وتبع تابعین بعد از صلوٰۃ عید دعاء نخواستہ اند اگر خواستہ شدہ بودے ضرور نقل کردہ بودے از خواستن عدم خواستن افضل است وحوالہ آں صاحب بہ کتاب بحر الرائق نمودہ است۔

(*) **خلاصۂ سوال**: بہشتی گوہر میں عیدین کی نماز کے بیان میں ہے ’’بعد نماز عیدین کے‘‘ الخ (پوری عبارت سوال نمبر ۵۳۱ میں آرہی ہے) اس مسئلہ کا حوالہ بحر الرائق میں دیا ہے، عرض اینکہ ہمیں بحر کی کتاب العیدین میں یہ مسئلہ نہیں ملا، اور شامی میں مطلب في الدعاء بغیر العربیۃ ۱/ ۴۸۷، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/ ۲۳۵، کراچی ۱/ ۵۲۱) کے تحت حدیث ہے من صلی ...... الخ ←

←**عن أنس بن مالك** رضي الله عنه **عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللّٰهم إلهي، وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، وإله جبرئيل، وميكائيل وإسرافيل عليهم السلام، أسئلك أن تستجيب دعوتي، وتعصمني في ديني، فإني مبتلىٰ، وتنالني برحمتك، فإني مذنب، وتنفي عني الفقر، فإني متمسكن إلا كان حقًا على الله عزوجل أن لا يرد يديه خائبتين.** (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح؟ مؤسسة علوم القرآن بيروت ص: ۱۲۱، رقم: ۱۳۸)

عن ورّادٍ كاتب المغيرة بن شعبة قال: أمليٰ عليّ المغيرة بن شعبة في كتاب إلي معاوية أن النبي صلى الله عليه وسلم يقول في دبر كل صلاة مكتوبة: لا إله إلا الله وحده لاشريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيئ قدير، اللّٰهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجّد منك الجّد. (بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۷، رقم: ۸۳۶، ف: ۸۴۴)

عن معاذ بن جبل رضي الله عنه **أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيده وقال: يا معاذ! والله إني لأحبك، فقال: أوصيك يا معاذ! لاتدعن في دبر كل صلاة تقول: اللّٰهم أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك.** (أبوداؤد شريف، باب في الاستغفار، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۲۲) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

عرض ایں است کہ مایاں ایں مسئلہ را در باب عید نیا فتیم و در مطلب دعاء در کتاب شامی نوشتہ است:

من صلی صلوٰۃ ولم یدع فیها فهو خداج. ودیگر قول باری تعالیٰ: **فإذا فرغت فانصب.**

از آیت وحدیث ایں سخن معلوم می شود کہ دعاء در پس ہر نماز می باید کرد ہنوز ایں چنیں عرض است کہ آں صاحب توفیق کلام خود وحدیث وآیۃ شریف می باید کرد کہ شک مایاں رفع شود عنایت باشد از جواب سرفراز فرمایند گستاخی معاف فرمایند۔ چرا کہ در باب دیں ایں امر اولیٰ است؟

الجواب (*): السلام علیکم بہشتی گوہر تصنیف مستقل نیست بلکہ تلخیص است از علم الفقہ پس ناقلیم از علم الفقہ کہ مؤلفش زندہ ہستند گو علم الفقہ ناقل از دیگر جا باشد پس بذمۂ ناقل تصحیح نقل می باشد و بذمۂ ما تصحیح نقل از علم الفقہ است و بذمۂ علم الفقہ تصحیح نقل از بحر الرائق است۔ ما ذمہ دار نیستم ایں کلام بود متعلق نقل تصحیح آں اما نفس مسئلہ اقرب الی کلیات الشرع ہماں است کہ شما نوشتہ آید وعمل من وا کابر من موافق ہمیں است یعنی بعد نماز عیدین دعا معمول است۔ بہر حال ہر قدر کہ مضمون بہشتی گوہر معارض قواعد است ازاں رجوع می کنم۔ والسلام، ۱۸؍ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ (ترجیح حصہ رابعہ ص ۸۴)

← اور نیز ارشاد باری ہے:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ. [سورۃ الم نشرح:۷]

اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر نماز کے بعد دعاء کرنا چاہئے، اب عرض یہ ہے کہ بہشتی گوہر کے مصنف اپنی بات اور حدیث وآیت میں تطبیق بیان کریں تا کہ ہمارا شک دور ہو۔

(*) **ترجمۂ جواب**: السلام علیکم بہشتی گوہر مستقل تصنیف نہیں ہے؛ بلکہ علم الفقہ کی تلخیص ہے، پس ہم (مسئلہ) نقل کرنے والے ہیں، علم الفقہ کے مصنف زندہ ہیں (لہٰذا ان سے تطبیق دریافت کی جائے) گو علم الفقہ میں بھی دوسری جگہ سے نقل کیا گیا ہے، پس ناقل کے ذمہ تصحیح نقل ہوگی (تطبیق بیان کرنا اس کی ذمہ داری نہیں ہے) ہماری ذمہ داری علم الفقہ سے نقل کی تصحیح ہوگی اور علم الفقہ کے ذمہ بحر الرائق سے نقل کی تصحیح ہوگی ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

نوٹ: علم الفقہ میں مذکور مسئلہ اور اس کے بعد ایک اور مسئلہ لکھ کر حوالہ ''بحر الرائق وغیرہ'' لکھا ہے، پس مذکور مسئلہ بحر میں ہونا ضروری نہیں ممکن ہے کسی اور کتاب سے لیا گیا ہو، جس کی طرف ''وغیرہ'' میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری ←

سوال (۵۳۱): قدیم ۱/ ۶۰۶- بہشتی گوہر حصہ یازدہم میں یہ مسئلہ مندرج ہے (بعد نماز عیدین کے یا بعد خطبہ کے دعاء مانگنا نبی ﷺ اور ان کے صحابہ وتابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول نہیں ہے اگر ان حضرات نے دعاء مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی لہٰذا بغرض اتباع دعاء نہ مانگنا دعا مانگنے سے بہتر ہے) اور فتاویٰ امدادیہ کے حصہ اول میں جوابا مرقوم ہے (البتہ بعد نماز کے آثار کثیرہ میں مشروع ہے اور دُبر الصلوٰۃ اوقات اجابت دعاء بھی ہے بہرحال بعد نماز دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا تغییر سنت ہے اور قابل احتراز) عبارت گوہر سے تو بعد نماز عیدین دعا نہ کرنا اولیٰ معلوم ہوتا ہے اور فتاویٰ امدادیہ سے نہ کرنا تغیر سنت ظاہر ہوتا ہے۔ اندریں صورت قول راجح اور اقویٰ نماز کے بعد دعاء کا کرنا ہے یا نہ کرنا؟

الجواب: دونوں جواب قواعد سے ہیں اور دونوں میں تعارض نہیں۔ فتاویٰ امدادیہ میں مقصود نکیر ہے اس پر کہ بجائے بعد نماز دعاء کرنے کے بعد خطبہ کے دعاء کی جاوے اور اسکو بہشتی گوہر میں بھی جائز نہیں رکھا گیا (۱)۔ (ترجیح خامس ص ۱۰۴)

← یہ گفتگو تو اس مسئلہ کی نقل تصحیح کے بارے میں تھی رہا نفس مسئلہ تو قواعد کلیہ شرعیہ سے اقرب وہی معلوم ہوتا ہے، جو آپ نے لکھا ہے اور میرا اور میرے اکابر کا عمل بھی وہی ہے یعنی عیدین کی نماز کے بعد دعاء کرنے کا معمول ہے۔

بہرحال بہشتی گوہر میں اب مسئلہ بدل کر اس طرح کر دیا گیا ہے:

مسئلہ: بعد نماز عیدین کے (یا بعد خطبہ کے) دعاء مانگنا، گو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول نہیں، مگر چونکہ ہر نماز کے بعد دعاء مانگنا مسنون ہے؛ اس لئے بعد نماز عیدین بھی دعاء مانگنا مسنون ہوگا۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۱) خلاصۂ جواب: یہ ہے کہ دلائل اور روایات کے عموم کی وجہ سے دیگر نمازوں کی طرح عیدین کی نماز کے بعد ہی دعاء کرنی چاہئے نہ کہ خطبہ کے بعد اور فتاوی امدادیہ اور بہشتی گوہر کی عبارت میں تعارض نہیں ہے جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے؛ بلکہ دونوں کا محمل الگ الگ ہے۔

عن أم عطية رضی الله عنها قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيدين حتى نخرج البكر من خدرها حتى نخرج الحيض، فيكنّ خلف الناس فيكبرن بتكبيرهم ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته. (بخاري شريف، كتاب العيدين، باب التكبير أيام منىٰ، النسخة الهندية ١/ ١٣٢، رقم: ٩٦١، ف: ٩٧١) ←

سوال (۵۳۲): قدیم ۱/ ۶۰۷- بعد نماز عیدین دعاء رو بہ قبلہ مسنون ہے یا یمین و یسار کو بھی بعد خطبہ عیدین دعاء کرنا مسنون ہے اور کس شان سے کھڑے یا بیٹھے یا کس طرف کو؟

← **عن أبي أمامة رضي الله تعالیٰ عنه قال: قيل: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات.** (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۸۷، دار السلام رقم: ۳۴۹۹)

عن العرباض بن سارية ﷺ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۸/ ۲۵۹، رقم: ۶۴۷)

عن مسلم بن أبي بكرة عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يدعو في دبر الصلاة، يقول: اللّٰهم إني أعوذ بک من الكفر والفقر وعذاب القبر. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الدعاء، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۱۵/ ۷۵، رقم: ۲۹۷۴۸)

عن أنس بن مالک ﷺ عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللّٰهم إلهي، وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، وإله جبرئيل، وميكائيل وإسرافيل عليهم السلام، أسئلک أن تستجيب دعوتي، وتعصمني في ديني، فإني مبتلیٰ، وتنالني برحمتک، فإني مذنب، وتنفي عني الفقر، فإني متمسكن إلا كان حقًا على الله عزوجل أن لا يرد يديه خائبتين. (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح؟ مؤسسة علوم القرآن بيروت ص: ۱۲۱، رقم: ۳۸)

بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۷، رقم: ۸۳۶، ف: ۸۴۴-

أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب في الاستغفار، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۲۲-

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب :بعد نماز عیدین یا بعد خطبہ دعاء کرنا یا نہ کرنا خصوصیت کے ساتھ نظر سے نہیں گزرا ظاہراً قواعد عامہ سے نماز ہی کے بعد دعا بہتر معلوم ہوتی ہے۔(۱)

---

(۱) عن أم عطية رضی الله عنها قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها حتى نخرج الحيض، فيكن خلف الناس فيكبرن بتكبيرهم ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته. (بخاري شريف، كتاب العيدين، باب التكبير أيام منىٰ، النسخة الهندية ١/١٣٢، رقم: ٩٦١، ف: ٩٧١)

مسلم شريف، كتاب العيدين، فصل في إخراج العواتق وذوات الخدور، النسخة الهندية ١/٢٩١، بيت الأفكار رقم: ٨٩١-

عن أبي أمامة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قيل: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ٢/١٨٧، دار السلام رقم: ٣٤٩٩)

عن العرباض بن سارية ﷛ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٨/٢٥٩، رقم: ٦٤٧)

عن مسلم بن أبي بكرة عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يدعو في دبر الصلاة، يقول: اللّٰهم إني أعوذبك من الكفر والفقر وعذاب القبر.

(مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الدعاء، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١٥/٧٥، رقم: ٢٩٧٤٨)

مسند أحمد بن حنبل ٥/٣٩، رقم: ٢٠٦٨٠-

صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ١/٣٨٩، رقم: ٧٤٦-

عن أنس بن مالك ﷛ عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللّٰهم إلهي، وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، وإله جبرئيل، وميكائيل وإسرافيل عليهم السلام، أسئلك أن تستجيب دعوتي، وتعصمني في ديني، فإني مبتلىٰ، وتنالني برحمتك، فإني مذنب، وتنفي عني الفقر، فإني متمسكن إلا كان حقًا ←

اسی ہیئت سے جیسے اور نمازوں کے بعد ہے۔(۱)

۱۵؍رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ۱۶۵)

← **على الله عزوجل أن لا يرد يديه خائبتين.** (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح؟ مؤسسة علوم القرآن بيروت ص: ۱۲۱، رقم: ۱۳۸)

بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، النسخة الهندية ۱/۱۱۷، رقم: ۸۳۶، ف: ۸٤٤۔

أبوداؤد شريف، باب في الاستغفار، النسخة الهندية ۱/۲۱۳، دار السلام رقم: ۱۵۲۲۔

(۱) یعنی دعا کرنے کے جو سنن وآداب ہیں جن کی رعایت کرکے جس طرح دیگر نمازوں میں دعاء مانگی جاتی ہے، اسی طرح صلاۃ العیدین کے بعد بھی ان کی رعایت کرتے ہوئے دعاء مانگنی چاہئے، مثلاً نماز کے بعد قبلہ رو ہوکر باآداب دوزانوں بیٹھ کر دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کے مقابل اٹھا کر آہستہ آہستہ انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حمد وثناء پیش کی جائے، پھر حضور کے دربار میں درود شریف کا نذرانہ پیش کیا جائے، پھر اپنی حاجت اور تمام مومنین کی حاجت دربار ایزدی میں پیش کرکے ان کی برآوری کی درخواست کی جائے، پھر دعاء سے فارغ ہونے کے وقت دونوں ہاتھوں کو چہرہ پر پھیر لیا جائے۔

عن فضالة بن عبيد يقول: سمع النبي صلى الله عليه وسلم رجلا يدعو في صلاته فلم يصل على النبي صلى الله عليه وسلم، فقال النبي صلى الله عليه وسلم عجل هذا، ثم دعاه، فقال له أو لغيره إذا صلى أحدكم فليبدأ بتحميد الله والثناء عليه، ثم ليصل علي النبي صلى الله عليه وسلم، ثم ليدع بعد ما شاء. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/۱۸٦، دار السلام رقم: ۳٤۷۷)

أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب الدعاء، النسخة الهندية ۱/۲۰۸، دار السلام رقم: ۱٤۸۱۔

عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا رفع يديه في الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب ماجاء في رفع الأيدي عند الدعاء، النسخة الهندية ۲/۱۷٦، دار السلام رقم: ۳۳۸٦)

ومنها: أن يدعو وهو مستقبل القبلة، ومنها: أن يدعو في دبر صلواته، ومنها: ←

امام کے خطبہ کے لئے منبر پر پہونچنے سے پہلے یا دوران خطبہ آپس میں سلام ومصافحہ کا حکم

سوال (۵۳۳): قدیم ۱/ ۶۰۷- زید ایک مسجد کا خطیب اور امام ہے اکثر اوقات وہی نماز پڑھاتا ہے اور بعض اوقات دوسروں سے پڑھواتا ہے جب یہ خطبہ پڑھنے کیلئے اپنی جگہ سے اٹھتا ہے تو بعض لوگ اٹھ اٹھ کر اس کو سلام کرتے ہیں اور اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور یہ سلام کا جواب دیتا ہوا اور مصافحہ کرتا ہوا منبر پر جا بیٹھتا ہے آیا طرفین کا سلام ومصافحہ ایسے وقت میں ممنوع وحرام ہے یا نہیں؟

إذا خرج الإمام فلاصلوٰة ولا كلام (۱) سے اس کی ممانعت وحرمت نکلتی ہے یا نہیں ظاہر الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وکلام کی ممانعت ہے تو سلام ومصافحہ کی بدرجۂ اولیٰ ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے جب خود زید نماز پڑھانے کو چلتا ہے اور جب وہ دوسروں سے پڑھواتا ہے اس وقت بھی لوگ زید سے سلام ومصافحہ کرکر اپنی جگہوں پر آ بیٹھتے ہیں۔ البتہ جب خطبہ شروع ہوجاتا ہے تو لوگ ایسا نہیں کرتے تاہم اتنا ہوتا ہے کہ اگر زید اثنائے خطبہ میں کسی کی طرف دیکھتا ہے تو دوسرا شخص ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرلیتا ہے۔ کیا یہ اشارہ سے سلام کرلینا بھی ممنوع ہوگا؟ ہر ہر صورت کا جواب ارشاد فرمائیے۔

←**أن يرفع اليدين حتى يحاذي بهما المنكبين إذا دعاء، ومنها: أن يخفض صوته بالدعاء، ومنها: أن يمسح وجهه بيديه إذا فرغ من الدعاء.** (شعب الايمان للبيهقي، باب في الرجاء من الله تعالىٰ ذكر فصول في الدعاء يحتاج إلى معرفتها، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۴۵)

(۱) **عن عطاء عن ابن عباسؓ، وابن عمرؓ، أنهما كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الإمام.** (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الجمعة، باب من كان يقول: إذا خطب الإمام فلا يصلي، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۴/ ۷۲، رقم: ۵۲۱۸)

عن الزهري عن سعيد بن المسيب قال: خروج الإمام يقطع الصلاة. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الجمعة، باب من كان يقول: إذا خطب الإمام فلا يصلي، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۴/ ۷۲، رقم: ۵۲۱۸)

الجواب: إذا خرج الإمام میں ایک قول یہ ہے کہ خروج سے مراد صعود علی المنبر ہے چنانچہ عینی نے حاشیہ ہدایہ میں نقل کیا ہے۔(۱)

اور یہی راجح معلوم ہوتا ہے پس اس سے پہلے سلام و مصافحہ ہر دو جائز ہے اور اشارہ چونکہ کلام نہیں لہٰذا وقت خطبہ کے حرمت میں مثل کلام کے تو نہیں ہے مگر چونکہ مشابہ کلام کے ہے؛ اس لئے کراہت سے خالی نہیں۔ بالخصوص جبکہ خود سلام کرنا بھی اشارہ سے مطلقاً ممنوع ہے حدیث میں ہے۔

ومن مس الحصى (أي في الخطبة) فقد لغا، رواه مسلم. (۲)

جب مس حصی سے ممانعت ہے کیونکہ اس میں مشغولی ہے غیر خطبہ کی طرف تو اشارۂ سلام میں تو اس سے زیادہ مشغولی ہے اور حدیث میں ہے:

---

(۱) **وإذا خرج الإمام يوم الجمعة (هداية) وفي العيني: يعنى إذا خرج من منزلة أو من بيت الخطابة لأجل الخطبة، ويقال: المراد بخروجه صعوده على المنبر.** (بناية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ۳/۸٤)

وإذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام (كنز) وفي البحر: وفسر الشارح الخروج بالصعود على المنبر وهكذا في المضمرات. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۷۰، كوئٹه ۲/۱۵۵)

وإذا خرج الإمام أي صعد على المنبر كذا في المعراج وغيره وعليه جرى الشارح. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳٦۳)

(۲) **عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من توضأ فأحسن الوضوء، ثم أتي الجمعة فاستمع وأنصت، غفر له ما بينه وبين الجمعة وزيادة ثلاثة أيام، ومن مس الحصىٰ فقد لغا.** (مسلم شريف، كتاب الجمعة، باب فضل من استمع وانصت في الخطبة، النسخة الهندية ۱/۲۸۳، بيت الأفكار رقم:۸۵۷)

أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب فضل الجمعة، النسخة الهندية ۱/۱۵۰، دارالسلام رقم: ۱۰۵۰۔

ترمذي شريف، أبواب الجمعة، باب ما جاء في الوضوء يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/۱۱۲، دار السلام رقم:٤۹۸۔

لیس منامن تشبہ بغیرنا لاتشبھوا بالیھود ولا بالنصاریٰ، فإن تسلیم الیھود الإشارۃ بالأصابع وتسلیم النصاریٰ الإشارۃ بالأکف رواہ الترمذی. (۱)

اس سے سلام بالید کی ممانعت مفہوم ہوتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۳۳ ج ۱)

خطیب کا منبر پر کھڑے ہوکر سلام کرنا

سوال (۵۳۴): قدیم ۱/ ۶۰۸- دیباچہ خطبۂ ماثورہ نمبر ۵ منبر پر چڑھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر سلام کرتے اور بیٹھ جاتے اس کے متعلق یہ سوال ہے کہ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۳۳ مطبوعہ مراد آباد میں لکھا ہے کہ جب امام اپنی جگہ سے بغرض خطبہ اٹھے تب سے مقتدیوں پر سکوت واجب ہوجاتا ہے پس جب خطیب سلام کرے گا تو لامحالہ سامعین کو جواب دینا پڑے گا پھر سکوت کی قید جاتی رہے گی لہٰذا اس کی صراحت فرمادی جائے کہ یہ فعل خاص آپ ہی کیلئے مخصوص تھا یا اب بھی عام خطباء کو اس کی پابندی کرنی چاہئے اور مقتدیوں پر جو حسب صراحت صدر سکوت کا حکم ہے اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: واقعی اس تحریر میں اجمال ہے اس کے بعد احیاء السنن میں اس مسئلہ کی اس طرح تحقیق کی گئی۔

---

(۱) ترمذي شریف، أبواب الاستئذان والآداب، باب ما جاء في کراھیة إشارة الید في السلام، النسخة الھندیة ۲/ ۹۹، دار السلام رقم: ۲۶۹۵۔

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جدہ أظنه مرفوعًا، قال: لیس منا من تشبه بغیرنا، لا تشبھوا بالیھود ولا بالنصاریٰ، فإن تسلیم الیھود الإشارۃ بالأصابع، وإن تسلیم النصاریٰ بالأکف الحدیث. (المعجم الأوسط للطبراني، دار الکتب العلمیة بیروت ۵/ ۲۹۴، رقم: ۷۳۸)

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

وفي البحر فاستفيد منه (أي من قول البدائع) أنه لا يسلم إذا صعد المنبر وروى أنه يسلم كما في السراج الوهاج ص۱۶۸ جلد ۲ (۱) وهو المختار عندى للحديث (۲) وإن كان المشهور في المذهب هو القول الأول كما في الدرالمختار وغيره (۳)

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۷۲، كوئٹه ۲/۱۵۵۔

(۲) عن جابر بن عبد الله أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا صعد المنبر سلّم.

(ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الخطبة يوم الجمعة، النسخة الهندية ص:۷۸، رقم:۱۱۰۹)

السنن الكبرى للبيهقي ٤/٤٤٤، رقم: ۵۸۳۷۔

إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب سلام الخطيب على المنبر، دار الكتب العلمية بيروت ۸/۸٤، كراچي ۸/۸۳۔

عن ابن عمر رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دخل المسجد يوم الجمعة سلم على من عند منبره من الجلوس، فإذا صعد المنبر توجه إلى الناس فسلم عليهم.

(المعجم الأوسط للطبراني، دار الكتب العلمية بيروت ۵/۸۹، رقم:٦٧٧)

عن عطاء قال: كان البني صلى الله عليه وسلم إذا صعد المنبر يوم الجمعة إستقبل الناس بوجهه فقال: السلام عليكم. (إعلاء السنن، دار الكتب العلمية بيروت ۸/۸٤)

عن الشعبي قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صعد المنبر يوم الجمعة استقبل الناس بوجهه فقال: السلام عليكم، وكان أبو بكرؓ، وعمرؓ، وعثمانؓ، يفعلونه.

(مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، الإمام إذا جلس على المنبر يسلم، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/۷۹، رقم: ۵۲۳۸، قديم ۲/۱۱٤)

مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ۳/۱۹۳، رقم:۵۲۸۲۔

(۳) ومن السنة ترك السلام من خروجه إلى دخوله في الصلاة، وقال الشافعيؒ، إذا استوىٰ على المنبر سلم. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۳، كراچي ۲/۱۵۰) ←

والمتمسک فیه العمومات وعلیه یأول ماورد من السلام من حمله علی ماقبل تحریم الکلام في الصلوٰة وفي الخطبة قلت وإذ لیس السلام واجباً واحتمل الکراهة بالنسخ فلعل الأولیٰ للعمل ترکه والاعتقاد تجویزه. واللّٰه أعلم اهـ.

اس سے معلوم ہوا کہ احتیاط یہی ہے کہ امام سلام نہ کرے پس اپنی تحریر کے اجمال سے جوموہم اجازت سلام بلا اختلاف ہے رجوع کرتا ہوں گومجوز وجوب سکوت سے اسکومخصوص کرسکتا ہے۔

۴؍صفر ۱۳۳۵ھ (ترجیح خامس ص ۳)

سوال (۵۳۵): قدیم ۱/ ۶۰۹- خطب الماثورہ میں نمبر ۵ میں صفحہ اول پر تحریر ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھ کرلوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر سلام کرتے اور بیٹھ جاتے۔ اس سلام کی سنت پر عمل دیکھا نہیں جاتا کیا اس سنت کو زندہ کیا جاوے یا اس پر عمل نہ کرنے میں کوئی مصلحت ہے۔ لاعلمی کے باعث یہ استفسار رہے؟

← **الخطیب إذا صعد المنبر لا یسلم علی القوم عندنا وبه قال مالکؒ؛ لأنه قد سلم عند دخوله فلا معنی لتسلیمه ثانیًا، وقال الشافعيؒ، وأحمدؒ یسلم علیهم الخ.** (حلبي کبیري، کتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مکتبة أشرفیة دیوبند ص: ۵۶۲)

البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مکتبة زکریا دیوبند ۲/ ۲۵۹، کوئٹه ۲/ ۱۴۸۔

اب ان روایات کا حاصل یہی ہے کہ جو روایات مرفوع ہیں، وہ متکلم فیہ ہیں اور جو متکلم فیہ نہیں ہیں، وہ مرفوع نہیں؛ بلکہ مرسل ہیں؛ اس لئے کتب احناف میں سے بعض میں ترک سلام کو افضل اور بعض میں مباح اور بعض میں سلام کو مستحب لکھا ہے اور حضرت والا تھانویؒ نے بہشتی زیور ۱۱/ ۸۲ میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب سب لوگ جمع ہو جائے اس وقت آپ تشریف لاتے اور حاضرین کو سلام کرتے اور حضرت بلالؓ اذان کہتے اور اگر کوئی سلام نہ کرے تو اس پر کوئی ملامت نہیں؛ لہٰذا خطیب کا منبر پر کھڑے ہوکر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر سلام کرنا اختیاری عمل ہے کہ کوئی سلام کرے، تو مذکورہ روایات کی بناء پر جائز یا مستحب ہے، اور اگر کوئی سلام نہ کرے، تو اس پر کوئی ملامت بھی نہیں؛ اس لئے کہ روایات مختلف فیہ ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے غیر مقلدین کے چھپن اعتراضات ۱۱۸ تا ۱۲۳۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب : حنفیہ نے اس کو اسلئے نہیں لیا کہ عوام اس کو لوازم خطبہ سے سمجھنے لگیں گے جو کہ بدعت ہے جیسا کہ حنفیہ نے بہت افعال کو اسی اصل پر منع کیا ہے(۱) اور شافعیؒ نے نقل کی بناء پر جائز فرمایا ہے(۲) چنانچہ اس مسئلہ میں بھی یہی اختلاف ہے۔

کما في الدر المختار: ومن السنة جلوسه في مخدعه عن يمين المنبر ولبس السواد وترک السلام من خروجه الى دخوله في الصلوة وقال الشافعیؒ إذا استویٰ على المنبر سلم مجتبیٰ. (۳)

---

(۱) **من أصرّ على أمر مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصرّ على بدعة أو منكر.** (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، مكتبة امدادية ملتان ۲/۳۵۳)

الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع. (سعاية، مكتبة أشرفية ديوبند ۲/۲۶۵)

وما يفعل عقيب الصلاة فمكروه لأن الجهال يعتقدونها سنة أو واجبة وكل مباحٍ يؤدي إليه فمكروه. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة المسافر، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۹۸، كراچي ۲/۱۲۰)

(۲) سلام سے متعلق روایات جو کہ امام شافعیؒ کی مستدل ہیں ملاحظہ ہو۔

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا صعد المنبر سلم. (ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في الخطبة يوم الجمعة، النسخة الهندية ص:۷۸، دارالسلام رقم:۱۱۰۹)

عن ابن عمرؓ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، إذا دخل المسجد يوم الجمعة سلّم على من عند منبره من الجلوس، فإذا صعد المنبر توجه إلى الناس، فسلم عليهم.

(المعجم الأوسط للطبراني، قديم ۷/۳۴۹، دار الفكر جديد ۵/۸۹، رقم:۶۶۷۷)

مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، الإمام إذا جلس على المنبر سلم، مؤسسة علوم القرآن ۴/۷۹، رقم:۵۲۳۸۔

إعلاء السنن، دار الكتب العلمية بيروت ۸/۸۴، كراچي ۸/۸۳۔

(۳) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۲-۲۳، كراچي ۲/۱۵۰۔

اور بعض علمائے حنفیہ سے جو سلام کا استحباب یا اباحت منقول ہے اس کو غریب کہا گیا ہے۔

كما في رد المحتار : تحت قوله: ترک السلام. (۱)

پس امام شافعیؒ بناء بر جزئی منقول سلام کا حکم کرتے ہیں حنفیہ بناء بر کلیات منقولہ اس کے ترک کو سنت کہتے ہیں۔ نیز غور کرنے سے منع کی ایک نقل جزئی بھی ذہن میں آ گئی وہ حدیث ہے۔

إذا خرج الإمام فلاصلاة ولا كلام. (۲)

اور یقیناً سلام بھی یا ملحق بالصلوٰۃ ہے یا ملحق بالکلام اور ظاہر ہے کہ جب امام سلام کرے گا تو حاضرین جواب دیں گے جو کہ کلام ہے اور یہ بعد خروج ہوگا جو بناء بر حدیث مذکور ممنوع ہے اور قاعدہ ہے۔

إذا تعارض المبيح والمحرم ترجح المحرم. (۳)

پس سلام جو منقول ہے وہ اس قاعدہ سے منسوخ ہوگا پس حنفیہ کا مذہب روایۃً ودرایۃً قوی ہوا۔ واللہ اعلم

۱۸ رجب المرجب ۱۳۵۳ھ (النور رجب ۱۳۵۴ھ)

---

(۱) **وترک السلام من خروجه إلى دخوله في الصلاة (در مختار) وفي الشامية: ومن الغريب ما في السراج أنه يستحب للإمام إذا صعد المنبر وأقبل على الناس أن يسلم عليهم لأنهم استدبرهم في صعوده. بحر.** (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲۳/۳، كراچي ۱۵۰/۲)

(۲) **عن عطاء عن ابن عباسؓ وابن عمرؓ، أنهما كانا يكرهان الصلاة والكلام بعد خروج الإمام.** (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الجمعة، باب من كان يقول: إذا خطب الإمام فلا يصلي، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۷۲/٤، رقم:۵۲۱۸)

عن الزهري، عن سعيد بن المسيب قال: خروج الإمام يقطع الصلاة. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ۷۲/٤، رقم:۵۲۱۷۔

(۳) **القاعدة الثانية إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام وبمعناها ما اجتمع محرم ومبيح إلا غلب المحرم.** (الأشباه والنظائر قديم ص: ۱۷۰) ←

عیدگاہ میں نماز عید ادا کرنے کی تاکید

سوال (۵۳۶): قدیم ۱/ ۶۱۰ - زید عیدین کی نماز اپنی مسجد میں پڑھتا ہے عیدگاہ میں نہیں پڑھتا اور جو کوئی عیدگاہ میں پڑھنے کا عادی ہے اس کو بھی روکتا ہے کبھی کہتا ہے نماز عیدین مسجد میں بھی جائز ہے چنانچہ فلاں مولوی صاحبوں کا فعل اس کے جواز کی دلیل کافی ہے کبھی کہتا ہے جس کو مجھ سے محبت وتعلق ہوا اور میرے کہنے کا کچھ پاس ولحاظ ہو وہ میری ہی مسجد میں نماز پڑھے کبھی کہتا ہے عیدگاہ میں تو بہت لوگ ہوجاتے ہیں یہاں بھی پچاس ساٹھ آدمی ہوجائیں تو بہتر ہے کبھی کہتا ہے مسجد میں بھی خدا ہی کی نماز ہے اور عیدگاہ میں بھی خدا ہی کی نماز ہے چاہے جہاں پڑھو۔ غرض مختلف طریقوں سے عیدگاہ جانے سے روکتا ہے اور اس کے ملنے والوں میں سے جو کوئی چلا جاتا ہے اس سے ناخوش ہوتا ہے اور شکایت کرتا ہے، اس شخص کے پاس ولحاظ سے بعض لوگ عیدگاہ جانے سے رک جاتے ہیں، اگر یہ شخص عیدگاہ میں پڑھے یا دوسروں کو منع نہ کرے تو اس مسجد کے پڑھنے والے سب عیدگاہ ہی میں جائیں ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے اور اس کی مسجد میں نماز عیدین پڑھنا کیسا ہے اور عموماً مسجدوں میں نماز عیدین پڑھنا اور بلاعذر بارش وضعف رفتار وغیرہ عیدگاہ کو ترک کرنا کچھ گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب : في الدر المختار: والخروج إليها أي الجبانة لصلوة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح.(۱)

← حاصل یہ ہے کہ اس سے پہلے والے مسئلہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ حنفیہ کے یہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ بعض فقہاء نے مستحب بعض نے مباح اور بعض نے قابل ترک کہا ہے "السراج الوهاج" میں مستحب لکھا ہے؛ اس لئے یہ اختیاری عمل ہے؛ لہٰذا اس کو محل نزاع بنانا درست نہیں۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۴۹، كراچي ۲/ ۱۶۹۔

ثم يتوجه إلى المصلي بالنصب عطف على المندوبات، فإن خصوص التوجه إلى المصلى مندوب وإن وسعهم المسجد عند عامة المشايخ وهو الصحيح وقد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج في صلاة العيد إليه الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۳۱) ←

اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے بجز ایک بار کے، کہ عذر بارش کی وجہ سے مسجد میں ادا فرمائی تھی (۱) ہمیشہ میدان ہی میں تشریف لے جاتے تھے حتی کہ جن پر عذر شرعی سے نماز بھی نہ تھی ان کے لیجانے کا اہتمام فرماتے تھے چنانچہ بکثرت احادیث وارد ہیں (۲) پس جس امر کا حضور ﷺ کو قولاً وفعلاً اہتمام ہو، اس کے خلاف کا قولاً وفعلاً اہتمام کرنا صریحاً مخالفۃ سنت کی ہے جس کے گناہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ حدیث میں ہے:

← **وفي التجنيس: والخروج إلى الجبانة سنة لصلاة العيد، وإن كان يسعهم المسجد الجامع عند عامة المشايخ وهو الصحيح.** (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۷۸، كوئٹه ۲/۱۵۹)

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۶۷۔

(۱) **عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه أصابهم مطر في يوم عيد فصلىٰ بهم النبي صلى الله عليه وسلم صلاة العيد في المسجد.** (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب يصلي بالناس العيد في المسجد إذا كان يوم مطر، النسخة الهندية ۱/۱۶۴، دار السلام رقم: ۱۱۶۰)

ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ما جاء في صلاة العيد في المسجد إذا كان مطر، النسخة الهندية ص: ۹۳، دار السلام رقم: ۱۳۱۳۔

جمع الفوائد، كتاب الصلاة، صلاة العيدين، مكتبة مجمع الشيخ محمد زكريا سهارنپور ۲/۱۸۱۔

(۲) **عن أم عطية رضـ قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها، حتى نخرج الحيّض، فيكن خلف الناس، فيكبرن بتكبيرهم، ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته.** (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب التكبير أيام منى النسخة الهندية ۱/۱۳۲، رقم: ۹۶۱، ف: ۹۷۱)

عن أم عطية رضـ قالت: أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نخرجهن في الفطر والأضحىٰ العواتق والحيض وذوات الخدور، فأما الحيّض فيعتزلن الصلاة ويشهدن الخير ودعوة المسلمين الحديث. (مسلم شريف، كتاب العيدين، فصل في إخراج العواتق وذوات الخدور، النسخة الهندية ۱/۲۹۱، بيت الأفكار رقم: ۸۹۱)

فمن رغب عن سنتي فليس مني. (١) واللہ اعلم

۱۸/ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۳۴ ج۱)

نماز جمعہ میں مصلیوں کی تعداد کی شرط

سوال (۵۳۷): قدیم ۱/۶۱۱- اگر کیمپ کے مسلمان جماعت کثیر ہو جاویں یا آٹھ دس آدمی تک ہوں جمعہ کی نماز حالت سفر میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: جمعہ کیلئے کم از کم چار آدمی شرط ہیں اس سے کم میں جمعہ صحیح نہیں (۲) اور چار اور زائد سے

---

(١) أخرج البخاري عن أنس بن مالك في حديث طويل: فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم إليهم فقال: أنتم الذين قلتم كذا وكذا أما والله إني لأخشاكم وأتقاكم له لكني أصوم وأفطر وأصلي وأرقدو أتزوج النساء فمن رغب عن سنتى فليس مني. (بخاري شريف، كتاب النكاح، الترغيب في النكاح، النسخة الهندية، ٢/٧٥٧، رقم: ٤٨٧٢، ف: ٥٠٦٣)

مسلم شريف، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ووجد مؤنة الخ، النسخة الهندية ١/٤٤٨، بيت الأفكار رقم: ١٤٠١ـ

نسائي شريف، كتاب النكاح، باب النهي عن التبتل، النسخة الهندية ٢/٥٨، دار السلام رقم: ٣٢١٩ـ

(٢) والسادس: الجماعة: وأقلها ثلاثة رجال ولوغير الثلاثة الذين حضروا الخطبة سوى الإمام بالنص لأنه لابد من الذاكر وهو الخطيب، وثلاثة سواه بنص فاسعوا إلى ذكر الله. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٣/٢٤، كراچي ٢/١٥١)

والجماعة أي وشرط أدائها أيضًا الجماعة للإجماع على عدم صحتها من المنفرد لأخذها من الاجتماع وهم ثلاثة سوى الإمام. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ١/٣٦٠)

جائز ہے بشرطیکہ وہ جگہ قابل اقامت جمعہ کے ہو (۱) جیسا کہ آگے آتا ہے (*)

(*) یعنی سوال آئندہ کے جواب میں۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

←**والسادس الجماعة: لأن الجمعة مشتقة منها، ولأن العلماء أجمعوا على أنها لا تصح من المنفردوا اختلفوا في تقدير الجماعة وعندناهم ثلاثة رجال غير الإمام.** (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، باب الجمعة، دار الكتاب ديوبند ص: ۵۱۱)

وأما الكلام في مقدار الجماعة فقد قال أبو حنيفةؒ، ومحمدؒ: أدناه ثلاثة سوى الإمام وقال ابو يوسف: إثنان سوى الإمام. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، شرائط الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۶۰۰)

البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۶۲، كوئٹه ۲/ ۱۵۰۔

(۱) یعنی وہ جگہ مصر ہو یا توابع مصر سے ہو، یا قصبہ ہو یا قریۂ کبیرہ ہو تو جمعہ جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عليؓ قال: لاجمعة، ولاتشريق، ولاصلاة فطر، ولاأضحى، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب من قال: لاجمعة، ولاتشريق إلافي مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ۴/ ۴۶، رقم: ۵۰۹۹)

عن عليؓ قال: لاجمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرىٰ الصغار، المجلس العلمي بيروت ۳/ ۱۶۷، رقم: ۵۱۷۵، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۷۰، رقم: ۵۱۸۹)

عن ابن جريجؒ، قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمير، والقصاص، والدور المجتمعة غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة، فنودى للصلوة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها، إن سمعت الأذان، أو لم تسمعه.

(مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي ۳/ ۱۶۸، رقم: ۵۱۷۹،

دارالکتب العلمیة بیروت ۳/۷۱، رقم:۵۱۹۳) ←

ایسی جگہ گو مسافر پر جمعہ فرض نہیں لیکن پڑھ لے تو صحیح ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

۱۵؍شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ج۱ص ۳۸)

← **ویشترط لصحتها: المصر أو فناءه وهو ما حوله اتصل به أولا.** (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۵-۷، كراچي ۲/۱۳۸)

وشرط أدائها المصر أو مصلاه أي فناءه، وهو المكان المعد لمصالح المصر متصل به أو منفصل عنه. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۵۲-۳۵۳)

ولا تصح إلا بستة شروط المصر أو فناءه. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دارالكتب العلمية، بيروت ۱/۲٤٤)

وتقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق...... وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب. كما في المضمرات. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/٦-۷، كراچي ۲/۱۳۸)

وكذا لا يصح أداء الجمعة إلا في المصر وتوابعه، فلا تجب على أهل القرىٰ التي ليست من توابع المصر، ولا يصح أداء الجمعة فيها. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۵۸۳، كراچي ۱/۲۵۹)

(۱) **اگر جماعت مسافران در مصر نماز جمعہ گذارند در آنہا مقیم کسے نباشد نزد امام اعظم جمعہ صحیح شد۔ (مالابد منہ، فصل در نماز جمعہ، مکتبہ رحیمیہ دیوبند ص:۵٦)**

ويصلح للإمامة فيها من صلح لغيرها فجازت لمسافر وعبد ومريض. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳۰، كراچي ۲/۱۵۵)

إن المسافر لما التزم الجمعة صارت واجبة عليه ولذا صحت إمامته فيها. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۳٤، كراچي ۲/۱۵۸)

شبیر احمد قاسمی عفاء اللہ عنہ

شہر کے قریب کے قلعہ اور کوٹھی میں نماز جمعہ کا حکم

سوال (۵۳۸): قدیم ۱/ ۶۱۱- کوٹھی رزیڈنٹی شہر سے علیحدہ ہے۔ادھر جامع مسجد ایک میل سے تین میل کے فاصلہ تک ہے اس فاصلہ کے ملازمین کو کوٹھی سے بغیر تعطیل باہر نکلنے کی اجازت بھی نہیں ایسی حالت میں کوٹھی کے احاطہ میں یا کسی مکان میں جمعہ پڑھا جاسکتا ہے؟ کیونکہ کیمپ کی آبادی توابع شہر میں ہے گاؤں تو کہا نہیں جاسکتا نماز جمعہ تو غالباً فرض ہوگی بغیر مسجد کے بھی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر یہ جگہ توابع شہر سے ہو جیسا ظاہر ہے تو جمعہ اس میں صحیح ہے (۱) اور یہاں سے کسی کو باہر جانے کی اجازت نہ ہونا تو مضر نہیں لیکن یہ دیکھنا چاہئے کہ اس حد کے اندر باہر والے بھی آسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر آسکتے ہیں تب بلاتر دد جمعہ جائز ہے اور اگر نہیں آسکتے ہیں تو جواز جمعہ میں تر دد ہے (*)

(*) جمعہ کی صحت کے لئے ''اذن عام'' کی جو شرط ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو جمعہ سے روکا نہ جاوے تا کہ ان کا جمعہ فوت نہ ہو، علامہ شامیؒ کی مندرجہ ذیل عبارت (جسے حضرت مجیبؒ قدس سرہ نے بھی نقل کیا ہے) اس کی واضح دلیل ہے۔

قلت: وينبغي أن يكون محل النزاغ ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا، لأنه لا يتحقق التفويت، كما أفاده التعليل تأمل الخ. (رد المحتار ۱/ ۷۶۲، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۲۶، كراچي ۲/ ۱۵۲) ←

---

(۱) **وكذا لا يَصِحُّ أداء الجمعة إلا في المصر، وتوابعه، فلاتجب على أهل القرىٰ التى ليست من توابع المصر، ولايصح أداء الجمعة فيها.** (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۵۸۳، كراچي ۱/ ۲۵۹)

وشرط أدائها المصر أو مصلاه أي فناءه، وهو المكان المعد لمصالح المصر متصل به أو منفصل عنه. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۵۲-۳۵۳)

الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۵-۷، كراچي ۲/ ۱۳۸۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٢٤٤ ۔

اس لئے مسافر (*) کواس صورۃ میں اولیٰ یہ ہے کہ ظہر پڑھے کیونکہ جمعہ مسافر پرفرض نہیں تو غیرفرض کیلئے تردد میں کیوں پڑے اور جامع مسجد جمعہ کیلئے شرط نہیں۔

وجه التردد ما في الدر المختار: والإذن العام (إلى قوله) فلايضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة وفي ردالمحتار: بعد نقل عدم جواز الجمعة إن منعوا عن الدخول مانصه قلت وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لاتقام إلا في محل واحد أما لوتعدد فلا؛ لأنه لايتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل وفيه عن المنح وكذا أي لايصح لو جمع في قصره لحشمه ولم يغلق الباب ولم يمنع أحدا إلا أنه لم يعلم الناس بذلک. اهـ (١)

۱۵؍شعبان ۱۳۲۱ھ (امدادص ۳۸ ج ۱)

← اور منح وغیرہ کی عبارات میں جو عدم جواز مذکور ہے، اس کی وجہ بھی یہی ''تفویت جمعہ عن الناس'' ہے؛ کیونکہ امیر کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی جمعہ قائم نہ کرے گا، پس جب اس نے دروازہ بند کرلیا یا باہر والوں کو شرکت جمعہ کی اجازت نہیں دی یا انہیں اقامت جمعہ فی القلعہ کا علم ہی نہیں ہوا تو ان تمام صورتوں میں باہر والوں کا جمعہ فوت ہوجائے گا۔

وكان هو المانع عن الجواز.

اورصورت مسئولہ میں جب عدم جواز کی علت موجودنہیں ہے(کیونکہ شہر کی جامع مسجد میں بھی جمعہ ہوتا ہے) تو حسب تصریح علامہ شامی جواز جمعہ میں کچھ تردد نہیں ہوسکتا؛ چنانچہ حضرت مجیب قدس سرہ نے بھی سوال نمبر ۵۴۰؍ کے جواب میں (جوز مانۂ بعد کا ہے) بلاتردد جواز کا حکم لکھا ہے۔

لہٰذا کوٹھی اور بنگلۂ حکام کے ملازمین اسی طرح کارخانہ کے ملازمین اور چھاؤنی والے (جب انہیں اجازت نہ ملے) کوٹھی کارخانہ اور چھاؤنی میں بلاتردد نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی قدس سرہ نے اس سلسلہ میں مفصل بحث فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں فتاوی دارالعلوم جدید ۵/۱۰۴-۱۰۷۔ واللہ سبحانہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(*) مسافر کا ذکر سوال سابق کی وجہ سے ہے، یہ دونوں سوال ایک ہی سائل کے ہیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند

٣/٢٥-٢٦، كراچي ٢/١٥١-١٥٢. ←

سرکاری دفتر میں نماز جمعہ کا حکم

سوال (۵۳۹): قدیم ۱/۶۱۳- دفتر کے اندر عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہیں مگر حاکم نے اجازت دیدی ہے کہ جمعہ کے روز صرف نماز پڑھنے کے واسطے جس کا جی چاہے وہ چلا آوے ممانعت نہیں ہے اس حالت میں نماز جمعہ دفتر کے اندر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جب اذن عام ہے تو درست ہے ورنہ باہر نکل کر میدان میں پڑھ لیں۔(۱)

۲/ جمادی الاخری ۱۳۳۱ھ (حوادث اول ص ۲۲)

← **أقول وفي المنع: نظر ظاهر لأن وجه القول بعدم صحة صلاة الإمام بقفله قصره اختصاصه بها دون العامة، والعلة مفقودة في هذه القضية، فإن القلعة وإن قفلت لم يختص الحاكم فيها بالجمعة؛ لأن عند باب القلعة عدة جوامع في كل منها خطبة لا يفوت من منع من دخول القلعة الجمعة؛ بل لو بقيت القلعة مفتوحة لايرغب في طلوعها للجمعة لوجودها فيما هو أسهل من التكلف بالصعود لها، وفي كل محلة من المصر عدة من الخطب فلا وجه لمنع صحة الجمعة بالقلعة عند قفلها.** (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ٥١١)

وما يقع في بعض القلاع من غلق أبوابه خوفًا من الأعداء أو كانت له عادة قديمة عند حضور الوقت فلا بأس به لأن إذن العام مقرر لأهله؛ ولكن لو لم يكن لكان أحسن كما في شرح عيون المذاهب. وفي البحر والمنح خلافه لكن ما قررناه أولىٰ لأن الإذن العام يحصل بفتح باب الجامع وعدم المنع، ولا مدخل في غلق باب القلعة وفتحه ولأن غلق بابها لمنع العدو لا لمنع غيره. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ١/٢٤٦)

(١) **وفي الدر المنتقى: الجمعة...... لاتصح إلا بستة شروط شرطت لأدائها...... والإذن العام لأنها من شعائر الإسلام، فتؤدى بالشهرة بين الأنام، وهو يحصل بفتح باب الجامع، أو دار السلطان، أو القلعة بلا مانع.** (الدر المنتقي، كتاب الصلاة، باب

الجمعة بیروت ١/٢٤٥، ٢٤٦) ←

سوال (۵۴۰): قدیم ۱/۶۱۳- آنجناب کو معلوم ہوگا کہ اب جمعہ کے دن ہر ایک سرکاری دفتر میں نماز جمعہ ادا کرنے کی اجازت مل گئی ہے مگر کمترین بدقسمتی سے قلعہ میں ملازم ہے عرض یہ ہے کہ سنا ہوا ہے کہ قلعہ میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی مگر اب جبکہ سرکار اجازت دیتی ہے اور خوشی سے اجازت دیتی ہے تو قلعہ میں جمعہ جائز ہے یا نہیں ایک اور شرط جو کہ جمعہ کے متعلق ہے وہ شاید شارع عام (*) کا ہونا ضروری ہے سو اس کے متعلق عرض یہ ہے قلعہ چھاونی فیروز پور ایک بڑے گاؤں کے مانند ہے اور اس کی مختلف شاخیں جو کہ اس کے احاطہ کے اندر ہیں بمنزلہ مکانات کے ہیں اور ہر ایک آدمی کو خواہ مزدور ہو یا کلرک ہو ایک بجے کی چھٹی میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے تو کیا اس حالت میں بھی شارع عام کی ضرورت ہے یہ قید جو کہ سرکار نے لگائی ہے وہ صرف نقصان سے بچاؤ کی غرض سے ہے اور ایسا ہم بھی عموماً اپنے بڑے کارخانہ میں کرلیا کرتے ہیں؟ فقط

(*) سائل یہ لفظ ''إذنِ عام'' کے معنی میں تسامحاً استعمال کررہا ہے۔۱۲ سعید احمد پالن پوری

← **الشرط السادس: الإذن العام، وهو أن تفتح أبواب الجامع فيؤذن بالناس كافّة؛ حتى أن جماعةً لو اجتمعوا في الجامع، وأغلقوا أبواب المسجد على أنفسهم، وجمعوا لم يجزهم.** (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٥٧٧، رقم:٣٣٤٥)

والإذن العام، أي شرط صحتها الأداء على سبيل الإشتهار؛ حتى لو أن أميراً أغلق أبواب الحصن وصلى فيه بأهله وعسكره صلاة الجمعة لاتجوز......وعللوا الأول بأنها من شعائر الاسلام وخصائص الدين، فيجب إقامتها على سبيل الاشتهار. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند٢/٢٦٤، كوئٹه ٢/١٥١)

من شرائط الجمعة: هو أداء الجمعة بطريق الإشتهار، حتى أن أميراً لو جمع جيشه في الحصن، وأغلق الأبواب وصلى بهم الجمعة لاتجزئهم. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجماعة من شروط الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ١/٦٠٢)

شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٣/٢٥، كراچي ٢/١٥١۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة

دار الکتاب دیوبند ص: ۵۱۰ ۔شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

الجواب :اذن عام ہونا بھی منجملہ شرائط صحت جمعہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو، وہ اذن عام میں مخل نہیں۔

في الدر المختار: والإذن العام من الإمام وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين ''كافي'' فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلى نعم لو لم يغلق لكان أحسن. اهـ في رد المحتار: وينبغى أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لاتقام إلا في محل واحد أما لو تعددت فلا لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل ج ا ص ۸۵۱.(۱)

پس بناء بر روایت بالا اس قلعہ میں نماز جمعہ درست ہے۔

۸/شعبان ۱۳۳۱ھ، (حوادث، اول ص ۱۱۱)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۲۵-۲۶، كراچي ۲/۱۵۱-۱۵۲۔

أقول وفي المنع: نظر ظاهر لأن وجه القول بعدم صحة صلاة الإمام بقفله قصره اختصاصه بها دون العامة، والعلة مفقودة في هذه القضية، فإن القلعة وإن قفلت لم يختص الحاكم فيها بالجمعة؛ لأن عند باب القلعة عدة جوامع في كل منها خطبة لا يفوت من منع من دخول القلعة الجمعة؛ بل لو بقيت القلعة مفتوحة لايرغب في طلوعها للجمعة لوجودها فيما هو أسهل من التكلف بالصعود لها، وفي كل محلة من المصر عدة من الخطب فلا وجه لمنع صحة الجمعة بالقلعة عند قفلها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص:۵۱۱)

وما يقع في بعض القلاع من غلق أبوابه خوفًا من الأعداء أو كانت له عادة قديمة عند حضور الوقت فلا بأس به لأن إذن العام مقرر لأهله؛ ولكن لو لم يكن لكان أحسن كما في شرح عيون المذاهب. وفي البحر والمنح خلافه لكن ما قررناه أولىٰ لأن الإذن العام يحصل بفتح باب الجامع وعدم المنع، ولامدخل في غلق باب القلعة وفتحه ولأن غلق بابها لمنع العدو لا لمنع غيره.

(مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۶) شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

منتشر آبادی میں نماز جمعہ کا حکم

سوال (۵۴۱): قدیم ۱/۶۱۴ - (۱) ایک بستی میں قریب تین چار سو مسلمان مرد بالغ عاقل اور قریب تین سو مرد بالغ کافر مقیم ہیں اس میں ایک بازار جسمیں اشیائے ضروریہ ہمیشہ موجود رہتی ہیں اور منصفی، تھانہ، ڈاکخانہ، تارخانہ، شفاخانہ سب موجود ہیں اب یہ بستی شہر کہلا سکتی ہے یا نہیں اگر قریہ مانا جاوے تو ان مقیم مسلمانوں پر جمعہ فرض ہے یا نہیں اگر فرض نہ ہوتو وہاں جمعہ ادا کرنے سے صلوٰۃ ظہر ذمہ سے ساقط ہوگی یا نہیں؟

(۲) ہمارے ملک برما کی بستیوں میں کہیں کہیں تو مسلمان مرد مکلّف ہزار دو ہزار تک مقیم ہیں مگر ایسی بستی بہت کم ہیں اور ادنی درجہ میں بعضے قریہ میں دس بیس تک بھی موجود ہیں اور جہاں سو دو سو چار سو پانچ سو مرد مکلّف مقیم ہیں ایسی بستیاں بہت ہیں بعضے قریہ میں سات آٹھ سو تک بھی مقیم ہیں اب ان بستیوں میں سے کوئی بستی بحکم شہر ہوسکتی ہے یا نہیں اگر سب کو قریہ مانا جاوے تو ان بستیوں کے مقیموں پر جمعہ فرض ہے یا نہیں اگر فرض نہیں ہے تو ان قریوں میں سے اگر کسی میں جمعہ ادا کیا جاوے تو ان کے ذمہ سے صلوٰۃ ظہر ساقط ہوگی یا نہیں اگر بڑے بڑے قریہ میں جمعہ صحیح ہو تو ان بستیوں میں سے کون سی بستی بڑی کہلاویگی؟

(۳) بعض قریہ زراعت وغیرہ کی وجہ سے فقط میل آدھ میل کے فاصلہ پر بسا ہے آپس میں ہر ایک کا نام بھی جدا جدا ہے مگر اطراف میں دونوں ایک ہی نام سے مشہور ہیں اب کیا دونوں کو علیحدہ علیحدہ قریہ مانیں گے یا دونوں ملا کر ایک بڑی بستی مانی جاویگی۔ ان سب سوالوں کے جواب مفصل اور مدلل سے ہم نابیناؤں کی رہنمائی فرمائیں؟

الجواب: عبارت سوال سے تو ان آبادیوں کی صورت وحالت اچھی طرح ذہن میں نہیں آئی البتہ ایک دوست سے جو اس نواح کے رہنے والے ہیں تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ گو آبادی وہاں کی متفرق حصے ہوکر بستی ہے اور ہر حصہ کا نام بھی جدا ہے لیکن تاہم کئی حصے ملکر ان سب کا مجموعہ ایک نام سے مشہور ہے اور وہ حصہ پارہ کہلاتے ہیں مثلاً دولت پور عرف میں ایک آبادی کا نام ہے جس میں

چھوٹے چھوٹے کئی حصے ہیں اور ہر حصہ بھی جدا نام سے موسوم ہے لیکن جس حصہ میں کوئی مسافر جانا چاہتا ہو پوچھنے پر بجائے اس حصہ کے نام کے یہ کہتا ہے کہ دولت پور جاؤں گا اس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ پارے بجائے محلوں کے ہیں اور مجموعہ ان پاروں کا ایک آبادی ہے گو ان کے اندر باہم کسی قدر فصل بھی ہے لیکن ظاہر ہے کہ ایک آبادی کے اجزاء میں کچھ فصل ہونا اس آبادی کے واحد ہونے کے منافی نہیں جیسے عموماً جن شہروں کے متعلق انگریزی چھاؤنیاں ہیں ان کی یہی حالت ہے اور بعض امصار وقصبات کی بلا چھاونی بھی خود یہ حالت ہے جیسے شاہجہانپور اور بعض قصبات ضلع سہارنپور ومظفرنگر کے، کہ ان کی متفرق آبادی کے مختلف حصے ہیں اور درمیان میں میدان اور کھیت اور باغ فاصل ہیں مگر جدا جدا آبادی نہیں سمجھی جاتی تو ہمارے ان اضلاع میں جیسے بعض آبادیوں کی حالت ہے اس نواح میں کل یا اکثر آبادیاں ایسی ہی ہیں یہ حالت تو وہاں کی کل آبادیوں میں امر مشترک ہے، پھر باہم ان میں ایک تفاوت یہ ہے کہ ان ہی مجموعی آبادیوں میں سے بعض میں تو تھانہ، ڈاکخانہ، منصفی وغیرہ ہے گو اس مجموعہ کے کسی خاص حصہ و پارہ میں سہی ایسے مجموعہ آبادی کو محکمہ کہتے ہیں اور بعض میں یہ چیزیں نہیں اور ان بعض کے رہنے والوں کو جب کوئی حاجت تھانہ ڈاکخانہ وغیرہ کے متعلق واقع ہوتی ہے تو وہ ان محکموں میں جاتے ہیں اور ایک ایک محکمہ کے متعلق ایسی ایسی بہت آبادیاں ہوتی ہیں اور ایسی آبادیوں کو گاؤں کے نام سے مشہور کرتے ہیں پس اس حکایت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اول قسم کا مجموعہ جو کہ وہاں محکمہ کہلاتا ہے مصر ہے اور عرفاً لفظ محکمہ لفظ مصر کا مرادف ہے اور دوسری قسم کا مجموعہ قریہ ہے، پس اس بناء پر مجموعہ آبادی قسم اول میں جمعہ صحیح ہے اور مجموعہ آبادی قسم ثانی میں جمعہ درست نہیں۔ اب مستفتی صاحب اپنی صورت مسئول عنہا کو اس قاعدہ پر خود منطبق کر کے اس کے موافق جواب سمجھ لیں پس جہاں جمعہ صحیح ہوگا وہاں نماز ظہر ساقط ہو جاوے گی اور جہاں جمعہ صحیح نہیں نماز ظہر فرض رہے گی اور اشتراط مصر کی روایات سے تمام متون وشروح وفتاویٰ مذہب حنفیہ کے مملوو مشحون ہیں۔ (۱) واللہ اعلم

۶ر شوال ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۷)

---

(۱) **عن عليؓ قال: لاجمعة، ولاتشريق، ولاصلاة فطر، ولاأضحى، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة.** (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لاجمعة، ولاتشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٤٦، رقم: ٥٠٩٩) ←

قصبات میں جمعہ کا جواز

سوال (۵۴۲): قدیم ۱/ ۶۱۲-(۱) زید کہتا ہے کہ ہندوستان کے قصبوں میں جمعہ وعیدین حنفیہ کے نزدیک

← **عن ابن جريج قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمير، والقصاص، والدور المجتمعة غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدّة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة فنودى للصلوة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها، إن سمعت الأذان، أو لم تسمعه.** (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي ۳/ ۱۶۸، رقم: ۵۱۷۹، دارالكتب العلمية ۳/ ۷۱، رقم: ۵۱۹۳)

عن حذيفة قال: ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولا تشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۴/ ۴۶، رقم: ۵۱۰۰)

ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر. وهو مالا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها أو فناءه (درمختار) و في الشامية: تقع فرضًا في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق ...... وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب، كما في المضمرات ......ألا ترىٰ أن في الجواهر: لو صلوا في القرىٰ، لزمهم أداء الظهر. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۳/ ۵-۷، كراچي ۲/ ۱۳۷-۱۳۸)

وشرط أدائها المصر: أي شرط صحتها أن تؤدىٰ في مصرٍ حتى لاتصح في قرية ولامفازة لقول علي: لاجمعة، ولاتشريق، ولا صلاة فطر، ولاأضحى، إلا في مصر جامع، أومدينة عظيمة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/ ۲۴۵، كوئٹه ۲/ ۱۴۰)

هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ۱/ ۱۶۸ ـ

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳۵۲ ـ

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

جائز نہیں؛ کیونکہ جمعہ وعیدین کے لئے مصر (شہر) ہونا شرط ہے اور قصبے کسی طرح شہر نہیں، نہ عرف عام میں نہ اور کسی عرف میں حدیث وفقہ حنفیہ میں دو لفظ آئے ہیں یا مصر (شہر) کا لفظ یا قریہ (گاؤں) کا لفظ قصبہ کا لفظ کہیں نہیں آیا ہے قصبے میں دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت سے تو اسے شہر یا مشابہ شہر کہہ سکتے ہیں، دوسری حیثیت سے گاؤں یا گاؤں کے مشابہ کہہ سکتے ہیں کھینچ کھانچ کے شہر میں داخل کرتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں: بلکہ اسے قریہ (گاؤں) میں داخل کرنا چاہئے چیز ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتی ہے، اعلیٰ کا ارذل کے تابع ہونے میں کچھ شک نہیں بلکہ یقینی ہوتا ہے اور اعلیٰ کے تابع کرنے میں بے احتیاطی ہے: اس لئے قصبوں میں جمعہ وعیدین کو منع کرنا چاہئے ،زید کا یہ کہنا کیسا ہے؟

(۲) شہر اور قصبے اور گاؤں کی کیا تعریف ہے؟ ان کی تعریفوں میں رقبے اور آبادی کو بھی دخل ہے یا نہیں؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ جہاں کا اتنا رقبہ ہو اتنی آبادی ہو وہ تو گاؤں ہے اور جہاں کا اتنا رقبہ اتنی آبادی ہو وہ قصبہ اور جہاں کا اتنا رقبہ اور اتنی آبادی ہو وہ شہر ہے اور رقبے اور آبادی کی مقدار متعین کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تھوڑے رقبے اور تھوڑی آبادی گھٹ بڑھ جانے سے تعریفوں میں فرق نہ آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جامع مانع تعریف نہیں بتاتے جو تعریف بتاتے ہیں وہ ٹوٹ جاتی ہے۔ یہ تو ہر حنفی جانتا ہے کہ ہمارے مذہب کی رو سے گاؤں میں جمعہ وعیدین جائز نہیں، مگر گاؤں کی جامع تعریف نہ جاننے سے، اور تعریف میں رقبے اور آبادی کو داخل سمجھ کر عمل کرنے سے اکثر خلط واختلاف وتنازع پیدا ہوتا ہے: اسلئے جامع مانع تعریف کی اشد ضرورت ہے، جو لوگ تعریفوں میں معین رقبے اور معین آبادی کو داخل سمجھتے ہیں ان کا استناد کسی حدیث وروایت فقہ سے ہے یا نہیں؟

(۳) ایک مقام عرف عام میں قصبہ دوسرا گاؤں کہا اور سمجھا جاتا ہے لیکن یہ قصبہ اپنے رقبہ یا اپنی آبادی کے لحاظ سے اتنا چھوٹا ہے کہ اس کو گاؤں سمجھنا اور کہنا مناسب تھا تو کیا اس قصبہ میں جمعہ وعیدین سے منع کریں گے؟ علیٰ ہذا القیاس وہ گاؤں اپنے رقبے یا اپنی آبادی کے لحاظ سے اتنا بڑا ہے کہ اس کو قصبہ سمجھنا اور کہنا مناسب تھا تو کیا اس گاؤں میں جمعہ وعیدین کی اجازت دیں گے؟

(۴) ضلع سلطان پور ملک اودھ میں مسافر خانہ ایک مقام ہے اگر اس کی آبادی پر نظر ڈالی جاوے تو ایک چھوٹا گاؤں ہے مگر یہ عرف عام میں قصبہ بولا اور لکھا جاتا ہے اور عرف عام ہی کے لحاظ سے غالبا

سرکاری کاغذوں میں بھی قصبہ لکھا جاتا ہے اس کی حیثیت یہ ہے کہ یہاں پختہ سڑک ہے، سواری کو یکے ملتے ہیں بازار ہے جو روزمرہ کی ضروری اشیاء دیتا ہے آبادی سے باہر ہفتے میں غالباً دوبار بڑا بازار لگتا ہے جس میں باہر کی خرید وفروخت کرنے والے آتے ہیں تیل کا کارخانہ ہے ڈاکخانہ اور بہت بڑا ڈاکخانہ ہے یعنی برانچ پوسٹ آفس نہیں ہے۔ سرکاری ہسپتال (شفاخانہ) ہے سرکاری اسکول ہے مگر آبادی کی کمی سے مڈل کلاس تک خواندگی نہیں ہے جیسے عام طور پر قصبوں میں ہوتی ہے درجہ سوم تک خواندگی ہے جیسے دیہات میں ہوتی ہے تھانہ (پولیس اسٹیشن) ہے کانجی ہاؤس ہے تحصیل کی کچہری ہے منصفی کی کچہری ہے تحصیل کا خزانہ الگ ہے ڈاکخانہ کے متعلق سیونگ بنک الگ ہے ڈاک بنگلہ بنا ہوا ہے جس میں حکام انگریزی آکر ٹھیرتے ہیں اور مقامی حکام کیلئے علیحدہ پختہ سرکاری مکان بنے ہوئے ہیں پختہ تالاب ہے مسافروں کے ٹھیرنے کیلئے متعدد سرائے ہیں۔ دو مسجدیں ہیں ایک میں جمعہ ہوتا ہے آبادی کے باہر عیدگاہ بنی ہوئی ہے خلاصہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے قصبے میں جو باتیں آجکل عرف عام وعرف سرکار انگریزی کے لحاظ سے ہوتی ہیں وہ سب بحیثیت مجموعی یہاں بدرجہ اتم موجود ہیں تو کیا آبادی کی کمی پر لحاظ کر کے اور اس کو قریہ اور گاؤں قرار دیکر یہاں جمعہ وعیدین سے لوگوں کو منع کرنا چاہئے یا عرف عام ومؤیدات عرف عام پر لحاظ کر کے جمعہ وعیدین کی اجازت دینا چاہئے؟

(۵) اگر کوئی شہر یا قصبہ کسی وجہ سے بالکل خالی ہوجاوے اور کوئی آدمی وہاں نہ رہ جاوے اب اتفاق سے چند مسافر یا مقیم وہاں آئیں اور جمعہ یا عیدین پڑھیں تو جمعہ وعیدین پڑھنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب: (۱) في رد المحتار: عن القهستاني وتقع فرضا في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق اھ، جلد اول ص ۸۳۶۔(۱)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۶، كراچي ۲/۱۳۸۔

ولاشک في جواز الجمعة في البلاد، والقصبات، وهذا الذي قاله من حيث كون الموضع مصرًا أو لا. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۵۲)

یہ روایت صریح ہے قصبات کے محل جمعہ وعیدین ہونے میں اور مانع کے شبہ کا جواب یہ ہے کہ قصبہ عرف عام میں شہر نہ ہونا غیر مسلم ہے ہم نے خود اہل عرف کو دیکھا ہے کہ کسی قصبہ کے گرد ونواح کے دیہاتی لوگ جب مطلق شہر بولتے ہیں تو وہی قصبہ مراد ہوتا ہے اور قصبہ کے آنے جانے کو شہر کا آنا جانا محاورات میں بولتے ہیں پس فقہ اور حدیث میں جو لفظ مصر آیا ہے وہ اس کو بھی شامل ہوا۔ آگے تمام تقریر اس پر متفرع ہے اصل کے جواب سے فرع کا جواب بھی ہوگیا۔

(۲) خود صاحب مذہب سے مصر کی یہ تعریف منقول ہے:

أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم الخ (١)

---

(١) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٣/٥، كراچي ٢/١٣٧۔

في تحفة الفقهاء عن أبي حنيفةؒ: أنه بلدة كبيرة فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه،أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما تقع من الحوادث، وهذا هو الأصح. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ٥٥٠)

وفي حد المصر أقوال كثيرة، اختاروا منها قولين: أحدهما ما في المختصر، ثانيهما ما عزوه لأبي حنيفةؒ : أنه بلدة كبيرة فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه،أو علم غيره والناس يرجعون إليه في الحوادث، قال في البدائع: هو الأصح وتبعه الشارح وهو أخص ما في المختصر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٢٤٦، كوئٹه ٢/١٤٠)

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٥٤٩، رقم:٣٢٦٦۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ١/٢٤٧۔

اور جس قدر تعریفیں فقہاء نے کی ہیں سب کا مرجع و مآل یہی ہے کہ سب عنوانات مختلفہ ہیں معنون واحد کے اور اس سے زیادہ جامع مانع تعریف جس سے تحدید تام ہو جاوے امور غیر مقدرہ فی النص میں خود امام صاحب کے مسلک کے خلاف ہے لأنہ زیادة فی الدین باقی رہی ضرورت رفع نزاع سو مثل دیگر غیر مقدرہ کے اس میں بھی تردد کے وقت اغلب رائے مبتلی بہ اور وقت تعارض آراء کے عدول ثقات کا قول معتمد و معتبر ہوگا (۱) اور جس کو نزاع ہی مقصود ہو اس کیلئے تعریف جامع مانع بھی کافی نہیں۔

(۳) تعریف بالا سے ظاہراً یہ مستفاد ہوتا ہے کہ رقبہ کی کم متصل یعنی مقدار یا آبادی کی کم منفصل یعنی شمار پر اس کا مدار نہیں بلکہ ہیئت آبادی اس کا معیار ہے۔

كما نقل في الجواب عن السوال الأول من تقييد القرىٰ بالتی فيها سكك وأسواق.

اس بناء پر اگر ہیئت آبادی کی مثل شہر وقصبہ کے ہے محل جمعہ کہیں گے ورنہ گاؤں سمجھیں گے۔ فاعتبر ہذا۔

(۴) عبارت سوال سے جو صورت اس مقام کی ذہن میں آتی ہے اس کے اعتبار سے اس کو قصبہ کے حکم میں سمجھنا ارجح ہے۔

وقد مرّفي الجواب عن السوال الثالث اعتبار هيئة العمارة لاالمقدار ونحوه. والله أعلم

---

(۱) **واعلم أن القرية والمصر من الأشياء العرفية التي لا تكاد تنضبط بحالٍ، وإن نص ولذا ترك الفقهاء تعريف المصر على العرف.** (فيض الباري، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرىٰ والمدن، مطبوعه خضر ديوبند ۲/۳۲۹)

وقيل ما فيه أربعة آلاف رجال إلى غير ذلك، وليس هذا كله تحديدًا له بل إشارة إلى تعيينه وتقريب له إلى الأذهان، وحاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصرًا فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه وماليس بمصر لم يجز فيه. (الكوكب الدري، أبواب الجمعة، بحث الجمعة في ديارنا، مكتبة اشاعة الإسلام سهارن پور ۱/۱۹۹)

(۵)(*) لأنه وإن لم يعتبر حد خاص من العمارة لكن يشترط نفس العمارة كما في الدر المختار: وجازت الجمعة بمنىٰ في موسم (إلى قوله) ووجود الأسواق والسكك (۱) ولما مر في الجواب من السوال الثاني من قوله وفيها والٍ الخ فدل علىٰ اشتراط وجود الناس فيها الحاكم والمحكومين وهذا ظاهر جدا. والله أعلم وعلمه أتم وأحكم

۱۶/ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۹ ج ۱)

بڑے گاؤں میں جواز جمعہ کا حکم

سوال (۵۴۳): قدیم ۱/ ۶۱۹ - بڑا قریہ کہ جس میں چار سو یا ہزار دو ہزار تین ہزار آدمی رہتے ہوں اور سوائے قتل وقصاص وقطع ید کے جملہ احکام شرع شریف کے بجالاتے ہیں اور امور متنازعہ میں علمائے وقت کی جانب رجوع کرتے ہیں موافق شرع شریف کے عملدرآمد کرتے ہیں اور اس موضع میں

(*) **خلاصۂ جواب**: یہ ہے کہ صورت مسئولہ (یعنی نمبر ۵) میں جمعہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ ایسی صورت میں آبادی کی کوئی خاص حد تو مقرر نہیں ہے؛ لیکن نفس آبادی کا وہاں ہونا ضروری ہے، پس جس صورت مسئولہ میں وہاں آبادی نہیں رہی تو وہاں جمعہ جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ۱٤، كراچي ۲/ ۱٤٤ ـ

ومنىٰ مصر في أيام الموسم لوجود الخليفة أو نائبه، والسكك والأبنية فيها فتقام الجمعة فيها حينئذٍ ...... وفي قولهم بتمصرها أيام الموسم إيماء إلى أنها لا تقام في غير أيامه لزوال تمصرها بزوال الموسم. (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/ ۳٥۳ - ۳٥٤)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲٤۷ - ۲٤۸ ـ

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة دارالكتاب ديوبند ص: ٥۱۳ ـ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

مدرسہ علوم دینیہ کا موجود ہے اور بازار بھی موجود ہے جن میں اکثر حوائج وضروریات کی اشیاء ہر وقت ملتی ہیں اس موضع میں گور غریباں یا معین کوئی قبرستان نہیں ہے بلکہ مردہ کو اپنے اپنے باغیچہ میں دفن کرتے ہیں۔ غرض اکثر موضع ایسے ہیں جن میں بازار موجود ہیں اور جس میں بازار نہیں ہے اس میں بازار والے موضع میں صرف آدھ میل کا فاصلہ ہے چار پانچ موضع ملکر مجموعہ کا ایک نام ہے اور یہ مواضع بمنزلہ محلّہ جات شہر کے ہیں ان میں زیادہ فاصلہ نہیں لیکن ایام برسات میں دو تین مہینے کشتی کی ضرورت پڑتی ہے اور مہینوں میں مثل ہندوستان کے بلا کشتی کے پھرتے ہیں پس اگر ایسے بڑے قریہ میں جمعہ وعیدین قائم کرلیں عندالشرع صحیح ہوگا یا نہیں۔ جواب مع حوالۂ کتب تحریر فرمائیے؟

الجواب: مذہب حنفیہ میں مصرح ومتفق علیہ ہے کہ مصر شرائط جمعہ میں سے ہے(۱) اور اہل فتاویٰ نے قصبات وقریٰ کبیرہ کو حکم مصر میں فرمایا ہے:

---

(۱) **عن عليؓ قال: لاجمعة، ولاتشريق، ولاصلاة فطر، ولاأضحى، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة.** (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لاجمعة، ولاتشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ٤/٤٦، رقم:٥٠٩٩)

عن الحارث عن عليؓ قال: لا جمعة، ولا تشريق إلا في مصر جامع. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي٣/١٦٧، رقم:٥١٧٥)

عن أبي عبد الرحمن عن عليؓ قال: لاجمعة إلا في مصرٍ جامعٍ، وكان يعد الأمصار البصرة، والكوفة، والبحرين، ومصر، والشام، والجزيرة وربما قال: اليمن واليمامة. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجس العلمي ٣/١٦٨، رقم: ٥١٧٧)

وشرط أدائها المصر: أي شرط صحتها أن تؤدي في مصرٍ حتى لا تصح في قرية ولا مفازة الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/٢٤٥، كوئٹه ٢/١٤٠)

ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٣/٥، كراچي ٢/١٣٧)

هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ١/١٦٨ ـ

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ١/٣٥٢ ـ

كما في رد المحتار عن القهستاني: وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة ألتى فيها أسواق (إلى قوله) لا تجوز في الصغيرة التى ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات.(۱)

رہا یہ کہ مصر اور قصبہ اور قریہ کبیرہ کی کیا حقیقت ہے؟ سو مصر کے باب میں خود صاحب مذہب کا جو قول ہے اس کو علامہ شامیؒ نے تحفہ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ:

عن أبي حنيفة: أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم إلى قوله وهذا هو الأصح.(۲)

اور قصبات اور قریٰ کبیرہ کی تعریف اوپر کی عبارت سے مفہوم ہوتی ہے جس کا حاصل لفظ اسواق وقاضی میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آبادی مصر کی سی ہو اور اس میں حاکم بھی ہو پس جو قریٰ سوال میں مذکور ہیں وہ نہ مصر ہیں نہ قصبہ نہ قریۂ کبیرہ لہٰذا وہاں جمعہ صحیح نہیں البتہ اگر کوئی آبادی ایسی ہو کہ اہل عرف اس کے مجموعۂ اجزاء کو باوجود کسی قدر فصل کے ایک آبادی سمجھتے ہوں وہاں مجموعہ کا اعتبار کیا جاوے گا لیکن صرف ایک نام ہونا کافی نہیں کیونکہ ضلع وقسمت (*) کا نام بھی ایک ہی ہوتا ہے بلکہ وحدۃ تسمیہ کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کو ایک آبادی سمجھتے ہوں۔ واللہ اعلم،

۲۷ رمحرم ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۱)

(*) قسمت کے معنی ضلع اور صوبہ دونوں ہیں اور یہاں دونوں صحیح ہو سکتے ہیں۔ ۱۲ سعید احمد پالن پوری

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۶، كراچي ۲/۱۳۸۔

ولاشک في جواز الجمعة في البلاد، والقصبات، وهذا الذي قاله من حيث كون الموضع مصرًا أو لا. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۵۲)

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۵، كراچي ۲/۱۳۷۔

وفي حد المصر أقوال كثيرة، اختاروا منها قولين: أحدهما ما في المختصر، ثانيهما ما عزوه لأبي حنيفةؒ: أنه بلدة كبيرة فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، ←

بڑے گاؤں میں جواز جمعہ کے متعلق ایک اور سوال

سوال (۵۴۴): قدیم ۱/ ۶۲۱ - (اصل سوال) جناب مولانا صاحب السلام علیکم، بعد سلام کے عرض ہے کہ موضع ساران ضلع میرٹھ کا ایک قریہ ہے اور اس میں جاٹ مسلمان رہتے ہیں اور ہر چہار جانب اس کے دیگر دیہات میں جاٹ ہندو رہتے ہیں پانچ پانچ چار چار کوس کوئی گاؤں مسلمانوں کا نہیں ہے اس گاؤں ساران میں تین مسجدیں ہیں اور قدیم سے اس جگہ جمعہ اور عیدین کی نماز ہوتی ہے دیگر دیہات قرب وجوار کے مسلمان جو بطور رعیت کے رہتے ہیں وہ ہمیشہ عیدین کی نماز یہاں آکر پڑھتے ہیں اپنے اپنے قربانی کے جانور یہاں لاکر ذبح کرتے ہیں کیونکہ یہ موضع بطور مرکز کے ہے درمیان دائرہ کے یعنی ہر چہار جانب ہندو اور یہاں مسلمان ہیں، مردم شماری یہاں کی تین ہزار تین سو ہے بائیس دوکانیں مہاجنان کی ہیں مدرسہ سرکاری بھی قائم ہے اور خلیفہ عبد الرحمٰن صاحب یہاں منجانب سرکار واسطے انفصال مقدمات کے منصف مقرر ہیں اور پیش امام سید ساکن گنگرو باپ دادا سے امامت کراتے چلے آتے ہیں بیس تیس بلکہ زیادہ ناظرہ خواں دو حافظ قرآن خواں اور دس بیس آدمی منشی وحکیم وغیرہ یہاں موجود ہیں قدیم سے جمعہ ہوتا ہے: لیکن جب سے یہ چرچا ہوا کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا دیہات گردونواح کے نمازی نہیں آتے اور یہاں کے بھی اکثر سستی کرتے ہیں اور مسجد اس قدر بڑی ہے کہ شاید دس بیس قصبوں میں نہ نکلے اور پنجگانہ نمازی سوسوا سو جمع ہوجاتے ہیں اور مولوی مظفر حسین صاحب بھی یہاں تشریف لائے ایک دو دفعہ تو انہوں نے بھی یہاں جمعہ پڑھا۔

← **وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه، أو علم غيره والناس يرجعون إليه في الحوادث، قال في البدائع: و هو الأصح وتبعه الشارح وهو أخص ما في المختصر.** (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/ ٢٤٦، كوئٹه ٢/ ١٤٠)

حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ٥٥٠۔

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٢٤٧۔

الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/ ٥٤٩، رقم: ٣٢٦٦ ـ **شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ**

اب دیگر علماء یہاں آتے رہے اور وہ بھی نماز جمعہ پڑھتے رہے- اور اب بھی جمعہ ہوتا ہے- مگر برادری کے دوگروہ ہوگئے ہیں ایک ابھی پڑھتا ہے اور ایک انکار کرتا ہے؛ لہٰذا یہ پرچہ قرطاس حضور کی خدمت میں ارسال کرکے امیدوار ہیں کہ جواب اس کا مفصل ومشرّح تحریر فرماکر بھیجدیں کہ یہاں جمعہ ہوتا ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب: یہ مسئلہ تو صحیح ہے کہ دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز مذہب حنفی میں درست نہیں(۱) مگر مراد ان دیہات سے وہ قریے ہیں جن کی حالت قصبہ کی سی نہ ہو اور جن کی حالت قصبات کی سی ہو اس کا حکم مثل قصبات وامصار کے ہے اور موضع ساران کی جو حالت سوال میں لکھی ہے کہ مردم شماری تین ہزار

---

(۱) **عن عليؓ قال: لاجمعة، ولاتشريق، ولاصلاة فطر، ولاأضحى، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة.** (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لاجمعة، ولاتشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ٤/ ٤٦، رقم:٥٠٩٩)

عن الحارث عن عليؓ قال: لا جمعة، ولا تشريق إلا في مصر جامع. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي٣/ ١٦٧، رقم:٥١٧٥)

عن أبي عبد الرحمن عن عليٍّ قال: لا جمعة إلا في مصرٍ جامعٍ، وكان يعد الأمصار البصرة، والكوفة، والبحرين، ومصر، والشام، والجزيرة وربما قال: اليمن واليمامة. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجس العلمي ٣/ ١٦٨، رقم: ٥١٧٧)

وشرائط أدائها المصر: أي شرط صحتها أن تؤدي في مصرٍ حتى لاتصح في قرية ولا مفازة الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٢/ ٢٤٥، كوئٹه ٢/ ١٤٠)

ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ٣/ ٥، كراچي ٢/ ١٣٧)

هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ١/ ١٦٨ ـ

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ١/ ٣٥٢ ـ

تین سو کی ہے وغیرہ وغیرہ اس حالت کے اعتبار سے وہ حکم میں قصبہ کے ہے، جس کو فقہاء نے قریۂ کبیرہ سے تعبیر کر کے جمعہ وعیدین کو صحیح کہا ہے، اس بناء پر موضع مذکور میں عیدین و جمعہ درست ہے۔(۱) واللہ اعلم

۱۰/ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ

اس جواب کے لکھنے کے بعد جس کی نقل اوپر موجود ہے احقر نے خود موضع ساران کو دیکھا تحقیق سے معلوم ہوا کہ مردم شماری میں تعداد مندرجۂ سوال بالا سے اور بھی اضافہ ہوا ہے اور دوکانیں بھی زیادہ ثابت ہوئیں یعنی قریب چالیس کے۔ البتہ متصل نہیں ہیں، اور باقی حالات جو سوال میں مذکور ہیں سب صحیح محقق ہوئے۔ اس کے بعد روایات فقہیہ کی طرف رجوع کیا مصر کے بارے میں اقوال بکثرت ہیں بعض میں افراط ہے بعض میں تفریط، بعض اعدل واوسط ہیں اور وہی احق بالقبول ہیں اور ہر حال میں موضع مذکور اعدل الاقاویل پر مصر میں تو داخل نہیں؛ لیکن فقہاء کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ قصبات وقریٰ کبیرہ بھی حکم مصر میں ہیں؛ چنانچہ ردالمختار ج ا ص ۸۳۶ میں مصرح ہے۔

وعبارة القهستانی وتقع فرضا في القصبات والقریٰ الكبيرة التی فيها أسواق إلى قوله لا يجوز في الصغيرة التی ليس فيها قاض ومنبر وخطيب. اھ(۲)

اور نظر بر حالت مذکورۂ سوال ومحققہ بعد السوال موضع مذکور قریٰ کبیرہ میں ضرور داخل معلوم ہوتا ہے اور کبیرہ وصغیرہ میں مابہ الفرق اگر آبادی کی مقدار لی جاوے تو اس کا مدار عرف پر ہوگا اور عرف کے تتبع سے

---

(۱) **تقع فرضًا في القصبات والقریٰ الكبيرة التي فيها أسواق الخ.** (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ٦، كراچي ۲/ ۱۳۸)

ولاشک في جواز الجمعة في البلاد، والقصبات. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۵۲)

(۲) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/ ٦، كراچي ۲/ ۱۳۸۔

ولاشک في جواز الجمعة في البلاد، والقصبات، وهذا الذي قاله من حيث كون الموضع مصرًا أولا. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبة اشرفية ديوبند ص: ۵۵۲)

معلوم ہوا کہ حکام وقت جو کہ حکمائے تمدن بھی ہیں چار ہزار کی آبادی کو قصبہ میں شمار کرتے ہیں اور چار ہزار کے قریب بوجہ معتبر نہ ہونے کسر کے حکم میں چار ہزار کے ہے پس موضع مذکور اگر قصبہ نہیں ہے تو قریہ کبیرہ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں - اور مؤید اس کی وہ حکایت ہے جو بعض احباب ساکنان بڑوت سے جو کہ موضع مذکور میں ملاقی ہوئے مسموع ہوئی کہ باغپت کے تحصیلدار صاحب سے معلوم ہوا کہ سرکار کا ارادہ چند مواضع کو قصبات میں شمار کرنیکا ہے اور بعض جگہ اس کا انتظام بھی شروع ہوگیا ہے منجملہ ان کے موضع مذکور بھی ہے اور اگر مابہ الفرق وہ صفات لی جاویں جو روایت مرقومہ میں کبیرہ صغیرہ کی صفت میں وارد ہیں یعنی اسواق وحاکم وخطیب ومنبر کا ہونا نہ ہونا تو بھی موضع مذکور قریٰ کبیرہ میں داخل ہے؛ کیونکہ اسواق بقرینہ مقام اسم جنس ہے جو واحد کو بھی شامل ہے سواتنی دوکانوں سے ایک سوق کا مہیا ہوجانا متیقن ہے، اب صرف شبہ عدم اتصال سے ہوسکتا ہے سوتأمل کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوق کے اشتراط کا حاصل یہ ہے کہ ہروقت کے حوائج ضروری میں وہاں کے سکّان دوسرے مصر کے محتاج نہ ہوں سو اس غرض کے حصول میں اتصال وانفصال برابر ہے چنانچہ مولانا بحرالعلوم نے رسالہ ارکان اربعہ میں اپنے والد قدس اللہ سرہ کا قول جونقل کیا ہے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حیث قال وكان مطلع الأسرار أبي قدس سره يفتي بأن المصر موضع يندفع حاجة الإنسان الضرورية من الأكل بأن يكون هناک من يبيع طعاماً والكسوة الضرورية وأن يكون هناک أهل حرف يحتاج إليهم كثيرًا. اه ص ۱۱۴ (۱) وأيضاً يؤيده ما في المضمرات في تعريف المصر هو أن يعيش كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج الى حرفةٍ أخرى مجموع الفتاویٰ لمولانا عبدالحئ ج۳ ص ۶۲ (۲)

---

(۱) رسائل الأركان، كتاب الصلاة، فصل في الجمعة ص: ۱۱٤، بحواله فتاوى رحيميه جديد ٦/ ٩٠۔

(۲) مجموع الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى، كتاب الصلاة، أفعال الصلاة مكتبة اشرفية ديوبند ١/ ١٣٢۔

اسی طرح حاکم کا ہونا عام ہے کہ بڑا ہو یا چھوٹا ہو سو موضع مذکور میں منصف کے مقرر ہونے سے یہ امر بھی حاصل ہے اور منبر اور خطیب کا ہونا تو خود فرع ہے حالت مذکورہ کی، کہ ایسی جگہ عادۃً خطیب و منبر ہوتا ہی ہے و نیز چند صاحبوں سے مسموع ہوا کہ کسی وقت میں جبکہ یہاں افغان آباد تھے بارہ تیرہ ہزار کی مردم شماری تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ درمیان میں کوئی زمانہ ویرانی محض کا اس پر نہیں گزرا پس اس وقت تو صحت جمعہ یہاں یقینی تھا اور بقاعدہ **الیقین لا یزول بالشک.** (۱) جب تک کہ کسی وقت ایسی حالت نہ ہو کہ بالیقین جمعہ غیر صحیح ہو اس وقت تک بحکم استصحاب حال صحت مذکورہ کو باقی سمجھیں گے اور ایسی حالت کا تخلل نہ درمیان میں ثابت ہوا اور نہ اب ہے پس حالت اشتباہ میں بھی جانب صحت کی راجح ہوگی و نیز ترک جمعہ سے جو آثار وہاں واقع ہوئے یا متوقع ہیں مثل ترک کر دینے جوار کے بعض لوگوں کے نماز کو اور مثل نااتفاقی باہمی کے جس سے ان لوگوں کے مساعی متعلقہ اصلاح الرسوم میں ضعف قوی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے ان کا مقتضا بھی یہی ہے کہ اگر جواز جمعہ کی بقول مرجوح بھی گنجائش ہو تو حکم جواز کا کر دیا جائے ہاں اگر عدم صحت متیقن ہوتی تو دوسری بات تھی مگر عدم صحت درجہ یقین میں نہیں غایت مافی الباب حالت اشتباہ کی ہے **کما یظهر بالإمعان** اور اگر اشتباہ کو قوی سمجھا جاوے تو ظہر احتیاطی کا بھی امر کر دیا جاوے بعد تحریر تقریر ہذا اسلام نگر ضلع سہارنپور سے فیض محمد خاں صاحب ابن حاجی محمد یاسین خان صاحب کا میرے خط کے جواب میں خط آیا انہوں نے وہاں کی مردم شماری تین ہزار تین سو چھ آدمی لکھی ہے اور دو کانیں ۱۹ بطور مختلف اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اجازت واسطے جماعت نماز جمعہ کے لکھی ہے جس کی روایت اپنے والد و دیگر اشخاص سے لکھی ہے اس سے بھی تائید فتویٰ ہذا کی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ اشرف علی ۱۱ / صفر ۱۳۲۸ھ

---

(۱) الأشباه والنظائر، القاعدة الثالثة اليقين لايزول بالشك، قديم ص: ۱۰۰ ۔ شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

اس پر مولانا صدیق احمد صاحب کاندھلوی کا والا نامہ آیا

جو ذیل میں منقول ہے

ملجائے نیاز منداں جناب مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم العالیٰ، از بندۂ ناچیز صدیق احمد عفی عنہ بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ معروض خدمت فیض درجت اینکہ والا نامہ شرف صدور لاکر باعث افتخار رہوا بندہ نے چاہا کہ فتویٰ عالیہ کو فی الفور ساران روانہ کردے لیکن کوئی آدمی نہیں ملا اور نیز بندہ بڑوت چلا گیا تھا کل لفافہ ملا لیکن بندہ کو آپ کی تحقیق کے بعد چند خلجان فقہاء کے کلام میں لاحق ہو گئے اس لئے مؤدبانہ ان کی استکشاف کا مستدعی ہے اولا ارشاد ہے کہ موضع ساران اگر قصبہ نہیں ہے تو قریۂ کبیرہ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں آپ نے شامی میں **وتقع فرضا في القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق.** (۱) کا حاشیہ لکھا ہے: **القصبات جمع قصبة وهی القریة فیکون عطف القریٰ علیه عطف تفسیری.**

جبکہ فقہاء کے نزدیک قصبہ اور قریۂ کبیرہ ایک چیز ہے یہ تفرقہ کیوں کیا جاتا ہے؟ اگر یہ غرض ہے کہ ہمارے عرف میں قصبہ نہیں تو یہ امر خارج از مبحث ہے آبادی کی مقدار کو قصبہ یا قریۂ کبیرہ کی تحقیق میں اگر دخل ہے تو اس وجہ سے ہے کہ تتبع سے معلوم ہوا کہ اس مقدار میں شروط مصریت کا تحقق غالبا ہو جاتا ہے یعنی چار ہزار سے زائد میں **وجود سکک وأسواق وابنیه** مثل ابنیہء منیٰ قائم ہو جاتا ہے اور فقہائے سابقین سے بھی یہ تخمین وتتبع منقول ہے چنانچہ عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

لانسلم أن جواثی قریة بل هی مدینة کما حکینا عن البکری وغیره حتی قیل کان یسکن فیها فوق أربعة آلاف والقریة لاتکون کذلک. (۲)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مکتبة زکریا دیوبند ۳/ ۶، کراچي ۲/ ۱۳۸۔

(۲) عمدة القاري، کتاب الجمعة، باب الجمعة في القریٰ والمدن، مکتبة زکریا دیوبند ۵/ ۴۰، تحت رقم الحدیث: ۸۹۲، مکتبة دار إحیاء التراث العربي ۶/ ۱۸۷۔

یعنی چار ہزار سے زائد میں مقدار قریہ نہیں ہوتی بلکہ قصبہ یا شہر ہوتی ہے اور حکام وقت کے عرف کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ چار ہزار سے کم قصبہ نہیں بناتے تو عرف شرعی اور عرف حکمائے تمدن کے اعتبار سے چار ہزار سے کم ہرگز قصبہ یا قریہ کبیرہ نہ ہوا، اور چونکہ عدد مذکور حد محدود ہے تو کسر کالعدم نہ سمجھی جاوے گی اور حضرت خاں صاحب کی حکایت غپ شپ سمجھئے وہ ہرگز قابل التفات نہیں، باقی رہا أسواق و سكك و ابنية منىٰ سو بندۂ ناچیز کے خیال میں یہ امور قریٰ کبیرہ، صغیرہ میں فارق و ما بہ الامتیاز ہوئے۔

ملاحظہ فرمائیے شیخ کمال الدین بن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے:

وقد وقع الشک في بعض قرى مصر مما ليس فيها والٍ وقاضٍ نازلان بها بل لها قاض يسمى قاضى الناحية فيأتى القرية أحيانا...... ووالٍ كذلک هل هو مصر نظراً إلى أن لها واليا وقاضيًا أو لا نظراً إلى عدمهما بها؟ والذى يظهر اعتبار كونهما مقيمين بها وإلا لم تكن قرية أصلا إذ كل قرية مشمولة بحكم.(۱)

قال في النهر: مقتضى اشتراط أن تبلغ أبنيتها أبنية منى وكذا مامر عن الإمام من اشتراط أن يكون لها سكک وأسواق عدم تمصرها ولو كانا مقيمين بها ويوافقه مامر عن الخلاصة أي من قوله الخليفة: إذا سافروهو في القرىٰ ليس له أن يجمع بالناس وسيأتى ما يؤيده أيضاً انتهىٰ قلت ينبغى حمل كلام هذا الإمام المحقق على القرية المستوفية بقية الشروط لأنه أجل من أن يخفى عليه مثل ذلک حاشية البحر لابن عابدين.(۲)

(۱) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۵۱، كوئٹه ۲/۲۵ ـ

(۲) منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۴۸، كوئٹه ۲/۱۴۱ ـ

النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۵۳ ـ

حاصل کلام یہ ہے کہ محقق ابن الہمام کے کلام کا تبادر یہ ہے کہ قاضی اور والی اگر مقیم قریہ ہوں گے تو مصر اصطلاحی محقق ہو جائے گا صاحب نہر نے اعتراض کیا کہ یہ غلط ہے وجود ابنیہ مثل منی اور سکک اور اسواق کا وجود تحقق مصر اصطلاحی میں ضروری ہے چنانچہ اگر بادشاہ سفر کر کے مقیم قریہ ہو تو نماز جمعہ نہیں پڑھ سکتا اور مصر میں پڑھ سکتا ہے صاحب ردالمحتار نے اعتراض تسلیم کر کے عذر کر دیا کہ محقق کا کلام قریہ مستوفیہ شروط پر محمول ہے تو معلوم ہوا کہ مصر اصطلاحی کا تحقق وجود سکک و اسواق و ابنیہ مثل ابنیہ منی پر موقوف ہے اور جبکہ مصر کا تحقق سکک وأسواق وابنیہ پر موقوف ہے تو کم از کم مصر میں تین کوچے اور تین بازار ہونے چاہئیں اور عرف میں بازار دکاکین مجتمعہ مسلسلہ کا نام ہے لیکن مجمع البحار میں ہے۔

السوق سميت بها لأن التجار تجلب إليها وتساق المبيعات نحوها. (۱)

یعنی اس لئے سوق نام ہوا کہ تجار اس کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور اموال مبیعہ اس کی طرف لائے جاتے ہیں اور حد مصر میں بازار اس کا نام ہے کہ کثرت تجار و کثرت امتعہ خواہ متصل ہوں خواہ منفصل مگر کم سے کم تین جگہ بھیڑ بھڑ کا ہو علامہ عینیؒ شعر امرأالقیس کو استدلال میں لائے ہیں **ورحنا كأنا من جواثي عشية نعالى النعاج بين عدل ومحقب يريد كأنامن تجارجواثیٰ لكثرة مامعهم من الصيد وأراد كثرة امتعة تجارجواثیٰ قلت كثرة الأمتعة تدل غالباً على كثرة التجار وكثرة التجار تدل على أن جواثیٰ مدينة قطعاً انتهیٰ.** (۲)

تو انصاف کی ضرورت ہے کہ قریہ ساران میں کہاں بھیڑ بھڑ کا تجار کی ہے اور کس جگہ کثرت ہے اور دکاکین متفرقہ کا مقامات متفرقہ بلا کثرت امتعہ وتجار کون سے بازار پر محمول کریں عرفی یا شرعی میرا خیال یہ ہے کہ بازار اصلا نہیں مگر چونکہ ہر قریہ میں بقدر جماعت سکان دو چار دوکانیں ہوا کرتی ہیں اور ان دو کانوں سے وہ قریہ ہونے سے خارج نہیں ہوتا اسی قسم کی سمجھئے اور مصر مصطلح میں جو بازار ہے وہ اہل سوق اور اہل تجارت بنانے کیلئے ہے جو خواص امصار وقصبات سے ہے جس کے اتصاف سے اہل قری معری ہیں

---

(۱) مجمع بحار الأنوار، مكتبة دار الايمان المدينة المنورة ۳/ ۱۵۲۔

(۲) عمدة القاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرىٰ والمدن، مكتبة زكريا ديوبند ۵/ ۳۹، رقم: ۸۹۲، مكتبة دار إحياء التراث العربي ۶/ ۱۸۷۔

غالباً یہی وجہ ہوگی کہ نماز کے باب میں جہاں کہیں امر کیا ہے جیسے: اَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ .
(۱) اور وَاَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ . (۲) وغیرہ وغیرہ اس میں تجارت وغیرہ سے کچھ تعرض نہیں کیا اور اطلاق رکھا اور خاص جمعہ میں اہل اسواق اور اہل تجارت کو خاصۃً خطاب فرمایا ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِىَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوْا الْبَيْعَ . (۳) اور آگے وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا . (۴)

اور حاصل کلام والد مرحوم بحر العلوم یہ ہے کہ مصروہ ہے کہ جس میں جمیع مایحتاج ملتی ہو بندہ کو تجربہ صحیحہ مکررہ سے معلوم ہو چکا کہ مایحتاج اس قریہ میں نہیں ملتی کیا سونف کا سنی ہے وہ بھی ٹیکری سے لاتے ہیں اور وہ جو امیر کی جگہ منصف مقرر کیا ہے۔

قال في رد المحتار: ثم المراد من الأمير من يحرس الناس ويمنع المفسدين ويقوى أحكام الشرع كذا في الرقائق انتهىٰ.(۵)

اور ان حضرات کا کام صرف اتنا ہی ہے کہ بیس روپیہ کا دعویٰ مع سودڈگری کر دیتے ہیں اور وہ جو کہا جاتا ہے زمانہ افغان میں بارہ تیرہ ہزار کی آبادی تھی اول تو دعویٰ بلا دلیل ہے علاوہ ازیں۔

فجازت الجمعة بمنىٰ في الموسم فقط لوجود الخليفة أوأمير الحجاز أوالعراق أو مكة ووجود الأسواق والسكك درمختار أي فلا يصح في منى في غير أيام اجتماع الحاج فيها لفقد بعض الشروط ردالمحتار.(۶)

---

(۱) سورة بني إسرائيل آيت: ۷۸۔

(۲) سورة الهود آيت: ۱۱٤۔

(۳) سورة الجمعة آيت: ۹۔

(۴) سورة الجمعة آيت: ۱۱۔

(۵) شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۶، كراچي ۲/۱۳۸۔

(۶) الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۳/۱٤، كراچي ۲/۱٤٤۔

ومنىٰ مصر في أيام الموسم لوجود الخليفة أو نائبه، والسكك والأبنية فيها فتقام الجمعة فيها حينئذٍ ...... وفي قولهم بتمصرها أيام الموسم إيماء إلى أنها لا تقام في غير أيامه ←

یہاں استصحاب حال کا محل نہیں بلکہ ارتفاع الحکم بارتفاع العلۃ ہے یعنی جواز جمعہ کی علت مفقود ہوئی اور عدم جواز یقینی ہوگیا **الیقین لایزول بالشک** کا محل نہیں رہا بلکہ **الیقین لایزول إلا بالیقین** کا محل ہے اور جو حضرت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی نسبت افتاء جواز جمعہ کیا گیا وہ محض افترا ہے مجھ کو یقینی معلوم ہے کہ حضرت قدس سرہ چار ہزار سے زائد پر فتویٰ دیتے تھے لاغیر اور جو کچھ مفاسد جواز جمعہ کے فتویٰ سے لاحق ہوتے ہیں علماء کو ان کا لحاظ ضروری ہے نفل کی جماعت تداعی کیساتھ بدعت اور مکروہ تنزیہی ہے اور ظہر جو اصل فریضۂ وقت ہے اس کا ترک یا جماعت کا ترک لازم آتا ہے اب بندہ منتظر ہے کہ ان مضایق سے میری خلاصی فرمادیں۔ بینوا توجروا؟ راقم بندہ صدیق احمد از کاندھلہ

الجواب عن المکتوب السابق

بخدمت مولانا المخدوم المکرّم دامت برکاتہم از احقر اشرف علی عفی عنہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ارشادات عالیہ کے بعد کچھ عرض کرنا بلاشبہ سوءِ ادب سے خالی نہیں لیکن جناب کا اذن اول رقیمہ کریمہ میں اور امر اس کے آخر میں حامل اظہار مافی الضمیر پر ہوا، رجاء عفو کے ساتھ یہ بھی التماس ہے کہ اس معروضہ پر اگر اور کچھ ارشاد ہو تو بدیں سبب کہ مکرر عرض کرنے کی میری ہمت نہیں مجھ کو اطلاع کی بھی حاجت نہیں ہے بلکہ اس سے احسن بشرطیکہ طبع سامی کو ناگوار نہ ہو یہ ہے کہ قلمبند فرماکر مع دیگر تحریرات سابقہ متعلقہ شقین کے دیوبند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب مدظلہم کی خدمت میں یا سہارنپور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب دام فیضہم کے پاس ارسال فرمادی جاویں اور اگر مصلحت ہو تو دونوں شق کے مضامین کی محض نقل بلا اظہار نام صاحب

← **لزوال تمصرها بزوال الموسم.** (النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مكتبة زكريا ديوبند ۱/۳۵۳-۳۵۴)

وجازت الجمعة بمنىً في الموسم فيه إيماء إلى أنها لا تقام فيها في غير أيامه لزوال تمصرها بزوال الموسم. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مكتبة دار الكتاب ديوبند ص: ۵۱۳)

مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۸۔

مضمون بھیجدی جاوے تا کہ وہ حضرات اپنی رائے آزادی سے ظاہر فرماسکیں اور اگر حکم ہوتو وہاں بھیجنے کی خدمت کو میں انجام دیدوں پھر اگر باحتمال بعید احقر کے موافق ہوتب بھی اس کے اعتقاد پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر جناب کے موافق ہوتو میں اس پر ضرور عمل کرونگا اور اگر وہاں بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتو میں آخری رائے کا اعلان یا اس کے موافق فتویٰ نہ دوں گا۔

اب مدعا عرض کرتا ہوں یہ ارشاد کہ حاشیہ لکھا ہے الخ حاشیہ میں نے نہیں دیکھا معلوم نہیں محشی کون ہیں اور علی التقدیر واالتسلیم صرف تسامح عنوان میں ہوگا معنون پر نظر کر کے یوں کہد یا جاویگا کہ یہ قصبہ و قریۂ کبیرہ ہے، باعتبار حقیقت کے گو باعتبار تسمیہ کے نہ ہوا اور عمدۃ القاری کے قول **و القرية لايكون كذلك** سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اتنی آبادی کو قریہ نہ کہیں گے مگر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس سے کم کو قصبہ نہ کہیں گے چونکہ جواثی میں اتفاق سے چار ہزار سے زیادہ آبادی نہ تھی اس لئے کلام میں اسی عدد کا ذکر آ گیا اور ہر حال میں عدد مذکور چونکہ منصوص شرعی نہیں لہذا تحدید حقیقی نہ کہیں گے محض تخمین کہیں گے جس میں کسر کی کمی بیشی غیر معتبر ہوتی ہے اور یہ صحیح ہے کہ تمصر میں وجود سکک واسواق وابنیہ مثل منیٰ کو دخل ہے؛ لیکن قریہ معہودہ میں سکک کا وجود تو ظاہر ہے ابنیہ بھی ہیں اور کثرت سے ہیں رہا منیٰ کی حد کو پہنچنا سوخود ابنیہ منی ہی کا عدد معلوم نہیں کہ نفی اثبات میں مماثلت کا دعویٰ ہو سکے غالباً مقصود مثال سے کثرت معتد بہا ہے سووہ حاصل ہے، رہے اسواق سو میرے نزدیک اشتراط سوق کی جو بناء ہے کہ وہ لوگ دوسرے مصر کے غالب حوائج میں محتاج نہ ہوں اس پر نظر کر کے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ جمعیت اسواق کی عدد کیلئے نہیں بلکہ جنسیت کیلئے ہے ورنہ تین بازار تو بعض قصبات میں بھی نہیں اور اس بناء پر اتصال حوانیت کا شرط نہیں معلوم ہوتا، رہا مجمع کا قول سووہ وجہ تسمیہ سے ہے جس کی غرض محض مناسبت مصححۃ الاطلاق کا بیان کرنا ہوتا ہے نہ کہ اس کا مدار حکم وجوداً ویقیناً ہوتا ہے جیسا کہ سفر کی وجہ تسمیہ میں کہا ہے:

لأنه يسفر أي يكشف عن أخلاق الرجّال. (۱)

اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر کوئی سفر کاشف نہ ہوتو اس پر احکام سفر قصر وغیرہ مرتب نہ ہونگے پھر بعد تسلیم تُجّار وامتعہ عام ہے قدر ضروری وزائد علیہ کو البتہ کم کالعدم ہے اور عینی کا قول:

---

(۱) **وسمى السفر سفرًا لأنه يسفر عن وجوه المسافرين وأخلاقهم فيظهر ما كان خافيًا.** (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۶/۲۵)

وكثرة التجار تدل علىٰ أن جواثيٰ الخ (۱) استلزام الكثرة للمدينة کو بتلاتا ہے اور ظاہر ہے کہ انتفاء ملزوم مستلزم نہیں ہے انتفاء لازم کو اور بعض اوقات **ما يحتاج إليه** کا نہ ملنا یہ بسا اوقات ان قصبات میں بھی پیش آتا ہے جن کا قصبہ ہونا مسلم و متفق علیہ ہے، اسی طرح ایسا امیر نہ ہونا بعض ان قصبات میں بھی پیش آتا ہے جن کا قصبہ ہونا مسلم و متفق علیہ ہے جلال آباد ولوہاری میں پولیس کا افسر تک نہیں صرف چوکیدار رہتے ہیں مگر چونکہ یہ صرف امارات ہیں اس لئے ان کا فقدان مضر نہیں اور استصحاب کا حکم اس تقدیر پر کیا تھا کہ بعد قریۂ کبیرہ ثابت ہونے کے یقینی صغیرہ ہونا متخلل نہ ہوا ہو گو کبیرہ ہونا نہ ہونا مشتبہ ہو سو اگر کبیرہ ہونا مظنون بھی نہ ہو، تاہم مشتبہ ضرور ہے اس سے **اليقين لايزول بالشك** کا یہ محل ہوسکتا ہے باقی اتنی آبادی کا ثبوت شہریت یا کاغذ اہل قریہ کے پاس ہوگا مجھ کو تحقیق نہیں اور اگر نہ بھی ہو تو یہ محض تائید تھی مدار حکم نہیں اور اسلام نگر میں فتویٰ صحت کا افترا ہرگز نہیں حاجی محمد یاسین خان نہایت ثقہ آدمی ہیں اور مولانا کے نہایت جاں نثار اور فرماں بردار مخصوصین میں سے ہیں ان سے میں نے بھی سنا ہے۔

اور مولانا کا فتویٰ چار ہزار سے کم پر نہ ہونا باعتبار خاص حالات کے ہوگا جہاں دوسرے امارات بھی مرجح قریہ ہونے کے ہوں حاجی جی اب مدینہ طیبہ میں ہیں مگر خط منگایا جاسکتا ہے اور غالباً اسلام نگر میں اور بھی ثقہ راوی اس کے مشاہد موجود ہونگے اور فیض محمد خان مقیم بڑوت سے میں نے مکرر اس حکایت کی تحقیق کو کہا ہے، دوسرے یہ بھی محض تائید تھی اور مفاسد جواز جمعہ فی القریٰ کے سب مسلّم ہیں مگر جبکہ یقین ہو عدم جواز جمعہ کا اور موضع معہود میں اس میں کلام ہے۔ والسلام مع الاکرام خیر ختام، ۲۵ رصفر ۱۳۲۸ھ اس کے بعد پھر ایک بار مراجعت مکاتبت کی ہوئی جس کی نقل محفوظ نہیں جس کے بعد خود اس احقر کو اپنے جواب میں تردد ہو گیا اور عمل میں مولانا صدیق احمد صاحب کے ساتھ میں نے موافقت کی۔ فقط (ترجیح ثانی ص ۱۷۱)

---

(۱) عمدة القاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرىٰ والمدن، مكتبة زكريا ديوبند ٥/ ٣٤، رقم: ٨٩٢، مكتبة دار إحياء التراث العربي ٦/ ١٨٧- شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ